

فتاویٰ ناموس انبیاء علیہم

الصلوة والسلام

جلد اول

مرتب

محمد خالد البلوشی الحنفی

فاضل جامع مطلع العلوم کوئٹہ بلوچستان پاکستان

کتاب کا نام: فتاویٰ ناموس انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام جلد اول
 مرتب: محمد خالد حنفی
 صفحات: ۵۳۶
 سائز: ۲۰×۲۶
 ناشر:
 سن اشاعت:
 تعداد:

رابطہ

Gmail: khalidhanfi11@gmail.com

03379735574

03185110565

محترم قارئین! اپنی بساط کے مطابق بھرپور توجہ سے پروف
 ریڈنگ کی گئی ہے کہ غلطی نہ رہے، پھر بھی انسان کمزور ہے اور
 غلطی کا امکان موجود ہے۔ قارئین مطلع فرمادیں تو آئندہ
 درستگی ہو سکتی ہے۔ (حنفی)

فہرست مضامین

- ﴿۱﴾: دعائیہ کلمات: استاذ العلماء حضرت اقدس مولانا سید محمد طاہر شاہ ہاشمی صاحب دامت برکاتہم۔
- ﴿۲۰﴾: تقریظ: حضرت مولانا مفتی عبدالواحد قریشی صاحب دامت برکاتہم —
- ﴿۲۱﴾: تقریظ: شیخ الحدیث حضرت مولانا عزیز الرحمن ہزاروی صاحب دامت برکاتہم۔
- ﴿۲۲﴾: تقریظ: حضرت مولانا مفتی عبدالرحمن ملا خیل دامت برکاتہم صاحب —
- ﴿۲۳﴾: تقریظ: مفتی اعظم بلوچستان حضرت مولانا مفتی گل حسن صاحب دامت برکاتہم —
- ﴿۲۴﴾: عرض مرتب —
- ﴿۲۵﴾:

انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کا بیان

- ﴿۱﴾: نبوتِ تشریفِی و غیر تشریفِی _____ ﴿۲۶﴾
- ﴿۲﴾: نبوتِ تشریفِی اور غیر تشریفِی میں فرق _____ ﴿۲۶﴾
- ﴿۳﴾: عصمتِ انبیاء علیہم السلام اور ان کی طرف منسوب الفاظ کا صحیح مفہوم _____ ﴿۲۹﴾
- ﴿۴﴾: عصمتِ انبیاء علیہم السلام _____ ﴿۳۱﴾
- ﴿۵﴾: تحقیقِ عصمتِ انبیاء _____ ﴿۳۴﴾
- ﴿۶﴾: عصمتِ صبی اور عصمتِ نبی میں کیا فرق ہے؟ _____ ﴿۳۷﴾
- ﴿۷﴾: عصمتِ انبیاء پر شیعہ کے استدلال کا جواب _____ ﴿۳۹﴾

- ﴿ ۸ ﴾: انبیاء قبل النبوة بھی معصوم تھے _____ ﴿ ۴۰ ﴾
- ﴿ ۹ ﴾: انبیاء قبل النبوت اور بعد النبوت معصوم تھے _____ ﴿ ۴۴ ﴾
- ﴿ ۱۰ ﴾: انبیاء علیہم السلام کی طرف گناہ اور غلطی کی نسبت کرنے والے کا حکم _____ ﴿ ۴۶ ﴾
- ﴿ ۱۱ ﴾: نیند میں بھی انبیاء کرام شیطانی اثرات سے محفوظ رہتے تھے _____ ﴿ ۴۸ ﴾
- ﴿ ۱۲ ﴾: لغزشات انبیاء عصمت کے منافی نہیں _____ ﴿ ۴۹ ﴾
- ﴿ ۱۳ ﴾: معصوم کون لوگ ہیں؟ _____ ﴿ ۵۰ ﴾
- ﴿ ۱۴ ﴾: کوئی غیر نبی بھی معصوم ہے؟ _____ ﴿ ۵۱ ﴾
- ﴿ ۱۵ ﴾: بلا وجہ توہین رسالت کے بارے میں سوال بھی توہین ہے _____ ﴿ ۵۲ ﴾
- ﴿ ۱۶ ﴾: یہود نے کتنے انبیاء کو قتل کیا؟ _____ ﴿ ۵۴ ﴾
- ﴿ ۱۷ ﴾: کپڑے میں انبیاء کرام علیہم السلام کی تصویر بنانا _____ ﴿ ۵۶ ﴾
- ﴿ ۱۸ ﴾: پہلا نبی کون؟ _____ ﴿ ۵۸ ﴾
- ﴿ ۱۹ ﴾: نبیوں کی تعداد کتنی ہے؟ _____ ﴿ ۶۱ ﴾
- ﴿ ۲۰ ﴾: انبیاء و رسل کی تعداد _____ ﴿ ۶۲ ﴾
- ﴿ ۲۱ ﴾: مقتول انبیاء بنی اسرائیل کی تعداد وغیرہ _____ ﴿ ۶۴ ﴾
- ﴿ ۲۲ ﴾: کتنے انبیاء زندہ ہیں؟ _____ ﴿ ۶۶ ﴾
- ﴿ ۲۳ ﴾: رسل سے مراد کون ہیں؟ _____ ﴿ ۶۸ ﴾
- ﴿ ۲۴ ﴾: کیا سرزمین ہند پر کوئی نبی آیا؟ _____ ﴿ ۶۹ ﴾

﴿ ۲۵ ﴾: کیا ہندوستان میں کوئی نبی پیدا ہوا ہے؟ _____ ﴿ ۷۱ ﴾

﴿ ۲۶ ﴾: جنات کی طرف مبعوث انبیاء _____ ﴿ ۷۱ ﴾

﴿ ۲۷ ﴾: کیا ساتوں زمینوں میں انبیاء ہیں؟ _____ ﴿ ۷۳ ﴾

﴿ ۲۸ ﴾: قرآن پاک میں کتنے انبیاء کا ذکر ہے؟ اور ان کے نام کیا ہیں؟ _____ ﴿ ۷۳ ﴾

﴿ ۲۹ ﴾: قرآن کریم میں صرف چند انبیاء کرام علیہم السلام کا ذکر کیوں؟ _____ ﴿ ۷۶ ﴾

﴿ ۳۰ ﴾: انبیاء کرام علیہم السلام کو ان کے موت سے پہلے اختیار دیا جاتا ہے۔ _____ ﴿ ۷۹ ﴾

﴿ ۳۱ ﴾: کیا انبیاء علیہم السلام وارث ہوتے ہیں؟ _____ ﴿ ۸۱ ﴾

﴿ ۳۲ ﴾: کیا انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو نبوت حضور ﷺ کے واسطے سے ملی؟ _____ ﴿ ۸۴ ﴾

﴿ ۳۳ ﴾: کیا پہلے انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات ناقص تھیں؟ _____ ﴿ ۸۵ ﴾

﴿ ۳۴ ﴾: کیا انبیاء علیہم السلام کو حوریں ملیں گی یا آپ ﷺ ہمارے والد کی طرح ہیں؟ _____ ﴿ ۸۶ ﴾

﴿ ۳۵ ﴾: انبیاء علیہم السلام کے دین کا نام _____ ﴿ ۸۹ ﴾

﴿ ۳۶ ﴾: ارواح میں سب سے پہلے آنحضرت ﷺ کی اور اجسام میں سب سے پہلے _____ ﴿ ۸۹ ﴾

حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق ہوئی _____ ﴿ ۸۹ ﴾

﴿ ۳۷ ﴾: کیا حضور ﷺ حضرت آدم علیہم السلام کی خلقت سے قبل نبی تھے؟ _____ ﴿ ۹۱ ﴾

﴿ ۳۸ ﴾: آنحضرت علیہ السلام کا آدم علیہ السلام سے پہلے نبی ہونے کا مطلب _____ ﴿ ۹۲ ﴾

﴿ ۳۹ ﴾: انبیاء علیہم السلام کی ولادت کا طریقہ _____ ﴿ ۹۴ ﴾

﴿ ۴۰ ﴾: حضور ﷺ کی تاریخ ولادت اور تاریخ وفات _____ ﴿ ۹۵ ﴾

﴿ ۴۱ ﴾: رسول اللہ ﷺ کی تاریخ ولادت _____ ﴿ ۹۶ ﴾

﴿ ۴۲ ﴾: ۱۲ ربیع الاول آپ ﷺ کی تاریخ پیدائش ہے یا نہیں؟ _____ ﴿ ۹۷ ﴾

﴿ ۴۳ ﴾: آپ علیہ السلام کی ولادت باسعادت اور مروجہ میلاد _____ ﴿ ۹۸ ﴾

﴿ ۴۴ ﴾: پاک رحموں اور پاک صلبوں سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت کا

مطلب _____ ﴿ ۱۰۰ ﴾

﴿ ۴۵ ﴾: کتنی عورتوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دودھ پلایا ہے؟ _____ ﴿ ۱۰۰ ﴾

﴿ ۴۶ ﴾: نماز جمعہ و خطبہ، اذان کی ابتداء اور حضور ﷺ کے والدہ ماجدہ اور والد کی تاریخ

وفات و مواضع وفات _____ ﴿ ۱۰۲ ﴾

﴿ ۴۷ ﴾: آپ ﷺ کا ختنہ ہوا تھا یا نہیں؟ _____ ﴿ ۱۰۵ ﴾

﴿ ۴۸ ﴾: انبیاء علیہم السلام کے ختنے کی صورت _____ ﴿ ۱۰۶ ﴾

﴿ ۴۹ ﴾: رسول اللہ ﷺ کو نبوت کب ملی؟ _____ ﴿ ۱۰۷ ﴾

﴿ ۵۰ ﴾: فخر عالم ﷺ کے افضل الانبیاء ہونے کا عقیدہ اور اس کے منکر کا حکم _____ ﴿ ۱۰۸ ﴾

﴿ ۵۱ ﴾: دیگر انبیاء علیہم السلام پر حضور ﷺ کی فضیلت کی وجہ _____ ﴿ ۱۰۹ ﴾

﴿ ۵۲ ﴾: آپ ﷺ کی بعثت جنات کیلئے بھی تھی _____ ﴿ ۱۱۱ ﴾

﴿ ۵۳ ﴾: حضور ﷺ افضل ہیں یا مسجد افضل ہے؟ _____ ﴿ ۱۱۴ ﴾

﴿ ۵۴ ﴾: قرآن پاک افضل ہے یا آنحضرت علیہ السلام _____ ﴿ ۱۱۵ ﴾

﴿ ۵۵ ﴾: کیا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نام قاسم رزق اللہ بھی تھا _____ ﴿ ۱۱۶ ﴾

﴿ ۵۶ ﴾: ”رحمۃ اللہ للعالمین“ حضور ﷺ کی صفت خاصہ ہے ————— ﴿ ۱۱۷ ﴾

﴿ ۵۷ ﴾: رحمۃ للعالمین اور بدوٰعا ————— ﴿ ۱۱۸ ﴾

﴿ ۵۸ ﴾: شفاعت اور افضلیت رسول ﷺ ————— ﴿ ۱۲۴ ﴾

﴿ ۵۹ ﴾: شفاعت کبریٰ آنحضرت ﷺ کے ساتھ خاص ہے ————— ﴿ ۱۳۱ ﴾

﴿ ۶۰ ﴾: حضور ﷺ کو شفاعت کا حق ————— ﴿ ۱۳۲ ﴾

﴿ ۶۱ ﴾: آنحضرت ﷺ اہل کتاب اور مشرکین کے لیے شفاعت فرمائیں گے یا نہیں؟ ————— ﴿ ۱۳۳ ﴾

﴿ ۶۲ ﴾: محمد ﷺ کا اولین و آخرین ہونے کا مطلب ————— ﴿ ۱۳۳ ﴾

﴿ ۶۳ ﴾: رسول اللہ ﷺ کی سات زمینوں کے لئے بعث ————— ﴿ ۱۳۴ ﴾

﴿ ۶۴ ﴾: آپ ﷺ کی تخلیق اور نبوت سے متعلق چند سوالات ————— ﴿ ۱۳۵ ﴾

﴿ ۶۵ ﴾: حضور ﷺ کے متعلق اہل دیوبند کا عقیدہ ————— ﴿ ۱۳۹ ﴾

﴿ ۶۶ ﴾: حضور ﷺ کے بارے میں اہل سنت کے عقائد ————— ﴿ ۱۴۲ ﴾

﴿ ۶۷ ﴾: حضور ﷺ کا جسم مبارک مٹی میں ملنے کا مطلب ————— ﴿ ۱۴۴ ﴾

﴿ ۶۸ ﴾: وحی کے وقت جو حضور ﷺ کی حالت احمراروجہ و عرق کی ہوتی تھی اس کی کیا وجہ تھی

اور ولی کو بھی یہ ہوتا ہے یا نہیں؟ ————— ﴿ ۱۴۵ ﴾

﴿ ۶۹ ﴾: حضور ﷺ کو ”ابا جان“ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ”امی جان“ کہنا ————— ﴿ ۱۴۶ ﴾

﴿ ۷۰ ﴾: امہات المؤمنین تمام مؤمنین کی مائیں اور حضور ﷺ روحانی باپ ہیں ————— ﴿ ۱۴۷ ﴾

﴿ ۷۱ ﴾: آنحضرت ﷺ مؤمنین کے روحانی باپ ہیں ————— ﴿ ۱۴۸ ﴾

- ﴿ ۷۲ ﴾: حضور ﷺ کو اپنا بڑا بھائی ماننا ————— ﴿ ۱۴۹ ﴾
- ﴿ ۷۳ ﴾: کیا نبی کریم ﷺ کا درجہ بڑے بھائی کے برابر ہے؟ ————— ﴿ ۱۵۰ ﴾
- ﴿ ۷۴ ﴾: نبی اکرم ﷺ کو صرف بھائی کا درجہ دینا ————— ﴿ ۱۵۳ ﴾
- ﴿ ۷۵ ﴾: حضور ﷺ کو اپنا بھائی کہنا کیسا ہے؟ ————— ﴿ ۱۵۵ ﴾
- ﴿ ۷۶ ﴾: انبیاء علیہم السلام کو ”بڑے بھائی“ کہنے کا مطلب؟ ————— ﴿ ۱۵۸ ﴾
- ﴿ ۷۷ ﴾: تمام امت مسلمہ کو حضور ﷺ کے برابر سمجھنا ————— ﴿ ۱۶۲ ﴾
- ﴿ ۷۸ ﴾: امتیوں کو بھائی کہنے والی روایت بیان کرنے والے کو گستاخ رسول کہنا؟ ————— ﴿ ۱۶۶ ﴾
- ﴿ ۷۹ ﴾: آنحضرت ﷺ کے خدا کی طرف سے ہونے کا ثبوت ————— ﴿ ۱۶۸ ﴾
- ﴿ ۸۰ ﴾: کیا شیطان کا علم حضور ﷺ کے علم سے زیادہ ہے؟ ————— ﴿ ۱۶۹ ﴾
- ﴿ ۸۱ ﴾: حضور ﷺ کا خود کو گرانے کا عزم اور اس کی تحقیق ————— ﴿ ۱۷۱ ﴾
- ﴿ ۸۲ ﴾: کیا حضور ﷺ اللہ تعالیٰ کے مجبور محض اور محتاج بندے ہیں؟ ————— ﴿ ۱۷۳ ﴾
- ﴿ ۸۳ ﴾: کیا حضرت یوسف علیہ السلام آنحضرت ﷺ سے زیادہ سخی تھے ————— ﴿ ۱۷۴ ﴾
- ﴿ ۸۴ ﴾: حضور اکرم ﷺ کی تمام دنیا کے لئے بعثت ————— ﴿ ۱۷۵ ﴾
- ﴿ ۸۵ ﴾: کیا حضور ﷺ پر زکوٰۃ فرض نہیں تھی؟ ————— ﴿ ۱۷۶ ﴾
- ﴿ ۸۶ ﴾: کیا حضور ﷺ پر مہر دینا واجب تھا؟ ————— ﴿ ۱۷۹ ﴾
- ﴿ ۸۷ ﴾: کیا حضور ﷺ پر عورتوں سے پردہ فرض تھا؟ ————— ﴿ ۱۸۷ ﴾
- ﴿ ۸۸ ﴾: حضور ﷺ کے سینہ چاک ہونے کی تحقیق ————— ﴿ ۱۸۸ ﴾

﴿ ۸۹ ﴾: شق صدر اور معراج _____ ﴿ ۱۹۲ ﴾

﴿ ۹۰ ﴾: رسول اللہ ﷺ کا شق صدر _____ ﴿ ۱۹۵ ﴾

﴿ ۹۱ ﴾: معراج کا واقعہ عالم بیداری میں پیش آیا تھا یا خواب میں؟ _____ ﴿ ۱۹۶ ﴾

﴿ ۹۲ ﴾: معراج جسمانی یا روحانی؟ _____ ﴿ ۱۹۸ ﴾

﴿ ۹۳ ﴾: شب معراج میں انبیاء علیہم السلام کو آپ ﷺ نے نفل نماز پڑھائی تھی یا فرض؟ _____ ﴿ ۱۹۹ ﴾

﴿ ۹۴ ﴾: معراج کس تاریخ میں ہوئی؟ _____ ﴿ ۲۰۰ ﴾

﴿ ۹۵ ﴾: انبیاء کی امامت کا واقعہ معراج سے پہلے کا ہے یا بعد کا؟ _____ ﴿ ۲۰۲ ﴾

﴿ ۹۶ ﴾: معراج کا جو توں سمیت اور بغیر پردہ کے ہونا ثابت ہے یا نہیں؟ _____ ﴿ ۲۰۳ ﴾

﴿ ۹۷ ﴾: کیا حضور ﷺ کی عمر کے ۲۷ سال معراج میں گزرے ہیں؟ _____ ﴿ ۲۰۵ ﴾

﴿ ۹۸ ﴾: شب معراج میں نبی ﷺ کا اللہ کی زیارت کا مسئلہ _____ ﴿ ۲۰۶ ﴾

﴿ ۹۹ ﴾: شب معراج میں اقتداء کرنے والے انبیاء علیہم السلام کی تعداد _____ ﴿ ۲۰۷ ﴾

﴿ ۱۰۰ ﴾: شب معراج سے قبل حضورؐ کو کسی نماز پڑھتے تھے؟ _____ ﴿ ۲۰۹ ﴾

﴿ ۱۰۱ ﴾: ہجرت کی رات صدیق اکبرؓ کا آنحضرت علیہ السلام کو کندھوں پر اٹھانے کا

ثبوت _____ ﴿ ۲۱۰ ﴾

﴿ ۱۰۲ ﴾: نبی اکرم ﷺ کا حلیہ مبارک _____ ﴿ ۲۱۳ ﴾

﴿ ۱۰۳ ﴾: حضور ﷺ کا قد مبارک _____ ﴿ ۲۱۹ ﴾

﴿ ۱۰۴ ﴾: حضور ﷺ کے نعل مبارک کے نقش کو چومنے، اس جیسے نعل پہننے اور اس کے

﴿ ۲۲۰ ﴾ _____ احترام کا حکم

﴿ ۱۰۵ ﴾: حضور اکرم ﷺ اور نماز اشراق _____ ﴿ ۲۲۶ ﴾

﴿ ۱۰۶ ﴾: ختم نبوت ذاتی سے متعلق ”الشہاب الثاقب“ کی عبارت پر اشکال کا جواب — ﴿ ۲۲۷ ﴾

﴿ ۱۰۷ ﴾: ختم نبوت ذاتی وزمانی؟ _____ ﴿ ۲۲۷ ﴾

﴿ ۱۰۸ ﴾: حضور اکرم ﷺ کے خاتم النبیین ہونے پر اشکال اور اس کا جواب — ﴿ ۲۳۳ ﴾

﴿ ۱۰۹ ﴾: حضور ﷺ ازل سے خاتم الانبیاء ہیں _____ ﴿ ۲۳۵ ﴾

﴿ ۱۱۰ ﴾: رسول اللہ ﷺ آخری نبی ہیں _____ ﴿ ۲۳۶ ﴾

﴿ ۱۱۱ ﴾: رسول اللہ ﷺ کا خاتم النبیین ہونا _____ ﴿ ۲۳۹ ﴾

﴿ ۱۱۲ ﴾: کیا نبوت جاری ہے؟ _____ ﴿ ۲۴۰ ﴾

﴿ ۱۱۳ ﴾: آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خاتم الرسل ہونے کی دلیل — ﴿ ۲۴۲ ﴾

﴿ ۱۱۴ ﴾: رسول اللہ ﷺ کے موئے مبارک کی شرعی حیثیت _____ ﴿ ۲۴۳ ﴾

﴿ ۱۱۵ ﴾: آپ ﷺ پر جادو کا ہونا مقام نبوت کے خلاف نہیں _____ ﴿ ۲۴۶ ﴾

﴿ ۱۱۶ ﴾: حضور ﷺ کے چادر کا مقدار اور رنگ، بال مبارک اور آستین قمیص کی مقدار — ﴿ ۲۴۹ ﴾

﴿ ۱۱۷ ﴾: آنحضرت ﷺ کا معجزہ رد شمس _____ ﴿ ۲۵۰ ﴾

﴿ ۱۱۸ ﴾: معجزہ شق القمر _____ ﴿ ۲۵۵ ﴾

﴿ ۱۱۹ ﴾: معجزہ شق القمر _____ ﴿ ۲۵۸ ﴾

﴿ ۱۲۰ ﴾: آنحضرت ﷺ کی انگلی سے چشمہ کا پھوٹنا _____ ﴿ ۲۶۰ ﴾

- ﴿ ۱۲۱ ﴾: حضور اکرم ﷺ اور صلاۃ اوابین _____ ﴿ ۲۶۲ ﴾
- ﴿ ۱۲۲ ﴾: حضور اکرم ﷺ اور نوافل _____ ﴿ ۲۶۳ ﴾
- ﴿ ۱۲۳ ﴾: حضور اکرم ﷺ اور مسواک _____ ﴿ ۲۶۵ ﴾
- ﴿ ۱۲۴ ﴾: حضور ﷺ کا ناشتہ _____ ﴿ ۲۶۶ ﴾
- ﴿ ۱۲۵ ﴾: حضور ﷺ کی تفریح _____ ﴿ ۲۶۹ ﴾
- ﴿ ۱۲۶ ﴾: حضور ﷺ کے اسفار _____ ﴿ ۲۷۱ ﴾
- ﴿ ۱۲۷ ﴾: حضور ﷺ کا اونٹ اور خچر پر سواری کرنا _____ ﴿ ۲۷۲ ﴾
- ﴿ ۱۲۸ ﴾: حضور ﷺ اور پنکھا _____ ﴿ ۲۷۳ ﴾
- ﴿ ۱۲۹ ﴾: حضور ﷺ کا گریبان مبارک کس جانب تھا؟ _____ ﴿ ۲۷۴ ﴾
- ﴿ ۱۳۰ ﴾: عصا ہاتھ میں رکھنا سنت ہے _____ ﴿ ۲۷۵ ﴾
- ﴿ ۱۳۱ ﴾: حضور ﷺ کے نعلین کا رنگ _____ ﴿ ۲۷۶ ﴾
- ﴿ ۱۳۲ ﴾: حضور اکرم ﷺ اور گرم پانی استعمال کرنا _____ ﴿ ۲۷۷ ﴾
- ﴿ ۱۳۳ ﴾: حضور ﷺ اور شکار _____ ﴿ ۲۷۸ ﴾
- ﴿ ۱۳۴ ﴾: حضور اکرم ﷺ گھر سے وضو فرما کر مسجد جاتے تھے _____ ﴿ ۲۷۹ ﴾
- ﴿ ۱۳۵ ﴾: حضور اکرم ﷺ نے وعظ کے لیے کوئی وقت مقرر نہیں فرمایا تھا _____ ﴿ ۲۸۰ ﴾
- ﴿ ۱۳۶ ﴾: حضور ﷺ کا بیٹھ کر نماز پڑھنا _____ ﴿ ۲۸۱ ﴾
- ﴿ ۱۳۷ ﴾: حضور ﷺ کا قضائے حاجت کے وقت دیکھا جانا _____ ﴿ ۲۸۴ ﴾

﴿ ۱۳۸ ﴾: کیا حضور اکرم ﷺ نائب مطلق، مالک و مختار ہیں؟ ————— ﴿ ۲۸۴ ﴾

﴿ ۱۳۹ ﴾: ابو جہل آپ ﷺ کا چچا نہیں تھا ————— ﴿ ۲۸۷ ﴾

﴿ ۱۴۰ ﴾: حضور علیہ السلام بھی لوازمات بشریہ سے مستثنیٰ نہ تھے ————— ﴿ ۲۸۸ ﴾

﴿ ۱۴۱ ﴾: آپ ﷺ کے اذان دینے کا ثبوت ————— ﴿ ۲۸۹ ﴾

﴿ ۱۴۲ ﴾: آنحضرت علیہ السلام کا رکناہ سے کشتی لڑنے کا ثبوت ————— ﴿ ۲۹۰ ﴾

﴿ ۱۴۳ ﴾: آنحضرت علیہ السلام کا اہل نجد کے لئے دعا نہ کرنے کا سبب ————— ﴿ ۲۹۱ ﴾

﴿ ۱۴۴ ﴾: بنائے کعبہ کے وقت آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بے ہوش ہونا ————— ﴿ ۲۹۲ ﴾

﴿ ۱۴۵ ﴾: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کتنے حج کئے؟ ————— ﴿ ۲۹۳ ﴾

﴿ ۱۴۶ ﴾: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جسم اطہر پر مکھی بیٹھتی تھی یا نہیں؟ ————— ﴿ ۲۹۵ ﴾

﴿ ۱۴۷ ﴾: سرور کائنات کے دندان مبارک کون سی جنگ میں شہید ہوئے؟ ————— ﴿ ۲۹۶ ﴾

﴿ ۱۴۸ ﴾: کیا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جمائی یا چھینک آتی تھی؟ ————— ﴿ ۲۹۷ ﴾

﴿ ۱۴۹ ﴾: حضورؐ کے راستہ میں ام جمیل عورت بنت حرب کا کاٹھا ڈالنا ————— ﴿ ۲۹۹ ﴾

﴿ ۱۵۰ ﴾: اسم ذات اور اسم محمد ﷺ میں ہونٹوں کے بند ہونے اور نہ ہونے کا لطیفہ ————— ﴿ ۳۰۱ ﴾

﴿ ۱۵۱ ﴾: حضور ﷺ کی قبر اطہر کا سب جگہوں سے افضل ہونا ————— ﴿ ۳۰۱ ﴾

﴿ ۱۵۲ ﴾: روضہ اقدس کا وہ حصہ جو جسد اطہر سے مس کیا ہوا ہے، اس سے متعلق کیا عقیدہ

رکھنا چاہیے؟ ————— ﴿ ۳۰۸ ﴾

﴿ ۱۵۳ ﴾: حضور ﷺ کے والدین کا اسلام ————— ﴿ ۳۱۰ ﴾

﴿ ۱۵۴ ﴾: حضور اکرم ﷺ کے والدین کا ایمان لانا ————— ﴿ ۳۱۲ ﴾

﴿ ۱۵۵ ﴾: کیا حضور اکرم ﷺ کے والدین مؤمن تھے؟ ————— ﴿ ۳۱۷ ﴾

﴿ ۱۵۶ ﴾: رسول اللہ ﷺ کے باپ دادا کے ایمان و عدم ایمان میں توقف کرنا چاہیے۔ ﴿ ۳۲۰ ﴾

﴿ ۱۵۷ ﴾: کیا حضور ﷺ کے تمام آباؤ اجداد مسلمان تھے؟ ————— ﴿ ۳۲۳ ﴾

﴿ ۱۵۸ ﴾: حضور ﷺ کے والدین کو ایصالِ ثواب کرنا ————— ﴿ ۳۲۵ ﴾

﴿ ۱۵۹ ﴾: حضور ﷺ کے والدین کو مؤمن نہ ماننا؟ ————— ﴿ ۳۲۶ ﴾

﴿ ۱۶۰ ﴾: آنحضرت ﷺ کے والدین کی وفات کب ہوئی ————— ﴿ ۳۲۸ ﴾

﴿ ۱۶۱ ﴾: آپ ﷺ کی اولاد کی تعداد ————— ﴿ ۳۲۹ ﴾

﴿ ۱۶۲ ﴾: حضور ﷺ کی چار صاحبزادیاں تھیں ————— ﴿ ۳۳۱ ﴾

﴿ ۱۶۳ ﴾: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سب سے چھوٹی بیٹی کونسی تھی۔ ﴿ ۳۳۲ ﴾

﴿ ۱۶۴ ﴾: طائف سے مکہ المکرمہ حضور ﷺ کس کی پناہ میں تشریف لائے؟ ————— ﴿ ۳۳۳ ﴾

﴿ ۱۶۵ ﴾: حضور اکرم ﷺ کے عقدِ نکاح ————— ﴿ ۳۳۴ ﴾

﴿ ۱۶۶ ﴾: حضور ﷺ کا نکاح کس نے پڑھایا؟ ————— ﴿ ۳۳۵ ﴾

﴿ ۱۶۷ ﴾: حضرت مریم و آسیہ علیہما السلام کی حضور ﷺ سے جنت میں شادی —————

﴿ ۳۴۰ ﴾

﴿ ۱۶۸ ﴾: حضرت مریم علیہا السلام جنت میں حضور ﷺ کی زوجہ ہونگی ————— ﴿ ۳۴۱ ﴾

﴿ ۱۶۹ ﴾: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات اور اولادِ کرام کی تفصیل ————— ﴿ ۳۴۲ ﴾

﴿ ۱۷۰ ﴾: حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ کیسے

ہوا جبکہ آپ مکہ میں ہی تھیں؟ _____ ﴿ ۳۴۵ ﴾

﴿ ۱۷۱ ﴾: خاتم الانبیاء ﷺ کی شادیوں پر شبہات کی وضاحت _____ ﴿ ۳۴۷ ﴾

﴿ ۱۷۲ ﴾: حضرت سودہؓ کو طلاق دینے کے ارادے کی حکمت _____ ﴿ ۳۶۲ ﴾

﴿ ۱۷۳ ﴾: آنحضرت علیہ السلام کے چچ کتنے تھے؟ _____ ﴿ ۳۶۴ ﴾

﴿ ۱۷۴ ﴾: آنحضرت علیہ السلام کی پھوپھیاں کتنی تھیں؟ _____ ﴿ ۳۶۵ ﴾

﴿ ۱۷۵ ﴾: آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اجداد کے عرب مستعربہ میں سے ہونے کی

تحقیق _____ ﴿ ۳۶۵ ﴾

﴿ ۱۷۶ ﴾: حضور ﷺ کے پیشاب، خون اور دیگر فضلات کا حکم _____ ﴿ ۳۶۷ ﴾

﴿ ۱۷۷ ﴾: انبیاء کرامؑ کے فضلات کی پاکی کا مسئلہ _____ ﴿ ۳۶۹ ﴾

﴿ ۱۷۸ ﴾: عالم بیداری میں نبی کریم ﷺ کی زیارت کا حکم _____ ﴿ ۳۷۹ ﴾

﴿ ۱۷۹ ﴾: عالم بیداری کی زیارت پر ایک شبہ کا ازالہ _____ ﴿ ۳۸۲ ﴾

﴿ ۱۸۰ ﴾: آنحضرت ﷺ کے پاس کچھ رہتا نہیں تھا _____ ﴿ ۳۸۵ ﴾

﴿ ۱۸۱ ﴾: رسول اللہ ﷺ کا سیاہ چادر اوڑھنا _____ ﴿ ۳۸۷ ﴾

﴿ ۱۸۲ ﴾: کیا آپ ﷺ کے گھر میں سال بھر کی جوتھی؟ _____ ﴿ ۳۸۸ ﴾

﴿ ۱۸۳ ﴾: حضور ﷺ کتنے وقت کھایا کرتے تھے؟ _____ ﴿ ۳۹۰ ﴾

﴿ ۱۸۴ ﴾: کیا حضور ﷺ کو بیت خانوں میں جا کر تبلیغ کرنے کا حکم ہوا تھا؟ - ﴿ ۳۹۱ ﴾

﴿ ۱۸۵ ﴾: کیا حضور ﷺ کے سر میں جوئیں پڑتی تھیں ————— ﴿ ۳۹۵ ﴾

﴿ ۱۸۶ ﴾: سینہ نبوی کی آواز ————— ﴿ ۳۹۷ ﴾

﴿ ۱۸۷ ﴾: نبی علیہ الصلوٰۃ کے ناموں کی تحقیق ————— ﴿ ۳۹۸ ﴾

﴿ ۱۸۸ ﴾: نبی کریم ﷺ کے مردہ کو زندہ کرنے کی تحقیق ————— ﴿ ۴۰۲ ﴾

﴿ ۱۸۹ ﴾: حضور ﷺ کے معجزات سے متعلق چند سوال و جواب ————— ﴿ ۴۰۶ ﴾

﴿ ۱۹۰ ﴾: آنحضرت ﷺ کا قبر میں تشریف لانا ثابت نہیں اور ماتقول فی ہذا الرجل کا

جواب ————— ﴿ ۴۰۸ ﴾

﴿ ۱۹۱ ﴾: آنحضرت ﷺ کی توصیف میں غلو کرنا ————— ﴿ ۴۱۰ ﴾

﴿ ۱۹۲ ﴾: آنحضرت علیہ السلام سے صرف عمامہ اور صرف ٹوپی پہننا بھی ثابت ہے - ﴿ ۴۱۲ ﴾

﴿ ۱۹۳ ﴾: حضور ﷺ سے ٹوپی پہننا ثابت ہے ————— ﴿ ۴۱۴ ﴾

﴿ ۱۹۴ ﴾: کیا نماز میں حضور علیہ السلام کا خیال آنا مفسد صلوٰۃ ہے؟ ————— ﴿ ۴۱۵ ﴾

﴿ ۱۹۵ ﴾: تشہد میں حضرت محمد ﷺ کا تصور ————— ﴿ ۴۱۶ ﴾

﴿ ۱۹۶ ﴾: کیا حضور ﷺ کی تمام دعائیں قبول ہوئی تھیں؟ ————— ﴿ ۴۱۸ ﴾

﴿ ۱۹۷ ﴾: آنحضرت ﷺ کو یا صاحب الزمان کہنا ————— ﴿ ۴۱۹ ﴾

﴿ ۱۹۸ ﴾: کیا حضور ﷺ نے ابولہب کے لڑکے کو بددعا دی تھی؟ ————— ﴿ ۴۲۰ ﴾

﴿ ۱۹۹ ﴾: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کن کن صحابہ کی نماز جنازہ نہیں پڑھائی؟ ————— ﴿ ۴۲۳ ﴾

- ﴿ ۲۰۰ ﴾: رسول اللہ ﷺ کے گائے کا گوشت تناول فرمانے کا ثبوت — ﴿ ۴۲۴ ﴾
- ﴿ ۲۰۱ ﴾: حضور ﷺ کو اُمی کہنا — ﴿ ۴۲۵ ﴾
- ﴿ ۲۰۲ ﴾: ”اُمی“ کے معنی کیا ہیں اور کیا آپ ﷺ اُمی تھے؟ — ﴿ ۴۲۶ ﴾
- ﴿ ۲۰۳ ﴾: آنحضرت ﷺ کو تین چیزیں محبوب ہیں ان کی تفصیل — ﴿ ۴۲۷ ﴾
- ﴿ ۲۰۴ ﴾: حضور ﷺ فتح مکہ کے بعد مکہ کو وطن کیوں نہیں بنایا؟ — ﴿ ۴۲۸ ﴾
- ﴿ ۲۰۵ ﴾: نبی ﷺ کی ذات مبارک سے متعلق چند سوالات کے جوابات — ﴿ ۴۲۹ ﴾
- ﴿ ۲۰۶ ﴾: آپ ﷺ کے سایہ کی تحقیق — ﴿ ۴۳۲ ﴾
- ﴿ ۲۰۷ ﴾: حضور ﷺ کا مرض الموت میں دو روز قبل اپنی وفات کی خبر دینا — ﴿ ۴۳۸ ﴾
- ﴿ ۲۰۸ ﴾: کیا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مرض الوفا میں تکلیف ہوئی تھی؟ — ﴿ ۴۳۹ ﴾
- ﴿ ۲۰۹ ﴾: حضور ﷺ کی وفات طبعی ہوئی — ﴿ ۴۴۰ ﴾
- ﴿ ۲۱۰ ﴾: آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نبوت و وفات کس مہینے میں ہوئی؟ — ﴿ ۴۴۱ ﴾
- ﴿ ۲۱۱ ﴾: وفات کے بعد حضور ﷺ کو کس طرح غسل دیا گیا؟ — ﴿ ۴۴۲ ﴾
- ﴿ ۲۱۲ ﴾: حضور ﷺ کی نماز جنازہ اور تدفین کس طرح ہوئی اور خلافت کیسے طے ہوئی — ﴿ ۴۴۳ ﴾
- ﴿ ۲۱۳ ﴾: آپ ﷺ کی نماز جنازہ کس طرح ادا کی گئی؟ — ﴿ ۴۴۹ ﴾
- ﴿ ۲۱۴ ﴾: حضور ﷺ کی نماز جنازہ کس نے پڑھائی تھی؟ — ﴿ ۴۵۰ ﴾
- ﴿ ۲۱۵ ﴾: حضور ﷺ کی نماز جنازہ کس نے پڑھائی؟ — ﴿ ۴۵۴ ﴾
- ﴿ ۲۱۶ ﴾: حضور ﷺ کے جنازہ میں کتنی تاخیر ہوئی؟ — ﴿ ۴۵۵ ﴾

- ﴿ ۲۱۷ ﴾: آپ ﷺ کے مرض الموت کا ایک واقعہ ————— ﴿ ۴۵۹ ﴾
- ﴿ ۲۱۸ ﴾: حضور ﷺ کا پردہ فرمانے کے بعد دنیا میں کسی سے ملاقات کے لئے آنا — ﴿ ۴۶۳ ﴾
- ﴿ ۲۱۹ ﴾: آپ ﷺ کے دست اقدس کو حضرت رفاعیؓ نے بوسہ دیا ————— ﴿ ۴۶۴ ﴾
- ﴿ ۲۲۰ ﴾: رسول اللہ ﷺ کے روضہ مبارکہ کی زیارت کا کیا حکم ہے؟ ————— ﴿ ۴۷۰ ﴾
- ﴿ ۲۲۱ ﴾: روضہ رسول اللہ ﷺ خلاف شریعت نہیں ہے ————— ﴿ ۴۷۲ ﴾
- ﴿ ۲۲۲ ﴾: روضہ اقدس ﷺ سے دست مبارک کا ٹکنا ————— ﴿ ۴۷۳ ﴾
- ﴿ ۲۲۳ ﴾: حضرت عیسیٰؑ کی طرح آنحضرت ﷺ کو آسمان پر کیوں نہ اٹھایا — ﴿ ۴۷۵ ﴾
- ﴿ ۲۲۴ ﴾: کیا حضور ﷺ نے دنیاوی کاموں میں امت کو اختیار دیا ہے؟ — ﴿ ۴۷۹ ﴾
- ﴿ ۲۲۵ ﴾: حضور ﷺ کی خدمت میں سلام بھیجنا اور مدینہ بلوانے کی درخواست کروانا — ﴿ ۴۷۹ ﴾
- ﴿ ۲۲۶ ﴾: آنحضرت ﷺ کو ”نبی پاک“ کیوں کہتے ہیں؟ ————— ﴿ ۴۸۰ ﴾
- ﴿ ۲۲۷ ﴾: حضور ﷺ کے قیام کی کیفیت ————— ﴿ ۴۸۱ ﴾
- ﴿ ۲۲۸ ﴾: رسول اللہ ﷺ کے نام مبارک کے ساتھ ”سیدنا“ کا استعمال — ﴿ ۴۸۱ ﴾
- ﴿ ۲۲۹ ﴾: حضور ﷺ کے خاندان کے حقوق کی تفصیل ————— ﴿ ۴۸۲ ﴾
- ﴿ ۲۳۰ ﴾: حضور ﷺ کی شفاعت کس کے لئے؟ اور حصول کا طریقہ ————— ﴿ ۴۹۱ ﴾
- ﴿ ۲۳۱ ﴾: رسول اکرم ﷺ سے محبت اور اللہ تعالیٰ کی ناراضی ————— ﴿ ۴۹۵ ﴾
- ﴿ ۲۳۲ ﴾: کیا آپ ﷺ کا کسی کو بددعا دینا رحمتہ اللعالمین ہونے کے منافی ہے؟ — ﴿ ۴۹۶ ﴾
- ﴿ ۲۳۳ ﴾: حضور ﷺ کی دادی کا نام ————— ﴿ ۵۰۰ ﴾

﴿ ۲۳۴ ﴾: نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عقیقہ کی تحقیق ————— ﴿ ۵۰۰ ﴾

﴿ ۲۳۵ ﴾: حضور ﷺ کا غصہ ————— ﴿ ۵۰۳ ﴾

﴿ ۲۳۶ ﴾: رسول اللہ ﷺ کا اسم گرامی سن کر انگوٹھے چومنا ————— ﴿ ۵۰۷ ﴾

﴿ ۲۳۷ ﴾: حضور نبی کریم ﷺ کے اسم کے ساتھ صرف ”م“ لکھنا ————— ﴿ ۵۰۸ ﴾

﴿ ۲۳۸ ﴾: خطوط میں بسم اللہ لکھنا بہتر ہے اور لفظ ”محمد“ کو مخفف کرنا جائز نہیں — ﴿ ۵۱۱ ﴾

﴿ ۲۳۹ ﴾: آپ ﷺ کے نام کے ساتھ محض ”صلعم“ لکھنا ————— ﴿ ۵۱۲ ﴾

﴿ ۲۴۰ ﴾: حضور اکرم ﷺ اور حضرت آدم علیہ السلام کے ناموں پر ”م“، ”ع“، ”ل“ لکھنا — ﴿ ۵۱۴ ﴾

﴿ ۲۴۱ ﴾: حضور ﷺ کے نام کے ساتھ کیا ”وآلہ وسلم“ لکھنا ضروری ہے؟ — ﴿ ۵۱۴ ﴾

﴿ ۲۴۲ ﴾: ”علی احمد“ یا ”محمد علی“ نام لکھتے وقت اوپر ”م“ لکھنا ————— ﴿ ۵۱۵ ﴾

﴿ ۲۴۳ ﴾: کلمہ پڑھنے کے بعد ”صلی اللہ علیہ وسلم“ پڑھنا ————— ﴿ ۵۱۵ ﴾

﴿ ۲۴۴ ﴾: کیا بیت الخلا میں اسم ”محمد“ سن کر درود پڑھنا چاہئے؟ ————— ﴿ ۵۱۶ ﴾

﴿ ۲۴۵ ﴾: صیغہ خطاب کے ساتھ صلوٰۃ و سلام پڑھنا ————— ﴿ ۵۱۷ ﴾

﴿ ۲۴۶ ﴾: ”حضور“ کا لفظ استعمال کرنا ————— ﴿ ۵۱۷ ﴾

﴿ ۲۴۷ ﴾: حق تعالیٰ کے آنحضرت ﷺ پر درود بھیجنے کا معنی ————— ﴿ ۵۱۸ ﴾

﴿ ۲۴۸ ﴾: درود شریف میں ”آل محمد“ سے کون لوگ مراد ہیں؟ ————— ﴿ ۵۱۹ ﴾

﴿ ۲۴۹ ﴾: عزوجل علیہ السلام، صلی اللہ علیہ وسلم اور رضی اللہ عنہ کا صحیح استعمال کیا ہے؟ — ﴿ ۵۲۰ ﴾

﴿ ۲۵۰ ﴾: انبیائے کرام علیہم السلام اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے ناموں کے ساتھ کیا لکھا

﴿ ۵۲۶ ﴾ _____ جائے؟

﴿ ۲۵۱ ﴾: اجداد نبی ﷺ کے ساتھ رحمۃ اللہ علیہ کہنے والے امام کا حکم _____ ﴿ ۵۲۸ ﴾

﴿ ۲۵۲ ﴾: غیر انبیاء کے لیے علیہم السلام کا لفظ استعمال کرنے کا حکم _____ ﴿ ۵۳۰ ﴾

﴿ ۲۵۳ ﴾: غیر پیغمبر کو علیہ السلام کہنا یا لکھنا _____ ﴿ ۵۳۲ ﴾

﴿ ۲۵۴ ﴾: حدیث شریف میں ”ؐ“ کی علامت _____ ﴿ ۵۳۳ ﴾

﴿ ۲۵۵ ﴾: کیا خود آنحضرت علیہ السلام پر بھی درود پڑھنا واجب تھا؟ _____ ﴿ ۵۳۴ ﴾

﴿ ۲۵۶ ﴾: درود شریف لکھنے کا صحیح طریقہ _____ ﴿ ۵۳۵ ﴾

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دعاۓ کلمات

استاذ العلماء حضرت اقدس مولانا سید محمد طاہر شاہ

ہاشمی صاحب دامت برکاتہم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم!

عزیزم مولوی خالد حنفی سلمہ اللہ تعالیٰ اپنی تازہ تالیف ”فتاویٰ ناموس انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام“ جو کہ چار (۴) جلدوں پر اور ”فتاویٰ رشیدیہ جو کہ تین (۳) جلدوں پر اور فتاویٰ دینیہ جو کہ فی الحال ایک (۱) جلد پر مشتمل ہے منظر عام پر لائے ہیں اللہ تعالیٰ ان تالیفات کو قبول فرما کر آخرت میں بلا حساب و کتاب نجات کا ذریعہ بنادیں اور عامۃ المسلمین کو ان سے استفادہ کی توفیق عطاء فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ عزیزم خالد حنفی کو صحت اور کامل خلوص و صدق کیساتھ مدت مزید تک دین کے اعلیٰ سے اعلیٰ خدمات کی توفیق عطا فرمائیں اور مؤلف کو ہر قسم کے شر اور فتنوں سے محفوظ فرما کر صحت و سکون کی دولت سے مالا مال فرمائیں۔

آمین یا رب العالمین

دعا گو: سید محمد طاہر شاہ ہاشمی

مہتمم: مدرسہ اسلامیہ سراج العلوم محمدیہ الہاشمیہ

شیخ عمر روڈ احمد شاہ اسٹریٹ ہڈہ کوٹہ

۲۳ صفر المظفر ۱۴۴۵ھ بمطابق ۱۲ ستمبر ۲۰۲۳ء

Mufti Abdul Wahid Qureshi

PRINCIPAL: Idarat-ul-Henan

AMU and with Waqaf at Madani Al-Farooq Pakistan

CHAIRMAN Dar-ul-His Wal-Ishad Masjid Karima Trust

AMEER, AMU TUNDU ANI-S-SORAH-WA-JAMAT

Uyghur Pakhtunkhwa Pakistan

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ



مفتی عبدالواحد قریشی

صدر: دارالافتاء

ایم ایس ڈی ایف و ایف و ایف مسجد و مسجد النبیہ ٹرسٹ

امیر، ایم یو جات مل سورت و جماعت حیدر پختونخوا

تاریخ: 02-07-2025

حوالہ نمبر: 043-2025

اہل حق کی طرف سے عقیدہ حقانیت کو تسلیم اور مسئلہ ناموس نبیہ کرم علیہم السلام کے مبارک عنوان پر گزشتہ کئی صدیوں سے لاتعلو و کتب تحریری کی ہیں اور یہی برس نہیں بلکہ ہشتادوں سال تک لکھنے والے اس مقصد سے خاطر ہزاروں جانوں کی قربانی دی ہے اور یہ لوگ یہ قربانیاں نہیں نہ دیتے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کے سب سے عزیز اور آخری نبی تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پوری زندگی اللہ تعالیٰ سے حکمت پر عمل کرتے اور اس سے پیڑھاہ (قرآن کریم) میں مذکور نبیہ پوری انھیں کہہ چکے ہیں صرف کر رہی اور اس کام میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے حد تک کامیاب کامیاب رہا جنہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت شہدہ و شافی سے برداشت کیا۔

مشہور مجاہد صلی اللہ علیہ وسلم ہدایت لکھنے والے آپ دنیا کی 100 عظیم ترین شخصیات کی فہرست شائع کی ہے آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پانچ بیٹن پر درج کیا ہے۔ ان میں سے دو بیٹوں کے بغیر حضرات اور احقرین کے نام جو اس سے جڑا کرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کردار اور خلق کی نہ صرف قرآن کی بلکہ یہ بھی واضح کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کا نام کی واحد شخصیت ہیں جن کی خاطر ان کی کھس مسکن جاتی باقی کا کہاری زندگی کو اللہ تعالیٰ کے نام پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر قربان کرنے کو تیار رہے ہیں۔

زیر نظر کتاب "فتاویٰ ناموس انبیاء کرم علیہم السلام" پر دوم مطلق محمد خالد علی (فاضل بہارہ مطلق العلوم کوٹہ بلوچستان) کی تالیف ہے جو کہ انہوں نے کارہنہ کے فتویٰ میں منتشر مسوئوں کو جمع کرنے کی صورت میں ترتیب دی ہے۔

کتاب کے چند اہل حق پلنے کی فرصت میرا آنے پر مودا اختیار کی مطلق معلوم ہوا (زیر نظر کتاب میں حضرت انبیاء کرم علیہم السلام سے متعلق تحریرات ہم معصومہ ہمارے سب سے مومن و مومن بنی ہیں اور ساتھ ہی ان کتب کا جو ہمیں دین کر دیا گیا ہے جس سے کتاب کی افادیت مزید بڑھ گئی ہے۔ اللہ رب العزت سے کامیاب امید ہے کہ کتاب قارئین کے لئے اچھا مفید ثابت ہوگی۔

آخر میں وہ کریم ہے، جب کہ صاحب تالیف کو اس سسر میں دینی، آخری مزید ترقی و ترقی ملے۔

الواضحیٰ الی رحمة ربہ الرحمن بجاہ النبی الکریم علیہ التحیة والتسلیم

مفتی عبدالواحد قریشی

مدیر: ادارۃ النعمان لاہور اسلامک خان، خیر پختونخوا

تاریخ: 02 جولائی 2025

محمد عبدالواحد قریشی

Mufti Abdur Rehman Mulla Khail

DAR-UL-IFTA WA TAHQEEQ (Trust)

Address

(1) Abu bakor Masjid Phase II Defence Karachi

(2) Dar ul Jiloom Aisha Siddiqah Abdul Khail

Dera Ismail Khan

Tel: 0333-2261145 0313-2775126

مفتی عبدالرحمن ملا خیل

دارالافتاء والتحقق (ترست)

پتہ: (۱) ابو بکر مسجد فیز ۲، پٹنہ کراچی۔

(۲) دارالعلوم عائشہ صدیقہ عبدل خیل ڈیرہ اسماعیل خان۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

طاہرہ اوصلیا

”فتاویٰ ناموس انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام“ نام سے ہی کتاب کا موضوع اور اس کی عظمت و افادیت ظاہر ہے، اس موضوع پر پہلی مرتبہ چار جلدوں پر مشتمل مفصل و مدلل کتاب سامنے آرہی ہے، اللہ تعالیٰ قاضی مؤلف ”مولوی محمد خالد حقانی“ کی زندگی میں علم و عمل میں خوب برکت عطا فرمائے، مخلوقات میں سے سب سے زیادہ شرف انسان کو حاصل ہے پھر ان میں سے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام زیادہ واجب الاحترام والا کرام ہیں، پوری انسانیت پر ان کا براہِ حق ہے موصوف نے حسب استعداد اس کی اہمیت کو قدر سے نہ سن کر سچے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور پوری امت کے لئے نازل ہوا ہے۔

چنانچہ نہ ظلم مؤلف نہ یہ مہر دے ایسے تمام فتویٰ اور تحریرات کو یک جا کیا، جو ناموس انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے متعلق تھیں اور ان میں موصوف کی رسائی ہوئی، موصوف کا است پر یہ بڑا احسان ہے اللہ تعالیٰ ان کی کاوش کو شرف قبولیت سے نوازا۔ آمین

محمد رفیع الرحمن



الاستاذ الفاضل والمجتهد
شیخ الاسلام والافتاء

جانبہ مار سیدہ در العلوم رحمہ اللہ

مفتی گل حسن

مرکز مشاورت اسلامی

تاریخ: ۱۴/۱۲/۱۴۲۶ھ
۱۴.۶.۲۰۲۵

جلد نمبر: ۸

نحمدہ ونصلیٰ ونسلم علیٰ رسولہ الکریم

احباب!۔۔۔ کتاب (فتاویٰ ناموس انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام) جس کو حضرت مولانا محمد خالد خفی دامت برکاتہم العالیہ نے ترتیب دیا ہے جو کہ چار ہندوں پر مشتمل ہے۔ میں نے اس کے متعدد مقامات کا مطالعہ کیا۔ کتاب ہذا پانچ ابواب پر مشتمل ہے۔ کتاب میں ہمارے اسراف کے معتبر کتب فتاویٰ سے مضمون کی مناسبت سے بعینہ سوال و جواب کو یک جا جمع کیا گیا ہے۔ استفادہ کرنے والوں کیلئے آسانی کی گئی ہے۔ کہ ناموس انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے متعلق جو مضمون دیکھنا ہو تو اس کتاب سے آسانی دستیاب ہو سکتی ہے۔ اگرچہ کتاب ہذا مستقل فتویٰ کی کتاب نہیں ہے لیکن ایک مضمون کے متعلق ایک ذخیرہ اور دستاویز کی حیثیت رکھتی ہے، دورِ حاضر میں اس کی اشد ضرورت ہے۔ ناموس انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے متعلق ایک جامع اور مجموعہ الفتاویٰ کی حیثیت رکھتی ہے، اسم و مستی ہے۔ اور حسن ترحیب عجیب ہے۔ رب ذوالجلال مرہب کو ابراہیم عظیم عطاء فرمائے، اور تمام عباد کیلئے باعث برکت و فلاح دارین اور ذریعہ نجات بنائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی خاتم الانبیاء والمرسلین محمد وآلہ واصحابہ اجمعین۔

فقط والسلام

۱۴/۱۲/۱۴۲۶
۱۴.۶.۲۰۲۵
مرکز مشاورت اسلامی
مفتی گل حسن

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

عرض مرتب

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم اما بعد!

”فتاویٰ ناموس انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام“ کوئی مستقل کتاب نہیں ہے بلکہ ہمارے اکابر علمائے دیوبند کے فتاویٰ کا وہ مجموعہ ہے جو انہوں نے انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کے متعلق سائلین حضرات کے سوال کے جواب میں تحریر فرمایا ہیں، اور پھر وہ فتاویٰ ان حضرات کے اپنے فتاویٰ مثلاً فتاویٰ رشیدیہ، امداد الفتاویٰ، فتاویٰ دارالعلوم دیوبند وغیرہ میں شائع بھی ہو چکے ہیں۔ فقیہ النفس قطاب الاقطاب حضرت اقدس مولانا رشید احمد گنگوہی صاحب نور اللہ تعالیٰ مرقدہ کے زمانہ سے لے کر عصر حاضر تک اکابرین علمائے دیوبند کے جو فتاویٰ شائع ہو چکے ہیں، (ان میں سے جو فتاویٰ کتابی شکل میں یا پی ڈی ایف کی شکل میں بندہ کو ملے) ان میں سے انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کے متعلق فتاویٰ کو بندہ نے اکٹھا کیا اور اس پر الحمد للہ کافی مواد اکٹھا ہوا، جن کو بندہ نے چار جلدوں میں ترتیب دی اور انہیں پانچ ابواب میں تقسیم کیا ہے، پہلا حصہ آدم علیہ الصلاۃ والسلام سے لے کر حضور علیہ الصلاۃ والسلام تک انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کے بارے میں متفرق فتاویٰ ہیں، دوسرا حصہ معجزات کے بارے میں ہے، تیسرا حصہ انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کے توسل سے دعا کرنے کے بارے میں ہے، اور چوتھا حصہ حیات انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کے بارے میں ہے، اور پانچواں حصہ ردقادیانیت کے بارے میں ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ بندہ کی اس حقیر سی کوشش کو اپنی بارگاہ میں قبول مقبول فرما کر آخرت میں نجات کا ذریعہ بنائے۔ آمین۔

بندہ محمد خالد حنفی

انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کا بیان

نبوت تشریعی و غیر تشریعی

﴿ سوال ﴾:

صاحب شریعت کس نبی کو کہتے ہیں، اس کی تعریف کیا ہے؟
۲..... غیر تشریعی نبی کس کو کہتے ہیں، اس کی تعریف کیا ہے؟

﴿ الجواب حامداً ومصلیاً ﴾:

۱..... جس کی شریعت مستقل ہو۔

۲..... جو دوسرے نبی کے تابع ہو (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ (فتاویٰ محمودیہ،

ج: ۱، ص: ۳۷۲)



نبوت تشریعی اور غیر تشریعی میں فرق

﴿ سوال ﴾:

امام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں: ”قُولُوا أَنَّهُ خَاتَمُ
النَّبِيِّينَ وَلَا تَقُولُوا لَا نَبِيَّ بَعْدَهُ“.

﴿ جواب ﴾:

(۱): فی شرح العقائد النسفية: والرسول انسان بعثه الله الى الخلق لتبليغ

الأحكام، وقد يشترط فيه الكتاب، بخلاف النبي فإنه أعم. (شرح العقائد النسفية،

بحث خبر الرسول ﷺ، ص: ۵۷، ط، المكتبة البشري كراتشي)

(و كذا فی شرح الفقه الأكبر، بحث يجب على المكلف أن يقول آمنت بالله و

ملائكته وكتبه ورسوله، ص: ۱۱، ط، دار الكتب العربية الكبرى مصر)

(تکملہ مجمع البحار، ج: ۵، ص: ۵۰۲) میں علامہ محمد طاہر پٹنی نے یہ قول نقل کر کے لکھا ہے۔ ”وہذا ناظر الی نزول عیسیٰ“۔ یعنی یہ ارشاد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے پیش نظر فرمایا۔

﴿ سوال ﴾:

امام عبدالوہاب شعرانی [رحمہ اللہ تعالیٰ] فرماتے ہیں ”مطلق نبوت نہیں اٹھائی گئی محض تشریحی نبوت ختم ہوئی ہے۔ جس کی تائید حدیث میں حفظ القرآن الخ“ سے بھی ہوتی ہے (جس کے معنی یہ ہیں کہ جس نے قرآن حفظ کر لیا اس کے دونوں پہلوؤں سے نبوت بلاشبہ داخل ہو گئی) اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قول مبارک ”لَا نَبِيَّ بَعْدِي وَلَا رَسُولٌ“ سے مراد صرف یہ ہے کہ میرے بعد کوئی ایسا نبی نہیں جو شریعت لے کر آئے، محی الدین ابن عربی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ”جو نبوت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے آنے سے منقطع ہوئی ہے وہ صرف غیر تشریحی نبوت ہے نہ کہ مقام نبوت“ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر مہربان ہے اس لیے اس نے ان کی خاطر تشریحی نبوت باقی رکھی۔ مذکورہ بالا دو اقوال واضح فرمادیں۔ تشریحی اور غیر تشریحی بھی واضح فرمادیں۔ کیا اس کو اپنے لیے دلیل بنا سکتے ہیں؟



﴿ جواب ﴾:

شیخ ابن عربی رحمہ اللہ تعالیٰ اولیاء اللہ کے کشف والہام کو ”نبوت“ کہتے ہیں اور حضرت انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کو جو منصب عطا کیا جاتا ہے اسے ”نبوت تشریحی“ کہتے ہیں۔ یہ ان کی اپنی اصطلاح ہے۔ چونکہ انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام کی نبوت ان کے نزدیک تشریع کے بغیر نہیں ہوتی اس لیے ولایت والی نبوت واقعاً نبوت ہی نہیں۔ علامہ شعرانی رحمہ اللہ تعالیٰ اور شیخ ابن عربی رحمہ اللہ تعالیٰ بھی انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام والی نبوت (جو ان کی اصطلاح میں نبوت تشریحی کہلاتی ہے) کو ختم مانتے ہیں اور ولایت کو

جاری۔ اور یہی عقیدہ اہل سنت والجماعت کا ہے فرق صرف اصطلاح کا ہے (۲)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ [آپ کے مسائل اور ان کا حل ج ۱ ص ۲۳۳، ۲۳۴]۔ (فتاویٰ ختم نبوت، ج: ۱، ص: ۲۲۷، ۲۲۸، ط، عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت ملتان)



(۲) فی الیواقیت الجواهر تنقسم النبوة البشرية على قسمين: القسم الأول: من الله تعالى الى غيره من غير روح ملكي بين الله تعالى وبين عبده بل اخبارات الہیة یجدہا فی نفسہ من الغیب أو فی تجلیات، ولا یتعلق بذلك الاخبار حکم تحلیل ولا تحریم بل تعریف بمعانی الكتاب والسنة أو بصدق حکم مشروع ثابت أنه من عند الله تعالى أو تعریف بفساد حکم قد ثبت بالنقل صحته ونحو ذلك وكل ذلك تنبيه من الله تعالى شاهد عدل من نفسه قال ولا سبيل لصاحب هذا المقام أن يكون على شرع يخصه يخالف شرع رسوله أرسل اليه وأمرنا باتباعه أبداً.

القسم الثاني: من النبوة البشرية وهو خاص بمن كان قبل بعثة نبينا محمد صلى الله عليه وآله وسلم، وهم الذي يكونون كالتلامذة بين يدي الملك، فينزل عليهم الروح الأمين بشريعة من الله تعالى في حق نفوسهم بتعبدتهم بها فيحل لهم ما شاء ويحرم عليهم ما شاء ولا يلزمهم اتباع الرسل وهذا المقام لم يبق له أثر بعد محمد صلى الله عليه وآله وسلم.. الخ. (اليواقیت والجواهر فی بیان عقائد الأكابر، المبحث الثالث والثلاثون فی بیان بداية النبوة والرسالة والفرق بينهما وبيان امتناع رسالة رسولین معاً فی عصر واحد وبيان أنه ليس كل رسول خليفة وغير ذلك من النفائس التي لا توجد فی كتاب، الجزء الثاني، ص: ۳۴۸، ۳۴۹، ط، دار احیاء التراث العربی بیروت لبنان)

عصمت انبیاء علیہم السلام اور ان کی طرف منسوب الفاظ کا صحیح مفہوم

﴿ سوال ﴾:

کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اہل سنت والجماعت کا متفقہ عقیدہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام والتسلیمات قبل النبوة وبعث النبوة معصوم ہوتے ہیں یعنی صغائر اور کبار کا ارتکاب نہیں کر سکتے حالانکہ آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے شجرہ ممنوعہ کھایا ہے وغیرہ وغیرہ، اس مسئلہ کے بارے میں ہمارے علاقہ کے علماء بڑی پریشانی کا شکار ہیں مہربانی فرما کر اس کے بارے میں رہنمائی فرمائیں اور عند اللہ ماجور ہوں۔

﴿ الجواب باسم الملك الوهاب ﴾:

اہل سنت والجماعت کے نزدیک انبیاء علیہم السلام سے کسی قسم کا کوئی گناہ سرزد نہیں ہوتا، انبیاء علیہم السلام تمام صغائر وکبار سے قبل النبوة معصوم ہوتے ہیں بظاہر جو گناہ معلوم ہوتے ہیں حقیقتاً وہ گناہ نہیں ہوتے، چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام کے بارے میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ”فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهُ عَزْماً“ آدم علیہ السلام بھول گئے پس بھول جانا گناہ نہیں ہوا کرتا، گناہ تو وہ معصیت ہے جو جان بوجھ کر قصد و ارادہ سے جس کا ارتکاب کیا جائے، رہی بات ”عَصَى آدَمُ رَبَّهُ فَغَوَى“ تو یہ اجتہاد فی الخطاء اور نسیان صورتاً ہوا ہے، اس لیے کہ بظاہر اللہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی ہے لیکن حقیقت میں معصیت نہیں کیونکہ معصیت تو دانستہ و قصداً ہوا کرتی ہے، ”حسنات الابرار سیئات المقربین“ کے ضابطہ کے تحت تعبیر میں اللہ تعالیٰ نے ذرا سخت انداز اپنایا ہے۔

”اصح الاقوال انهم معصومون عن المعاصي كلها

من الكبائر والصغائر عمداً او سهواً قبل النبوة وبعدها في حال

الصحة والمرض وفي حال الغضب والرضا وما اوحى الله

تعالى اليهم بواسطة ملك او الهام او منام او غير ذلك فانه

كله حق صدق ماينطق عن الهوى ان هو الا وحى يوحى“
(قطب الارشاد: ۸۳).

”ثم هذه العصمة ثابتة للانباء قبل النبوة وبعدها
على الاصح وهم مؤيدون بالمعجزات الباهرة والآيات
الظاهرة“. (شرح فقه الاكبر: ۵۷)

(وعصى آدم ربه) باكل الشجرة (فغوى) يعنى ضل
عن المطلوب و اخطأ طريق الحق وخاب حيث طلب الخلد
باكل الشجرة التى هى سبب لضره او عن المأمور به او عن
الرشد حيث اغتر بقول العدو قال ابن الاعرابى اى فسد عليه
عيشه فصار من العز الى الذل ومن الراحة الى
التعب“.....(تفسير مظهرى: ۶/۹۹)

”(فغوى) ففصد عيشه بنزوله الى الدنيا والغى الفساد
وهو تاويل حسن وهو اولى من تاويل من يقول (فغوى) معناه
ضل من الغى الذى هو ضد الرشد“. (احكام القرآن
للقرطبي: ۱۱/۲۵۷)

تمام انبياء کرام کے وہ تمام اقوال و افعال بظاہر گناہ نظر آتے ہیں وہ گناہ نہیں ہوتے
بلکہ ان کے عالی مقام کے شایان شان نہیں ہوتے، اس لئے اللہ جل شانہ کی طرف سے ان
پر تنبیہ ہوتی ہے۔ (ارشاد المفتین، ج: ۱، ص: ۲۷۸، ۲۷۹، ط، مکتبۃ الحسن لاہور)



عصمت انبیاء علیہم السلام

﴿سوال﴾:

انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام قبل النبوة وبعد النبوة معصوم ہیں یا نہیں؟ زید انبیاء علیہم السلام کی عصمت پر اعتراض کرتا ہے مثلاً آدم علیہ السلام کا شجرہ ممنوعہ کے پاس جانا، موسیٰ علیہ السلام کا قبطی کو قتل کرنا اور وہ حدیث کہ انبیاء علیہم السلام کا نفسی نفسی ارشاد فرمانا، اس کا مفصل طور پر مع الدلائل جواب مرحمت فرمائیں؟

﴿الجواب باسم الملك الوهاب﴾:

اہل السنۃ والجماعۃ کے نزدیک انبیاء علیہم السلام سے کسی قسم کا کوئی گناہ سرزد نہیں ہوا، انبیاء علیہم السلام تمام صغائر و کبائر گناہوں سے قبل النبوة وبعد النبوة معصوم ہوتے ہیں، بظاہر جو گناہ معلوم ہوتے ہیں حقیقتاً وہ گناہ نہیں ہیں چنانچہ آدم علیہ السلام کے بارے میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ”فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهُ عَزْماً“ آدم علیہ السلام بھول گئے، پس بھول جانا گناہ نہیں ہوا کرتا، گناہ وہ معصیت ہے جس کا دیدہ و دانستہ قصد و ارادۃ ارتکاب کیا جائے۔

”واصح الاقوال انهم معصومون عن المعاصي كلها

من الكبائر والصغائر عمدا او سهوا قبل النبوة وبعدها“.

(قطب الارشاد: ۸۳)

”ان الولی لا يبلغ درجة النبی لان الانبياء عليهم

السلام معصومون مامونون عن خوف الخاتمة مكرمون

بالوحي حتى في المنام و بمشاهدة الملائكة الكرام مامورون

بتبليغ الاحكام وارشاد الانام بعد الاتصاف بكمالات الاولياء

العظام“.(شرح الفقه الاكبر: ۱۲۱)

”الانبياء عليهم السلام كلهم منزهون عن الصغائر

والکبائر والكفر والقبائح یعنی قبل النبوة وبعدها..... (شرح

الفقه الاکبر: ۵۶)

زید کا حضرت آدم علیہ السلام پر اعتراض کرنا زید کا استدلال قرآن پاک کی آیت ”وعصى آدم ربه فغوى“ اس کا جواب یہ ہے کہ عصیان اور غوی کا اطلاق اس اجتہاد فی الخطاء اور نسیان پر صورتاً ہوا ہے اس لیے کہ بظاہر اللہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی ہے لیکن حقیقت میں معصیت نہیں ہے کیونکہ معصیت تو دیدہ دانستہ قصداً و ارادۃً ارتکاب کا نام ہے، البتہ حضرت آدم و حوا علیہما السلام کو اتنی بات پر اتنا سخت عتاب ہوا کہ جنت سے نکالے گئے کیونکہ ”حسنات الابرار سیئات المقربین“ کے تحت انبیاء مقربین بندے ہوتے ہیں نیز یہ بظاہر عتاب مگر حقیقت میں شرف خلافت سے نوازنے کا ذریعہ تھا۔

وعصى آدم ربه باكل الشجرة فغوى یعنی ضل عن

المطلوب و اخطاء طريق الحق و خاب حيث طلب الخلد

باكل الشجرة التي هي سبب لضره او عن المامور به او عن

الرشد حيث اغتر بقول العدو قال ابن الاعرابی ای فسد عليه

عيشه فصار من العزالي الذل“. (تفسیر مظہری: ۹۹/۶)

”فغوى ففسد عيشه بنزوله الى الدنيا والغى الفساد

وهو تاويل حسن وهو اولى من تاويل من يقول فغوى معناه

ضل من الغى الذى هو ضد الرشد“. (احکام القرآن

للقرطبی: ۲۵۷/۱۱)

زید کا حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اعتراض کرنا کہ انہوں نے ایک قبیلے کو قتل کر دیا تھا

حالانکہ قتل کرنا گناہ کبیرہ ہے پس یہ عصمت انبیاء کے منافی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت

موسیٰ علیہ السلام کا اس کو مارنا بقصد قتل نہ تھا بلکہ نیت تادیب اور مظلوم کی مدد کرنا تھا دوسری

بات یہ ہے کہ قتل آلہ قتل سے کیا جاتا ہے حالانکہ مکارنا آلہ قتل سے نہیں تھا، نیز وہ مقام

دارالحرب تھا اور قبطنی حربی مباح الدم بھی تھا۔

”ان يقال انه كان لكفره مباح الدم“۔ (تفسير الكبير:

(۵۸۵/

”فوكزه موسى ففضى عليه (الآية سورة القصص) قال

تحت قوله تعالى فوكزه موسى.... وهذا لم يكن مناف

لعصمه لكونه خطاء وانما عد ذلك من عمل الشيطان و

سماه ظلما واستغفر عنه على عادة المقربين في استعظام

محقرات صدرت منهم“ (تفسير المظهری: ۱۵۹/۷)

اور یہ اشکال کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے گناہ کا خود ہی اقرار کر دیا ”وَلَهُمْ

عَلَى ذَنْبٍ فَخَافَ أَنْ يَقْتُلُوْنَ“ اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں ذنب سے مراد تاوان ہے

نہ کہ گناہ، قرینہ اس بات پر یہ ہے کہ ”وَلَهُمْ عَلَى ذَنْبٍ“ ان قبٹیوں کا مجھ پر ذنب ہے

حالانکہ گناہ اللہ کا کیا جاتا ہے نہ کہ بندوں کا، لہذا یہاں ذنب سے مراد تاوان لیا جائے گا۔

”اراد بالذنب قتله القبطی وقيل كان خباز فرعون

واسمه فاتون يعنى ولهم على تبعة ذنب وهى قود ذلك

القتل فاحاف ان يقتلوني به فحذف المضاف او سمى تبعة

الذنب ذنبا كما سمى جزاء السيئة سيئة“۔ (تفسير الكشاف:

(۳۰۹/۳

زید کا انبیاء علیہم السلام پر اعتراض کرنا کہ روز قیامت نفسی نفسی کہیں گے، اس کا

جواب یہ ہے کہ جو بھول چوک انبیاء علیہم السلام سے ہوئی تھی اس بھول چوک کا خوف ان پر

ہوگا کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اجتہادی غلطی کی بناء پر پکڑ نہ لیں کیونکہ ”حسنات الابرار سیئات

المقربين“ کے تحت کہ انبیاء علیہم السلام مقربین بندے ہوتے ہیں، اس وجہ سے ان کو اپنی

اجتہادی غلطی کا خوف ہوگا اور عظمت مرتبہ کی وجہ سے اپنی اجتہادی غلطی کا خوف یہ عصمت

انبیاء علیہم السلام کے منافی نہیں۔ (ارشاد المفتین، ج: ۱، ص: ۲۵۳ تا ۲۵۵، ط، مکتبۃ الحسن لاہور/ امداد الفتاوی، ج: ۱۲، ص: ۲۵۸، ۲۶۰، ط، زکریا بک ڈپوالہند/ احسن الفتاوی، ج: ۹، ص: ۵۸ تا ۵۶، ط، ایم ایچ سعید کراچی/ فتاوی دارالعلوم وقف دیوبند، ج: ۱، ص: ۲۱۰، ط، حجۃ الاسلام اکیڈمی/ فتاوی محمودیہ، ج: ۱، ص: ۳۰۹ تا ۳۱۱/ فتاوی عثمانی، ج: ۱، ص: ۶۶، ۶۷، ط، مکتبۃ معارف القرآن کراچی/ خیر الفتاوی، ج: ۱، ص: ۱۷۱ تا ۱۷۳، ط، مکتبۃ امدادیہ ملتان/ المسائل المهمہ فیما ابتلت بہ العامة، ج: ۹، ص: ۲۲/ کتاب النوازل، ج: ۱، ص: ۲۶۷، ۲۶۸، ط، المرکز العلمی للنشر والتحقیق لال باغ مراد آباد الہند)



تحقیق عصمت انبیاء

﴿سوال﴾:

کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ عام طور پر کہا جاتا ہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام گناہوں سے معصوم ہوتے ہیں اس سے کیا مراد ہے؟ کیا صغیرہ اور کبیرہ دونوں قسم کے گناہوں سے معصوم ہوتے ہیں؟ اور یہ عصمت نبوت ملنے سے پہلے بھی ہوتی ہے یا نبوت کے بعد؟ نیز حضرت آدم علیہ السلام کے جسم میں روح ڈالتے ہی نبوت مل گئی تھی یا پھر زمین پر آنے کے بعد ملی تھی اگر جسم میں روح ڈالتے ہی مل گئی تھی تو جنت میں جس درخت سے منع کیا گیا اس کا کھانا گناہ کبیرہ تھا یا صغیرہ؟ نیز بعض لوگ حضرت آدم علیہ السلام کے بارے میں کہتے ہیں کہ وہ نبی نہیں تھے کیا یہ بات صحیح ہے؟ اگر صحیح نہیں تو پھر اس بات کے کہنے والوں کا کیا حکم ہے؟ براہ کرم مفصل انداز میں جواب دیں۔

﴿الجواب حامداً ومصلیاً﴾:

انبیاء کرام راجح قول کے مطابق نبوت ملنے سے پہلے اور نبوت ملنے کے بعد صغائر اور کبار دونوں سے معصوم ہوتے ہیں۔ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نبوت زمین پر آنے

کے بعد ملی ہے آپ کی نبوت کا انکار کرنے والا کافر ہے۔ رہی یہ بات کہ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس درخت سے تناول فرمایا جس سے منع کیا گیا تھا۔ تو درحقیقت یہ نہ ہی صغیرہ گناہ ہے اور نہ کبیرہ بلکہ یہ محض لغزش تھی، جو نسیان یا غلط فہمی کی بنیاد پر صادر ہوئی تھی اور ”حسنات الابوار سیأت المقربین“ (نیکو کار کی نیکیاں مقربین کے گناہوں کے برا بر ہیں) قاعدے پر سرزنش کی گئی۔

لما فی فیض الباری (۲/۱۱): وقد علمت سابقا ان
الاشاعرة جوزوا الصغائر قبل البعثة ونفاها الماتريدية وقالوا
بالعصمة قبلها وبعدها.

وفی النبراس (ص ۴۵۴): المذكور فی کلام
الشارح هو مذهب عامة المکلمین وخالفهم جمهور جمع
من العلماء فذهبوا الی العصمة عن الصغائر والكبائر قبل
الوحي وبعده وهو مختار ابی المنتهی شارح الفقه الاکبر
والشیخ عبدالحق المحدث الدهلوی..... وقال الامام الشیخ
ابو منصور الماتریدی الانبیاء احق بالعصمة من الملائكة لان
الامم مامورون بالاتباع للانبیاء لا الملائكة واختار القاضی
عیاض عصمتهم بعد الوحي عن کل صغیرة وکبیرة ونسبه الی
طائفة من المحققین وقال وقد اختلف فی عصمتهم قبل
النبوة والصحيح ان شاء الله تعالى تنزیهم من کل
عیب..... (ص ۴۵۷) وما كان بطریق التواتر فمصرف عن
الظاهر کقول ابراهیم علیہ السلام مشیرا الی الکواکب هذا
ربی وتاویلہ ان همزة الاستفهام محذوفة والمعنی اهذا ربی
برعکم..... ”ان امکن“ الصرف عن الظاهر ”والا“ فمحمول

على ترك الاولى " نحو عصى آدم ربه فغوى وقال واحد من الائمة سمي الله ترك الاولى منهم عصيانا لعظم منزلتهم كما قبل حسنات الابرار سيأت المقربين واستغفار الانبياء من ترك الاولى هضما لنفوسهم والا فليس من الذنب ولا عقاب عليه او كونه قبل البعثة كما قيل فى اكل آدم عليه السلام الشجرة وكما قيل فى اخوة يوسف عليه السلام على تقدير انهم انبياء لكن بعض العلماء صحح انهم ليسوا بانبياء.

وفى شرح الفقه الاكبر (ص ٥٦): والانباء عليهم الصلاة والسلام كلهم اى جميعهم الشامل لرسلمهم ومشاهيرهم وغيرهم اولهم آدم عليه الصلاة والسلام على ما ثبت بالكتاب والسنة واجماع الامة فمانقل عن بعض من انكار نبوته يكون كفرا منزهون ان معصومون عن الصغائر والكبائر اى من جميع المعاصى والكفر خص لانه اكبر الكبائر (ص ٥٧) ثم هذه العصمة ثابتة للانباء قبل النبوة وبعدها على الاصح وقد كانت منهم اى من بعض الانبياء قبل ظهور مراتب النبوة او بعد ثبوت مناقب الرسالة زلات اى تقصيرات وخطيئات اى عثرات بالنسبة الى مالهم من على المقامات وسى الحالات كما وقع لآدم عليه الصلوة والسلام فى اكله من الشجرة على وجه النسيان او ترك العزيمة واختيار الرخصة ظناً منه ان المراد بالشجرة المنهية المشار اليه بقوله تعالى ولا تقربا هذه الشجرة هى الشخصية

لا الجنسية فاكل من الجنس لامن الشخص بناء على
الحكمة الالهية ليظهر ضعف قدره البشرية وقوة اقتضاء
مغفرة الربوبية. (نجم الفتاوى، ج: ۱، ص: ۲۳۹، ۲۴۰)



عصمتِ صبی اور عصمتِ نبی میں کیا فرق ہے؟

﴿ سوال ﴾:

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: عصمتِ صبی و
عصمتِ نبی میں کیا فرق ہے؟ میرے ذہن میں یہ فرق ہے کہ بچہ تو عدم تکلیف کی بنا پر معصوم
ہے اور نبی مکلف ہونے کے باوجود معصوم ہوتا ہے، مگر یہ ذہنی اختراع ہے کہیں نظر سے نہیں
گذرے، اس لئے تحقیق کے ساتھ مع حوالہ جواب مطلوب ہے۔

﴿ الجواب وبالله التوفيق ﴾:

عصمتِ انبیاء اور عصمتِ اطفال کے درمیان فرق کے سلسلہ میں آپ نے جو بات
لکھی ہے کہ ان میں تکلیف اور عدم تکلیف کا فرق ہے، یہ بالکل واضح ہے اور حدیث نبوی:
رفع القلم عن ثلاثة..... وعن الصبی حتی یکبر. (سنن أبی داؤد ۶۰۴/۲) سے
بھی یہی معلوم ہوتا ہے، اور بچہ کی یہ عصمت صرف اس معنی کر ہے کہ اس سے زمانہ طفولیت
کے کسی فعل پر آخرت میں مواخذہ نہ ہوگا، ورنہ دنیوی اعتبار سے اس سے فعل گناہ صادر
ہو سکتا ہے، مثلاً وہ ظلم کسی کو مار دے یا چوری کر لے یا شراب پی جائے وغیرہ، اس کے بر
خلاف حضرات انبیاء علیہم السلام سے مکلف ہونے کے باوجود گناہ کا صدور ہی نہیں ہو سکتا،
وہ جذبہٴ معاصی سے پوری طرح معصوم اور محفوظ ہوتے ہیں اور گناہ کا اختیار ہونے کے
باوجود ان سے معصیت صادر نہیں ہو سکتی، اہل سنت والجماعت کا یہی مذہب ہے۔

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ نے فرمایا ہے کہ:

”بچوں میں معصومیت صرف اس لئے ہوتی ہے کہ ان میں گناہ کرنے کی قوت بیدار نہیں ہوتی، صرف مادہ موجود ہوتا ہے اور انبیاء میں وہ ساری قوتیں موجود ہیں، پھر بھی وہ اپنے اختیار اور ارادہ سے معصوم رہتے ہیں۔“ (مجالس حکیم الاسلام ۵۴۷)

﴿وَلَوْلَا اَنْ تُبْتِنَكَ لَقَدْ كِدْتَ تَرْكُنْ اِلَيْهِمْ شَيْئًا

قَلِيْلًا﴾ [بنی اسرائیل: ۷۴]

﴿مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰی﴾ [النجم: ۲]

﴿وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَا اَنْ رَّا بُرْهَانَ

رَبِّهٖ﴾ [یوسف: ۲۴]

ان الأنبياء معصومون عن الكذب في التبليغ وغيره
خصوصاً فيما يتعلق بأمر الشرائع وتبليغ الأحكام وارشاد
الأمة وهو أنهم معصومون من الكفر قبل الوحي وبعده
بالاجماع. (نبراس ۲۸۳)

والمختار عندي أنهم معصومون وساوس الشيطان
وعن الكذب والكبائر والصغائر عمداً وسهواً قبل البعثة
وبعدها. (مرام الكلام ۳۲)

والأنبياء عليهم الصلاة والسلام كلهم منزهون عن
الصغائر والكبائر. (شرح الفقه الأكبر ۵۶)

قال القاضي عياض: واعلم أن الأمة مجتمعة على
عصمة النبي من الشيطان في جسمه وخاطره ولسانه. (تفسير
خازن ۲/۲۷۰)

وأما تعريفها الحقيقي على ما ذكره في شرح

المقاصد فهو أنها ملكة اجتناب المعاصي مع التمكن منها. (حاشية خيالي ۱۰۷)

قال أئمة الأصول: الأنبياء عليهم الصلاة والسلام كلهم معصومون لا يصدر عنهم ذنب ولو صغيرة سهواً ولا يجوز عليهم الخطاء في دين الله قطعاً وفاقاً للأستاذ أبي اسحاق الأسفرايني وأبي الفتح الشهرستاني والقاضي عياض والشيخ تقي الدين السبكي وغيرهم. (اليواقيت والجواهر ۲/۲)

عن علي رضي الله تعالى عنه قال: سمعت رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم يقول: "رفع القلم عن ثلاثة: عن الصغير حتى يبلغ، وعن النائم حتى يستيقظ، وعن المصاب حتى يكشف عنه". (مسند الامام أحمد بن حنبل ۱۸۷/۱ رقم: ۹۴۳ بيروت) فقط والله تعالى اعلم (كتاب النوازل، ج: ۱، ص: ۲۶۸ تا ۲۷۰، ط، المركز العلمي للنشر والتحقيق لال باغ مراد آباد الهند)



عصمت انبیاء پرشیعہ کے استدلال کا جواب

﴿سوال﴾:

بیان القرآن صفحہ (۲۱) تحت آیت قَالَ لَا يَنْالُ عَهْدِي الظَّالِمِينَ حاشیہ تحتانی الکلام احتج بعض اهل البدع بالآية على عصمة الائمة الخ یعنی اہل بدعت نے ائمہ کی عصمت پر اس آیت سے استدلال کیا ہے۔ جواب کا حاصل یہ ہے کہ امامت انبیاء

کو حق تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب فرمایا ہے اور امامت متنازع فیہ بوجہ شوریٰ کے مخلوق کی طرف منسوب ہے وجہ اشکال یہ ہے کہ اہل بدعت اس امامت کو بھی منصوص عن اللہ مانتے ہیں اور اسی لئے خلفاء ثلاثہ کی امامت کے منکر ہیں کہ انھیں لوگوں نے امام بنالیا۔ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حق تعالیٰ نے بذریعہ وحی امام بنایا تھا۔

﴿الجواب﴾:

آپ نے جواب میں غور نہیں کیا میں نے پوری عبارت جواب کی دیکھی جواب کا حاصل منع ہے اور منع کے لئے سند کی ضرورت نہیں اور اگر تبرعاً پیش کر دی جاوے اس پر قدح مضر منع نہیں حاصل اس منع کا احتمال ہوتا ہے اور احتمال باوجود ہدم سند کے بھی باقی ہے۔

خلاصہ جواب کا یہ ہے کہ چونکہ احتمال ہے کہ امامت سے مراد نبوۃ ہو، اس لئے عصمت کا غیر نبی کے لئے لازم ہونا لازم نہیں آتا اس احتمال کی ایک سند ہے کہ اسناد الی اللہ مرجح ہے اس احتمال کا پس اول تو اگر یہ مرجح بالکل منعدم ہو جاوے تب بھی مضر نہیں دوسرے ابھی اس کا انعدام نہیں ہو واجب تک شیعہ اپنے اس دعوے نسبت امامت حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ الی اللہ پر دلیل نہ لاویں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ (امداد الفتاویٰ، ج:

۱۲، ص: ۵۵۸، ۵۵۹، ط، زکریا بُٹ ڈپو الہند)



انبیاء علیہم السلام قبل النبوة بھی معصوم تھے

﴿سوال﴾:

ایک شخص کا عقیدہ ہے کہ چند انبیاء علیہم السلام سے نبوت سے پہلے کبیرہ گناہ کا ارتکاب ہو چکا ہے جیسے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے نبوت سے پہلے جنت میں قصداً گناہ کا ارتکاب کیا تھا، اور یہ شخص قرآن کریم کی آیت رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا... الخ پیش کرتا ہے بطور استدلال اور اپنے اس عقیدہ پر مصر ہے، شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟

﴿ الجواب ﴾:

تمام اہل سنت والجماعت کا یہ متفقہ عقیدہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام نے کبھی بھی قصداً جان بوجھ کر کسی گناہ کا ارتکاب نہیں کیا، نہ قبل از نبوت اور نہ بعد از نبوت، البتہ بعض مواقع میں بشری تقاضے کی بناء پر بعض انبیاء سے بلا قصد سہوا اور لغزش کا ارتکاب ہوا ہے، اور کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام نے کوئی کام اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کی خوشنودی و تقرب کے لیے کیا لیکن فی الواقع وہ کام اللہ تعالیٰ کی مرضی اور منشاء کے خلاف نکلا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے کسی حالت میں بھی اپنے برگزیدہ انبیاء کو اپنی منشاء کے خلاف کام پر برقرار نہیں رکھا بلکہ وقتاً فوقتاً تنبیہ نازل فرماتے رہے، لہذا اس طرح کی لغزش و سہوا انبیاء کی عصمت پر اثر انداز نہیں ہوتی اس لیے کہ حقیقت میں گناہ اس کو کہتے ہیں کہ بندہ جان بوجھ کر گناہ کو گناہ سمجھ کر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی بنیاد پر کرے، اس قسم کی معصیت سے حضرات انبیاء علیہم السلام منزہ اور پاک ہیں۔ مخالفین نے جو قرآن پاک کی آیت عصیان و غوایت ظلم سے حضرت آدم علیہ السلام کا ارتکاب کبیرہ پر استدلال کیا ہے اور اس کو حقیقی عصیان و ظلم پر محمول کیا ہے، یہ قرآن پاک کی ایک دوسری آیت کے مخالف، ارشاد خداوندی ہے: وَلَقَدْ عَهِدْنَا إِلَىٰ آدَمَ مِنْ قَبْلِ فَنَسَىٰ وَلَمْ نَجِدْ لَهُ عِزْماً (سورۃ طہ آیت ص ۱۱۵) یعنی حضرت آدم علیہ السلام نے قصداً و عمدہ نافرمانی سے شجر ممنوعہ نہیں کھایا تھا بلکہ ہمارے وعدے کو بھول گئے تھے اور بھول کر بلا قصد ان سے یہ فعل سرزد ہوا۔ دوسرا یہ کہ جو جتنا زیادہ مقرب و نزدیک ہوتا ہے اس کے خلاف اولیٰ کام کو بھی قابل عتاب سمجھا جاتا ہے جیسا کہ کہتے ہیں حسنات الابرار سیئات المقربین (۳)۔ اور لفظ ظلم سے دلیل پکڑنا بھی صحیح نہیں اس

(۳): فی النبراس: وما کان بطریق التواتر فمصرف عن الظاهر کقول

ابراہیم علیہ السلام مشیراً الی الکواکب هذا ربی وتاویلہ ان همزة الاستفہام محذوفۃ والمعنی اهذا ربی بزعمکم..... "ان امکن" الصرف عن الظاهر "والا" ای وان لم یکن "فمحمول علی ترک الاولیٰ" نحو عصی آدم ربہ فغوی.... وقال غیر

لیے کہ وضع الشیء فی غیر محلہ ظلم ہے اور یہ عام ہے، کبیرہ صغیرہ ترک اولیٰ وغیرہ۔ لہذا اس آخری معنی پر محمول کرنا نص قرآن کے عین مطابق ہے۔ لہذا جو شخص عصمت انبیاء کا قائل نہیں وہ اہل سنت والجماعت سے خارج ہے البتہ احتیاط کی بناء پر اس کو کافر نہیں کہا جائے گا۔ لوجود الاختلاف۔

لما قال ابو محمد علی بن احمد بن حزم الظاہری رحمہ اللہ: وذهب جميع اهل الاسلام من اهل السنة والمعتزلة والنجارية والخوارج والشيعة الا انه لا يجوز البتة ان يقع من نبی اصلاً معصية بعمد لا صغيرة ولا كبيرة وهو قول ابن مجاهد الاشعري شيخ ابن فورک والباقلانی المذکورین. قال ابو محمد وهذا قول الذي ندين الله تعالى به ولا يحل لاحد ان يدين بسواه ونقول انه يقع من الانبياء السهو عن قصد ويقع فيهم ايضاً قصداً الشيء يريدون به وجه الله تعالى والتقرب به منه فيوافق خلاف ما مراد الله تعالى الا انه تعالى لا يقرهم على شيء من هذين الوجهين اصلاً بل ينههم على ذلك ولا يدائر ووقعه منهم ويظهر

واحد من الأئمة سمى الله ترك الاولى منهم عصياناً لعظم منزلتهم كما قيل حسنات الابرار سيئات المقربين واستغفار الانبياء من ترك الاولى هضماً لنفوسهم والا فليس من الذنب ولا عقاب عليه. الخ. (نبراس، ص: ۲۸۶، ط، مكتبة امداديه ملتان)

نقله الشوكاني في الارشاد عن كتاب الملل والنحل وقال اختاره ابن برهان وحكاہ النووي في زوائد الروضة عن المحققين قال القاضي حسين هو الصحيح من مذهب أصحابنا. وماروى ذلك فيحمل على ترك الاولى. (ص: ۳۲/بحواله خير

الفتاوى، ج: ۱، ص: ۱۷۲، ط، مكتبة امداديه ملتان)

عزّوجل ذلك لعباده وليين لهم. (الفصل فى الملل واهواء
والنحل ج ٤ ص ٢٠٧ هل تعصى الانبياء ص ١) (٢) - (فتاوى
حقانيه، ج: ١، ص: ١٤٩ تا ١٥١، ط، مكتبه سيد احمد شهيد
اكورّه خٹك)



(٢): فى الجامع لأحكام القرآن: واختلف العلماء فى هذا الباب: هل وقع
من الأنبياء - صلوات الله عليهم أجمعين - صغائر من الذنوب يؤخذون بها،
ويعاقبون عليها، أم لا؟ بعد اتفاقهم على أنهم معصومون من الكبائر، ومن كل رذيلة
فيها شين ونقص، أجماعاً عند القاضى أبى بكر. وعند الأستاذ أبى اسحاق أن ذلك
مقتضى دليل المعجزة، وعند المعتزلة أن ذلك مقتضى دليل العقل على أصولهم:
فقال الطبرى وغيره من الفقهاء والمتكلمين والمحدثين: تقع الصغائر منهم،
خلافاً للرافضة حيث قالوا: أنهم معصومون من جميع ذلك، واحتجوا بما وقع من
ذلك فى التنزيل، وثبت من تضلهم من ذلك فى الحديث، وهذا ظاهر لاخفاء فيه.
وقال جمهور من الفقهاء من أصحاب مالك وأبى حنيفة والشافعى: أنهم
معصومون من الصغائر كلها كعصمتهم من الكبائر أجمعها، لأننا أمرنا باتباعهم فى
أفعالهم وآثارهم وسيرهم أمراً مطلقاً من غير التزام قرينة، فلو جوزنا عليهم الصغائر
لم يكن الاقتداء بهم، اذ ليس كل فعل من أفعالهم يتميز مقصده من القربة والاباحة،
أو الحظر أو المعصية، ولا يصح أن يؤمر المرء بامثال أمر لعله معصية، لاسيما على
من يرى تقديم الفعل على القول اذا تعارضا من الأصوليين.

قال الأستاذ أبو اسحاق الاسفراينى: واختلفوا فى الصغائر، والذى عليه
الأكثر أن ذلك غير جائز عليهم، وصار بعضهم الى تجويزها، ولا أصل لهذه
المقالة. (الجامع لأحكام القرآن، سورة البقرة، الآية: ٣٥، ج: ١، ص: ٤٥٨، ٤٥٩، ط،

وفى الموسوعة الفقهية: والأنبياء بعد النبوة من الذنوب الظاهرة كالكذب ونحوه، والذنوب الباطنة، كالحسد والكبر والرياء والسمعة وغير ذلك، لأنه ثبت

كالتحقق للبارى تعالى ووجود المحدث. واما الاستدلال من لفظ الظلم ففيه صحيح. لان الظلم وضع الشئ فى غير محله وهو عام للكفر والكبيرة والصغيرة وترك الاولى والنزلة فيحمل على الاخرين لتلايقادام العقل. لهذا اليسا شخص ظالم هو كانه كافر. لوجود الاختلاف. البته لا لاق اقتداء بهم

أن الرسول هو المثل الأعلى الذى يجب الاقتداء به فى اعتقاداته وأفعاله وأخلاقه، اذ هو الأسوة الحسنة بشهادة الله له، الا ما كان من خصائصه بالنص، فوجب أن تكون كل اعتقاداته وأفعاله وأقواله وأخلاقه الاختيارية بعد الرسالة موافقة لطاعة الله تعالى، ووجب أن لا يدخل فى شئ من اعتقاداته وأفعاله وأقواله وأخلاقه معصية الله تعالى، لأن الله جلّ شأنه: أمر الأمم بالاقتداء برسولهم فقال تعالى: ﴿لقد كان لكم فيهم اسوة حسنة لمن كان يرجو الله واليوم الآخر﴾ وقال فى حق نبينا ﷺ: ﴿لقد كان لكم فيهم اسوة حسنة لمن كان يرجو الله واليوم الآخر﴾ فاذا جاز أن يفعل الرسل بعد الرسالة والأمر بالاقتداء بهم المحرمات أو المكروهات أو خلاف الأولى: لكننا مأمورين به، وهو سبحانه لا يأمر بمحرم ولا مكروه ولا خلاف الأولى، قال تعالى: ﴿ان الله لا يأمر بالفحشاء﴾، وبذلك يثبت أن الرسل عليهم الصلاة والسلام بعد نبوتهم وبعد الأمر بالاقتداء بهم معصومون عن الوقوع فى المعاصى وهذا ما يسمى: عصمة الرسل.

أما عصمتهم قبل النبوة فقد اختلف فيها، فمنعها قوم، وجوزها آخرون، والصحيح تنزيهم من كل عيب... الخ. (الموسوعة الفقهية، ج: ٣٠، ص: ١٣٧، ١٣٨)

وفى النبراس: ان الانبياء معصومون عن الكذب فى التبليغ وغيره خصوصاً فيما يتعلق بامر الشرائع وتبليغ الاحكام وارشاد الامة.... وهو انهم معصومون عن الكفر قبل الوحي وبعده بالاجماع. (النبراس شرح شرح العقائد، ص: ٢٨٣)

ہے (۶)۔ وهو الموفق۔ (فتاویٰ فریدیہ، ج: ۱، ص: ۴۸۲، ۴۸۳)



انبیاء علیہم السلام کی طرف گناہ اور غلطی کی نسبت کرنے والے کا حکم

﴿ سوال ﴾:

محترم مفتی صاحب! ایک مسئلہ دریافت کرنا ہے کہ اگر ایک معزز شخص بڑے مجمع میں یہ کہہ دے کہ اگر مجھ سے غلطی ہوئی تو کیا ہوا؟ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے بھی غلطیاں یا گناہ سرزد ہوتے تھے مذکورہ شخص تو ہین رسالت کا مرتکب ہوا یا نہیں؟ مدلل و مفصل جواب سے ممنون فرمائیں۔

(۶) فی ملتقى الأبحر: ويكره امامة العبد والأعرابي والأعمى والفاسق.

وفي مجمع الأنهر تحته: (والفاسق) أى الخارج عن طاعة الله تعالى بارتكاب

كبيرة لأنه لا يهيم بأمر دينه، وكذا امامة التمام، والمراثى، والمتصنع، وشارب

الخمر. (مجمع الأنهر فى شرح ملتقى الأبحر، كتاب الصلاة، ج: ۱، ص: ۱۶۲، ۱۶۳،

ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

وفى الشامية: وقوله: (وفاسق) من الفسق: هو الخروج عن الاستقامة، ولعل

المراد به من يرتكب الكبائر كشارب الخمر، والزانى واكل الربا ونحو ذلك،

كذا فى البرجندى اسماعيل. وفى المعراج قال أصحابنا: لا ينبغى أن يقتدى بالفاسق

الا فى الجمعة لأنه فى غيرها يجد اماماً غيره اهـ. قال فى الفتح: وعليه فيكره فى

الجمعة اذا تعددت اقامتها فى المصر على قول محمد المفتى به، لأنه سبيل الى

التحول. (رد المختار على الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الامامة، ج: ۲، ص: ۲۹۸،

ط، دار عالم الكتب رياض)

(وكذا فى منحة السلوك فى شرح تحفة الملوك، كتاب الصلاة، فصل فى

الجماعة، ص: ۱۶۸، ۱۶۹)

﴿ الجواب باسم الملك الوهاب ﴾:

بشرط صحت سوال مذکورہ شخص کا یہ کہنا ”مجھ سے غلطی ہوئی تو کیا ہوا؟ انبیاء علیہم السلام سے بھی غلطیاں یا گناہ سرزد ہوتے تھے“ جہالت اور لاعلمی پر مبنی ہے، اپنے گناہوں کو انبیاء علیہم السلام کی غلطیوں پر قیاس کرنا امت مسلمہ کے عقائد صحیحہ سے ناواقفیت اور گمراہی ہے، کیونکہ انبیاء علیہم السلام معصوم تھے اور ان کی غلطی اجتہادی ہوا کرتی تھی جو کہ گناہ نہیں ہے، شخص مذکورہ مجرم ہے مگر توہین رسالت کا مرتکب نہیں ہے۔

” واما بعد النبوة فالاجماع على عصمتهم عن تعمد الكذب فيستحيل عليهم شرعا واما قبل النبوة فالمتوارث عنهم عصمتهم عن تعمد الكذب ايضا لدلالة المعجزة على صدقهم..... واما غير الكذب من الكبائر والصغائر الخسيسة فالاتفاق بين فرق الاسلام على عصمتهم عن تعمدها سمعا عند اهل السنة القامعين للبدعة كثرهم الله تعالى او عقلا عند المعتزلة والروافض خذلهم الله تعالى..... ومنعه اى صدور الصغائر الخسيسة الحنفية رضوان الله تعالى عليهم اقول وهو الحق فان صغيرتهم كبيرتهم فى حقهم وان كانت صغيرة فى حقنا الا ترى مباحات العوام سيأت الابرار وحسنات الابرار سيأت المقربين المترى كيف قال سرى بن المغلظ السقطى ذلك الامام استغفر الله من قولى الحمد لله حين اخبرنى رجل بوقوع الحرق الغالب فى السوق وسلامة دكانى، ولما كانت الانبياء رؤس المقربين كانت صغيرتنا كبيرتهم فى حقهم فلا يصح صدورها عنهم فافهم وهو الحق“. (فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت“ ۲/۱۱۹)

”عصمة الانبياء هي خلق مانع عن ارتكاب المعاصي غير ملجئ الى تركها فلا يكون مضطرا في ترك المعصية وهو المختار عند الجمهور فالتحقيق ان الانبياء عليهم الصلوة والسلام معصومون لا يصدر عنهم ذنب لا صغيرة ولا كبيرة لاعمداء ولا سهوا لا قبل النبوة ولا بعدها لان الذنب خلاف امره تعالى وخلاف ما يرضاه فكيف يختار ويصطفى لرسالته ورحمته الخاصة من يفعل خلاف امره تعالى ومرضاته جل شأنه لان العقل والنقل شاهدان على ان الرحمة الخاصة تختص بالطائعين وليس للعاصين فيها حظ بل هم يستحقون العقاب“..... (زبدة الاصول: ۳۳) (ارشاد المفتين، ج: ۱، ص: ۲۹۳ تا ۲۹۵، ط، مكتبة الحسن لاهور)



نیند میں بھی انبیاء کرام شیطانی اثرات سے محفوظ رہتے تھے

﴿سوال﴾:

انبیاء کرام کو اور انسانوں کی طرح جنابت ہوتی ہے یا نہیں؟ حالت مذکورہ کے بعد آیا انبیاء کرام علیہم السلام پر یا آنحضرت ﷺ پر غسل جنابت فرض ہے؟

﴿الجواب﴾:

حضرات انبیاء علیہم السلام کو حالت نوم میں اثر شیطانی سے جنابت نہیں ہوتی۔ حق سبحانہ و تعالیٰ نے ان مقدس ہستیوں کو ان اثرات سے محفوظ فرمایا ہے۔ البتہ مباشرت و جماع کے بعد ان حضرات پر غسل ضروری تھا۔ آنحضرت ﷺ ایسی حالت میں غسل فرماتے تھے جیسا کہ روایت ذیل سے ظاہر ہے۔

عن ابی رافع ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم طاف ذات یوم علی نسائه یغتسل عند هذه وعند هذه الحدیث (۷) (رواہ ابو داؤد ص ۲۹) عن غصیف بن الحارث قال قلت لعائشةؓ ارأیت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کان یغتسل من الجنابة فی اول اللیل اوفی آخره قالت ربما اغتسل فی اول اللیل وربما اغتسل فی آخره (۸). فقط واللہ اعلم (خیر الفتاوی، ج: ۱، ص: ۳۳۲، ط، مکتبہ امدادیہ ملتان)



لغزشات انبیاء عصمت کے منافی نہیں

﴿سوال﴾:

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ انبیاء کرام سے بمقتضائے بشریت غلطی ہو سکتی ہے یا نہیں؟ اگر غلطی نہیں ہو سکتی تو بعض انبیاء کرام جیسے حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت زکریا علیہ السلام سے غلطی ہوئی تو اس کو کس پر محمول کریں گے؟

﴿الجواب﴾:

انبیاء علیہم السلام کی عصمت کا مطلب یہ ہے کہ وہ گناہ نہیں کرتے ہیں اور جو کچھ عمل ان سے سرزد ہو چکا ہے وہ از قسم لغزشات ہیں گناہ قصداً نہیں ہے، لغزشات وزلات کا

(۷): (سنن أبی داؤد، کتاب الطہارۃ، باب فی الوضوء لمن أراد أن یعود، ص:

۴۱، رقم: ۲۱۹، ط، دار السلام ریاض)

(۸): (سنن أبی داؤد، کتاب الطہارۃ، باب الجنب یؤخر الغسل، ص: ۴۲، رقم:

۲۲۶، ط، دار السلام ریاض)

صدور انبیاء کرام کی عصمت کے منافی نہیں، اس میں قصد اور ارادہ کا دخل نہیں رہتا۔

لما قال الامام الاعظم ابو حنیفة النعمان بن ثابت

رحمہ اللہ: والانبیاء علیہم السلام کلہم منزہون عن

الصغائر والكبائر وقد كانت منهم زلات وخطیئات. (شرح

الفقہ الاکبر ص ۵۷) (۹)۔ (فتاویٰ حقانیہ، ج: ۱، ص: ۱۵۱،

ط، مکتبہ سید احمد شہید اکوڑہ خٹک)

معصوم کون لوگ ہیں؟

﴿سوال﴾:

معصوم کی تعریف میں کون کون آتے ہیں، ان سے برے فعل کا ہونا ممکن ہے یا

محال؟

۲..... بے گناہ کس کس کو سمجھا جائے، ان سے برے کام کا ہونا ممکن ہے یا غیر ممکن؟

﴿الجواب حامداً ومصلیاً﴾:

۱..... انبیاء علیہم السلام، ملائکہ اور معصوم بچے سب معصوم میں داخل ہیں، ان سے

برے فعل کا صدور جو موجب عذاب ہو ممتنع بالغیر ہے (۱۰)۔

(۹): (شرح الفقہ الاکبر، بحث فی أن الانبیاء منزہون عن الكبائر والصغائر، ص:

۵۴، ۵۵، ط، دار الکتب العربیۃ الکبریٰ مصر)

(۱۰): فی شرح الفقہ الاکبر: (والانبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کلہم) ای

الشامل لرسالہم ومشاہیرہم وغیرہم ولہم آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام علی ما ثبت

بالکتاب والسنة واجماع الامة فما نقل عن بعض من انکار نبوتہ یكون

کفراً.... (منزہون) ای معصومون (عن الصغائر والكبائر) ای من جمیع المعاصی

(والکفر) خص لانه اکبر الكبائر ولکونه سبحانه لا یغفر أن یشرک به ویغفر ما دون

ذلک لمن یشاء..... ثم هذه العصمة ثابتة للأنبياء قبل النبوة وبعدها علی الاصح.

۲..... بے گناہ معصوم کو سمجھا جائے اس کی تشریح نمبر: ۱ میں آگئی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم
(فتاویٰ محمودیہ، ج: ۱، ص: ۳۱۱)



کوئی غیر نبی بھی معصوم ہے؟

﴿سوال﴾:

معصوم کا لفظ سوائے انبیاء علیہم السلام کی ذات پاک کے اور کسی کے لئے بولنا و کہنا جائز ہے یا نہیں؟ یا معصوم کا لفظ انبیاء علیہم السلام کے ساتھ مخصوص ہے؟ عام طور پر لوگ چھوٹے بچوں کو معصوم کہتے ہیں، کتنی عمر تک کے بچے معصوم کہلانے کے مستحق ہیں؟

﴿الجواب حامداً ومصلیاً﴾:

بچوں کو بھی معصوم کہنا درست ہے، جب تک وہ بالغ نہ ہوں (۱۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(شرح الفقه الأكبر، بحث فی أن الانبیاء منزہون عن الكبائر والصغائر، ص: ۵۴، ۵۵، ط، دار الکتب العربیۃ الکبریٰ مصر)

وفیه ایضاً: (وملائکته) بأنهم عباد مکرون لا یسبقونه بالقول وهم بأمره یعلمون وانهم معصومون ولا یعصون اللہ. (شرح الفقه الأكبر، یجب علی المکلف أن یقول آمنت باللہ وملائکته وکتبه ورسله، ص: ۱۱، ط، دار الکتب العربیۃ الکبریٰ مصر)
عن الحسن [البصری]، عن علی أن رسول اللہ ﷺ قال: رفع القلم عن ثلاثة، عن النائم حتی یتیقظ، وعن الصبی حتی یشب، وعن المعتوه حتی یعقل.
قال: وفي الباب عن عائشة.

قال أبو عیسی: حدیث علی حدیث حسن غریب من هذا الوجه. (جامع الترمذی، ابواب الحدود، باب ما جاء فیمن لا یجب علیہ الحد، ص: ۳۴۴، رقم: ۱۴۲۳، ط، دار السلام ریاض)

(۱۱) فی صحیح البخاری: قال: علی: ألم تعلم أن القلم رفع عن ثلاثة: عن

(فتاویٰ محمودیہ، ج: ۱، ص: ۴۱۲)



بلاوجہ توہین رسالت کے بارے میں سوال بھی توہین ہے

﴿سوال﴾:

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک پروفیسر نے اپنی کلاس میں طلباء سے سوال کیا کہ کوئی شخص حضور ﷺ کی شان میں گستاخی کرے تو مسلمانوں کا اس شخص سے کیا معاملہ ہوگا؟ دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس پروفیسر کے بارہ میں کیا حکم ہے؟

﴿الجواب﴾:

آنحضرت ﷺ کی شان میں گستاخانہ کلمات کہنے اور آپ کی توہین کرنے کو کتب مذہب میں اشد ترین جرائم میں سے شمار کیا گیا ہے۔ اور ایسے گھناؤنے جرم کے ارتکاب پر حکومت مرتکب قتل یا پھانسی تک سزا دے سکتی ہے (۱۲)، لیکن یہ حکومت کا کام ہے عوام اس

المجنون حتى يفيق، وعن الصبي حتى يدرك، وعن النائم حتى يستيقظ. (صحيح البخاري، كتاب الطلاق، باب الطلاق في الاغلاق، والكره، والسكران الخ، ص: ۱۱۴۳، ط، دار السلام رياض)

عن الحسن [البصري]، عن علي أن رسول الله ﷺ قال: رفع القلم عن ثلاثة، عن النائم حتى يستيقظ، وعن الصبي حتى يشب، وعن المعتوه حتى يعقل. قال: وفي الباب عن عائشة.

قال أبو عيسى: حديث علي حديث حسن غريب من هذا الوجه. (جامع الترمذي، ابواب الحدود، باب ما جاء فيمن لا يجب عليه الحد، ص: ۳۴۴، رقم: ۱۴۲۳، ط، دار السلام رياض)

(۱۲): في منحة الخالق: من سب النبي ﷺ فانه مرتد وحكمه حكم المرتد ويفعل به ما يفعل بالمرتد اهـ. وفي التنف: من سب النبي ﷺ عليه الصلوة والسلام

کے مجاز نہیں۔ لہذا ایسے وقت میں مسلمانوں کا رد عمل یہ ہونا چاہئے کہ حکومت کے متعلقہ عملہ میں مجرم کے خلاف شکایت کر دیں۔

نفس مسئلہ معلوم کرنے کی غرض سے مناسب طریق پر یہ سوال دریافت کرنے میں حرج نہیں۔ لیکن بلا ضرورت نامناسب طریق پر اس سوال کو چھڑنا سوء ادبی سے خالی نہیں۔ واللہ اعلم۔

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ: ۱۳۷۹/۱/۷ھ

ساتھ ہی ہمارے کالج کے نوجوانوں کو بھی ٹھنڈے دل سے غور کرنا لازم ہے جو یہ فرماتے ہیں کہ علماء تنگ دل ہیں ان کو وسیع الظرف اور فراخ دل ہونا چاہئے، چائے کسی قسم کا سوال ہو اس پر ناراض نہ ہوں وغیرہ وغیرہ۔

ہمارے عزیز و محترم نوجوانوں کو معلوم ہو کہ سوال بھی نصف علم ہے۔ غلط سوال پر تنبیہاً ناراض ہونا، طبعاً غصہ آنا کوئی اعتراض کی بات نہیں ہے، یہ بھی دیکھنا چاہئے کہ سوال کیا ہے؟

أو بعضه كان ذلك منه ردة وحكمه حكم المرتد اهـ. فقله "ويفعل به ما يفعل بالمرتد" ظاهر في قبول توبته كما لا يخفى. وممن نقل أنها ردة عن أبي حنيفة القاضي عياض في كتابه المسمى بالشفاء ونص عبارته: قال أبو بكر بن المنذرى رحمه الله تعالى: أجمع العوام أهل العلم على أن من سب النبي ﷺ يقتل. وممن قال ذلك مالك بن أنس والليث وأحمد وإسحاق وهو مذهب الشافعي رحمه الله... الخ. (منحة الخالق على البحر الرائق، كتاب السير، باب أحكام المرتدين، ج: ۵، ص: ۲۱۱، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

وفي الموسوعة الفقهية: وحكم سابه ﷺ أنه مرتد بلا خلاف.

ويعتبر ساباً له ﷺ كل من ألحق به ﷺ عيباً أو نقصاً، في نفسه، أو نسبه، أو دينه، أو خصلة من خصاله، أو ازداره، أو عرض به، أو استخف به، ونحو ذلك.

قال الحنفية والحنابلة وابن تيمية: ان ساب النبي ﷺ يعتبر مرتداً، كأي

مرتد، لأنه بدل دينه فيستتاب. (الموسوعة الفقهية، ج: ۲۲، ص: ۱۸۴)

بطور مثال اگر کسی شخص کو کہا جائے کہ اگر میں تیرے باپ کو گدھا کہوں تو تیرا رویہ کیا ہوگا۔ تو کیا وہ شخص ایسے سوال سے خوش ہوگا اور ایسے سائل کو عقل مند کہے گا؟

تعجب ہے کہ ایک پروفیسر یہ سوال کرے کہ مسلمانوں کے پیغمبر کی توہین ہو تو مسلمانوں کا کیا رد عمل ہوگا۔ اور ایسے سوال نامہ کو اخبارات میں شائع کرے اس پر طبیعت کو اشتعال نہ ہو۔ یہ تو کوئی انتہائی بے غیرت آدمی ہوگا کہ اس قسم کے سوال کو سن کر خاموش رہ جائے۔ پیغمبر ﷺ کی شان تو بہت اعلیٰ و ارفع ہے اگر کوئی شخص یہ سوال نامہ شائع کرے کہ پاکستان میں ایک آدمی مسٹر محمد علی جناح کو خوب دل کھول کر گالیں دے یا اقبال مرحوم کو برا بھلا کہے تو بتلاؤ اے پاکستانیو! تمہارا کیا رد عمل ہوگا؟ کیا یہ سوال مسلمانوں کو چڑانے کے مترادف نہ ہوگا؟ اور ایسے سائل پر غصہ آئے گا یا نہیں؟

اس لئے یہ سوال سراسر جہالت اور نادانی ہے۔ ہمیں تو تعجب ہوتا ہے کہ پاکستان کے کالجوں میں کیا ایسے عقل مند پروفیسر موجود ہیں غالباً وہ انتہائی ملحد اور بد دین ہیں جو مسلمانوں کی رگ ایمان کو دکھانا چاہتے ہیں۔ والجواب صحیح۔ (خیر الفتاویٰ، ج: ۱، ص: ۳۲۰، ۳۲۱، ط، مکتبہ امدادیہ ملتان)



یہود نے کتنے انبیاء کو قتل کیا؟

﴿ سوال ﴾:

رسالہ القاسم بابت ماہ صفر ۱۳۴۵ھ کے صفحہ نمبر ۲۶ پر لکھا ہے کہ ”سوائے ذکر یا علیہ السلام و یحییٰ علیہ السلام کے جو خود مستقل بارسالت بھی نہیں تھے، بلکہ تابع دین موسیٰ علیہ السلام کے تھے کوئی رسول اور نبی شہید نہیں ہوا“ تم کلامہ، اور جمایل شریف ترجمہ مولانا عاشق الہی کی تفسیر آیت: ﴿وَيَقْتُلُونَ النَّبِيِّينَ بِغَيْرِ الْحَقِّ﴾ کی تفسیر میں لکھا ہے یہود نے ستر نبی ایک ہی روز میں قتل کیے تھے، تفسیر مظہر الحق کے حوالہ سے اور غالباً تفسیر موضح القرآن

میں لکھا ہے، خود آیت کے اندر ہی ”نبیین“ جمع کا لفظ موجود ہے، ان کا تعارض رفع فرماویں۔

﴿ الجواب ﴾:

رسالہ القاسم ماہ صفر ۱۳۴۵ھ کی عبارت دیکھی گئی، معالم التنزیل وغیرہ تفاسیر کی روایات سے یہی معلوم ہوتا ہے جیسا کہ آپ نے لکھا ہے کہ یہود نے ایک دن میں ستر انبیاء علیہم السلام کو قتل کیا ہے، چنانچہ عبارت معالم التنزیل کی یہ ہے: قوله ﴿وَيَقْتُلُونَ النَّبِيِّنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ﴾ (البقرة: ۶۱) ویروی أن اليهود قتلت سبعین نبیاً الخ (۱۳) اور آیت: ﴿وَفَرِيقًا تَقْتُلُونَ﴾ (البقرة: ۸۷) کی تفسیر میں لکھتے ہیں: ای قتلہم مثل زکریا ویحییٰ وشعیباً وسائر من قتلوا من الأنبياء علیہم السلام (۱۳) یہاں سے بھی بہت سے انبیاء کا قتل ہونا معلوم ہوتا ہے، پس القاسم میں جن

(۱۳): (معالم التنزیل، سورة البقرة، الآية: ۶۱، ج: ۱، ص: ۱۰۱، ط، دارطیبة

الریاض)

(۱۴): (معالم التنزیل، سورة البقرة، الآية: ۸۷، ج: ۱، ص: ۱۲۰، ط، دارطیبة

الریاض)

وفي تفسیر الخازن: یروی أن اليهود قتلت سبعین نبیاً فی أول النهار، وقامت الی سوق بقلها فی آخره وقتلوا زکریا ویحییٰ وشعیاء وغیرہم من الأنبياء. (تفسیر الخازن المسمیٰ لباب التأویل فی معانی التنزیل، سورة البقرة، الآية: ۱، ج: ۱، ص: ۵۰، ط، دارالکتب العلمیۃ بیروت لبنان)

وفي تفسیر الثعالبی: روى أن بنی اسرائیل كانوا یقتلون فی الیوم ثلاثمائة نبی، ثم تقوم سوقهم آخر النهار، وروی سبعین نبیاً، ثم تقوم سوق بقلهم آخر النهار. (تفسیر الثعالبی المسمیٰ بالجواهر الحسان فی تفسیر القرآن، سورة البقرة، الآية: ۸۷، ج: ۱، ص: ۲۷۷، ط، دار احیاء التراث العربی بیروت لبنان)

وفي الدر المنثور: أخرج أبو داؤد الطیالسی، وابن أبی حاتم، عن ابن مسعود

صاحب کا یہ مضمون ہے ان کا نام ظاہر نہیں کیا گیا، لیکن معلوم ہوا کہ وہ ایک مولوی صاحب دیوبند کے ہی پڑھے ہوئے ہیں، بہ ظاہر انہوں نے بدون پوری تحقیق کے ایسا لکھ دیا ہے، آج بندہ نے مولوی قاری طاہر مدیر رسالہ سے کہہ دیا ہے کہ صاحب مضمون کو ایک جوابی کارڈ لکھ دیں کہ آپ نے صرف دو پیغمبروں کا قتل ہونا انحصار کے ساتھ کہاں سے دیکھا ہے، اگر انہوں نے کچھ جواب معقول نہ دیا تو غالباً اس کی اصلاح اگلے رسالہ میں کر دی جاوے گی، شاید اس کا مطلب یہ ہوگا کہ انبیائے اولوا العزم اور رسولوں میں سے کوئی قتل نہیں کیا گیا، بہر حال یہ جو انہوں نے لکھا ہے مشہور کے خلاف ہے، ممکن ہے کہ کسی نے ایسا لکھ دیا ہو، اور صاحب مضمون نے وہاں سے نقل کر لیا ہو، لیکن جو کچھ قطعاً طور سے یہ دعویٰ کرنا کہ صرف دو ہی قتل ہوئے درست نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، ج: ۱۸، ص: ۲۷۵، ۲۷۶، ط، مکتبہ دارالعلوم دیوبند)



کپڑے میں انبیاء کرام علیہم السلام کی تصویر بنانا

﴿ سوال ﴾:

محترم جناب مفتی جسٹس تقی عثمانی صاحب (دارالعلوم کورنگی کراچی)
جناب عالی!

محمد فاروق ٹیکسٹائل ملز لمیٹڈ کورنگی کراچی میں ایک ڈیزائن کپڑے پر چھپائی / پرنٹنگ کے لئے سپر زٹاؤلرز ریرائیویٹ لمیٹڈ کراچی کی جانب سے آیا، اور سپر زٹاؤلرز کے ڈیزائن کے عین مطابق چھاپ کر دے دیا گیا۔ عام طور پر ہم ٹیکنیکل امور کے علاوہ (مثلاً کلر میچنگ

قال: كانت بنو اسرائيل في اليوم تقتل ثلاثمائة نبي، ثم يقيمون سوق بقلهم في آخر النهار. (الدر المنثور في التفسير بالمأثور، سورة البقرة، الآية: ۶۱، ج: ۱، ص: ۳۸۸ / تفسير ابن كثير، سورة البقرة، الآية: ۶۱، ج: ۱، ص: ۲۸۳، ط، دار طيبة)

وغیرہ) پارٹیوں کے مطلوبہ ڈیزائنز کے دیگر امور سے واسطہ نہیں رکھتے، اور کسی غور و خوض کے بغیر آرڈر کی تکمیل کر دیتے ہیں۔

نادانستہ طور پر اس ڈیزائن کے چھپ جانے کے بعد شکوک و شبہات پیدا ہوئے ہیں، اس ڈیزائن میں چرند پرند، آبی جانور اور کارٹون انسانوں کے انداز میں دو انسانی شبیہیں بھی ہیں، اور اس ڈیزائن پر Noahs ark بھی لکھا ہوا ہے۔

یہ ڈیزائن آپ کے سامنے پیش کرنے کے بعد آپ اس پر فتویٰ صادر فرمادیں تاکہ اگر توہین، گستاخی سرزد ہوگئی ہو تو جو بھی کفارہ ہے، ادا کر دیا جائے۔ اور ہم اعلانیہ طور پر صدق دل سے اپنی نادانستہ غلطی کا اعتراف کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کرتے ہیں، اور عہد کرتے ہیں کہ آئندہ ہر ممکن احتیاط سے کام لیں گے۔

﴿ جواب ﴾:

کسی جاندار کی تصویر بنانا بذات خود ایک ناجائز کام ہے، بالخصوص کسی پیغمبر کی خیالی تصویر بنانا تو انتہا درجے کی بے ادبی ہے، جس سے ہر مسلمان کو پناہ مانگنی چاہئے، اور ایسی بے ادبی پر مشتمل تصویر کو شائع کر کے لوگوں میں پھیلا نا مزید وبال کا موجب ہے، لیکن اگر آپ نے واقعہ نادانستگی میں یہ تصویریں اس طرح چھاپ دیں کہ آپ کو اندازہ نہیں ہو سکا کہ اس میں کیا ہے؟ تو آپ پر مندرجہ ذیل امور فوری طور پر واجب ہیں:

۱: سب سے پہلے صدق دل سے اپنے اس عمل پر توبہ واستغفار کریں، اور آئندہ کے لئے اس قسم کے معاملات میں حقیقت اور بیدار مغزی سے کام کرنے کا عہد و اہتمام کریں۔

۲: اس کپڑے کا جتنا اشاک موجود ہو، اس کی سپلائی روک کر ان تصاویر کو مٹائیں، اور اگر مٹ نہ سکیں تو ان کو جلا دیں۔

۳: اگر کپڑا اس کمپنی کے پاس جا چکا ہے جس نے آپ سے چھوایا تھا تو اس کو ایسے کپڑے کی سپلائی سے روکنے کے لئے اپنا پورا اثر و رسوخ استعمال کریں، اور اگر وہ اس کی سپلائی سے باز نہ آئیں تو آپ ان سے براءت کا اظہار و اعلان کریں۔

۴: اس کپڑے کی چھپائی کی جو اجرت آپ نے وصول کی ہے، وہ مکمل طور پر صدقہ کریں (۱۵)۔ واللہ اعلم (فتاویٰ عثمانی، ج: ۱، ص: ۵۷، ط، مکتبہ معارف القرآن کراچی)



پہلا نبی کون؟

﴿ سوال ﴾:

ہم لوگوں نے ایک کتاب میں پڑھا کہ سب سے پہلے نبی حضرت آدم علیہ السلام اور سب سے آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں، حالانکہ ہم لوگوں کو معلوم تھا کہ سب سے پہلے اور سب سے آخری نبی محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں، اس سلسلہ میں صحیح نقطہ نظر کی نشاندہی کریں؟

﴿ جواب ﴾:

بعض روایات کی بناء پر کچھ اہل علم نے لکھا ہے کہ سب سے پہلے محمد مصطفیٰ صلی اللہ

(۱۵): فی البذل: وأما إذا كان عند رجل مال خبيث، فاما ان ملكه بعقد فاسد، أو حصل له بغير عقد، ولا يمكنه أن يردّه الى مالكه، ويريد أن يدفع مظلّمته عن نفسه، فليس له حيلة الا أن يدفعه الى الفقراء، لأنه لو أنفق على نفسه فقد استحکم ما ارتكبه من الفعل الحرام، ودخل تحت قوله ﷺ: ثم ذكر الرجل يطيل السفر أشعث أغبر يمد يديه الى السماء يارب يارب، ومطعمه حرام وملبسه حرام. الحديث، أو أضاعه واستهلكه، فدخل تحت قوله ﷺ: نهى عن اضاعة المال. فيلزم عليه أن يدفعه الى الفقراء، ولكن لا يريد بذلك الأحرار والثواب، ولكن يريد دفع المعصية عن نفسه، ويدل عليه مسائل اللقطة. (بذل المحمود في حل سنن أبي داؤد، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، ج: ۱، ص: ۳۵۹، ۳۶۰، ط، دار البشائر الاسلامية بيروت لبنان)

تعالیٰ علیہ وسلم کے نور کی تخلیق عمل میں آئی (۱۶)، اس اعتبار سے گویا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نبوت کو دوسرے انبیاء علیہ السلام پر ایک گونہ تقدم حاصل ہے، ورنہ انسانیت کی طرف بعثت ظاہر ہے کہ سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام کی ہوئی، اور سب سے آخر میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی، اس طرح حضرت آدم علیہ السلام کو نبوت میں اولیت کا شرف

(۱۶): وعن عبادة بن الصامت رضى الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ ان أول ما خلق الله القلم، فقال له: اكتب. فقال: ما أكتب؟ قال: اكتب القدر. فكتب ما كان وما هو كائن الى الأبد. وفي المرقاة تحت هذا الحديث: رأيت في الدر المنثور نقلاً عن ابن عباس: ان أول شيء خلقه الله القلم، فقال له: اكتب، فقال: يا رب وما أكتب، قال: اكتب يجرى من ذلك هو كائن الى أن تقوم الساعة، ثم طوى الكتاب ورفع القلم. رواه البيهقي وغيره والحاكم وصححه، وفي الدر أيضاً عن أبي هريرة رضى الله عنه قال: سمعت رسول الله ﷺ يقول: ان أول شيء خلق الله القلم ثم النون وهي الدواة، ثم قال له: اكتب، قال: وما أكتب، قال: ما كان وما هو كائن الى يوم القيامة من عمل أو أثر أو رزق أو أجل، فكتب ما يكون وما هو كائن الى يوم القيامة، ثم ختم فم القلم فلم ينطق ولا ينطق الى يوم القيامة. أخرجه الحكيم الترمذی هذا وروى أن أول ما خلق الله العقل، وأن أول ما خلق الله نوري وأن أول ما خلق الله روحی، وأن أول ما خلق الله العرش، والأولية من الأمور الاضافية فيؤول وأن كل واحد مما ذكر خلق قبل ما هو من جنسه، فالقلم خلق قبل جنس الأقلام ونوره قبل الأنوار والا فقد ثبت أن العرش قبل الخلق السماوات والأرض، فتطلق الأولیة على كل واحد بشرط التقييد فيقال: أول المعاني كذا، وأول الأنوار كذا.

(مرقات المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، كتاب الايمان، باب الايمان بالقدر، الفصل الثاني، ج: ۱، ص: ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ط، رقم: ۹۴، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

(و كذا في المفاتيح في شرح المصابيح، كتاب الايمان، باب الايمان بالقدر، ج:

حاصل ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ختم نبوت کی فضیلت حاصل ہے (۱۷)، حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی روایت میں صراحت موجود ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ سب سے پہلے نبی کون تھے؟ تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: حضرت آدم علیہ السلام۔

”قلت یا رسول اللہ! أى الأنبياء كان أول؟ قال:

آدم“ (۱۸)۔

(۱۷): وعن أبي هريرة أن رسول الله ﷺ قال: فضلت على الأنبياء بست:

اعطيت جوامع الكلم، ونصرت بالرعب، واحلت لى الغنائم، وجعلت لى الأرض مسجداً و طهوراً، وارسلت الى الخلق كافة، وختم بى النبيون. رواه مسلم. (مشكاة المصابيح، كتاب الفضائل والشمائل، باب فضائل سيد المرسلين ﷺ، الفصل الأول، ص: ۵۱۲، ط، قديمى كتب خانہ كراچى)

وعن العرباض بن سارية عن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم، أنه قال: انى عند الله مكتوب: خاتم النبيين، وان آدم لمنجدل فى طينته، وسأخبركم بأول أمرى، دعوة ابراهيم، وبشارة عيسى، ورؤيا أمى التى حين وضعتنى وقد خرج لها نورا أضاء لها منه قصورا الشام. رواه فى شرح السنة. (مشكاة المصابيح، كتاب الفضائل والشمائل، باب فضائل سيد المرسلين صلى الله تعالى عليه وسلم، الفصل الثانى، ص: ۵۱۳، ط، قديمى كتب خانہ كراچى)

وعن جابر، أن النبى صلى الله تعالى عليه وسلم قال: أنا قائد المرسلين ولا فخر، وأنا خاتم النبيين ولا فخر، وأنا أول شافع ومشفع ولا فخر. رواه الدارمى. (مشكاة المصابيح، كتاب الفضائل والشمائل، باب فضائل سيد المرسلين صلى الله تعالى عليه وسلم، الفصل الثانى، ص: ۵۱۴، ط، قديمى كتب خانہ كراچى)

(۱۸): وعن أبى ذر، قال: قلت: يا رسول الله ﷺ! أى الأنبياء كان أول؟

قال: آدم. قلت: يا رسول الله ﷺ! ونبى كان؟ قال: نعم نبى مكلم. الخ. (مشكاة

لیکن آپ حضرات سے خواہش ہے کہ اپنا وقت ایسی چیزوں کی تحقیق میں لگائیے جن سے آپ کی عملی زندگی کا کوئی دینی نفع متعلق ہو، محض ایسے مسائل میں اپنے آپ کو الجھانا جس سے ایمان و عمل کا کوئی فائدہ متعلق نہ ہو، انسان کو بتدریج غلط سمت میں لے جاتا ہے۔
(کتاب الفتاویٰ، ج: ۱، ص: ۵۲۷، ط، زمزم پبلشرز کراچی)



نبیوں کی تعداد کتنی ہے؟

﴿سوال﴾:

دنیا میں حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے لے کر حضرت محمد ﷺ تک کتنے نبی مبعوث ہوئے ہیں؟ ان کا شمار قرآن و حدیث میں ہے یا نہیں؟

﴿الجواب حامداً ومصلیاً﴾:

چند انبیاء کے نام قرآن و حدیث میں آئے ہیں، بعض روایات میں ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کا عدد بتلایا گیا ہے، جیسا کہ ملا علی القاریؒ وغیرہ نے تحریر فرمایا ہے، بغیر گنتی کی تعیین کے جس کو بھی اللہ پاک نے نبی بنا کر بھیجا ہے اس پر ایمان لانا ضروری ہے (۱۹)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ (فتاویٰ محمودیہ، ج: ۱، ص: ۴۱۶)



المصابیح، کتاب أحوال القيامة وبدء الخلق، باب بدء الخلق وذكر الأنبياء، الفصل الثالث، ص: ۵۱۱، قديمی کتب خانہ کراچی

(۱۹): وعن أبي ذرٍّ، قال: قلت: يا رسول الله ﷺ! أي الأنبياء كان أول؟ قال: آدم. قلت: يا رسول الله ﷺ! ونبي كان؟ قال: نعم نبي مكلم قلت يا رسول الله كم المرسلون قال ثلثمائة وبضعة عشر جما غفيرا وفي رواية عن ابن امامة قال ابو ذرٍّ قلت يا رسول الله كم وفاء عدة الانبياء قال مائة الف واربعة وعشرون الفا الرسل من ذلك ثلثمائة وخمسة عشر غفيرا. (مشكلة المصابيح، كتاب أحوال

انبیاء و رسل کی تعداد

﴿سوال﴾:

انبیاء اور رسولوں کی تعداد کتنی ہے؟ اور اس کا حوالہ کہاں ملے گا؟

﴿الجواب وبالله التوفیق﴾:

صحیح تعداد اللہ ہی کو معلوم ہے، بعض شراح حدیث اور فقہاء نے لکھا ہے کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار تعداد انبیاء کی اور تین سو تیرہ کی تعداد رسولوں کی ہے لیکن اس پر اکتفاء کر لینا کہ یہ ٹھیک تعداد ہے درست نہیں ہے، اس لئے یوں کہنا چاہئے کہ ہم تمام انبیاء اور رسولوں پر

القیامة و بدء الخلق، باب بدء الخلق و ذکر الأنبياء، الفصل الثالث، ص: ۵۱۱، قدیمی کتب خانہ کراچی)

وفی شرح الفقه الأكبر: وقد ورد فی مسند أحمد رحمه الله أنه عليه الصلاة والسلام سئل عن عدد الأنبياء عليهم الصلاة والسلام فقال مائة ألف وأربعة وعشرون ألفا والرسول منهم ثلاثمائة وثلاثة عشر أولهم آدم عليه الصلاة والسلام وآخرهم محمد صلى الله عليه وعلى آله وسلم وهو لا ينافي قوله تعالى ولقد أرسلنا رسلا من قبلك منهم من قصصنا عليك ومنهم من لم نقصص عليك فان نبوت الاجمال لا ينافي تفصيل الاحوال نعم الأولى أن لا يقتصر على الاعداد فان الآحاد لا تفيد الاعتماد في الاعتقاد بل يجب كما قال الله تعالى كل آمن بالله وملائكته وكتبه ورسله أن يؤمن ايمانا اجماليا من غير تعرض لتعدد الصفات وعدد الملائكة والكتب والأنبياء وأرباب الرسالة من الاصفياء. (شرح الفقه الأكبر، بحث في أن الأنبياء منزهون عن الكبائر والصغائر، ص: ۵۵، ط، دار الكتب العربية الكبرى مصر)

(و كذا في رد المحتار على الدر المختار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مطلب في عدد الأنبياء والرسول عليهم الصلاة والسلام، ج: ۲، ص: ۲۴۲، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

ایمان لاتے ہیں اور آخری نبی حضرت محمد ﷺ ہیں (۲۰)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ (فتاوی دار العلوم وقف دیوبند، ج: ۱، ص: ۱۹۸، ۱۹۹، ط، حجت الاسلام اکیڈمی)



(۲۰): وعن أبی ذرٍّ، قال: قلت: یا رسول اللہ ﷺ! أی الأنبیاء کان أول؟ قال: آدم. قلت: یا رسول اللہ ﷺ! ونبی کان؟ قال: نعم نبی مکلم قلت یا رسول اللہ کم المرسلون قال ثلثمائة وبضعة عشر جما غفیراً وفي رواية عن ابن امامة قال ابو ذرٍّ قلت یا رسول اللہ کم وفاء عدة الانبیاء قال مائة الف واربعة وعشرون الفا الرسل من ذلك ثلثمائة وخمسة عشر غفیراً. (مشکلة المصابیح، کتاب أحوال القيامة وبدء الخلق، باب بدء الخلق وذكر الأنبیاء، الفصل الثالث، ص: ۵۱۱، قدیمی کتب خانہ کراچی)

وفي الشامية: قوله: (کالایمان بالأنبیاء) لأن عددهم ليس بمعلوم قطعاً: فينبغی أن يقال: آمنت بجميع الأنبیاء أولهم آدم وآخرهم محمد عليه وعليهم الصلاة والسلام. معراج. فلا يجب اعتقاد أنهم مائة ألف وأربعة وعشرون ألفاً، وأن الرسل منهم ثلاثمائة وثلاثة وعشرون، لأنه خبر آحاد. (ردالمحتار علی الدر المختار، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مطلب فی عدد الأنبیاء والرسل عليهم الصلاة والسلام، ج: ۲، ص: ۲۴۲، ط، دار الکتب العلمیة بیروت لبنان)

وفي شرح العقائد النسفية: وقد روى بيان عددهم فی بعض الأحادیث، علی ما روى أن النبی ﷺ سئل عن عدد الأنبیاء؟ فقال: مائة ألف، وأربعة وعشرون ألفاً وفي رواية: مائتا ألف، وأربع وعشرون ألفاً، والألی ان لا يقتصر علی عدد فی التسمية، فقد قال اللہ تعالیٰ: ﴿منهم من قصصنا علیک ومنهم من لم نقصص علیک﴾.. الخ. (شرح العقائد النسفية، مسألة ختم النبوة، ۳۲۳، ۳۲۴، ط، مكتبة البشري کراتشي)

مقتول انبیاء بنی اسرائیل کی تعداد وغیرہ

﴿سوال﴾:

- (۱): بنی اسرائیل میں کم و بیش کتنے نبی ہوئے ہیں؟
- (۲): بنی اسرائیل نے کتنے انبیاء علیہم السلام کو شہید کیا؟
- (۳): کیا ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کرام علیہم السلام میں سے کوئی بھی شہید نہیں ہوا؟
- (۴): کیا حضرت ایوب علیہ السلام کے بدن میں کیڑے نہیں پیدا ہوئے تھے؟
- (۵): کیا زکریا علیہ السلام کی شہادت کا قصہ غلط ہے؟
- (۶): کیا وَقَتْلَهُمُ الْاَنْبِيَاءَ بِغَيْرِ حَقٍّ میں قتل کا معنی مارنے کا ارادہ ہے یا کہ قتل کر دینا؟

﴿الجواب﴾:

- (۱): بنی اسرائیل کے انبیاء علیہم السلام کی تعداد سینکڑوں سے بھی زیادہ ہے۔
- (۲/۳): حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے قول سے کم از کم تین سو انبیاء علیہم السلام کا یہودیوں یعنی بنی اسرائیل وغیرہ کے ہاتھوں مقتول ہونا معلوم ہوتا ہے۔ عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ قتلت بنو اسرائیل ثلاث مائة نبی۔ (ابن کثیر، ج: ۱، ص: ۳۵۵) (۲۱)۔

(۲۱): فی الدر المنثور: أخرج أبو داؤد الطيالسی، وابن أبی حاتم، عن ابن مسعود قال: كانت بنو اسرائیل فی الیوم تقتل ثلاثمائة نبی، ثم یقیمون سوق بقلهم فی آخر النهار۔ (الدر المنثور فی التفسیر بالمأثور، سورة البقرة، الآیة: ۶۱، ج: ۱، ص: ۳۸۸ / تفسیر ابن کثیر، سورة البقرة، الآیة: ۶۱، ج: ۱، ص: ۲۸۳، ط، دار طیبہ)

وفی تفسیر الثعالبی: روى أن بنی اسرائیل كانوا یقتلون فی الیوم ثلاثمائة نبی، ثم تقوم سوقهم آخر النهار، وروی سبعین نبیاً، ثم تقوم سوق بقلهم آخر النهار۔ (تفسیر الثعالبی المسمی بالجواهر الحسان فی تفسیر القرآن، سورة البقرة، الآیة: ۸۷، ج: ۱)

(۴): حضرت ایوب علیہ السلام سخت بیماری و تکلیف میں مبتلاء ہو گئے تھے اور بدن میں کیڑے پڑنا بھی منقول ہے (۲۲)۔ اس ابتلاء کا اجمالی تذکرہ قرآن مجید سورہ ص میں موجود ہے۔

۱، ص: ۲۷۷، ط، دار احیاء التراث العربی بیروت لبنان)

(۲۲): فی فتاویٰ قاسمیہ: قرآن اور حدیث میں حضرت ایوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مصیبت اور بلا میں مبتلا ہونے کا اجمالی ذکر موجود ہے، ان کو کافی تکلیفیں اٹھانی پڑیں، رائج قول کے مطابق تیرہ سال تک آزمائش اور مصیبت میں مبتلا رہے، اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کو اس مصیبت سے نجات عطا فرمائی ہے، لیکن ان کے بدن میں کیڑے پڑ جانے سے متعلق کسی صحیح روایت سے ثابت نہیں ہے، بلکہ بعض روایات میں اس کا انکار موجود ہے۔ اور جن روایات میں کیڑے پڑنے کا ذکر ہے وہ نہایت کمزور اور اسرائیلی روایات میں سے ہیں، اس لئے ان روایات پر نہ اعتماد کرنا چاہئے اور نہ ہی عوام میں ایسی روایات بیان کرنی چاہئے۔ اور جن علماء نے ایسی روایات بیان کرنے کی نکیر فرمائی ہے وہ درست ہے۔

قال ابن العربی القاضی أبوبکر: ولم یصح عن یوب علیہ السلام فی أمرہ الامر أخبرنا اللہ عنہ فی کتابہ فی آیتین. الأولى قوله تعالى: ﴿وایوب اذ نادى ربه انی مسنی الضر. الأنبياء: ۸۳﴾ والثانية: انی مسنی الشیطان بنصب وعذاب. الآیة. وأما النبی ﷺ فلم یصح عنہ أنه ذکره واحد الا قوله بینا یوب یغتسل اذ خر علیہ رجل من جراد من ذهب. الحدیث (بخاری شریف، کتاب التوحید، باب قول اللہ یریدون أن یبدل کلام اللہ، النسخة الهندیة ۲/ ۱۱۱۶، رقم: ۷۱۹۳، ف: ۷۹۳)

واذ لم یصح عنہ فیہ قرآن ولا سنة الا ما ذکرناہ. (تفسیر قرطبی، سورة ص: ۴۱، مکتبہ دارالکتب العلمیة بیروت ۱۵/ ۱۳۷، بخاری شریف، کتاب التوحید، باب قول اللہ یریدون أن یبدل کلام اللہ، النسخة الهندیة ۲/ ۱۱۱۶، رقم: ۷۱۹۳، ف: ۷۴۹۳)

وأصح ما ورد فی قصته ما أخرجه ابن أبی حاتم وابن جریر، وصحیحه ابن حبان والحاکم من طریق نافع بن یزید عن عقیل عن الزهری عن أنس "ان یوب

(۵): حضرت زکریا علیہ السلام کو شہید کیا گیا تھا۔ یہ قصہ غلط نہیں بلکہ درست ہے (۲۳)۔

(۶): وَقَتْلَهُمُ الْاَنْبِيَاءَ بِغَيْرِ حَقٍّ سے مراد محض ارادہ قتل نہیں بلکہ حقیقت قتل کرنا ہے۔ تاویل کی حاجت نہیں۔ فقط واللہ اعلم۔ (خیر الفتاویٰ، ج: ۱، ص: ۴۶۱، ۴۶۲، ط، مکتبہ امدادیہ ملتان)



کتنے انبیاء زندہ ہیں؟

﴿ سوال ﴾:

کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے علاوہ کون کون سے انبیاء کرام زندہ ہیں؟

﴿ الجواب حامداً ومصلیاً ﴾:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات تو نصوص قطعیہ سے ثابت ہے اس کے علاوہ

علیہ السلام ابتلی، فلبث فی ثلاث عشرة سنة۔ (فتح الباری، کتاب الأنبیاء، باب قوله الله: وایوب اذ نادى ربه انى مسنى الضر، مکتبہ دارالریان للتراث ۶/ ۴۸۴، دارلفکر ۶/ ۴۲۱، اشرفیہ دیوبند ۶/ ۵۲۰، تحت رقم الحديث: ۳۳۹۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔ (فتاویٰ قاسمیہ، ج: ۲، ص: ۱۷۷، ط، مکتبہ اشرفیہ دیوبند/ فتاویٰ دارالعلوم وقف دیوبند، ج: ۱، ص: ۲۰۲، ط، حجة الاسلام اکیڈمی/ فتاویٰ حقانیہ، ج: ۲، ص: ۱۵۳، ط، مکتبہ سید احمد شہید اکوڑہ خٹک)

(۲۳): فی تفسیر الخازن: یروی أن اليهود قتلت سبعین نبیاً فی أول النهار، و قامت الی سوق بقلها فی آخره وقتلوا زکریا و یحیی و شعیا و غیرهم من الأنبیاء۔ (تفسیر الخازن المسمی لباب التأویل فی معانی التنزیل، سورة البقرة، الآية: ۱، ج: ۱، ص: ۵۰، ط، دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان)

حضرت الیاس، ادریس علیہما السلام زندہ ہیں۔ جبکہ حضرت خضر علیہ السلام کے بارے میں شدید اختلاف پایا جاتا ہے کہ وہ زندہ ہیں یا نہیں؟ اس موضوع پر کافی کلام کیا گیا ہے لہذا بہتر ہوتا ہے کہ حیات اور ممات کے بارے میں سکوت اختیار کیا جائے اور اپنی طرف سے کسی نبی کی طرف حیات و ممات کو منسوب نہ کیا جائے۔

لما فی قوله تعالى (النساء: ۱۵۷): وقولهم انا قتلنا المسيح عيسى ابن مريم رسول الله وما قتلوه وما صلبوه ولكن شبه لهم وان الذين اختلفوا فيه لفي شك منه ما لهم به من علم الا اتباع الظن وما قتلوه يقينا بل رفعه الله اليه وكان الله عزيزا حكيما.

وفي احكام القرآن للقرطبي (۱۵/۱۱۵): قال بعضهم: كان قد مرض واحس الموت فبكى..... يا الیاس وعزتي لاؤخرنك الى وقت لا يذكرك في ذاك يوم القيامة وقال عبد العزيز بن ابي رواد ان الیاس والخضر عليهما السلام يصومان شهر رمضان في كل عام بيت المقدس يلاقيان الموسم في كل عام.

وفي تفسير روح المعاني (۱۵/۳۲۸): أبقى الله تعالى بعد وفاته عليه السلام من الرسل الاحياء باجسادهم في هذه الدار اربعة ادريس والیاس وعيسى والخضر عليهم السلام والثلاثة الاول متفق عليهم والآخر مختلف فيه عند غيرنا لا عندنا. (نجم الفتاوى، ج: ۱، ص: ۲۳۸، ۲۳۹)



رسل سے مراد کون ہیں؟

﴿ سوال ﴾:

قرآن شریف میں رسولوں کے قتل کے متعلق جو آیتیں نازل ہوئی ہیں تو کیا ان رسولوں سے وہی رسول مراد ہیں جو علماء اہل سنت نے اپنی اصطلاح میں بتایا ہے یا ان رسولوں سے مراد انبیاء کرام ہیں۔

﴿ الجواب وبالله التوفیق ﴾:

رسول عام ہے جس میں نبی بھی آتے ہیں ویسے جن نبیوں کا قتل ہوا، ان میں کوئی مشہور رسول نہیں ہیں (۲۴)۔ فقط واللہ اعلم بالصواب (فتاویٰ دارالعلوم وقف دیوبند، ج: ۱، ص: ۲۰۰، ط، حجة الاسلام اکیڈمی)



(۲۴): فی الموسوعة الفقهية: وللرسول فی الاصطلاح معنیان: أحدهما الشخص المرسل من انسان الى آخر بمال أو رسالة أو نحو ذلك، وينظر حكمه بهذا المعنى فی مصطلح [ارسال].

والثانی: الواحد من رسل الله.

ویراد برسل الله تارة الملائكة مثل قوله تعالى: ﴿قالوا يا لوط انا رسل ربك لن يصلوا اليك﴾ وقوله: ﴿بلى ورسلنا لديهم يكتبون﴾ وقوله: ﴿ولما جاءت رسلنا لوطاً ساء بهم﴾، وتارة يراد بهم الأنبياء مثل قوله تعالى: ﴿وما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل﴾.

والرسول من البشر هو ذكر جر أوحى الله اليه بشرع وأمره بتبليغه، فان لم يؤمر بتبليغه فنبى فحسب. (الموسوعة الفقهية، ج: ۲۲، ص: ۲۱۰)

وفى تفسير الخازن: يروى أن اليهود قتلت سبعين نبياً فى أول النهار، وقامت الى سوق بقلها فى آخره وقتلوا زكريا ويحيى وشعيا وغيرهم من الأنبياء. (تفسير

کیا سرزمین ہند پر کوئی نبی آیا؟

﴿ سوال ﴾:

دنیا میں اللہ نے حضور (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) سے پیش تر زمین کے ہر گوشہ میں انبیاء علیہ السلام کو روانہ کیا ہے اور تبلیغ اسلام ہوئی ہے، اگر یہ بات حق ہے تو کیا آپ اس بات کو منظور کرتے ہیں کہ ہند کی سرزمین پر انبیاء علیہ السلام آئے ہیں یا نہیں، آئے ہیں تو کون ہیں؟

﴿ الجواب وبالله التوفیق ﴾:

کتب تفاسیر اور احادیث کی صحیح روایات سے ثابت ہے کہ ہر خطہ زمین کے بسنے والوں کی ہدایات اور عقائد کی درستگی اور اصطلاح حال کے لئے انبیاء کرام مبعوث ہوئے ہیں تو ہندوستان کیوں محروم رکھا جاتا ہے اولیاء عارفین و اصحاب کشف نے بعض مقامات پر نور کی روشنی محسوس کر کے بتلایا بھی کہ یہاں نبی کی قبر معلوم ہوتی ہیں یا یہ کہ یہاں نبی کا آنا محسوس ہوتا ہے۔ بعض مفسرین کتب نے یہ بھی لکھا ذوالکفل جن کا تذکرہ قرآن پاک میں ہے نبی تھے جنہوں نے بخارا کا بل سے لے کر مغربی ہندوستان اور چین کے علاقہ تک تبلیغ کی۔ رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں یہود و نصاریٰ توریت و انجیل کی روشنی میں جن انبیاء اور رسل کے بارے میں آنحضرت ﷺ سے سوالات کرتے تھے۔ انہی کے نام

الخازن المسمى لباب التأويل في معاني التنزيل، سورة البقرة، الآية: ۱، ج: ۱، ص: ۵۰، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

وفي تفسير الثعالبي: روى أن بنى اسرائيل كانوا يقتلون في اليوم ثلاثمائة نبي، ثم تقوم سوقهم آخر النهار، وروى سبعين نبياً، ثم تقوم سوق بقلهم آخر النهار. (تفسير الثعالبي المسمى بالجواهر الحسان في تفسير القرآن، سورة البقرة، الآية: ۸۷، ج: ۱، ص: ۲۷۷، ط، دار احياء التراث العربى بيروت لبنان)

قرآن پاک میں موجود ہیں ورنہ انبیاء علیہم السلام کی تعداد مفسرین نے ایک لاکھ سے زائد لکھی ہے (۲۵)۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔ (فتاویٰ دارالعلوم وقف دیوبند، ج: ۱، ص: ۲۱۳، ط، حجة الاسلام اکیڈمی/ فتاویٰ دینیہ، ج: ۱، ص: ۱۰۷، ۱۰۸)



(۲۵): قال اللہ تبارک وتعالیٰ: انا ارسلنک بالحق بشیراً ونذیراً، وان من امة الا خلا فيها نذیر۔ (سورة الفاطر: ۲۴)

وقال تعالیٰ: ولقد بعثنا فی کل امة رسولا ان اعبدوا اللہ واجتنبوا الطاغوت۔ (سورة النحل: ۳۶)

وقال تعالیٰ: وما کنا معذبین حتی نبعث رسولا۔ (سورة الاسراء: ۱۵)

وقال تعالیٰ: ورسلا قد قصصنہم علیک من قبل ورسلا لم نقصصہم علیک۔ (سورة النساء: ۱۶۴)

وعن أبی ذرؓ، قال: قلت: یا رسول اللہ ﷺ! ای الأنبیاء کان أول؟ قال: آدم۔ قلت: یا رسول اللہ ﷺ! ونبی کان؟ قال: نعم نبی مکلم قلت یا رسول اللہ کم المرسلون قال ثلثمائة وبضعة عشر جما غفیراً وفي رواية عن ابن امامة قال ابوذرؓ قلت یا رسول اللہ کم وفاء عدة الانبیاء قال مائة الف واربعة وعشرون الفا الرسل من ذلك ثلثمائة وخمسة عشر غفیراً۔ (مشکاة المصابیح، کتاب أحوال القيامة وبدء الخلق، باب بدء الخلق وذكر الأنبیاء، الفصل الثالث، ص: ۵۱۱، قدیمی کتب خانہ کراچی)

وفي الشامية: قوله: (کالايمان بالأنبياء) لأن عددهم ليس بمعلوم قطعاً: فينبغي أن يقال: آمنت بجميع الأنبياء أولهم آدم وآخرهم محمد عليه وعليهم الصلوة والسلام. معراج. فلا يجب اعتقاد أنهم مائة ألف وأربعة وعشرون ألفاً، وأن الرسل منهم ثلاثمائة وثلاثة وعشرون، لأنه خبر آحاد. (ردالمحتار على الدرالمختار، کتاب الصلوة، باب صفة الصلوة، مطب في عدد الأنبياء والرسل عليهم الصلوة والسلام، ج: ۲، ص: ۲۴۲، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

کیا ہندوستان میں کوئی نبی پیدا ہوا ہے؟

﴿ سوال ﴾:

سورۃ فاطر کی آیت نمبر: ۲۴ میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ وَإِنْ مِنْ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ۔ اور کوئی قوم ایسی نہیں گزری جس میں ہم نے کوئی ڈرانے والا (رسول) نہ بھیجا ہو۔ اس آیت کی روشنی میں مجھے یہ پوچھنا ہے کہ کیا ہندوستان میں بھی نبی پیدا ہوئے ہیں؟ اور ہوئے ہوں تو ان کے نام کیا تھے؟

﴿ الجواب حامداً ومصلحاً ﴾:

ہندوستان میں بھی آئے ہی ہوں گے۔ حضرت آدم علیہ السلام سب سے پہلے ہندوستان میں ہی اترے تھے (۲۵)۔ لیکن ان کے علاوہ اور کون کون نبی آئیں اس بارے میں قرآن و حدیث اور تاریخ کی کتابیں خاموش ہیں۔ اور کسی شخص کو یقینی طور پر نبی یا رسول جاننے کے لئے دلیل قطعی سے اس کا نبی یا رسول ثابت ہونا ضروری ہے۔ جواب وحی کے منقطع ہو جانے کی وجہ سے ثابت نہیں ہو سکتا۔ اور اپنی سمجھ سے کسی کا نام اس فہرست میں بتایا نہیں جاسکتا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ (فتاویٰ دینیہ، ج: ۱، ص: ۱۱۲)



جنات کی طرف مبعوث انبیاء

﴿ سوال ﴾:

کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اللہ تعالیٰ نے جس طرح انسانوں میں یکے بعد دیگرے انبیاء کو مبعوث فرمایا کیا اسی طرح جنات میں یہی

(۲۵): فی الجامع لاحکام القرآن: فاهبط آدم بسرندیب فی الہند بجبل یقال

لہ نوذواہبطت حوا بجدة۔ (الجامع لأحكام القرآن، سورة البقرة، الآية: ۳۶، ج: ۱،

ص: ۴۷۵، ط، مؤسسة الرسالة بیروت لبنان)

معاملہ رہا یا ان کے ہاں انبیاء مبعوث نہیں ہوتے تھے؟

﴿ الجواب حامداً ومصلیاً ﴾:

نبی اکرم ﷺ سے قبل جنات کی طرف ان میں سے کوئی نبی مبعوث نہیں ہوا۔ ہاں انبیاء کے رسول و قاصد جنات میں جا کر جنات کو دعوت دیتے رہے ہیں اور نبی کریم ﷺ انسانوں اور جنات دونوں کی طرف مبعوث ہوئے۔

لمافی الفتاوی الحدیثیہ (ص ۶۶): ولم یبعث الیہم نبی قبل نبینا قطعاً علی ما قالہ ابن حزم: ای انما کانو متطوعین بالایمان لموسی مثلاً والدخول فی شریعتہ. وقال السبکی: لاشک انہم مکلفون فی الامم الماضیۃ کھذہ الملة اما بسماعہم من الرسول او من صدق عنہ. وفيہا ایضاً (ص ۶۹): وجمهور الخلف والسلف انہ لم یکن منہم رسول ولانبی خلافا للضحاک ومعنی رسل منکم ای من مجموعکم وہم الانس او المراد بہم رسل الرسل.

وفی لقط المرجان فی احکام الجن (ص ۷۲): جمهور العلماء سلفاً وخلفاً علی انہ لم یکن من الجن قط رسول ولانبی کذا روی عن ابن عباس ومجاہد وکلبی وابی عیینہ. (نجم الفتاوی، ج: ۱، ص: ۲۴۵)



کیا ساتوں زمینوں میں انبیاء ہیں؟

﴿سوال﴾:

رسالت مآب ﷺ نے فرمایا کہ: ”مجھ جیسا زمین کے سات طبقوں میں موجود ہے۔“ روایت کیسی ہے، اگر صحیح ہے تو کیا مطلب ہے؟

﴿الجواب حامداً ومصلیاً﴾:

یہ روایت صحاح ستہ میں نہیں ہے، البتہ درمنثور میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما پر موقوف ہے (۲۶)، اس پر حجۃ الاسلام مولانا قاسم نانوتوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسالہ ”تخذیر الناس“ میں اور مولانا عبدالحی لکھنوی نے ”مجموعہ فتاویٰ“ کے شروع میں تفصیل سے کلام کیا ہے، وہاں دیکھ لیا جائے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم (فتاویٰ محمودیہ، ج: ۱، ص: ۴۱۳ تا ۴۱۴)



قرآن پاک میں کتنے انبیاء کا ذکر ہے؟ اور ان کے نام کیا ہیں؟

﴿سوال﴾:

قرآن پاک میں کتنے انبیاء کا ذکر ہے؟ اور ان کے نام کیا ہیں؟ ان کے علاوہ دیگر انبیاء کے بارے تفصیلات معلوم کرنے کا طریقہ کیا ہے؟

(۲۶): فی الدر المنثور: وأخبر ج ابن جریر، وابن أبی حاتم، والحاکم وصححه، والبیہقی فی شعب الایمان وفی الأسماء والصفات، من طریق أبی الضحی، عن ابن عباسؓ فی قوله: ﴿ومن الأرض مثلہن﴾. قال: سبع أرضین، فی کل أرض نبی کنیکم، وآدم کآدم، ونوح کنوح، وإبراہیم کابراہیم، وعیسی کعیسی. قال البیہقی: اسنادہ صحیح، ولكنه شاذ بمرۃ، لأعلم لأبی الضحی علیہ متابعا.

(الدر المنثور فی التفسیر بالمأثور، سورة الطلاق، الآیة: ۱۲، ج: ۱۴، ص: ۵۶۵)

﴿ الجواب حامداً ومصلیاً ﴾:

قرآن پاک میں مندرجہ ذیل انبیاء کرام علیہم السلام کا ذکر ملتا ہے:

حضرت آدم، حضرت ادریس، حضرت نوح، حضرت ہود، حضرت صالح، حضرت ابراہیم، حضرت لوط، حضرت اسماعیل، حضرت اسحاق، حضرت یعقوب، حضرت یوسف، حضرت ایوب، حضرت شعیب، حضرت موسیٰ، حضرت ہارون، حضرت یونس، حضرت داؤد، حضرت سلیمان، حضرت الیاس، حضرت الیسع، حضرت زکریا، حضرت یحییٰ، حضرت عیسیٰ، حضرت ذوالکفل علیہم الصلوٰۃ والسلام اور سردارِ دو جہاں محمد ﷺ۔ (تفسیر ابن کثیر: ۱/۵۸۵) (۲۷)۔

نبوت و رسالت وہی شے ہے، اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جسے چاہے، اپنے فضل سے نبی بناتا ہے (۲۸)۔ اس میں بندے کے کسب کا کوئی دخل نہیں ہوتا، یعنی بندہ جس

(۲۷): فی تفسیر ابن کثیر: وقوله: ﴿ورسلا قد قصصناهم علیک من قبل ورسلا لم نقصصهم علیک﴾ ای: من قبل هذه الآية، یعنی: فی السور المکیة وغیرھا۔

وهذه تسمية الأنبياء الذين نص على اسمائهم في القرآن، وهم: آدم، وادريس، ونوح، وهود، وصالح، وابراهيم، ولوط، واسماعيل، واسحاق، ويعقوب، ويوسف، وأيوب، وشعيب، وموسى، وهارون، ويونس، وداؤد، وسليمان، والياس، واليسع، وزكريا، ويحيى، وعيسى [عليهم الصلوٰۃ والسلام]، وكذا ذوالكفل عند كثير من المفسرين، وسيدهم محمد ﷺ. (تفسير ابن كثير، سورة النساء، الآية: ۱۶۳، ط، دار طيبة)

(۲۸): قال اللہ تبارک وتعالیٰ: قالت لهم رسلهم ان نحن الا بشر مثلكم ولكن اللہ یمن علی من یشاء من عباده. الخ. (سورة ابراهيم: ۱۱) وفي الجامع لأحكام القرآن تحت هذه الآية: (ولكن اللہ یمن علی من یشاء من عباده) أي: یتفضل علیہ بالنبوة. (الجامع لأحكام القرآن، سورة ابراهيم، الآية: ۱۱، ج: ۱۲، ص: ۱۱۴، ط،

طرح اپنے کسب و اختیار سے عبادت و ریاضت کر کے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کر سکتا ہے، اس طرح اپنے کسب و اختیار سے اعلیٰ سے اعلیٰ درجہ کی محنت و ریاضت کے باوجود نبی نہیں بن سکتا، نبی بنائے جانے میں صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی مشیت کار فرما ہوتی ہے، وہ جسے چاہے نبی بنائے۔ چوں کہ نبوت مکمل طور پر امر وہی ہے، اس لئے کوئی متعین شخصیت نبی ہے یا نہیں؟ اس کا علم قرآن و حدیث کے علاوہ اور کسی ذریعہ سے نہیں ہو سکتا، لہذا قرآن کریم اور حدیث پاک میں جن انبیاء کرام کا ذکر ہے، ان کے علاوہ کسی اور کو نبی نہیں مان سکتے، اسی لئے تمام انبیاء کرام کی تعداد کے متعلق اجمالی ایمان ہی لازم ہے (۲۹)۔ ورنہ غیر نبی کو نبی ماننا یا اس کے برخلاف نبی کی نبوت کا انکار لازم آئے گا۔ واللہ اعلم بالصواب (فتاویٰ فلاحیہ، ج: ۱، ص: ۱۸۷، ۱۸۸)



مؤسسة الرسالة بيروت لبنان

(۲۹): فی شرح الفقه الأكبر: وقد ورد فی مسند أحمد رحمه الله أنه عليه الصلاة والسلام سئل عن عدد الأنبياء عليهم الصلاة والسلام فقال مائة ألف وأربعة وعشرون ألفاً والرسول منهم ثلاثمائة وثلاثة عشر أولهم آدم عليه الصلاة والسلام وآخرهم محمد صلى الله عليه وعلى آله وسلم وهو لا ينافي قوله تعالى ولقد أرسلنا رسلاً من قبلك منهم من قصصنا عليك ومنهم من لم نقصص عليك فان نبوت الاجمال لا ينافي تفصيل الاحوال نعم الأولى أن لا يقتصر على الاعداد فان الآحاد لا تفيد الاعتماد في الاعتقاد بل يجب كما قال الله تعالى كل آمن بالله وملائكته وكتبه ورسله أن يؤمن ايماناً اجمالياً من غير تعرض لتعدد الصفات وعدد الملائكة والكتب والأنبياء وأرباب الرسالة من الاصفياء. (شرح الفقه الأكبر، بحث في أن الأنبياء منزّهون عن الكبائر والصغائر، ص: ۵۵، ط، دار الكتب العربية الكبرى مصر)

وفي الشامية: قوله: (كالايمان بالأنبياء) لأن عددهم ليس بمعلوم قطعاً: فينبغي أن يقال: آمنت بجميع الأنبياء أولهم آدم وآخرهم محمد عليه وعليهم

قرآن کریم میں صرف چند انبیاء کرام علیہم السلام کا ذکر کیوں؟

﴿سوال﴾:

یہ بات مشہور ہے کہ انبیاء کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار کے قریب ہے۔ لیکن قرآن پاک میں صرف چند انبیاء کرام ہی کا ذکر ہے، اُن کے علاوہ کا ذکر کیوں نہیں ہے؟ انگریز اور یہود کہتے ہیں کہ ویٹر، سیمویل اور جون وغیرہ ہمارے نبی تھے، بت پرست ہنود کہتے ہیں کہ رام اور کرشن ہمارے نبی تھے، اسی طرح مجوسی آتش پرست لوگ کا کہنا ہے کہ زرتشت ہمارے نبی تھے، تو ان لوگوں کے رد میں ہمارے پاس کیا دلائل ہیں؟

﴿الجواب حامداً ومصلیاً﴾:

اگر ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کرام کا بیان قرآن پاک میں ہوتا، تو قرآن پاک قصہ و کہانی کی کتاب بن کر رہ جاتا، جب کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے قرآن کا نزول بطور کتاب ہدایت ہوا ہے (۳۰)۔ لہذا اس میں اولوالعزم انبیاء کا ذکر کیا گیا اور دیگر بہت سے انبیاء کا ذکر نہیں ہے، اُسے ایک مثال سے سمجھیے کہ ”وہو اسوسا سئی“ کاسنگ بنیاد مثلاً ۱۹۶۴ء میں ڈالا گیا، اب بعد میں جب بھی تاریخ مرتب ہوگی، تو اس میں اس تنظیم کے صدر اور خاص جن

الصلاة والسلام. معراج. فلا يجب اعتقاد أنهم مائة ألف وأربعة وعشرون ألفاً، وأن الرسل منهم ثلاثمائة وثلاثة وعشرون، لأنه خبر آحاد. (ردالمحتار على الدر المختار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مطلب في عدد الأنبياء والرسل عليهم الصلاة والسلام، ج: ۲، ص: ۲۴۲، ط، دار الكتب العلمية بيروت لسان)

(۳۰): شهر رمضان الذي أنزل فيه القرآن هدى للناس وبينت من الهدى

والفرقان. (سورة البقرة: ۱۸۵)

وفي التفسير المأمون: وقوله: ﴿هدى للناس﴾. يعني: رشاداً للناس الى

سبيل الحق ومنهج النجاة. (التفسير المأمون على منهج التنزيل والصحيح المسنون،

سورة البقرة، الآية: ۱۸۵، ج: ۱، ص: ۵۰۰)

لوگوں ہی کا ذکر ہوگا، عام افراد کا ذکر چھوڑ دیا جائے گا، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے بندوں کی ہدایت کے لئے جن انبیاء کرام علیہم السلام کے ذکر کو ضروری سمجھا، ان کو بیان فرمایا، چنانچہ ارشاد خداوندی ہے:

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلًا مِنْ قَبْلِكَ مِنْهُمْ مَنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَنْ لَمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ (۳۱).

اس آیت کریمہ میں اللہ کے رسول ﷺ کو کہا جا رہا ہے کہ بعض انبیاء کرام کے احوال آپ کے سامنے بیان نہیں کیے گئے۔

اس کی اصل حکمت صرف اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں، اسی وجہ سے انبیاء کرام کی تعداد کے متعلق اجمالی ایمان ہی کافی ہے (۳۲)، کسی ایک عددِ خاص کا ذکر کرنا صحیح نہیں ہے، بہت سے غیر مسلمین جن کو نبی مانتے ہیں، ممکن ہے کہ وہ نبی ہوں، لیکن چوں کہ ان کے بارے میں کوئی نص قطعی مروی نہیں ہے، اس لیے ہم نہ اس باب میں ان کی تصدیق کریں گے اور نہ تکذیب، بلکہ اس میں توقف بہتر ہے۔

(۳۱): (سورة المؤمن: ۷۸)

(۳۲): فی شرح الفقه الأكبر: وقد ورد فی مسند أحمد رحمه الله أنه عليه الصلاة والسلام سئل عن عدد الأنبياء عليهم الصلاة والسلام فقال مائة ألف وأربعة وعشرون ألفا والرسول منهم ثلاثمائة وثلاثة عشر أولهم آدم عليه الصلاة والسلام وآخرهم محمد صلى الله عليه وعلى آله وسلم وهو لا ينافي قوله تعالى ولقد أرسلنا رسلا من قبلك منهم من قصصنا عليك ومنهم من لم نقصص عليك فان نبوت الاجمال لا ينافي تفصيل الاحوال نعم الأولى أن لا يقتصر على الاعداد فان الآحاد لا تفيد الاعتماد في الاعتقاد بل يجب كما قال الله تعالى كل آمن بالله وملائكته وكتبه ورسله أن يؤمن ايماناً اجمالياً من غير تعرض لتعدد الصفات وعدد الملائكة والكتب والأنبياء وأرباب الرسالة من الاصفياء. (شرح الفقه الأكبر، بحث في أن الأنبياء منزّهون عن الكبائر والصغائر، ص: ۵۵، ط، دار الكتب العربية الكبرى مصر)

اللہ تعالیٰ نے تمام ادیانِ سماویہ میں بنیادی عقائد یعنی توحید و رسالت اور بعث بعد الموت جیسے امور پر ایمان لانے کو ضروری قرار دیا ہے، نیز باہمی اخلاق و مروت کی پابندی بھی ہر دینِ سماوی میں لازم ہوتی ہے، غرض یہ کہ تمام ادیانِ سماویہ کی تعلیمات اچھی ہوتی ہیں، یہ تعلیمات اگلی اُمتوں کو جن انبیاء کے ذریعہ پہنچیں، مرورِ زمانہ کے ساتھ اُن انبیاء اور صلحاء کے بارے میں اُن کی اُمتوں کا عقیدہ اعتدال پر قائم نہیں رہا، چنانچہ نصاریٰ نے اپنے نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا کہہ دیا (۳۳)۔ اور بعض نصاریٰ ان ہی کو خدا ماننے لگے (۳۴)۔ اسی طرح یہود نے حضرت عزیر علیہ السلام کے بارے میں حدود کی پاسداری نہیں کی اور ان کو اللہ کا بیٹا قرار دیا (۳۵)۔ الحاصل کوئی بھی امت اپنے اصل عقائد و احکام پر برقرار نہیں رہی، تمام نے اپنی نبوی تعلیمات کو بدل دیا (۳۶)۔ لہذا ان کے عقائد کا کوئی اعتبار نہیں، ہنود کا اپنے صلحاء کے متعلق کہنا کہ وہ نبی تھے، اس کی کوئی اصل نہیں ہے، بلکہ ان کے متعلق وہ جن کرامات کو بیان کرتے ہیں، ان سے بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ جنات ہوں گے (۳۷)۔ اسی طرح یہود و نصاریٰ جن کے متعلق نبی ہونے کا دعویٰ کرتے

(۳۳): قال اللہ تبارک و تعالیٰ: وقالت النصارى المسيح ابن الله. (سورة التوبة:

(۳۰

(۳۴): قال اللہ تبارک و تعالیٰ: لقد كفر الذين قالوا ان الله هو المسيح ابن

مریم. (سورة المائدة: ۱۷)

(۳۵): قال اللہ تبارک و تعالیٰ: وقالت اليهود عزير ابن الله. (سورة التوبة:

(۳۰

(۳۶): قال اللہ تبارک و تعالیٰ: من الذين هادوا يحرفون الكلم عن مواضعه.

(سورة النساء: ۴۶)

(۳۷): فى تفسير المظهرى: ومن ههنا يظهر أن ما يدعو أهل الهند من

البرازخ ويسمونهم أوتاداً يذكرون فى توارىخهم ألوف ومائة ألوف من السنين
لعلهم كانوا من الجن برازخ مبعوثين الى الجن، ولعل لأهل الهند دين منزل من الله

ہیں اور ان کا ذکر کسی نص قطعی میں نہ ہو، ہم ان کے انکار کی وجہ سے گنہگار نہیں ہوں گے۔
فقط، واللہ اعلم بالصواب (فتاویٰ فلاحیہ، ج: ۱، ص: ۱۸۳ تا ۱۸۵)



انبیاء کرام علیہم السلام کو اُن کے موت سے پہلے اختیار دیا جاتا ہے

﴿سوال﴾:

حضرت مفتی احمد بیات صاحب کی ایک گجراتی کتاب ”موت، قبر؟ اور برزخ کے احوال“ میں حضرت ادریس علیہ السلام کے متعلق لکھا ہے کہ ان کی موت ایک فرشتہ کے پروں پر آسمان میں ہوئی (۳۸)۔

تعالیٰ علی الجن استفاد منهم الانس قیل: لأجل کونهم مولودین من بطن الجنیة منسوج بشرائع منزلة بعد ذلک فان أصول دینهم یوافق الکتاب والسنة غالباً وما یخالف منه فهو من عمل الشیطان مردود واللہ اعلم. (تفسیر الظہری، سورة الأنعام، الآیة: ۱۳۰، ج: ۳، ص: ۳۱۳، ۳۱۴، ط، دار احیاء التراث العربی بیروت لبنان)

(۳۸): فی الدر المنثور: وأخرج ابن ابی حاتم عن ابن عباس فی قوله: ﴿ورفعنه مکانا علیا﴾. قال: کان ادريس خياطاً، وكان لا یغرز الا قال: سبحان الله. فكان یمسی حین یمسی وليس فی الأرض احد أفضل عملاً منه، فاستأذن ملک من الملائكة ربه فقال: رب، ائذن لی فأهبط الی ادريس. فأذن له، فأتی ادريس فسلم وقال: انی جئتک لأخدمک. فقال: کیف تخدمنی وأنت ملک وأنا انسان؟ ثم قال ادريس: هل بینک وبين ملک الموت شیء؟ قال الملك: ذاک أخی من الملائكة. فقال: هل یتطیع أن ینفعی عند الموت؟ قال: أما أن یؤخر شیئاً أو یقدمه فلا، ولكن سأکلمه لک فیرفق بک عند الموت. فقال: اركب بین جناحی. فركب ادريس، فصعد الی السماء العلیا، فلقى ملک الموت وادريس بین جناحیه، فقال له الملك: ان لی الیک حاجة. قال: عملت حاجتک، تکلمنی فی ادريس، وقد

اسی طرح حضرت سلیمان علیہ السلام، حضرت زکریا علیہ السلام اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کو بھی مہلت نہیں دی گئی، جب کہ ایک دوسری کتاب ”موت کا منظر“ میں بخاری شریف کے حوالے سے ایک حدیث شریف ذکر کی گئی ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ روایت کرتی ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ تمام انبیاء کو ان کی وفات سے قبل اختیار دیا جاتا ہے کہ اگر وہ چاہیں، تو دنیا میں رہنا پسند کریں یا ملاً اعلیٰ کو ترجیح دیں: سوال یہ ہے کہ حضرت مفتی صاحب کی کتاب میں مذکور چاروں انبیاء کے قصوں میں انہیں مہلت کیوں نہیں دی گئی؟

﴿ الجواب حامداً ومصلیاً ﴾:

کتاب ”موت کا منظر“ میں جو حدیث لکھی گئی ہے، وہ بالکل صحیح ہے، بخاری شریف میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ بہ حالت صحت فرمایا کرتے تھے کہ کسی بھی نبی کی موت اس وقت تک نہیں آتی، جب تک کہ وہ جنت میں اپنا ٹھکانہ نہ دیکھ لے، اس کے بعد نبی کو اختیار دیا جاتا ہے کہ اگر وہ چاہیں، تو دنیا میں رہنا پسند کریں یا آخرت کو اختیار فرمائیں، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ پھر جب آپ ﷺ پر حیات مبارکہ کے آخری وقت غشی طاری ہوئی، اس وقت آپ ﷺ کا سر مبارک میری گود میں تھا، آپ ﷺ نے جب غشی سے افاقہ پایا، تو چھت کی جانب چہرہ انور اٹھا کر یہ دعاء فرمائی: ”اللھم الرفیق الاعلیٰ“ (اے بلند و بالا مرتبہ والے اللہ! میں تیرے پاس رہنا پسند کرتا ہوں) حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ میں یہ دعاء سن کر سمجھ گئی کہ اب حضور اکرم ﷺ ہمارے ساتھ رہنا پسند نہیں فرمائیں گے اور یہ وہی بات ہے، جسے آپ ﷺ اپنی حیات مبارکہ میں صحت کی حالت میں فرمایا کرتے تھے، یہ دعاء حضور پاک

محی اسمہ من الصحیفۃ، ولم یبق من أجله الا نصف طرفۃ عین. فمات ادریس بین جناحی الملک. (الدر المنثور فی التفسیر بالمأثور، سورۃ مریم، الآیۃ: ۵۷، ج: ۱۰، ص: ۸۳، ۸۴)

صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے نکلا ہوا اخیرى کلمہ تھا۔ (بخاری شریف: ۶۳۱/۲) (۳۹)۔

”موت، قبر اور برزخ کے احوال“ نامی گجراتی کتاب میں جو قصہ بیان کیا گیا ہے، اس کی توجیہ یہ ہو سکتی ہے کہ قبض روح کے لیے جس وقت فرشتہ آپہنچا، اس وقت مہلت نہیں دی گئی، البتہ اس سے پہلے اختیار دیا گیا تھا، اور اس اختیار کے موقع پر کسی بھی نبی نے دنیا میں رہنا پسند نہیں فرمایا اور ان کی روح قبض ہو گئی۔ فقط واللہ اعلم بالصواب (فتاویٰ فلاحیہ، ج: ۱، ص: ۱۹۰ تا ۱۹۳)



کیا انبیاء علیہم السلام وارث ہوتے ہیں؟

﴿ سوال ﴾:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع مسئلہ ذیل کے بارے میں: انبیاء علیہم السلام وارث ہوتے ہیں یا نہیں؟ اگر وارث نہیں ہوتے ہیں، تو ان آیات کی توجیہ کیا کی جائے گی، جیسا کہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

”وَوَرِثَ سُلَيْمَانُ دَاوُدَ“. ”يَرِثُنِي وَيَرِثُ مِنْ آلِ يَعْقُوبَ“.

اسی طرح وارث نہ بننے کی کیا وجہ ہے؟ آیا اس لئے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں

(۳۹): قال الزهري: أخبرني سعيد بن المسيب في رجال من أهل العلم أن عائشة قالت: كان النبي ﷺ يقول وهو صحيح: انه لم يقبض نبي حتى يرى مقعده من الجنة ثم يخير، فلما نزل به ورأسه على فخذي غشي عليه ثم أفاق، فأشخص بصره الى سقف البيت، ثم قال: اللهم الرفيق الاعلى. فقلت: اذا لا يختارنا، وعرفت أنه الحديث الذي كان يحدثنا به وهو صحيح. قالت: فكان آخر كلمة تكلم بها: اللهم الرفيق الاعلى. (صحيح البخارى، كتاب المغازى، باب آخر ما تكلم به النبي ﷺ،

میں حیات ہیں، قرآن و حدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

﴿ الجواب حامداً ومصلیاً ﴾:

(۱) حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام نہ مال کے وارث بنتے ہیں اور نہ مال کا کسی کو وارث بناتے ہیں، بلکہ حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی دولت علم اور نبوت ہے۔ اور حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اس بے مثال دولت کا وارث بناتے ہیں اور وارث بنتے ہیں، نیز سوال نامہ میں جن دو آیتوں کا ذکر کیا گیا ہے، ان میں علم اور نبوت کی وراثت مراد ہے، مالی وراثت مراد نہیں ہے، جس کی صراحت خود حدیث پاک میں واضح طور پر موجود ہے۔

سمعت رسول الله ﷺ يقول: وان العلماء ورثة الأنبياء، وان الأنبياء لم يورثوا دينارا ولا درهما، ورثوا العلم، فمن أخذه أخذ بحظ وافر. (أبو داؤد شريف، كتاب العلم، النسخة الهندية ۵۱۳/۲، دارالسلام، رقم: ۳۶۴۱، سنن دارمی، دار المغنی ۳۶۱/۱، رقم: ۳۵۴، ترمذی، أبواب العلم، باب ماجاء فی فضل الفقه علی العبادۃ، النسخة الهندية ۹۷/۲، دارالسلام، رقم: ۲۶۷۲، ابن ماجه، باب فضل العلماء والحث علی طلب العلم، النسخة الهندية ۲۰، دارالسلام، رقم: ۲۲۴، مسند البزار، مكتبه العلوم والحکم ۸۰/۱۰، رقم: ۴۱۴۵، صحيح ابن حيان، دارلکفر ۲۶۹/۱، رقم: ۸۸)

عن عائشة أن النبي ﷺ قال: لا نورث ما تركنا صدقة، فهذا عام في جميع الأنبياء عليهم الصلاة والسلام، ولا يعارضه قوله تعالى: "وورث سليمان داؤد" [النمل: ۱۶]: لأن المراد ارث النبوة والعلم والحكم، وكذلك قوله تعالى

: ”یرثنی ویرث من آل یعقوب“ [المريم: ۶] (عمدة القاری،

کتاب الفرائض، باب قول النبی ﷺ: ”لأنورث ما ترکما صدقة“،

دار احیاء التراث العربی ۲۳/۲۳۲، زکریا ۸/۱۶، روح المعانی،

سورة النمل: ۷۱، ۱۱/۲۵۵، زکریا)

(۲) انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اپنی قبروں میں باحیات ہیں، اس لئے وارث نہ بننے کی بات نہیں ہے، بلکہ حقیقی طور پر مالی وراثت حضرات انبیاء کی نہیں ہوتی ہے، ورنہ حضرات شہداء کے بارے میں بھی اللہ تبارک و تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا: ”بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَكِنْ لَا تَشْعُرُونَ“ [البقرة: ۱۵۴] اور ان شہداء کے اعزاء ان کے مال کے وارث بنتے ہیں لہذا حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے اپنی قبروں میں باحیات ہونے کی وجہ سے وارث نہ ہونے کی بات نہیں ہے، بلکہ حضرات انبیاء مال کا وارث ہی کسی کو نہیں بناتے، اس لئے کہ مال ان کی اصلی دولت نہیں ہے، بلکہ ان کی اصلی دولت علم اور نبوت ہے۔ اور ان چیزوں کا وارث حضرات انبیاء بناتے ہیں، اسی وجہ سے حضور ﷺ نے فرمایا: العلماء ورثة الانبياء“ (سنن ابن ماجہ، باب فضل العلماء والحث علی طلب العلم، النسخة الهندية، ۲، دارالسلام، رقم: ۲۲۲، سنن أبی داؤد، کتاب العلم، باب فضل العلم، النسخة الهندية ۲/۵۱۳، دارالسلام، رقم: ۳۶۱۱، سنن ترمذی، باب ماجاء فی فضل الفقه علی العبادۃ، النسخة الهندية ۲/۹۷، دارالسلام، رقم: ۲۶۸۲) (علماء انبیاء کے وارث ہوتے ہیں) اس لئے کہ علم ہی انبیاء کی دولت ہے، جیسا کہ سوال (۱) کے ذیل میں دلائل لکھے جا چکے ہیں۔ فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔ (فتاویٰ قاسمیہ، ج: ۲، ص: ۱۰۹، ط، مکتبہ اشرفیہ دیوبند)



کیا انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام کو نبوت حضور ﷺ

کے واسطے سے ملی؟

﴿ سوال ﴾:

انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام کی نبوت بالذات ہے یا بالعرض؟ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کو نبوت حضور اکرم ﷺ کے واسطے سے عطا فرمائی ہے یا بغیر واسطے کے؟

﴿ الجواب حامداً ومصلیاً ﴾:

”انما انا قاسم واللہ يعطی“ (۴۰) نیز دیگر نصوص سے بعض عرفاء نے استدلال کرتے ہوئے اس باب کی تصریح کی ہے کہ جملہ معارف و نعماء الہیہ نبوت وغیرہ حضرت نبی اکرم ﷺ کو اللہ پاک نے ابتداء عطا فرمائی ہیں، پھر آپ کے ذریعہ حسب ہدایت دوسروں کو تقسیم کی گئی ہیں اصل مہبط و مخزن ذات اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم (فتاویٰ محمودیہ، ج: ۱، ص: ۴۱۲، ۴۱۳)



(۴۰) عن حمید بن عبدالرحمن: سمعت معاویہ خطیباً یقول: سمعت النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یقول: من یرد اللہ بہ خیراً یفقہہ فی الدین، وانما انا قاسم واللہ يعطی، ولن تزال هذه الأمة قائمة علی امر اللہ لایضرہم من خالفہم حتی یأتی أمر اللہ. (صحیح البخاری، کتاب العلم، باب من یرد اللہ بہ خیراً یفقہہ، ص: ۲۰، ۲۱،

رقم: ۷۱، ط، دار السلام ریاض)

کیا پہلے انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات ناقص تھیں؟

سوال:

آپ نے ایک موقع پر پیغمبر اسلام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعلیمات کا دوسرے مذاہب سے تقابلی مطالعہ پیش کیا ہے، اور ثابت کیا ہے کہ آپ کی تعلیمات مکمل تھیں، اس سے یہ تاثر ملتا ہے کہ دوسرے پیغمبروں کی تعلیم ناقص تھیں حالانکہ ہر پیغمبر اپنے زمانے کے لئے مکمل ہادی ہوتا ہے۔

جواب:

اس سلسلہ میں دو باتیں ذہن میں رکھنی چاہئیں: اول یہ کہ جب ہم محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سیرت کا دوسرے انبیاء کرام سے تقابل کرتے ہیں، تو اس میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقی سیرت کا دوسرے رسولوں اور نبیوں کی ”غیر محفوظ سیرت“ سے تقابل ہوتا ہے، ہم پچھلے مذاہب کے ان صحائف کی روشنی میں یہ بات کہتے ہیں جو انسانی ملاوٹوں اور آمیزشوں کی وجہ سے ان قدسی صفت انسانوں اور عالم بالا کے عظیم المرتبت سفیروں کی زندگی کی صحیح تصویر پیش نہیں کرتے؛ اس لئے یہ (نعوذ باللہ) خود ان کی حیات والا صفات پر تنقید نہیں بلکہ ان لوگوں پر تنقید ہے، جو اپنے آپ کو ان کی طرف منسوب کرتے ہیں، اور جو ان کی سیرت مبارکہ کی حفاظت میں خیانت کے مرتکب ہوئے ہیں، ورنہ تو اس میں شبہ نہیں کہ ہر پیغمبر کی حیات اپنے عہد کے لئے مکمل رہنما ہوتی ہے، اور تمام پیغمبروں پر ایمان اور ان کی تعظیم و احترام واجب ہے، اور اس کے بغیر کوئی شخص صاحب ایمان نہیں ہو سکتا۔

دوسرے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کا عہد انسانی تہذیب و تمدن کی ناچنگلی کا عہد تھا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا عہد تہذیب انسانی کے اوج کمال پر پہونچنے اور تمدن آدمیت کے پختہ ہو جانے کا عہد ہے، ایک ایسا عہد جو پوری عالم انسانیت کو ایک محلہ اور ایک شہر کی طرح ایک دوسرے سے قریب کر دے گا، چنانچہ اس ڈیڑھ ہزار سال کے

عرصہ میں انسان نے علم و عقل، ایجادات و اختراعات اور اسرار کائنات کی تلاش و جستجو میں اتنا بڑا سفر طے کیا ہے کہ وجود عالم سے ولادت محمدی تک اس میدان میں انسان اس کا دسواں حصہ بھی سفر نہ کر سکا تھا، اس لئے یوں تو گزشتہ انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات بابرکات بھی اپنے زمانے کی ضرورتوں کے لحاظ سے مکمل تھیں، لیکن موجودہ عہد کے لئے وہ ناکافی ہے اور غالباً یہی منشاء ہے اس آیت باری کا:

﴿الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَاتَّمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا﴾ (۴۱)۔ (کتاب الفتاویٰ، ج: ۱، ص: ۵۴۲ تا ۵۴۴، ط، زمزم پبلشرز کراچی)



کیا انبیاء علیہم السلام کو حوریں ملیں گی کیا آپ ﷺ

ہمارے والد کی طرح ہیں؟

﴿سوال﴾:

کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کہا جاتا ہے کہ جنت میں جانے کے بعد مومنوں کی خدمت کے لئے حوریں موجود ہوں گی، تو کیا نبی اکرم ﷺ اور دوسرے انبیاء کے لئے بھی حوریں ہوں گی یا نہیں؟

۲۔ حضور ﷺ کی ازواج مطہرات کو مومنوں کی ماں کہا جاتا ہے تو کیا نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام ہمارے باپ ہوئے یا نہیں؟

۳۔ میں نے سنا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد ان کی وصیت کے مطابق ان کی نماز جنازہ پڑھا کر ان کے تابوت کو اونٹنی پر سوار کر کے صحرا میں چھوڑ دیا گیا، پھر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تابوت تو نہیں ملا لیکن ان کی اونٹنی مری ہوئی

ملی، جہاں اونٹنی ملی وہاں ان کے عقیدت مندوں نے مزار بنادیا تھا۔ کیا یہ بات درست ہے یا نہیں؟ اور اگر عراق میں بنایا گیا مزار فرضی ہے تو اہلسنت کے علماء اسے بچانے کے لئے کیوں سرگرم ہیں؟

۴۔ عراق میں بنائے گئے مزار میں واقعی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ دفن ہیں یا نہیں؟

ان سوالات کے تسلی بخش جوابات عنایت فرمائیں۔

﴿ الجواب حامداً ومصلیاً ﴾:

صورت مسئلہ میں:

۱۔ جس طرح عام مومنین کے لئے حوریں ہوں گی اسی طرح انبیاء کے لئے بھی حوریں ہوں گی۔

۲۔ جس طرح تمام ازواج مطہرات مومنین کی مائیں ہیں۔ اسی طرح حضور ﷺ بلکہ تمام انبیاء امت کے باپ ہوتے ہیں اور آیت کریمہ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمُ الْآيَةُ میں نفی صلب (حقیقی باپ) کے اعتبار سے ہے۔

۳، ۴۔ یہ واقعہ جو آپ نے سنا ہے اسکی کوئی اصل نہیں ہے بلکہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد انہیں کوفہ میں اس وقت کے دارالامارۃ میں دفن کیا گیا تھا البتہ تاریخی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ نجف میں جسے آج کل حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مزار سمجھا جاتا ہے یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نہیں بلکہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مزار ہے۔

لما فی روح المعانی (۲۲ / ۳۱): تحت آية ما كان

محمد ابا احد من رجالكم ولكن رسول الله الآية..... قال

الراغب بعد ان قال الاب الوالد ما نصه: ويسمى كل من كان

سببا في ايجاد شيء او اصلاحه او ظهوره ابا ولذلك سمي

النبي ﷺ ابا المؤمنين قال الله تعالى اولى بالمؤمنين من
انفسهم وازواجه امهاتهم وفى بعض القراءات وهو اب لهم
وروى انه عليه السلام قال لعلى كرم الله تعالى وجهه انا
وانت ابو هذه الامة.... وحاصله انه استدراك من نفى
الابوة الحقيقة الشرعية التى يترتب عليها حرمة المصاهرة و
نحوها الى اثبات الابوة المجازية اللغوية التى هى من شان
الرسول عليه الصلاة والسلام.

وفى المشكاة المصابيح (ص: ٢٩٦): عن ابي
هريرة رضى الله عنه قال قال رسول الله ﷺ وذكر الحديث
بطوله ثم قال لكل امرئ منهم زوجتان من الحور العين.
وفىها ايضا (ص: ٢٩٩): عن ابي سعيد قال قال
رسول الله ﷺ..... ادنى اهل الجنة الذى له ثمانون الف
خادم واثنان وسبعون زوجة.

وفى المرقات (١٠ / ٣٢٣): قد جاء ان للواحد من
اهل الجنة العدد الكثير من الحور العين.

وفى البداية والنهاية (٤ / ٣٢٢): ان عليا رضى الله
عنه لما مات صلى عليه ابنه الحسن فكبر عليه تسع تكبيرات
ودفن بدار الامارة بالكوفة خوفا عليه من الخوارج ان ينبشوا
عن جثته هذا هو المشهور ومن قال انه حمل على راحلته
فذهبت به فلا يدري اين ذهب فقد اخطأ وتكلف ما لا علم له
به ولا يسيغه عقل ولا شرع وما يعتقده كثير من جهلة
الروافض من ان قبره بمشهدة النجف فلا دليل على ذلك

ولا اصل له ويقال انما ذلك قبر المغيرة بن شعبه. (نجم

الفتاوى، ج: ۱، ص: ۲۶۷، ۲۷۸)



انبیاء علیہم السلام کے دین کا نام

﴿سوال﴾:

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جتنے انبیاء علیہم السلام گذر گئے ان کے دینوں کا نام کیا تھا؟ یعنی جس طرح ہمارے دین کا نام اسلام ہے اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جتنے نبی اور رسل گذر گئے ان کے دین کا نام کیا تھا؟

﴿الجواب حامداً ومصلیاً﴾:

حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے دین کا نام بھی اسلام ہے ﴿هُوَ سَمَّاكُمُ الْمُسْلِمِينَ مِنْ قَبْلُ﴾ (۴۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (فتاویٰ محمودیہ، ج: ۱، ص: ۴۱۴)



ارواح میں سب سے پہلے آنحضرت ﷺ کی اور اجسام میں سب

سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق ہوئی

﴿سوال﴾:

اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے کس کو تخلیق کیا تھا، انسانوں میں سے؟

﴿جواب﴾:

تخلیق دو طرح کی ہے: ایک ارواح کی، اور دوسری اجسام کی۔ ارواح میں سب

سے پہلے روح محمدی (علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسلام) کی تخلیق ہوئی، جیسا کہ بعض روایات میں آتا ہے، اور اجسام میں سب سے پہلے حضرت ابو البشر آدم علیہ السلام کی تخلیق ہوئی (۴۳)۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل، ج: ۱، ص: ۱۵۵، ط، مکتبہ لدھیانوی کراچی)



(۴۳): وعن عبادة بن الصامت رضى الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ ان أول ما خلق الله القلم، فقال له: اكتب. فقال: ما أكتب؟ قال: اكتب القدر. فكتب ما كان وما هو كائن الى الأبد. وفي المرقاة تحت هذا الحديث: رأيت في الدر المنثور نقلاً عن ابن عباس: ان أول شيء خلقه الله القلم، فقال له: اكتب، فقال: يا رب وما أكتب، قال: اكتب يجرى من ذلك هو كائن الى أن تقوم الساعة، ثم طوى الكتاب ورفع القلم. رواه البيهقي وغيره والحاكم وصححه، وفي الدر أيضاً عن أبي هريرة رضى الله عنه قال: سمعت رسول الله ﷺ يقول: ان أول شيء خلق الله القلم ثم النون وهى الدواة، ثم قال له: اكتب، قال: وما أكتب، قال: ما كان وما هو كائن الى يوم القيامة من عمل أو أثر أو رزق أو أجل، فكتب ما يكون وما هو كائن الى يوم القيامة، ثم ختم فم القلم فلم ينطق ولا ينطق الى يوم القيامة. أخرجه الحكيم الترمذى هذا وروى أن أول ما خلق الله العقل، وأن أول ما خلق الله نورى وأن أول ما خلق الله روحى، وأن أول ما خلق الله العرش، والأولية من الأمور الاضافية فيؤول وأن كل واحد مما ذكر خلق قبل ما هو من جنسه، فالقلم خلق قبل جنس الأقلام ونوره قبل الأنوار والا فقد ثبت أن العرش قبل الخلق السماوات والأرض، فتطلق الأولية على كل واحد بشرط التقييد فيقال: أول المعانى كذا، وأول الأنوار كذا. (مرقات المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، كتاب الايمان، باب الايمان بالقدر، الفصل الثانى، ج: ۱، ص: ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، رقم: ۹۴، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان) وفى البداية: قال الله تعالى: 'واذ قال ربك للملائكة انى جاعل فى الارض خليفة. قالوا أتجعل فيها من يفسد فيها ويسفك الدماء ونحن نسبح بحمدك ونقدس لك. قال انى أعلم ما لا تعلمون.. الخ.

کیا حضور ﷺ حضرت آدم علیہم السلام کی خلقت سے قبل نبی تھے؟

﴿ سوال ﴾:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کیا حضور پر نور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ حضرت آدم علیہ السلام کی خلقت سے پہلے نبی تھے؟ یا چالیس سال بعد آپ ﷺ کو نبوت ملی؟ اس چالیس سال میں ہم آپ ﷺ کو کیا مانیں؟

﴿ الجواب وبالله التوفیق ﴾:

جی ہاں آپ ﷺ حضرت آدم علیہ السلام کی خلقت سے پہلے نبی تھے اور چالیس سال کی عمر میں جس میں ظاہری طور پر نبوت ملی اس عرصہ میں بھی آپ ﷺ کو نبی مانا جائے گا، مگر چالیس سال کی عمر سے پہلے یعنی نبوت کے اعلان سے پہلے ایمان لازم نہیں تھا، اعلان کے بعد لازم ہوا۔

عن العرباض بن ساریة، عن رسول الله ﷺ انه قال:
انى عند الله خاتم النبيين، وان آدم عليه السلام لمنجدل في
طينة. (مسند احمد بن حنبل ۴/ ۱۲۷، رقم: ۱۷۲۸۰،
۱۷۲۸۱، ۴/ ۱۲۸، رقم: ۱۷۲۹۵، مسند البزار ۱۰/ ۱۳۵، رقم:

فهذا ذكر هذه القصة من مواضع متفرقة من القرآن. وقد تكلمنا على ذلك
كله في التفسير. ولندكر ههنا مضمون ما دلت هذه الآيات الكريمت وما يتعلق بها
من الاحاديث الواردة في ذلك عن رسول الله ﷺ. والله المستعان.

فأخبر تعالى أنه خاطب الملائكة قائلاً لهم ”انى جاعل فى الارض خليفة“
أعلم بما يريد أن يخلق من آدم وذريته الذين يخلف بعضهم بعضاً كما قال ”وهو
الذى جعلكم خلائف“ الارض فآخبرهم بذلك على سبيل التنويه بخلق آدم
وذريته.... الخ. (البداية والنهاية، باب خلق آدم عليه السلام، ج: ۱، ص: ۶۸، ۷۰، ط،

۱۹۹، صحیح ابن حبان، ذکر کتبه اللہ جل وعلا عنده محمدا
 ﷺ خاتم النبیین ۸۲/۶، رقم: ۶۴۰۴، المعجم الكبير للطبرانی
 ۱۸/۲۵۲، رقم: ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، المستدرک علی
 الصحيحین للحاکم، قدیم ۶۵۶/۲، جدید ۵۶۵/۴، رقم:
 ۱۷۵، مشکوٰۃ شریف، ص: ۵۱۳) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ
 اعلم (فتاویٰ قاسمیہ، ج: ۲، ص: ۸۷، ط، مکتبہ اشرفیہ دیوبند)



آنحضرت علیہ السلام کا آدم علیہ السلام سے پہلے نبی ہونے کا مطلب

﴿سوال﴾:

ایک عالم نے حدیث ”كنت نبيا وادم بين الماء والطين“ بیان کرتے ہوئے
 کہا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آدم علیہ السلام کے پانی اور خمیر ہونے کے وقت نبی تھے
 باعتبار چرچا کے ملائکہ میں۔ کیا آپ کا محض چرچا تھا یا آنے کی شہرت تھی؟ یا خود بھی موجود
 تھے؟ اور ایک دوسرے آدمی نے کہا کہ یہ حدیث موضوع ہے۔ اب آپ واضح فرمائیں کہ یہ
 حدیث موضوع ہے، صحیح ہے یا ضعیف ہے؟

﴿الجواب﴾:

كنت نبيا وادم بين الروح والجسد رواه البخاري في
 تاريخه و الحاکم وصححه (تذكرة الموضوعات: ص ۸۶)
 عن ابی هريرة قال قالوا يا رسول الله متى وجبت لك النبوة
 قال وادم بين الروح والجسد رواه الترمذی مشکوٰۃ ص

۵۱۳ (۴۴).

الفاظ بالا کے ساتھ یہ روایت کتب حدیث میں پائی جاتی ہے۔ لیکن جو الفاظ سوال میں لکھے گئے ہیں یہ الفاظ ثابت نہیں بلکہ موضوع ہیں۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ مرقاہ میں تحریر فرماتے ہیں۔

اما ما يدور على الالسنه كنت نبيا وادم بين الماء والطين. فقال السخاوى لم اقف عليه بهذا اللفظ فضلا عن زيادة و كنت نبيا ولا ماء ولا طين. قال الحافظ ابن حجر ان الزيادة ضعيفة وما قبلها قوى وقال الزركشى لا أصل له بهذا اللفظ. (مرقاة: ج ۵: ص ۳۶۷) (۴۵)۔

تذکرۃ الموضوعات میں علامہ طاہر پٹنیؒ تحریر فرماتے ہیں:

وفي الزيلعي و كنت نبيا وادم بين الماء والطين و كنت نبيا ولا ادم ولا ماء ولا طين قال ابن تيمية موضوع ص ۸۶.

خلق آدم علیہ السلام سے پہلے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نبی ہونا باعتبار شہرت کے تھا دیگر انبیاء علیہم السلام کی نبوتیں بھی گو علم الہی میں موجود تھیں مگر فرشتوں کے سامنے اس کا اظہار نہیں کیا گیا تھا۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اسم گرامی اور آپ کے عہدہ رسالت کا اظہار و اعلان کر دیا گیا تھا۔ صاحب لمعات لکھتے ہیں۔ جو ابش آنست کہ مراد اظہار نبوت اوست صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پیش از وجود غصری وے در ملائکہ و ارواح چنانکہ

(۴۴): (مشکاة المصابيح، کتاب الفضائل و الشمائل، باب فضائل سيد المرسلين

صلوات اللہ و سلامہ علیہ، الفصل الثانی، ص: ۵۱۳، ط، قدیمی کتب خانہ کراچی)

(۴۵): (مرقات المفاتيح شرح مشکاة المصابيح، کتاب الفضائل و الشمائل، باب

فضائل سيد المرسلين ﷺ، الفصل الثانی، ج: ۱۰، ص: ۴۳۹)

وارد شدہ کتابت اسم شریف اور عرش وغیرہ ج ۴، ص ۴۹۹۔ فقط واللہ اعلم (خیر الفتاویٰ، ج: ۱، ص: ۲۸۲، ۲۸۳، ط، مکتبہ امدادیہ ملتان)



انبیاء علیہم السلام کی ولادت کا طریقہ

﴿سوال﴾:

جناب مفتی صاحب! نیچے لکھے ہوئے مسئلہ کا جواب بآ دلہ تحریر فرمائیں۔
کہ سب آدمی جس جگہ سے پیدا ہوتے ہیں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اس جگہ سے پیدا ہوئے یا کہ ناف مبارک سے؟ ہمارے اس دیار میں اس مسئلہ میں اختلاف ہو رہا ہے، چند عالم کہتے کہ جمیع انسان جس جگہ سے پیدا ہوتے ہیں، حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس جگہ سے پیدا ہوئے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ ناف مبارک سے۔

﴿الجواب حامداً ومصلیاً﴾:

”عن ہمام ابن یحیی عن اسحاق بن عبد اللہ أن أم رسول اللہ ﷺ قالت: لما ولدته، خرج من فرجی نور أضاء له قصور الشام، فولدته نظيفاً ما به قدر“۔ رواہ ابن سعد، خمیس : ۱/۲۰۳ (۴۶)۔

اس روایت کو نقل کر کے شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے لکھا ہے: این صریح است در آنکہ ولادت از طریق معتاد بود کہ سائر زنان را باشد، وحديث دیگر نیز کہ دروے آمدہ: ”فأخذني المخاض“ کہ بمعنی درد زہ است، نیز ظاہر در آنست۔ مدارج النبوة: ۱۹/۲۔ اس سے معلوم ہو کہ ولادت اس جگہ سے ہوئی جس جگہ سے سب کی ہوتی ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔ حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

(۴۶): (کتاب الطبقات الکبیر، ذکر مولد رسول اللہ ﷺ، ج: ۱، ص: ۸۲، ط،

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے متعلق نہایت الاٹل، ص: ۵۹ میں دو قول اور بھی لکھے ہیں: اول یہ کہ ناف سے کچھ نیچے ایک سوراخ پیدا ہوا جس سے ولادت ہوئی، پھر وہ فوراً بند ہو گیا، دوم یہ کہ بائیں پسلی کے نیچے (حاضرہ) سے ولادت ہوئی۔ قول اول جمیع انبیاء میں مشترک ہے، قول ثانی آنحضرت ﷺ کے ساتھ خاص ہے، مگر دلیل میں کوئی روایت پیش نہیں کی۔

بطریق ولادت معتاد کا سختی سے انکار کیا ہے، لیکن اس نوع کی بحث کرنا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان رفیع کے خلاف اور اساءت ادب ہے، لہذا اس سے سکوت چاہیے۔ فقط۔ محمود گنگوہی عفی عنہ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔ (فتاویٰ محمودیہ، ج: ۱، ص: ۴۱۵، ۴۱۶/ خیر الفتاویٰ، ج: ۱، ص: ۳۱۱، ط، مکتبہ امدادیہ ملتان/ فتاویٰ فریدیہ، ج: ۱، ص: ۲۶۸/ نجم الفتاویٰ، ج: ۱، ص: ۲۴۷، ۲۴۸)



حضور ﷺ کی تاریخ ولادت اور تاریخ وفات

﴿ سوال ﴾:

حضور ﷺ کے تاریخ ولادت اور وفات کے بارے میں مختلف آراء ہیں۔ عام طور پر دونوں کا تعین بارہ ربیع الاول سمجھا جاتا ہے۔ اور حکومت پاکستان بھی بارہ ربیع الاول پر یوم ولادت مناتی ہے۔ لہذا صحیح تاریخ ولادت اور وفات سے روشناس فرمائیں؟

﴿ الجواب ﴾:

تحقیق کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ تاریخ ولادت باسعادت ۸ ربیع الاول اور تاریخ وفات ۲ ربیع الاول ہے۔ (فتاویٰ فریدیہ، ج: ۱، ص: ۴۵۶)



رسول اللہ ﷺ کی تاریخ ولادت

﴿ سوال ﴾:

حال ہی میں سیرت النبی ﷺ کی ایک کتاب ”سیرت احمد مجتبیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم“ ظہور قدسی سے مسجد قباء تک حیات طیبہ کا مکی دور پڑھا، سیرت نگار محترم شاہ مصباح الدین شکیل صاحب ہیں، اس میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کے بارے میں کچھ اس طرح سے لکھا ہے کہ ”تاریخ ولادت میں اختلاف ہے، ریاضی کی جدید تحقیق کے مطابق ۹/ ربیع الاول بروز دوشنبہ ۲۳/۴/ ۵۷۱ء ہے، براہ کرم صحیح اور مصدقہ تاریخ سے مطلع فرمائیں؟

﴿ جواب ﴾:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخ پیدائش کے سلسلہ میں قدیم سیرت نگاروں سے بھی مختلف اقوال منقول ہیں، اور مشہور قول ۱۲/ ربیع الاول کا ہے، لیکن علامہ شبلیؒ اور علامہ سید سلیمان ندویؒ جیسے اصحاب تحقیق علماء کی رائے بھی ہے کہ تاریخ پیدائش ۹/ ربیع الاول ہے۔ اس لئے کہ اس بات پر تمام سیرت نگار متفق ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش پیر کے دن ہوئی تھی، یہ محض کتب سیرت کی روایتوں سے ثابت نہیں، بلکہ صحیح حدیثوں میں بھی منقول ہے، اور ماہرین تقویم کی رائے میں جس سال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت ہوئی اس سال پیر ۹/ ربیع الاول کو پڑتا ہے، نہ کہ ۱۲/ ربیع الاول کو، اس لئے رقم الحروف کا بھی رجحان اسی قول کی طرف ہے، واللہ اعلم بالصواب (کتاب الفتاویٰ، ج: ۱، ص: ۵۳۰، ط، زمزم پبلشرز کراچی)



۱۲ ربیع الاول آپ ﷺ کی تاریخ پیدائش ہے یا نہیں؟

﴿ مسئلہ ﴾:

بعض لوگ ۱۲ ربیع الاول کو خوشیاں مناتے ہیں، مدرسوں میں چھٹیاں رکھتے ہیں، صدقہ خیرات کرنے کو لازم سمجھتے ہیں، جبکہ اس دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت نہیں ہوئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخ پیدائش صحیح قول کے مطابق، ۹ ربیع الاول ہے (۴۷)، اسی طرح کسی خاص دن صدقہ و خیرات کو لازم سمجھنا بدعت ہے (۴۸)، البتہ اس دن نیک اعمال کی کثرت رکھی جائے۔ (المسائل المهمہ فیما ابتلت بہ العامة، ج: ۳، ص: ۲۸)



(۴۷): ما فی الر حیق المختوم: ولد سید المرسلین بشعب بنی ہاشم بمکہ فی صبیحة یوم الاثنين التاسع من شهر ربیع الأول لأول عام من حادثة الفیل ویوافق ذلک العشرين أو اثنين وعشرين من شهر أبريل احدى وسبعین وخمس مائة ۵۷۱م، حسبما حققه العالم الکبیر محمد سلیمان المنصور فوری والمحقق الفلکی محمود باشا. (ص: ۶۲، السیرة النبویة: ص / ۱۰۹، رحمة للعالمین: ص / ۳۴ بحوالہ حاشیة المسائل المهمہ)

(۴۸): عن سعد بن ابراهیم سمع القاسم قال: سمعت عائشة تقول: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: من عمل عملاً لیس علیہ أمرنا فهو رد. (مسند احمد بن حنبل، ص: ۱۸۹۸، رقم الحديث: ۲۵۹۸۶)

وفی البحر: ولأن ذکر اللہ تعالیٰ اذا قصد به التخصیص بوقت دون وقت أو بشیء دون شیء لم یکن مشروعاً حیث لم یرد الشرع به لأنه خلاف المشروع. (البحر الرائق شرح کنز الدقائق، کتاب الصلاة، باب صلاة العیدین، ج: ۲، ص: ۲۷۹، ط، دار الکتب العلمیة، بیروت لبنان)

وفی الاعتصام: ومنها وضع الحدود والتزام کیفیات والهیئات المعینة،

آپ علیہ السلام کی ولادت باسعادت اور مروجہ میلاد

﴿ سوال ﴾:

کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ نبی کریم ﷺ کی ولادت کس ماہ میں ہوئی اور کس تاریخ کو ہوئی اور آج کل میلاد النبی کا منانا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز نہیں تو میلاد منانے والوں کا کیا حکم ہے؟

﴿ الجواب حامداً ومصلیاً ﴾:

صورت مسئلہ میں رسول اللہ ﷺ کی ولادت باسعادت ماہ ربیع الاول میں ہوئی البتہ تاریخ میں اختلاف کی بنا پر مختلف اقوال نقل کئے گئے جن میں زیادہ رائج آٹھ (۸) ربیع الاول ہے۔

نیز مروجہ میلاد کا خیر القرون سے کوئی ثبوت نہیں ملتا لہذا یہ بدعت قبیحہ ہے جس کا ترک لازم ہے اور جانتے بوجھتے بدعت کا ارتکاب کرنے والا فاسق ضرور ہے۔

لما فی المشکوۃ (ص ۲۷): عن عائشة قالت قال

رسول اللہ من احدث فی امرنا هذا ما لیس منه فهو رد.

وفی فیض الباری (۳۱۹/۲): واعلم ان القیام عند

ذکر میلاد النبی ﷺ لا اصل فی الشرع و احدثه ملک

الاربیل کما فی تاریخ ابن خلکان انه کان یعقد له مجالس

و یصرف علیها اموالا.

وعلی هامشہ یقول العلامة محمد بدر عالم

المیرتھی: یقول العبد الضعیف: ولا ینبغی ان یشک ان

والتزام العبادات المعینة فی أوقات معینة لم یوجد لها ذلک التعیین فی الشریعة.

(الاعتصام، ج: ۱، ص: ۴۶، ط، مکتبة التوحید)

الميلاد المروج بين اظهرنا حرام قطعاً فانه يشتمل على المحرمات الكثيرة والمعاصي الظاهرة والباطنة من اضاءة المال وقرأة الروايات الموضوعة التي لا اصل لها في الدين.... فتلك المجالس كلها البدع فاحذروها وعليكم بسنة نبيكم فانها العروة الوثقى لا انفصام لها.

وفي السيرة النبوية لابن كثير (١/١٩٨): ولد صلوات الله عليهم وسلامه يوم الاثنين..... ثم الجمهور على ان ذلك كان في شهر ربيع الاول فليلتين خلتا منه قال ابن عبد البر في الاستيعاب ورواه الواقدي عن ابي معشر نجيح بن عبد الرحمن المدني وقيل لثمان خلون منه حكاة الحميدى عن ابن حزم ورواه مالك وعقيل ويونس بن يزيد وغيرهم عن الزهري عن محمد بن جبير بن مطعم. ونقل ابن عبد البر عن اصحاب التاريخ انهم صححوه وقطع به الحافظ الكبير محمد بن موسى الخوارزمي ورجحه ابو الخطاب بن دحية.... وقيل لعشر خلون منه نقله ابن دحية.... وقيل لثنتي عشر خلت منه عليه ابن اسحاق..... وهذا هو المشهور عند الجمهور. وهكذا في البداية والنهاية (٢/٢٢٢) (نجم الفتاوى، ج: ١، ص: ١٧١، ١٧٢)



پاک رحموں اور پاک صلبوں سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت کا مطلب

﴿ سوال ﴾:

نبی علیہ السلام کی حدیث ہے کہ میری پیدائش پاک رحموں اور پاک صلبوں سے ہے، حضرت عبداللہ والد آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی منی رحم مائی آمنہ میں کیسا ہے؟ اگر بذریعہ منی ہے تو کیا حضرت عبداللہ کی منی پاک تھی؟ اگر پاک تھی تو خود حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی منی کے متعلق احکام غسل دھونا آیا ہے، اگر پلید تھی تو حدیث پر حرف آتا ہے؟

﴿ جواب ﴾:

پاک رحموں اور پاک صلبوں سے مراد صحیح النسب ہونا ہے، یعنی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تمام آباء واجداد صحیح النسب تھے، اس کا مطلب منی کی طہارت نہیں ہے۔ (فتاویٰ عثمانی، ج: ۱، ص: ۳۰۸، ط، مکتبہ معارف القرآن کراچی)



کتنی عورتوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دودھ پلایا ہے؟

﴿ سوال ﴾:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یتیم چھوڑ کر جو عورتیں گئیں تھیں ان کے کیا نام تھے اور وہ کس خاندان سے تعلق رکھتی تھیں؟

﴿ الجواب وبالله التوفیق ﴾:

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ۹ عورتوں نے دودھ پلایا ہے اگر آپ کا مقصد انہی عورتوں کے بارے میں پوچھنا ہے تو ان کے نام حسب ذیل ہیں۔

(۱): حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ بن وہب

خاندان بنو نجار۔ [سیرت مبارکہ، ص ۱۷۶]

(۲): حضرت حلیمہ بنت ابی ذویب بنو سعد۔ [سیرت محمدیہ ۳۲، سیرت مبارکہ،

ص: ۱۷۸]

(۳): حضرت ثویبہ جاریہ عمہ ابی لہب۔ [سیرت محمدیہ ۳۲، سیرت مبارکہ، ص:

۱۷۸]

(۵): حضرت ام ایمن، قبیلہ بنو سلیم۔ [سیرت محمدیہ ۳۲، سیرت مبارکہ، ص:

۱۷۸]

(۶): حضرت خولہ بنت المندر۔ [سیرت محمدیہ ۳۲، سیرت مبارکہ، ص: ۱۷۸]

(۷): عاتکہ بنو سلیم۔

(۸): عاتکہ بنو سلیم۔

(۹): عاتکہ بنو سلیم۔ [سیرت محمدیہ، ص: ۳۲]

ثلث نسوة من أبكار بنو سليم [وقوله] وهؤلاء النسوة

الأبكار كل واحدة منهن تسمى عاتكة الخ. [سیرت محمدیہ،

ص: ۳۲، الطبقات الكبرى لابن سعد ذكر من أرضع رسول الله

صلى الله تعالى عليه وسلم وتسميته اخوته وأخواته من الرضاعة

۲ / ۷۸، ۹۳، مكتبه دار الكتب العلمية بيروت، البداية والنهاية

لابن الفداء الحافظ ابن كثير ذكر حواضنه ومراضعه عليه الصلاة

والسلام، ۲ / ۲۷۲، ۲۷۹، دار الفكر] فقط والله سبحانه وتعالى

اعلم۔ (فتاویٰ قاسمیہ، ج: ۲، ص: ۳۴۴، ۳۴۵، ط، مكتبه

اشرفیہ دیوبند الہند)



نماز جمعہ و خطبہ، اذان کی ابتداء اور حضور ﷺ کے والدہ ماجدہ اور

والد کی تاریخ وفات و مواضع وفات

﴿ سوال ﴾:

(۱) رسول اللہ ﷺ نے سب سے پہلے خطبہ جمعہ کب (کس تاریخ کو) اور کہاں (کس مسجد میں) فرمایا۔ (۲) سب سے پہلے جمعہ کی نماز کب (کس تاریخ) اور کس مسجد میں پڑھی گئی۔ (۳) نماز سے قبل اذان کا رواج کس تاریخ سے ہوا سب سے پہلی اذان کس نے کوئی مسجد میں دی۔ (۴) آپ ﷺ کی والدہ ماجدہ کا مزار مبارک کس مقام پر ہے اور وفات کس سن کو ہوئی۔ (۵) آپ ﷺ کے والد ماجد کا مزار کس جگہ پر ہے اور وفات کس سن کو ہوئی؟

﴿ الجواب ﴾:

(۲، ۱) پیغمبر علیہ السلام جمعہ کے دن قبا سے مدینہ منورہ تشریف لائے۔ اور اسی دن بنی سالم بن عمرو بن عوف میں نماز جمعہ اور خطبہ پڑھا۔ جس سے پہلے پیغمبر علیہ السلام نے خطبہ اور جمعہ نہیں پڑھا ہے۔ (البداية والنهاية ص ۲۱۲، ۲۱۳ جلد ۳) (۴۹)۔
(۳) بذل اور فتح الباری میں لکھا ہے کہ صحیح قول یہ ہے کہ اذان مدینہ میں ہجرت کے

(۴۹): فی البدایة: ولما ارتحل علیہ السلام من قباء وهو راكب ناقته القصواء وذلك يوم الجمعة أدركه وقت الزوال وهو فی دار بنی سالم بن عوف، فصلى بالمسلمین الجمعة هنالك. الخ.

قال ابن جریر: حدثنی یونس بن عبد الاعلی أخبرنا ابن وهب عن سعید بن عبد الرحمن الجمحی أنه بلغه عن خطبة النبی ﷺ فی أول جمعة صلاها بالمدينة فی بنی سالم بن عمرو بن عوف رضى الله تعالى عنهم. الخ. (البداية والنهاية، ج: ۳، ص: ۲۱۲، ۲۱۳، ط، مكتبة المعارف بيروت لبنان)

بعد اﷲ ھ میں مقرر ہوئی جس وقت کہ مسجد بنائی گئی (۵۰)۔ پہلی اذان حضرات بلال رضی اللہ عنہ نے پڑھی مسجد سے خارج حصہ میں (۵۱)۔ (ھکذا فی الروایات الحدیثیة)

(۵۰): فی البذل: باب بدء الأذان: أى ابتداءه، واختلفت الروایات فی أن الأذان متى شرع ابتداء، فانها وردت أحادیث تدل على أن الأذان شرع بمكة قبل الهجرة، ففي بعضها أن جبرئیل أمر النبی ﷺ بالأذان حين فرضت الصلاة، وفي بعضها أنه ﷺ علم الأذان ليلة الاسراء، ولكن قال الحافظ ابن حجر: والحق أنه لا یصح شیء من هذه الأحادیث، وقد جزم ابن المنذر بأنه ﷺ كان یصلی بغير أذان منذ فرضت الصلاة بمكة الى أن هاجر الى المدينة.. الخ.

وفی حاشیة البذل: والراجع أنه شرع فی المدينة سنة ھ عند الجمهور، وقيل سنة ۲ھ كما بسط فی الأوجز: (۵/۲). (بذل المجهود فی حل سنن أبی داؤد، كتاب الصلاة، باب بدء الأذان، ج: ۳، ص: ۲۳۷، ط، دار البشائر الاسلامیة بیروت لبنان/ فتح الباری، كتاب أبواب الأذان، ج: ۲، ص: ۹۴)

(۵۱): عن عبد اللہ بن عمرؓ، أنه قال: كان المسلمون حين قدموا المدينة یجتمعون، فیتحینون الصلوات، وليس ینادی بها أحد، فتکلموا یوما فی ذلک، فقال بعضهم: اتخذوا ناقوسا مثل ناقوس النصارى، وقال بعضهم: قرنا مثل قرن اليهود، فقال عمرؓ: أولا تبعثون رجلا ینادی بالصلاة؟ قال رسول اللہ ﷺ: یا بلال! قم، فناد بالصلاة. (كتاب الصلاة، باب بدء الأذان، ص: ۱۶۱، رقم: ۸۳۷، ط، دار السلام ریاض)

عن أبی عمیر بن أنس، عن عمومة له من الأنصار قال: اهتم النبی ﷺ للصلاة کیف یجمع الناس لها، فقیل له: انصب رایة عند حضور الصلاة، فاذا رآوها آذن بعضهم بعضا، فلم یعجبه ذلک. قال: فذكر له القنع - یعنی الشبور - وقال زیاد: شبور اليهود، فلم یعجبه ذلک وقال: هو من أمر اليهود. قال: فذكر له الناقوس، فقال: هو من أمر النصارى. فانصرف عبد اللہ بن زید بن عبد ربہ وهو مهتم لهم رسول اللہ ﷺ، فأرى الأذان فی منامه. قال: فغدا على رسول اللہ ﷺ فأخبره

(۴) والدہ صاحبہ کا مزار مکہ اور مدینہ کے درمیان مقام ابواء میں ہے اور ان کی وفات ہجرت سے سینتالیس (۴۷) سال پہلی ہوئی۔ (البداية والنهاية ص ۲۷۹ جلد ۲) (۵۲)۔

(۵) شام سے واپسی کے وقت مدینہ منورہ میں وفات ہوئے۔ اور دار النابغہ میں دفن ہوئے۔ ہجرت سے تریپن [۵۳] سال پہلے (۵۳)۔ (البداية والنهاية ص ۲۶۳ جلد ۲) وهو الموفق (فتاویٰ فریدیہ، ج: ۱، ص: ۴۵۷)



فقال: ينار رسول الله! اني لبين نائم ويقظان اذ اتاني آت فأراني الأذان. قال: وكان عمر بن الخطاب قد رآه قبل ذلك، فكتمه عشرين يوماً. قال: ثم أخبر النبي ﷺ فقال له: ما منعك أن تخبرني؟ فقال: سبقني عبد الله بن زيد فاستحييت، فقال رسول الله ﷺ: يا بلال! قم فانظر ما يأمرك به عبد الله بن زيد فافعله. قال: فأذن بلال. قال أبو بشر: فأخبرني أبو عمير، أن الأنصار تزعم أن عبد الله بن زيد لولا أنه كان يومئذ مريضاً لجعله رسول الله ﷺ مؤذناً. (سنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب بدء الأذان، ص: ۸۲، رقم: ۴۹۸، ط، دار السلام رياض)

(۵۲) فی البدایہ: قال ابن اسحاق: حدثني عبد الله بن أبي بكر بن محمد بن عمرو بن حزم أن أم رسول الله ﷺ آمنة توفيت وهو ابن ست سنين بالابواء بين مكة والمدينة. (البداية والنهاية، ج: ۲، ص: ۲۷۹، ط، مكتبة المعارف بيروت لبنان)

(۵۳) فی البدایہ: وعبد الله ابن عبد المطلب يومئذ مريض، فقال أتخلف عند أخوالي بني عدي بن النجار، فأقام عندهم مريضاً شهراً ومضى أصحابه فقدموا مكة فسألهم عبد المطلب عن ابنه عبد الله فقالوا خلفناه عند أخواله بني عدي بن النجار وهو مريض، فبعث اليه عبد المطلب أكبر ولده الحارث. فوجده قد توفي ودفن في دار النابغة فرجع الى أبيه فاخبره، فوجد عليه عبد المطلب وأخوته وأخواته وجداً شديداً، ورسول الله ﷺ يومئذ حمل. ولعبد الله بن عبد المطلب يوم توفي

آپ ﷺ کا ختنہ ہوا تھا یا نہیں؟

﴿سوال﴾:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: حضور ﷺ کا ختنہ ہوا یا نہیں؟ ہوا تو ان کا ختنہ کس نے کیا، کیوں کہ جب آپ ﷺ چھوٹے تھے، اس وقت آپ ﷺ کے خاندان والے کافر تھے۔ اور اگر نہیں ہوا تو امت پر سنت کیوں ہے؟ اور اگر آپ ﷺ نے خود کیا تو قرآن و حدیث کی روشنی میں سمجھائیں۔

﴿الجواب وبالله التوفیق﴾:

صحیح اور رائج قول یہ ہے کہ حضور ﷺ کا ختنہ ہوا، آپ ﷺ کے جدا مجد حضرت عبدالمطلب نے ولادت کے ساتویں روز آپ ﷺ کا ختنہ کرایا، جیسا کہ عرب میں دستور تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی سنت کے مطابق مولود کا ساتویں روز ختنہ کراتے تھے، جس کی اتباع کا اس امت کو حکم دیا گیا ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۵/۱۵۳، جدید ڈابھیل ۴/۸۷۴، ۱۱/۶۱، الریح المختوم ۱/۸۳، سیرۃ مصطفیٰ ۱/۶۷)

وقال بعض المحققين من الحفاظ: الأ شبه بالصواب

أنه لم يولد مختونا، (شامی، کتاب الختنی، مسائل شتی، زکریا ۱۰/۴۸۲، کراچی ۶/۷۵۲)

قد اختلف فيه على ثلاثة اقوال: أحدها: أنه ولد

مختونا مسرورا، ويروى في ذلك حديث لا يصح، ذكره

أبو الفرج ابن الجوزي في الموضوعات، وليس فيه حديث

ثابت، وليس هذا من خواصه، فان كثيراً من الناس يولد مختوناً-الى ان قال-عن ابن عباس أن عبدالمطلب ختن النبي ﷺ يوم سابعة، وجعل له مادوبة وسماه محمداً. (زاد المعاد ۱/۸۱، كذا في الخصائص الكبرى ۱/۵۳، البداية والنهاية، دارالكفر ۲/۲۶۵) فقط والله سبحانه وتعالى اعلم (فتاوى قاسميه، ج: ۲، ص: ۹۶، ط، مكتبه اشرفيه ديوبند/خير الفتاوى، ج: ۱، ص: ۳۲۷، ط، مكتبه امداديه ملتان/فتاوى فريديه، ج: ۱، ص: ۴۶۹/نجم الفتاوى، ج: ۱، ص: ۲۵۳)



انبياء علیہم السلام کے ختنے کی صورت

﴿سوال﴾:

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ عام طور پر مشہور ہے کہ سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ختنہ کیا۔ سوال یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پہلے انبیاء ختنہ کراتے تھے یا نہیں؟

﴿الجواب حامداً ومصلیاً﴾:

حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پہلے انبیاء علیہم السلام پیدائشی طور پر مختون پیدا کئے۔

لما فی روح البیان (۱/۲۲۳): وقد ولد الانبياء

كلهم مختونين مسرورين ای مقطوعی السرة كرامة لهم الا

ابراهيم خليل الله فانه ختن نفسه ببلدة قدوم بالتخفيف و

التشديد وهو ابن مائة وعشرين.... او ثمانين ليستن بسنة

بعده.

وفی المرقّات (۲/۷): الختان بخاء معجمة وتاء فوقها نقتطان وهی من سنة الانبیاء كما سبق من لدن ابراهیم علیه الصلوٰۃ والسلام الی زمن نبینا محمد ﷺ وروی ان آدم وشیشا ونوحا وهودا وصالحا ولوط وشعیبا ویوسف وموسیٰ..... ولدوا مختونین. (نجم الفتاویٰ، ج: ۱، ص: ۲۴۵، ۲۴۶)



رسول اللہ ﷺ کو نبوت کب ملی؟

﴿ سوال ﴾:

رسول ﷺ کو نبوت کب ملی ہے؟

﴿ الجواب ﴾:

چالیس برس کے بعد نبوت ملی ہے (۵۴)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، ج: ۱۸، ص: ۲۲۸، ط، مکتبہ دارالعلوم دیوبند)



(۵۴) عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال: أنزل علی رسول اللہ ﷺ وهو أربعین فمکث بمکة ثلاث عشرة سنة. ثم أمر بالهجرة الی المدينة فمکث بها عشر سنین، ثم توفي ﷺ. (صحیح البخاری، کتاب مناقب الأنصار، باب مبعث النبی ﷺ، ص: ۷۸۷، رقم: ۳۸۵۱، ط، دار السلام ریاض)

فخر عالم ﷺ کے افضل الانبیاء ہونے کا عقیدہ اور اس کے منکر کا حکم

﴿ سوال ﴾:

فخر عالم سرور کائنات ﷺ کے کل انبیاء سے افضل ہونے کا مسئلہ اصول دین میں سے ہے یا فروع میں سے؟

(۲) اصول دین و فروع دین کی تعریف - اگر کوئی مسلمان سرور کائنات ﷺ کو افضل الرسل نہ مانے تو اس کی نسبت کیا حکم ہے مذہب اسلام میں کوئی فرقہ ایسا ہے جو سرور کائنات کو افضل الرسل نہ جانتا ہو۔

﴿ الجواب ﴾:

آنحضرت ﷺ کا افضل الانبیاء ہونا مجمع علیہ اہل اسلام ہے (۵۵) اور یہ مسئلہ

(۵۵): فی الجامع لاحکام القرآن: وقد أشار ابن عباس الى هذا، فقال: ان الله فضل محمداً [ﷺ] على الأنبياء وعلى اهل السماء، فقالوا: بم يا ابن عباس فضله على اهل السماء؟ فقال: ان الله تعالى قال: ﴿ومن يقل منهم انى اله من دونه فذلك نجريه جهنم كذلك نجري الظالمين﴾ [الأنبياء: ۲۹]. وقال لمحمد ﷺ: ﴿انا فتحنا لك فتحا مبينا ليغفر لك الله ما تقدم من ذنبك وما تأخر﴾ [الفتح: ۲/۱]. وقالوا: فما فضله على الأنبياء؟ قال: قال الله تعالى: ﴿وما أرسلنا من رسول الا بلسان قومه ليبين لهم﴾ [ابراهيم: ۴]، وقال الله عز وجل لمحمد ﷺ: ﴿وما أرسلناك الا كافة للناس﴾ [سبا: ۲۸]، فأرسل الى الجن والانس، ذكره أبو محمد الدارمي في مسنده. وقال العلامة عبد الله التركي في حاشيته: وأخرجه أيضاً الطبراني في الكبير (۱۱۶۱۰)، وقال الهيثمي في المجمع ۲۵۵ / ۸: رجاله رجال الصحيح غير الحكم بن أبان، وهو ثقة. (الجامع لاحکام القرآن، سورة البقرة، الآية: ۲۵۳، ج: ۴، ص: ۲۵۵، ۲۵۶، ط، مؤسسة الرسالة) وفي شرح العقائد: وأفضل الأنبياء محمد ﷺ. (شرح العقائد النسفية، بحث

اصول دین میں سے یعنی اعتقادات میں سے۔

قال التفتازانی رحمہ اللہ علیہ اجمع المسلمون علی ان افضل الرسل محمد ﷺ.

قال اهل التفسیر اراد یقولہ تعالیٰ ورفع بعضهم فوق بعض درجات محمد ﷺ ای رفع اللہ النبی ﷺ علی سائر الانبیاء علیہم السلام شرح شفاء-والمعتقد المعتمد ان افضل الخلق نبینا ﷺ-شرح فقہ اکبر (۵۶)-واللہ اعلم (۲) جو شخص آنحضرت ﷺ کو افضل انبیاء نہ جانے وہ ضال و مبتدع ہے مذہب اسلام میں کوئی فرقہ ایسا نہیں جو آنحضرت ﷺ کو افضل الانبیاء نہ جانتا ہو۔ (عزیز الفتاویٰ، ص: ۸۷، ط، دارالاشاعت کراچی)



دیگر انبیاء علیہم السلام پر حضور ﷺ کی فضیلت کی وجہ

﴿ سوال ﴾:

کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کبھی کبھی میرے ذہن میں ایک سوال پیدا ہوتا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ اس کا جواب عنایت فرمائیں اور وہ یہ ہے کہ حضور ﷺ کو جو دوسرے انبیاء پر فضیلت حاصل ہے اس کی کیا وجہ

نبینا محمد ﷺ افضل الانبیاء، ص: ۳۲۹، ط، مکتبۃ البشریٰ کراتشی)

(و کذا فی النبراس شرح شرح العقائد، و افضل الانبیاء محمد ﷺ، ص: ۲۸۶)

(و کذا فی النکت و الفوائد علی شرح العقائد، افضل الانبیاء سیدنا محمد ﷺ،

ص: ۵۷۹، ط، المکتبۃ العصریۃ بیروت لبنان)

(۵۶): (شرح الفقہ اکبر، مسئلۃ فی تفضیل بعض الانبیاء علی بعض، ص:

ہے؟ واضح جواب عنایت فرمائیں۔

﴿ الجواب حامداً ومصلیاً ﴾:

صورت مسئلہ میں حضور ﷺ کی فضیلت کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تمام انبیاء پر فضیلت دی ہے لہذا ہم اسی کو ماننے کے پابند ہیں۔ رہی یہ بات کہ ایسا کیوں ہوا تو یہ ان امور میں سے ہے جن میں اللہ تعالیٰ جیسے چاہتے ہیں کرتے ہیں، اس میں مخلوق کو ”کیوں“ کے سوال کا حق نہیں ہے۔

لقوله تعالى (البقرة: ۲۵۳): تلك الرسل فضلنا بعضهم على بعض منهم من كلم الله ورفع بعضهم درجات الآية.

(الاسراء: ۱): سبحن الذي اسرى بعده ليلا من المسجد الحرام الى المسجد الاقصى الذي باركنا حوله لنريه من آياتنا انه هو السميع البصير.

وفي المشكوة (ص ۵۱۱) عن ابي هريرة قال قال رسول الله ﷺ انا سيد ولد آدم يوم القيمة واول من ينشق عنه القبر واول شافع مشفع.

وعن انس قال قال رسول الله ﷺ انا اكثر الانبياء تبعاً يوم القيمة وانا اول من يقرع باب الجنة. (نجم الفتاوى، ج: ۱، ص: ۲۵۲)



آپ ﷺ کی بعثت جنات کیلئے بھی تھی

﴿ سوال ﴾:

کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ نبی کریم ﷺ صرف انسانوں کیلئے مبعوث ہوئے تھے یا انسان و جن دونوں کیلئے؟ نیز مؤمنین جنات کا کیا حکم ہے کیا وہ مسلمان انسانوں کی طرح جنت میں جائیں گے یا نہیں؟ قرآن و سنت کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

﴿ الجواب حامداً ومصلیاً ﴾:

صورت مسئلہ میں اللہ تعالیٰ نے رحمۃ للعالمین ﷺ کو تمام مخلوقات (بشمول جن و انس) کیلئے رسول بنا کر بھیجا، اس پر تمام امت کا اجماع ہے، یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ کی دوسرے انبیاء پر فضیلت کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی بعثت جن و انس دونوں کی طرف فرمائی۔ نیز مؤمنین جنات کے جنت میں داخل ہونے کے بارے میں حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ سے توقف کا قول نقل کیا گیا ہے لیکن صاحبینؒ اور دیگر مجتہدین و اکابرین احناف نے مؤمنین جنات کے جنت میں داخل ہونے کی صراحت کی ہے، اور یہی قول صحیح ہے۔

لما فی قوله تعالیٰ (سورة السباء: ۲۸): وما

ارسلناک الا کافة للناس بشیرا ونذیرا ولکن اکثر الناس لا

یعلمون:

وفیه ایضا (سورة الانبیاء: ۱۰۷): وما ارسلناک الا

رحمة للعالمین:

وايضا (سورة الاحقاف: ۱۸) اولئک الذین حق

عليهم القول فی امم قد خلت من قبلهم من الجن والانس

انهم كانوا خاسرين ولكل درجات مما عملوا وليوفيهم اعمالهم وهم لا يظلمون.

وفى التفسير المظهرى (٨٢/١٠): قال البغوى فى تفسير سورة الاحقاف انه قال ابن عباسؓ فاستجاب لهم اى نفر من الجن بعد ما استمعوا القرآن من النبى ﷺ بنحلة ورجعوا الى قومهم منذرين من قومهم سبعين رجلا من الجن فرجعوا الى رسول الله ﷺ فوافقوه فى البطحاء فقرأ عليهم القرآن وامرهم ونهاهم وذكر الخفاجى انه قد دلت الاحاديث على ان وفادة الجن كانت ستة مرات وهذا يدل على انه ﷺ كان مبعوثا الى الجن والانس جميعا وقال مقاتل لم يبعث قبله نبى الى الانس والجن.

وفيه ايضا (٩٠/١٠): والصحيح عندى ما قاله الجمهور وبه قال ابو يوسف ومحمدؒ قال من اثبت الثواب فقله مبنى على دليل وشهادة على الاثبات فيقبل بخلاف قول ابى حنيفة رحمه الله فانه متوقف بناء على عدم دليل ولا شك ان قول ابن عباس واقوال ابن عباس واقوال عمر بن عبد العزيز ونحوه من ثقات الصحابة والتابعين لها حكم الرفع وقد اخرج البيهقى عن انس عن النبى ﷺ مرفوعا ان مؤمنين الجن لهم ثواب وعليهم عقاب فسألنا عن ثوابهم وعن مؤمنهم فقال على الاعراف وليسوا فى الجنة فسالنا وما الاعراف قال خارج الجنة تجرى فيه الانهار وتنبت فيه الاشجار والاثمار. والله سبحانه اعلم بالصواب.

وفى كنز العمال (١١/٢٢٥): بعثت الى الاحمر والاسود.

وفى فتاوى الحديثية (١/٢٦): ورسالة نبينا ﷺ اليهم قطعية فقد اجمع عليها المسلمون وقد استمعوا قراءة النبي ﷺ ببطن نخلة وكانوا تسعة كما صح عن ابن مسعود رضى الله تعالى عنه آذنته بهم شجرة وكانوا يهوداً وجاء عن عكرمة انهم كانوا اثني عشر الفاً فى واقعة اخرى....
وفيه ايضاً (١/٤٠): واعلم ان العلماء اتفقوا ان كانوا هم يعذب فى الآخرة وعن ابى حنيفة وابى الزناد وليث بن ابى سليم ان مؤمنهم لا ثواب لهم الا النجاة من النار لهم كونوا تراباً مثل البهائم والصحيح الذى قاله ابن ابى ليلى والاوزاعى والشافعى واحمد واصحابهم رضى الله تعالى عنهم انهم يثابون على طاعاتهم ونقل عن ابى حنيفة واصحابه رضى الله تعالى عنه انهم يدخلون الجنة ونقله ابن الحزم عن الجمهور واستدلوا بقوله تعالى ولكل درجات مما عملوا فانه ذكر فى الجن والانس. فقط (نجم الفتاوى، ج: ١، ص: ٢٥١)



حضور ﷺ افضل ہیں یا مسجد افضل ہے؟

﴿ سوال ﴾:

نبی کریم ﷺ کا مرتبہ اور فضیلت زیادہ ہے یا مسجد شریف کی فضیلت اور مرتبہ زیادہ ہے؟

﴿ الجواب وبالله التوفیق ﴾:

حضور ﷺ کو مسجد پر فضیلت حاصل ہے قرآن کریم میں ہے: ”ولقد کرّمنا بنی آدم“ (۵۷) اور احادیث سے بھی یہ ہی مستفاد ہوتا (۵۸) ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب (فتاویٰ دارالعلوم وقف دیوبند، ج: ۱، ص: ۲۱۶، ط، حجة الاسلام اکیڈمی)



(۵۷): (سورة الاسراء: ۷۰)

(۵۸): عن أبي هريرة، قال: قال رسول الله ﷺ: المؤمن أكرم على الله من بعض ملائكته. وفي المرقّات تحت هذا الحديث: قال محیی السنة [رحمہ اللہ] فی تفسیر قوله تعالیٰ: ﴿ولقد کرّمنا بنی آدم﴾ [الاسراء: ۷۰]. الأولى أن یقال: عوام المؤمنین أفضل من عوام الملائکته، وخواص المؤمنین أفضل من خواص الملائکته. قال تعالیٰ: ﴿ان الذين آمنوا وعملوا الصالحات أولئک هم خیر البریة﴾ [البینة: ۷]. ويستدل به أهل السنة فی تفضیل الأنبیاء علی الملائکة. اهـ. ولا یخفی أن المراد بخواص المؤمنین الرسل والأنبیاء، وبخواص الملائکة نحو جبریل ومیکائیل واسرافیل، وبعوام المؤمنین الکمل من الأولیاء کالخلفاء وسائر العلماء، وبعوام الملائکة سائرهم. وهذا التفصیل أولى من اجمال بعضهم. وفي قوله: ان البشر أفضل من الملك. بمعنى: ان هذا الجنس لما وجد فیهم الکمل من الرسل أو الأكمل، أفضل من هذا الجنس لعدم وجودهم فیهم فتأمل. (رواه ابن ماجه) قلت: وحديث: المؤمن أعظم حرمة من الکعبة، فی ابن ماجه بسند عن ابن عمر: ان

قرآن پاک افضل ہے یا آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام

﴿ سوال ﴾:

قرآن پاک افضل ہے یا حضور ﷺ؟

﴿ الجواب ﴾:

یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے لہذا کسی ایک جانب کو ترجیح نہیں دی جاسکتی۔ مع ہذا ضروریات دین میں سے بھی نہیں۔ اس لئے فقہاء نے اس میں توقف کا حکم فرمایا ہے۔

النبی ﷺ قال: ونظر الى الكعبة، لحرمة المؤمن أعظم عند الله حرمة منك. وهو بعض حديث طويل. (مرقات المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، كتاب أحوال القيامة وبدء الخلق، باب بدء الخلق وذكر الأنبياء، الفصل الثالث، ج: ۱۰، ص: ۴۱۲، ط، رقم: ۵۷۳۳، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

وفي الجامع لاحكام القرآن: وقد أشار ابن عباس الى هذا، فقال: ان الله فضل محمداً [ﷺ] على الأنبياء وعلى اهل السماء، فقالوا: بم يا ابن عباس فضله على اهل السماء؟ فقال: ان الله تعالى قال: ﴿ومن يقل منهم انى اله من دونه فذلك نجزيه جهنم كذلك نجري الظالمين﴾ [الأنبياء: ۲۹]. وقال لمحمد ﷺ: ﴿انا فتحنا لك فتحا مبينا ليغفر لك الله ما تقدم من ذنبك وما تأخر﴾ [الفتح: ۲/۱]. وقالوا: فما فضله على الأنبياء؟ قال: قال الله تعالى: ﴿وما أرسلنا من رسول الا بلسان قومه ليبين لهم﴾ [ابراهيم: ۳]، وقال الله عز وجل لمحمد ﷺ: ﴿وما أرسلناك الا كافة للناس﴾ [سبأ: ۲۸]، فأرسل الى الجن والانس، ذكره أبو محمد الدارمي في مسنده. وقال العلامة عبد الله التركي في حاشيته: وأخرجه أيضاً الطبراني في الكبير (۱۱۶۱۰)، وقال الهيثمي في المجمع ۸/ ۲۵۵: رجاله رجال الصحيح غير الحكم بن أبان، وهو ثقة. (الجامع لاحكام القرآن، سورة البقرة، الآية:

وعنه عليه السلام القرآن احب الى الله تعالى من السموات السبع والارض ومن فيهن (درمختار) قوله ومن فيهن ظاهره يعم النبي عليه السلام والمسئلة ذات خلاف والاحوط الوقف (شامی ج ۱ ص ۶۵) (۵۹) فقط واللہ اعلم. (خیر الفتاوی، ج: ۱، ص: ۳۲۸، ط، مکتبہ امدادیہ ملتان/ کفایۃ المفتی، ج: ۱، ص: ۱۲۵، ط، دار الاشاعت کراچی)



کیا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نام قاسم رزق اللہ بھی تھا

﴿سوال﴾:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ زید کہتا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ایک نام مبارک قاسم رزق اللہ ہے کیا یہ صحیح ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قاسم ہیں، جواب سے مستفیض فرمائیں نوازش ہوگی۔

﴿الجواب وبالله التوفیق﴾:

جہاں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ۱۹۹ اسماء مبارکہ ہیں وہیں ایک نام مبارک قاسم بھی ہے، اور بخاری شریف میں آیا ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ رزق اللہ میں تقسیم کرتا ہوں۔

قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: انما أنا قاسم وخازن والله يعطي. [بخاری شریف، کتاب الجہاد، باب

قول اللہ تعالیٰ: فان للہ خمسہ وللرسول۔ الانفال: ۴، ج ۱/ ۴۳۹، رقم: ۳۱۱۴]

قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: من یرد اللہ بہ خیراً یفقہہ فی الدین وانما أنا قاسم واللہ یعطی۔ [بخاری شریف، کتاب العلم، باب من یرد اللہ بہ خیراً یفقہہ فی الدین۔ النسخۃ الہندیۃ ۱/ ۱۶، رقم: ۷۰]

قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: انما أنا خازن فمن أعطیتہ عن طیب نفس فیبارک لہ فیہ۔ [مسلم شریف، کتاب الزکوٰۃ، باب النہی عن المسألۃ، النسخۃ الہندیۃ ۱/ ۳۳۳، بیت الافکار، رقم: ۱۰۳۷]

وفی روایۃ انما بعثت قاسماً أقسم بینکم۔ [مسلم شریف، کتاب الآداب، باب النہی عن التکنی بأبی القاسم الخ، النسخۃ الہندیۃ ۲/ ۲۰۶، بیت الافکار، رقم: ۲۱۳۳، مسند البزار، مکتبہ العلوم والحکم ۱۴/ ۱۷۴، رقم: ۷۷۱۷] فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔ (فتاویٰ قاسمیہ، ج: ۲، ص: ۳۴۳، ۳۴۴، ط، مکتبہ اشرفیہ دیوبند الہند)



”رحمۃ اللہ للعالمین“ حضور ﷺ کی صفت خاصہ ہے

﴿سوال﴾:

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: لفظ ”رحمۃ اللہ للعالمین“ رسول کریم ﷺ کی صفت خاصہ ہے، حضور ﷺ کے علاوہ دیگر

بزرگوں کو رحمتہ اللہ للعالمین کہہ سکتے ہیں یا نہیں؟

﴿الجواب وبالله التوفیق﴾:

قرآن پاک میں خاص طور پر نبی اکرم علیہ السلام کے لئے ”رحمتہ للعالمین“ کا لقب استعمال ہوا ہے، اس لئے اس کے سب سے اعلیٰ مصداق رسول اللہ ﷺ ہی ہیں، لہذا کسی دوسرے نبی یا بزرگ کے لئے بلا تاویل ”رحمتہ اللہ للعالمین“ کے الفاظ استعمال کرنا صحیح نہیں ہے۔

﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ﴾ [الانبیاء: ۱۰۷]

قال سعيد بن جبیر عن ابن عباس رضی اللہ عنہما
قال: كان محمد ﷺ رحمة لجميع الناس فمن آمن به
وصدق به سعد، ومن لم يؤمن به سلم مما لحق الأمم من
الخشف والغرق. وقال ابن زيد: أراد بالعالمين المؤمنين
خاصة. (الجامع لأحكام القرآن الكريم للقرطبي ۶/۲۵۵) فقط
واللہ تعالیٰ اعلم (کتاب النوازل، ج: ۱، ص: ۲۷۶، ط، المركز
العلمی للنشر والتحقیق لال باغ مراد آباد الہند/فتاویٰ رشیدیہ،
ص: ۲۴۴، ط، دار الاشاعت کراچی/فتاویٰ دار العلوم وقف
دیوبند، ج: ۱، ص: ۲۱۹، ط، حجة الاسلام اکیڈمی)



رحمتہ للعالمین اور بدوٰعا

﴿سوال﴾:

روزنامہ ”جنگ“ کے اسلامی صفحے پر ایک مضمون نگار لکھتے ہیں کہ: ”بٹر معونہ میں
دھوکے سے شہید کئے جانے والے ۷۰ معلم تمام اصحاب صفہ تھے، ان کی جدائی کا

حضور ﷺ کو اس درجہ صدمہ ہوا کہ آپ متواتر ایک مہینے تک نماز فجر میں ان کے قاتلوں کے حق میں بددعا فرماتے رہے۔

یہ تو وہ الفاظ ہیں جنہیں میں نے لفظ بہ لفظ آپ کے اخبار سے اتار دیا ہے۔ آپ کے اور ہم سب کے علم میں یہ بات تو ہے کہ حضور ﷺ جنہیں اللہ تعالیٰ نے خاتم النبیین اور رحمۃ للعالمین جیسے القاب سے قرآن کریم میں مخاطب کیا ہے، وہ کبھی کسی کے حق میں بددعا کے لئے ہاتھ اٹھا سکتے ہیں؟ کیا یہ بات کوئی ذی شعور باور کر سکتا ہے؟

میں سعودیہ گرلز کالج کی بی اے کی طالبہ ہوں، میری نظروں سے بھی مختلف اسلامی کتابیں گزری ہیں، میرا ذہن اس بات کو قبول نہیں کر سکتا، اور جو بات غلط ہو، اسے کسی کا ذہن قبول کر ہی نہیں سکتا کہ آنحضرت کبھی کس کے حق میں بددعا فرمائیں؟ آپ کے ساتھ لوگوں نے کیا کیا سلوک نہ کیا، آپ جس راستے سے گزرتے لوگ آپ پر غلاظت پھینکتے اور آپ کو طائف کی گلیوں میں گھسیٹتے، ایک دفعہ تو لوگوں نے یہاں تک کیا کہ آپ پر اتنے پتھر برسائے کہ آپ لہو لہان ہو گئے اور آپ کے پاؤں مبارک جو تلوں میں خون کے بھر جانے سے چپک گئے۔ جب بھی آپ نے بدبختوں کے حق میں بددعا نہ کی، بلکہ جب بھی لوگ آپ کو تکلیف پہنچاتے، آپ فرماتے: ”اے اللہ انہیں نیک راہ دکھا اور بتا کہ میں کون ہوں۔“

ایک طرف تو شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ: ”معلموں کو دھوکے سے شہید کیا گیا اور آگے کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ان قاتلوں کے حق میں بددعا فرمائی۔ کیا ان کو یہ معلوم نہیں کہ جو لوگ شہید ہوتے ہیں وہ کبھی مرتے نہیں بلکہ زندہ جاوید ہو جاتے ہیں، تو جن کو شہادت کا درجہ ملا ہو ان کے قاتل تو خود بخود دوزخ کی آگ میں پھینکے جائیں گے، ان کے لئے بددعا کی کیا ضروری؟ اور وہ بھی رحمۃ للعالمین نے فجر کی نماز میں ایک مہینے تک کی۔ کیا شاہ صاحب نے (نعوذ باللہ) حضور کو نماز فجر کے بعد مسلسل ایک مہینے تک بددعا کرتے دیکھا، یا کسی کتاب سے پڑھا؟ کون سی حدیث ان کی نظروں سے گزری؟ ذرا حوالہ تو دیں کہ میں خود بھی پڑھوں، میرا بھی مضمون اسلامیات ہے، میں نے کبھی ایسا نہیں پڑھا۔

﴿ جواب ﴾:

بئر معونہ میں ستر قراء کی شہادت کا واقعہ حدیث و تاریخ اور سیرت کی تمام کتابوں میں موجود ہے، اور آنحضرت ﷺ کا ایک مہینے تک فجر کی نماز میں قنوت نازلہ پڑھنا اور ان کافروں پر جنھوں نے ان حضرات کو دھوکے سے شہید کیا تھا، بددعا کرنا صحیح بخاری، صحیح مسلم، ابواؤد، نسائی اور حدیث کی دوسری کتابوں میں موجود ہے (۶۰)۔ اس لئے آپ کا انکار کرنا غلط ہے۔ رہا آپ کا یہ شبہ کہ آنحضرت ﷺ تو رحمۃ للعالمین تھے، آپ کیسے بددعا کر سکتے تھے؟ آپ کا خیال بھی سطحی قیاس کی پیداوار ہے، کیا موزیوں کو قتل کرنا، ان کو سزا دینا اور ان کو سرزنش کرنا رحمت نہیں؟ کیا رحمۃ للعالمین ﷺ کے رحیم و شفیق قلب مبارک کو ان مظلوم شہداء کی مظلومانہ شہادت پر صدمہ نہیں پہنچا ہوگا؟ آپ ماشاء اللہ بی اے کی طالبہ ہیں، آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ چوروں، ڈاکوؤں، غنڈوں اور بد معاشوں پر سختی کرنا عین رحمت ہے، اور ان پر ترس کھانا خلاف رحمت ہے، شیخ سعدیؒ کے بقول:

نیکوئی بابتداں کردن چنان است
کہ بدکردن بجائے نیک مرداں

اور آپ کا یہ کہنا بھی عجیب ہے کہ شہداء کے قاتل خود ہی دوزخ میں جائیں گے، ان

(۶۰): عن أنس بن مالك رضي الله عنه: أن رجلاً وذكوان وعصية وبني لحيان استمدوا رسول الله ﷺ على عدو فامدهم بسبعين من الأنصار كنا نسميهم القراء في زمانهم، كانوا يحتطبون بالنهار، ويصلون بالليل، حتى كانوا ببئر معونة قتلوهم وغدروا بهم. فبلغ النبي ﷺ ذلك فقنت شهراً يدعو في الصبح على أحياء من أحياء العرب، على رجل وذكوان وعصية وبني لحيان. قال أنس: فقرأنا فيهم قرآننا ثم ان ذلك رفع: بلغوا عنا قومنا أنا قد لقينا ربنا فرضى عنا وأرضانا. (صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب غزوة الرجیع، ورعل، وذكوان الخ، ص: ۸۴۲، رقم:

کے لئے بددعا کی کیا ضرورت ہے؟ اس کے معنی تو یہ ہیں کہ قاتل کے خلاف کسی عدالت میں استغاثہ نہ کیا جائے، کیونکہ وہ بقول آپ کے خود ہی کیفر کردار کو پہنچے گا اور اگر آپ کے نزدیک کسی قاتل کے خلاف عدالت میں استغاثہ جائز اور یہ خلاف رحمت نہیں، تو آپ آنحضرت ﷺ اگر بارگاہ الہی میں ان قاتلوں کے خلاف استغاثہ فرماتے ہیں تو یہ آپ کو کیوں غلط نظر آتا ہے؟ شہید بلاشبہ جنت میں زندہ ہیں اور مراتب عالیہ پر فائز ہیں، مگر اس کے یہ معنی تو نہیں کہ کسی شہید کی مظلومانہ شہادت پر ہمیں رنج و صدمہ بھی نہیں ہونا چاہئے۔ اس واقعے کا تو آپ اپنی ناواقفی کی وجہ سے انکار کر رہی ہیں۔ لیکن اس کا کیا کیا جائے گا کہ قرآن کریم میں حضرت نوح علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام اور دیگر بعض انبیائے کرام علیہم السلام کی بددعا کی نقل کی گئی ہیں (۶۱)۔ تمام انبیائے کرام علیہم السلام سراپا رحمت ہوتے ہیں، اس کے باوجود کافروں، بے ایمانوں اور موزیوں کے خلاف بارگاہ الہی میں استغاثہ کرتے ہیں۔ آپ نے طائف کا واقعہ ذکر کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر پتھر برسائے گئے مگر آپ ﷺ نے بددعا نہ فرمائی (۶۲)۔ آپ نے شاید حضرت ام

(۶۱): قال اللہ تبارک وتعالیٰ: قال نوح رب لاتذر علی الارض من الکافرین

دیارا. (نوح: ۲۶)

وقال تعالیٰ: ربنا اطمس علی اموالہم واشدد علی قلوبہم فلا یومنوا حتی

یروا العذاب الالیم. (سورۃ یونس: ۸۸)

(۶۲): فی البدایۃ: قال ابن اسحاق: فلما ہلک أبو طالب نالت قریش من

رسول اللہ ﷺ من الاذی مالم تکن نالته منه فی حیاة عمہ ابي طالب، فخرج رسول

اللہ ﷺ الی الطائف تلتمس من ثقیف النصرة والمنعة بہم من قومہ ورجا أن یقبلوا

منہ ماجاء ہم بہ من اللہ تعالیٰ، فخرج الیہم وحده. فحدثنی یزید بن ابي زیاد عن

محمد بن کعب القرظی. قال: انتہی رسول اللہ ﷺ الی الطائف وعمد الی نفر من

ثقیف ہم سادة ثقیف وأشرافہم وہم أخوة ثلاثة، عبد یالیل، ومسعود، وحبيب بنو

عمرو ابن عمیرو بن عوف بن عقدة بن غیرة بن عوف بن ثقیف. وعند أحدهم امرأة

المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث پڑھی ہوگی کہ: ”آنحضرت ﷺ نے کبھی اپنا ذاتی انتقام نہیں لیا، لیکن جب حدود اللہ کو توڑا جاتا تو آپ ﷺ کے غصے کی کوئی تاب نہ

من قریش من بنی جمع، فجلس الیہم فدعاهم الی اللہ وکلمہم لما جاءہم له من نصرته علی الاسلام والقیام معہ علی من خالفہ من قومہ، فقال: أحدهم: ہو یمرط ثیاب الکعبۃ ان کان اللہ أرسلک. وقال الآخر: أما وجد اللہ أحداً أرسلہ غیرک؟ وقال الثالث واللہ لا اکلمک أبداً لئن کنت رسولاً من اللہ ما ینبغی لی أن اکلمک فقام رسول اللہ ﷺ من عندهم وقد یئس من خیر ثقیف، وقد قال لهم: فیما ذکر لی - ان فعلتم ما فعلتم فاکتموا علی وکرہ رسول اللہ ﷺ أن یبلغ قومہ عنہ فیذئروہم ذلک علیہ. فلم یفعلوا وأغروا بہ سفہاءہم وعبیدہم یسبونہ ویصیحون بہ حتی اجتمع علیہ الناس وألجؤہ الی حائط لعتبۃ ابن ربیعۃ وشیبۃ بن ربیعۃ وهما فیہ، ورجع عنہ من سفہاء ثقیف من کان یتبعہ. فعمد الی ظل حبلۃ من عنب فجلس فیہ وابنا ربیعۃ ینظران الیہ ویریان ما یلقى من سفہاء أهل الطائف، وقد لقی رسول اللہ ﷺ - فیما ذکر لی - المرأة التی من بنی جمع، فقال لها ماذا لقینا من أحمائک. فلما اطمأن قال - فیما ذکر - اللہم الیک أشکو ضعف قوتی وهو انی علی الناس یا أرحم الراحمین، أنت رب المستضعفین، وأنت ربی الی من تکلمنى، الی بعید یتجهمنى أم الی عدو ملکته أمری. ان لم یکن بک غضب علی فلا أبالی ولكن عنافیتک ہی أوسع لی، أعوذ بنور وجهک الذی أشرقت له الظلمات، وصلح علیہ أمر الدنیا والآخرة من أن تنزل بی غضبک أو تحل علی سخطک نک العتبی حتی ترضی لاحول ولا قوۃ الا بک. قال فلما راہ ابنا ربیعۃ عتبۃ وشیبۃ وما لقی تحرکت ما رحمہما فدعوا غلاما لہما نصرانیاً یقال لہ عداس وقالا لہ خذ قطعاً من هذا العنب فضعه فی هذا الطبق ثم اذهب بہ الی ذلک الرجل فقل لہ یا کل منه. ففعل عداس ثم ذهب بہ حتی وضعہ بین یدى رسول اللہ ﷺ ثم قال لہ کل، فلما وضع رسول اللہ ﷺ یدہ فیہ قال: بسم اللہ ثم أکل، ثم نظر عداس فی وجہہ ثم قال: واللہ ان هذا الکلام ما یقولہ أهل البلاد. فقال لہ رسول اللہ ﷺ ومن أهل أى بلاد أنت یا

لاسلماً“ (۶۳)۔ طائف کا واقعہ آنحضرت ﷺ کی ذات سے متعلق تھا، وہاں صبر کی مجسم تصویر بنے رہے اور بشر معونہ کا واقعہ حدود اللہ کو توڑنے، عہد شکنی کرنے اور مسلمانوں کو ظماً شہید کرنے کا واقعہ تھا، اس پر آنحضرت ﷺ کی بے چینی و بے قراری اور حق تعالیٰ شانہ سے والہانہ استغاثہ و فریاد طلبی اپنی ذات کے لئے نہیں تھی کہ آپ اس کے لئے طائف کی

عداس وما دینک؟ قال نصرانی وأنا رجل من أهل نینوی. فقال رسول اللہ ﷺ من قرية الرجل الصالح یونس بن متى. فقال له عداس وما یدر بک ما یونس بن متى؟ فقال رسول اللہ ﷺ ذلک اخی کان نبیا وأنا نبی. فاکب عداس علی رسول اللہ ﷺ یقبل رأسه ویديه وقدمیه. قال یقول أبناء ربیة احدهما لصاحبه اما غلامک فقد افسده علیک. فلما جاء عداس قال له ویلک یا عداس مالک تقبل رأس هذا الرجل ویديه وقدمیه؟ قال یاسیدی ما فی الارض شیء خبر من هذا لقد اخبر نبی بأمر ما یعلمه الا نبی. قال له: ویحک یا عداس لا یصرفنک عن دینک فان دینک خیر من دینه. (البداية والنهاية، فصل فی ذهابہ ﷺ الی أهل الطائف یدعوهم الی دین اللہ، ج: ۳، ص: ۱۳۵، ط، مکتبة المعارف بیروت لبنان)

(۶۳): عن عائشة ؓ قالت: ما ضرب رسول اللہ ﷺ لنفسه شیئاً قط بیده، ولا امرأة ولا خادماً، الا أن یجاهد فی سبیل اللہ، وما نیل منه شیء قط، فینتقم من صاحبه، الا أن ینتھک شیء من محارم اللہ فینتقم للہ. وفي المرقاة تحت هذا الحدیث: وروی الترمذی الفصل الأول بلفظ: ما ضرب رسول اللہ ﷺ بیده شیئاً قط الا أن یجاهد فی سبیل اللہ ولا ضرب خادماً ولا امرأة. والفصل الثانی بلفظ: ما رأیت رسول اللہ ﷺ منتصراً من مظلمة ظلمها قط ما لم ینتھک من محارم اللہ تعالیٰ شیء، فاذا انتھک من محارم اللہ تعالیٰ شیء کان من أشدهم فی ذلک غضباً. (مرقات المفاتیح شرح مشکاة المصابیح، کتاب الفضائل والشمائل، باب فی أخلاقه وشمائلہ ﷺ، الفصل الأول، ج: ۱۰، ص: ۴۸۸، رقم: ۵۸۱۷، ط، دار الکتب

مثال پیش کریں۔ جہاں جو کچھ تھا وہ دینی غیرت اور ان مظلوموں پر شفقت کا اظہار تھا۔
الغرض بئر معونہ کا جو واقعہ ذکر کیا گیا ہے وہ صحیح ہے اور ایسے موذیوں کے لئے بددعا کرنا آنحضرت ﷺ کی شان رحمۃ للعالمین کے خلاف نہیں، بلکہ اپنے رنگ میں یہ بھی رحمت و شفقت کا مظہر ہے۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل، ج: ۱، ص: ۱۹۳ تا ۱۹۵، ط، مکتبہ لدھیانوی کراچی)



شفاعت اور افضلیت رسول ﷺ

﴿ سوال ﴾:

۱..... عمر و بکر مثلاً جن کے عقائد مذکور درج کئے جاتے ہیں اور بکر کی حد سے زیادہ تعدی معلوم ہے، بکر کے عقیدہ کا خیال کرتے ہوئے اس کے ساتھ برتاؤ دینی اور دنیاوی جائز ہے یا نہیں اور جماعت میں شامل ہو جائے تو نکال دینے کا حکم ہے یا نہیں اور جماعت میں بھی کچھ نقصان لازم آتا ہے یا نہیں؟ اور ایسے آدمی کو باقی دوسرے امام کے ہوتے ہوئے امام بننا درست ہے یا نہیں؟ اور اس کے ایمان میں خلل آتا ہے یا نہیں اور ایسا ایمان ہونے میں نکاح وغیرہ میں بھی کچھ نقص ہے یا نہیں؟ حد کا حکم ہے یا نہیں؟ سو یہ کہ عمر اور بکر آپس میں جھگڑا کرتے ہیں عمر کہتا ہے کہ شفاعت رسول کریم برحق ہے اور بکر کہتا ہے کہ برحق نہیں ہے۔
۲..... عمر کہتا ہے کہ مقام محمود و شفاعت کا مقام ہے اور بخای شریف میں بھی موجود ہے اور بکر کہتا ہے کہ شفاعت خاص کر رسول کریم کے واسطے معین نہیں ہے۔

۳..... اور عمر کہتا ہے کہ یا رسول اللہ کہنا جائز ہے اور بکر یہ کہتا ہے کہ ہرگز جائز نہیں۔

۴..... عمر کہتا ہے رسول کریم سب پیغمبروں سے افضل ہیں اور بکر کہتا ہے کہ سب برا بر ہیں، سب پیغمبروں سے افضل نہیں؟ صفحہ کتاب لکھ کر جواب تحریر فرماویں۔ حوالے جتنے زیادہ ہوں بہتر ہے اور ایسے آدمی کے پیچھے نماز پڑھ کر اعادہ واجب ہے یا نہیں اور اس کے

جنازہ کا کیا کیا جاوے؟ ان مسائل کی بابت زیادہ تنازع ہو رہا ہے اس لئے جواب پوری تکمیل سے تحریر فرماویں، تاکہ فریقین کو تسلی ہو جائے۔ فقط

﴿ الجواب حامداً ومصلیاً ﴾:

۱..... شفاعت کے متعلق عمر کا قول حق ہے، بکر کا قول غلط ہے: ”والشفاعة ثابتة للرسول والأخيار في حق أهل الكبائر بالمستفيض من الأخبار خلافاً للمعتزلة اه“۔ شرح عقائد نسفی، ص: ۸۷ (۶۲)۔

(۶۲): (شرح العقائد النسفية، بحث الشفاعة لمن؟، ص: ۲۷۸، ط، مكتبة

البشرى كراتشى)

وفى بيان السنة والجماعة: ونقول الشفاعة العظمى لرسول الله ﷺ يوم القيامة فى كافة الخلق لراحتهم من الموقف، وهى التى اذخرها الله لهم بسؤاله ﷺ ذلك من ربه كما روى ذلك فى صحيح الأخبار فى الجامع الصغير رامزاً للطبرانى عن ابن مسعود رضى الله عنه: ان لكل نبى دعوة وانى اختبأت دعوتى شفاعة لأمتى يوم القيامة. قال ابن قاضى عجلون فى شرح الشيبانية: ان مما خص الله تعالى به نبينا محمد ﷺ الشفاعة فى الحشر، ما روى فى الصحيحين من طريق: وأنا أول شافع وأول مشفع. وهذه الشفاعة لأهل الجمع فى تعجيل الحساب والاراحة من طول الوقوف والغم، وهى الشفاعة العظمى فى فصل القضاء يوم القيامة وهى مختصة بنبينا محمد ﷺ ولم ينكرها أحد وهى المقام المحمود فى قوله تعالى: ﴿عسى أن يعثبك ربك مقاماً محموداً﴾ [الاسراء: ۷۹] وهى المقام الذى يحمده فيه الأولون والآخرون، وقد ورد فى الحديث الصحيح الأمر بأن ندعو بذلك عقيب الآذان والحكمة فى سؤال ذلك ﷺ مع كونه واجب الوقوع بوعد الله تعالى باظهار شرفه ﷺ وعظيم منزلته وفى شرح الجزائرية للسنوسى رحمه الله: لا شك أن مما يجب الايمان به لتواتره ووقوع الاجماع عليه ثبوت الشفاعة لسيدنا محمد ﷺ فى اراحة الناس من الموقف واختصاصها به ﷺ أمر مستفيض

٢..... اس میں بھی عمر کا قول حق ہے۔

”قال أكثر أهل التأويل: ذلك (أى المقام

المحمود) هو المقام الذى يقومه محمد ﷺ يوم القيامة

مشهور فى الصحاح.

وفى شرح الجوهرة للمصنف وله ﷺ شفاعات ذكر القاضى والنووى منها
خمساً:

أحدها: وهى أعظمها وأعمها شفاعته عليه الصلاة والسلام بعد أن يكلم
الناس الأنبياء حين يعاينون من شدائد الموقف وأهواله، وطول القيام فيه لرب
العالمين وزيادة القلق وتضاعف العرق ما يذهب الأكباد وينسى الأولاد مدة ثلاثة
آلاف سنة فيترادونها من آدم الى عيسى، فى خمسة آلاف سنة أيضاً، اذ بين كل
سؤال نبى وآخر ألف سنة، كما قال ابن حجر والقرطبى وغيرهما، فاذا انتهوا
اليه ﷺ قال: أنا لها أنا لها، أمتى أمتى. وكل من قبله لا يقول: الا نفسى، اذهبوا الى
غيرى. وهذه مختصة به ﷺ وتسمى الشفاعة العظمى، وهذه مجمع عليها لم
ينكرها أحد ممن يقول بالحشر، اذ هى للراحة من طول الوقوف حين يتمنون
الانصراف من موقفهم، ولو الى النار.

وثانيها: فى ادخال قوم الجنة بغير حساب، وهذه أيضاً خاصة به على ما قاله
القاضى والنووى، وتردد ابن دقيق العيد فى الاختصاص وتبعه ابن حجر قائلاً:
لادليل عليه وقد ذكر حديثها مسلم.

وثالثها: فى قوم استوجبوا النار. فيشفع لهم فلا يدخلونها، وهذه جزم القاضى
وابن السبكي اختصاصها به، وتردد النووى.

ورابعها: فيمن دخل النار من المؤمنين المذنبين. وهذه وقع اطلاق القوم على
عدم اختصاصها به.

وخامسها: الشفاعة فى رفع الدرجات فى الجنة وهذه لا ينكرها أيضاً
المعتزلة كالأولى الى أن قال: وقد بقيت شفاعات آخر وردت بها آثار لا تخلو عن

للشفاعة للناس ليريحهم ربهم من عظيم نافية من شدة ذلك اليوم“ - تفسير ابن كثير: ٣/ ٥٥ (٦٥) -

” وشفاعة الأنبياء عليهم الصلاة والسلام: أى عموماً فى المقصود، وشفاعة نبينا ﷺ خصوصاً فى المقام المحمود واللواء الممدود والحوض المورود للمؤمنين المذنبين: أى من أهل الصغائر المستحقين للعقاب ولأهل الكبائر منهم حق، فقد ورد: ”شفاعتى لأهل الكبائر من أمتى“. رواه أحمد وأبو داود والترمذى وابن حبان والحاكم عن أنس رضى الله تعالى عنه، والترمذى وابن ماجه وابن حبان والحاكم عن جابر رضى الله تعالى عنه، والطبرانى عن ابن عباس رضى الله تعالى عنهما، والخطيب عن ابن عمرو كعب بن عجرة رضى الله تعالى عنهم، فهو حديث مشهور فى المبنى بل الأحاديث فى باب الشفاعة متواترة المعنى اه“. شرح فقه اكبر، ص: ١١٣ (٦٦).

مقال. (شرح العقائد الطحاوية المسماة: بيان السنة والجماعة، ٧٨ تا ٨٠، ط، دار الفكر المعاصر بيروت لبنان)

(وكذا فى شرح الفقه الأكبر، بحث فى أن الشفاعة من الانبياء والصالحين حق، ص: ٨٣، ٨٤، ط، دار الكتب العربية الكبرى مصر)

(٦٥): (تفسير ابن كثير، سورة الاسراء، الآية: ٧٩، ج: ٥، ص: ١٠٣، ط، دار

طبية)

(٦٦): (شرح الفقه الأكبر، بحث فى أن الشفاعة من الانبياء والصالحين حق، ص:

٨٣، ٨٤، ط، دار الكتب العربية الكبرى مصر)

”قال ابن عباس رضي الله تعالى عنهما: هذا المقام المحمود مقام الشفاعة، وفي حديث طويل: ”واني لأقوم المقام المحمود، قال: ذاك اذا جىء بكم حفاة عراة“: أى قوله: ”فأقوم عن يمينه مقاماً لا يقومه أحد، فيغبطني فيه الأولون والآخرون“. وفي حديث آخر: ”ثم يقوم ببيكم صلى الله تعالى عليه وسلم رابعاً فيشفع لا يشفع أحد بعده أكثر مما شفّع“. وهو المقام المحمود الذى قال الله عز وجل: ﴿عسى أن يبعثك ربك مقاماً محموداً﴾ والى غير ذلك من الأحاديث الكثيرة اهـ. فتح البارى شرح البخارى، كتاب التفسير وكتاب الرقاق میں زیادہ تفصیل ہے (۶۷)۔

۳..... ”یا رسول اللہ“ اس خیال اور عقیدہ سے کہنا کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، اللہ پاک کی طرح حاضر و ناظر ہیں اور ہر جگہ سے اس آواز کو خود سنتے ہیں نا جائز بلکہ شرک ہے۔ اور اس عقیدہ سے کہنا کہ ملائکہ کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ میری اس آواز کو آپ ﷺ تک پہونچا دیتے ہیں جائز ہے، عوام چونکہ اس عقیدہ کو نہ جانتے ہیں نہ سمجھتے ہیں، بلکہ وہ پہلا ہی عقیدہ رکھتے ہیں، اس لئے ان کو منع کیا جاتا ہے، کسی صحیح عقیدہ والے کو بھی عوام کے سامنے اس طرح پکارنے سے احتراز کرنا چاہئے۔

۴..... اس مسئلہ میں بھی عمر کا عقیدہ صحیح اور اہل حق کے موافق ہے: ”أفضل الأنبياء محمد صلى الله تعالى عليه وسلم.“ شرح عقائد نسفی، ص: ۱۰۲ (۶۸)۔

(۶۷): (فتح الباری، کتاب تفسیر القرآن، باب قوله تعالى: ﴿عسى أن يبعثك ربك مقاماً محموداً﴾، ج: ۸، ص: ۲۵۹ / فتح الباری، کتاب الرقاق، باب صفة الجنة والنار، ج: ۱۱، ص: ۴۳۴ تا ۴۳۷)

(۶۸): (شرح العقائد النسفية، بحث نبينا محمد ﷺ أفضل الأنبياء، ص: ۳۲۹،

جس شخص کے ایسے غلط اور خراب عقائد ہوں وہ ضال و مضل ہے، اس کو امام بنانا جائز نہیں، تاہم اگر اسکے پیچھے کوئی نماز پڑھی ہے تو فریضہ ساقط ہو گیا اور نماز جنازہ بھی ایسے شخص

ط، مکتبۃ البشری کراتشی

وفی الجامع لاحکام القرآن: وقد أشار ابن عباسؓ الى هذا، فقال: ان الله فضل محمداً ﷺ على الأنبياء وعلى اهل السماء، فقالوا: بم يا ابن عباس فضله على اهل السماء؟ فقال: ان الله تعالى قال: ﴿ومن يقل منهم انى اله من دونه فذلك نجزيه جهنم كذلك نجري الظالمين﴾ [الأنبياء: ۲۹]. وقال لمحمد ﷺ: ﴿انا فتحنا لك فتحا مبينا ليغفر لك الله ما تقدم من ذنبك وما تأخر﴾ [الفتح: ۱/۲]. وقالوا: فما فضله على الأنبياء؟ قال: قال الله تعالى: ﴿وما أرسلنا من رسول الا بلسان قومه ليبين لهم﴾ [ابراهيم: ۴]، وقال الله عز وجل لمحمد ﷺ: ﴿وما أرسلناك الا كافة للناس﴾ [سبا: ۲۸]، فأرسل الى الجن والانس، ذكره أبو محمد الدارمي في مسنده. وقال العلامة عبد الله التركي في حاشيته: وأخرجه أيضاً الطبراني في الكبير (۱۱۶۱۰)، وقال الهيثمي في المجمع ۸/۲۵۵: رجاله رجال الصحيح غير الحكم بن أبان، وهو ثقة. (الجامع لاحکام القرآن، سورة البقرة، الآية: ۲۵۳، ج: ۴، ص: ۲۵۵، ۲۵۶، ط، مؤسسة الرسالة)

وفی الکوکب الأزهر: أن أفصل المخلوقات في الدنيا والآخرة هو سيدنا محمد ﷺ الذي جمع كل خلال الخير ونعوت الكمال، وبعثته ﷺ عامة لجميع المكلفين، وأفضليته ﷺ على جميع المخلوقات مما أجمع عليه المسلمون لقوله ﷺ: "أنا أكرم الأولين والآخرين على الله ولا فخر". (الکوکب الأزهر شرح الفقه الاکبر، ص: ۱۲۲)

(وکذا فی النبراس شرح شرح العقائد، وافضل الانبياء محمد ﷺ، ص: ۲۸۶)

(وکذا فی النکت والفوائد علی شرح العقائد، افضل الانبياء سيدنا محمد ﷺ،

ص: ۵۷۹، ط، المکتبۃ العصریۃ بیروت لبنان)

پر پڑھی جائے گی: ”و یصلی علی کل فاجر“ شرح عقائد نسفی، ص: ۱۱۵ (۶۹)۔ فقط
واللہ تعالیٰ اعلم (فتاویٰ محمودیہ، ج: ۱، ص: ۲۰۱ تا ۲۰۴)



(۶۹): فی شرح العقائد: ویصلی علی کل بر وفاجر، اذا مات علی الایمان،
للاجماع ولقوله ﷺ: لاتدعوا الصلاة علی من مات من اهل القبلة. (شرح العقائد
النسفیة، الکلام فی العقائد المتفرقة، ص: ۳۶۹، ط، مکتبة البشیری کراتشی)
وفی الهدایة: ویکره تقدیم العبد.... والفاسق لأنه لایهتم لأمر دینہ، والأعمی
لأنه لایتوقی النجاسة، وولد الزنا لأنه لیس له أب یشقفه فیغلب علیه الجهل، ولأن فی
تقدیم هؤلاء تنفیر الجماعة، فیکره وان تقدموا جاز، لقوله علیه الصلاة والسلام:
صلوا خلف کل بر وفاجر.

وفی البناية تحته: (والفاسق لأنه لایهتم لأمر دینہ) ش: فیردد فیہ الناس، وفیہ
تقلیل الجماعة، وقال مالک: لاتجوز امامة الفاسق بلا تأویل کالزانی وشارب
الخمر، أما الفاسق بالتأویل کمن یسب السلف الصالح، فعنه فیہ روایتان، وعن
أحمد: فیہ روایتان فی جواز الاقتداء به مطلقاً أصحابهما المنع، وقلنا نحن والشافعی
بجواز امامته لقوله - علیه الصلاة والسلام - : صلوا خلف کل بر وفاجر. لأن ابن
عمر وأنسا وغيرهما من الصحابة رضی اللہ عنہم والتابعین صلوا خلف الحجاج
الجمعة وغيرها مع أنه أفسق أهل زمانه.

وروی أن الحجاج کان یخطب یوم الجمعة، فأطال الجمعة حتی کاد یدخل
وقت العصر فقام ابن عمر رضی اللہ عنہما وقال: أقصر یا مکار هذاک اللہ، فلما
فرغ الحجاج دعی ابن عمر لیقته وقال: أما تخشی أن اللہ یسلطنی علی مالک
ودمک فأهریقه، أو علی نفسک فأخترمها، فقال ابن عمر: أما یکفینی أنی صلیت
خلف رسول اللہ ﷺ وخلف أبی بکر وعمر و علی رضی اللہ عنہم والآن أصلی
خلفک، وأنت من أفسق الناس.

وأما وجه الكراهية فلما قلنا، ولهذا قال أصحابنا: لا ینبغی أن یقتدی بالفاسق

شفاعت کبریٰ آنحضرت ﷺ کے ساتھ خاص ہے

﴿ سوال ﴾:

شفاعت محض آنحضرت ﷺ تک مسدود ہے یا کیا؟

﴿ الجواب ﴾:

شفاعت کبریٰ مخصوص ہے آنحضرت ﷺ کے ساتھ (۷۰) اور بعد میں جملہ انبیاء و صلحاء شفاعت کریں گے، جیسا کہ احادیث میں مفصلاً مذکور ہے (۷۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، ج: ۱۸، ص: ۲۳۳، ۲۳۴، ط، مکتبہ دارالعلوم دیوبند)



الا فی الجمعة لأن فی سائر الصلوات یجد اماماً غیرہ بخلاف الجمعة، وکان ابن مسعود رضی اللہ عنہ یصلی خلف الولید بن عقبہ فی صلاة الجمعة وسائر الصلوات، وکان الولید والياً بالكوفة وکان فاسقاً حتی صلی بالناس يوماً وهو سکران، کذا فی شرح الارشاد. وفي المحيط: لو صلی خلف فاسق أو مبتدع یكون محرراً ثواب الجماعة لقوله علیه الصلاة والسلام: صلوا خلف کل بر وفاجر. (البنایة شرح الهدایة، کتاب الصلاة، باب فی الامامة، ج: ۲، ص: ۳۳۲ تا ۳۳۴، ط، دار الکتب العلمیة بیروت لبنان)

(۷۰) فی الموسوعة الفقهیة: قال العلماء: الشفاعة فی الآخرة خمسة أقسام: أولها: مختصة بنبینا ﷺ، وهی: الراحة من هول الموقف، وتعجيل الحساب، وهی الشفاعة العظمی. (الموسوعة الفقهیة، ج: ۲۶، ص: ۱۳۲)

(۷۱) وعن عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ، قال: قال رسول اللہ ﷺ: یشفع یوم القيامة ثلاثة: الأنبياء، ثم العلماء، ثم الشهداء. (مشكاة المصابيح کتاب أحوال القيامة وبدء الخلق، باب الحوض والشفاعة، ص: ۴۹۵، ط، قديمی کتب خانہ کراچی) وفي الصحيح لمسلم فی حديث طويل عن أبي سعيد الخدري رضي الله

حضور ﷺ کو شفاعت کا حق

﴿ سوال ﴾:

اذان کے بعد کی دعاء کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے یہ دعاء پڑھی اس پر میری شفاعت واجب ہوگئی (۷۲) جب کہ قرآن پاک میں ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کو شفاعت کے لئے چنے گا وہی شفاعت کر سکے گا؟ (۷۳)۔

﴿ الجواب وباللہ التوفیق ﴾:

اللہ تعالیٰ نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کے ذریعہ مطلع کر دیا تھا کہ ایسے مقامات پر شفاعت کا حق آپ کو ہوگا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بیان فرما دیا ﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ﴾ (۷۴) فقط واللہ اعلم بالصواب (فتاویٰ دارالعلوم

عنه: وكان أبو سعيد الخدري يقول: ان لم تصدقوني بهذا الحديث فاقروا ان شئتم: ﴿ان الله لا يظلم مثقال ذرة وان تك حسنة يضاعفها ويؤت من لدنه أجرا عظيما﴾ [النساء: ۴۰] فيقول: الله تعالى: شفعت الملائكة وشفع النبيون وشفع المؤمنون... الخ. (صحيح مسلم، كتاب الايمان، باب معرفة طريق الرؤية، ص: ۹۵، رقم: ۴۵۴، دار السلام رياض)

(۷۲) عن جابر بن عبد الله [رضي الله عنه] أن رسول الله ﷺ قال: من قال حين يسمع النداء: اللهم رب هذه الدعوة التامة والصلاة القائمة، آت محمداً الوسيلة والفضيلة، وابعثه مقاماً محموداً الذي وعده، حلت له شفاعتي يوم القيامة. (صحيح البخاري، كتاب الأذان، باب الدعاء عند النداء، ص: ۱۲۵، رقم: ۶۱۴، ط، دار السلام رياض)

(۷۳) قال الله تبارك وتعالى: يعلم ما بين ايديهم وما خلفهم ولا يشفعون الا لمن ارتضى وهم من خشيته مشفقون. (سورة الأنبياء: ۲۸)

(۷۴) (سورة النجم: ۴، ۳)

وقف دیوبند، ج: ۱، ص: ۲۱۷، ۲۱۸، ط، حجت الاسلام اکیڈمی



آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اہل کتاب اور مشرکین کے لیے شفاعت فرمائیں گے یا نہیں؟

﴿ سوال ﴾:

آنحضرت ﷺ یہود، نصاریٰ اور مشرکین کے لیے میدان حشر میں سفارش فرمائیں گے یا نہیں؟

﴿ الجواب ﴾:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہود و نصاریٰ و مشرکین کی شفاعت و سفارش نہ فرمائیں گے (۷۵)۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، ج: ۱۸، ص: ۲۳۶، ط، مکتبہ دارالعلوم دیوبند)



محمد ﷺ کا اولین و آخرین ہونے کا مطلب

﴿ سوال ﴾:

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ اولین و آخرین ہیں،، اور بعض کہتے ہیں کہ اولین نہیں ہے۔ صرف آخرین

(۷۵): وعن أنس، أن النبي ﷺ قال: شفاعتي لأهل الكبائر من أمتي. وفي

المرفقات تحت هذا الحديث: أي شفاعتي في العفو عن الكبائر من أمتي خاصة دون غيرهم من الأمم. (مرفقات المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، كتاب أحوال القيامة و بدء الحق، باب الحوض والشفاعة، ج: ۱۰، ص: ۲۷۰، ط، دار الكتب العلمية بيروت

ہیں۔ تو صحیح مطلب کی وضاحت کی جائے، مہربانی ہوگی۔

﴿ الجواب ﴾:

پیغمبر ﷺ کی روح مبارک تمام ارواح سے اول پیدا کی گئی ہے۔ اور جسد اطہر تمام انبیاء کے بعد اور سب کے آخر میں پیدا کیا گیا ہے۔ یہ معنی ہے اولین و آخرین کا (۷۶) نہ کہ لیس قبلہ شیء و لیس بعدہ شیء، جو کہ صفت خداوندی ہے۔ وهو الموفق۔
(فتاویٰ فریدیہ، ج: ۱، ص: ۲۵۴)



رسول اللہ ﷺ کی سات زمینوں کے لئے بعث

﴿ سوال ﴾:

کیا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا یہ قول ہے کہ ”سات زمینوں کے لئے محمد ﷺ آئے ہیں اور کیا اس اثر کو کہیں حضرت مانو تووی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل فرمایا ہے؟ جب کہ ﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ﴾ سے آپ ﷺ کے بارے میں عموم معلوم ہوتا ہے؟

﴿ الجواب وباللہ التوفیق ﴾:

درمنثور و بیہقی وغیرہ میں حضرت ابن عباسؓ کے اس اثر کو مکمل بیان کیا گیا ہے (۷۷)

(۷۶): عن أبي هريرة قال قالوا يا رسول الله متى وجبت لك النبوة و آدم بين

الروح والجسد رواه الترمذی.

وعن العرباض بن سارية عن رسول الله ﷺ انه قال اني عند الله مكتوب

خاتم النبیین وان آدم لمنجدل فی طینته الخ. (مشکاۃ المصابیح، باب فضائل سید

المرسلین، الفصل الثانی، ص: ۵۱۳، ط، قدیمی کتب خانہ کراچی)

(۷۷): فی الدر المنثور: وأخرج ابن جریر، وابن أبي حاتم، والحاكم

اور حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ”تذویر الناس“ میں اس پر تفصیل کے ساتھ کلام فرمایا ہے جس کے مطالعہ کے بعد ان شاء اللہ تعالیٰ کوئی اعتراض باقی نہ رہے گا۔ (فتاویٰ دارالعلوم وقف دیوبند، ج: ۱، ص: ۱۹۸، ط، حجۃ الاسلام اکیڈمی)



آپ ﷺ کی تخلیق اور نبوت سے متعلق چند سوالات

﴿سوال﴾:

- کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کے بارے میں؟
- کیا یہ عقائد قرآن و سنت سے ثابت ہیں؟
- (الف) آپ ﷺ سب سے پہلے نبی ہیں؟
- (ب) آپ ﷺ کے نور کو آدم علیہ السلام کی خلقت سے پہلے، بلکہ دنیا کی خلقت سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا؟
- (ج): آدم علیہ السلام نے آپ ﷺ کے وسیلے سے دعا کی۔
- براہ کرم قرآن کریم اور حدیث کے حوالے لکھیں۔

﴿الجواب وباللہ التوفیق﴾:

- (الف) آپ ﷺ نبوت عطا کیے جانے کے اعتبار سے سب سے مقدم ہیں اور

وصحہ، والبیہقی فی شعب الایمان وفی الأسماء والصفات، من طریق أبی الضحی، عن ابن عباسؓ فی قوله: ﴿ومن الأرض مثلہن﴾. قال: سبع أرضین، فی کل أرض نبی کنیکم، و آدم کآدم، ونوح کنوح، و ابراہیم کابراہیم، وعیسی کعیسی. قال البیہقی: اسنادہ صحیح، ولكنه شاذ بمرة، لا أعلم لأبی الضحی علیہ متابعا.

(الدر المنثور فی التفسیر بالمأثور، سورة الطلاق، الآیة: ۱۲، ج: ۱۴، ص: ۵۶۵)

بعثت کے اعتبار سے سب سے مؤخر ہیں، چنانچہ حدیث شریف میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے: عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قالوا: يا رسول الله! متى وجبت لك النبوة؟ قال: "وادم بين الروح والجسد" (۷۸) یعنی صحابہ کرام نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! آپ کے لئے نبوت کب ثابت ہوئی؟ تو اللہ کے رسول نے فرمایا: (مجھے نبوت اس وقت ملی) جب آدم جسم اور روح کے درمیان تھے۔ اس حدیث کی شرح میں حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے "العرف الشذی" میں تحریر فرمایا: ای کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نبیا وجرت علیہ أحكام النبوة من ذلك الحین، بخلاف الأنبياء السابقین، فان الأحكام جرت علیہم بعد البعثة كما قال مولانا الجامی انه كان نبيا قبل النشأة العنصرية (۷۹) یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نبی تھے، اور اسی وقت سے احکام نبوت آپ پر جاری تھے، انبیائے سابقین کے برخلاف، اس لیے کہ ان پر احکام بعثت کے بعد جاری ہوئے جیسا کہ مولانا جامیؒ نے فرمایا کہ آپ (علیہ الصلوٰۃ والسلام) "نشأت عنصري" سے پہلے نبی تھے۔

(ب) پہلے پیدا کیے جانے کے سلسلے میں احادیث میں مختلف چیزیں مذکور ہیں، بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے نور کو پیدا کیا گیا، جب کہ دیگر بعض روایتوں میں قلم، عرش وغیرہ کو سب سے پہلے پیدا کیے جانے کی صراحت ملتی ہے (۸۰) البتہ ابن حجرؒ

(۷۸): (مشكاة المصابيح، باب فضائل سيد المرسلين، الفصل الثاني، ص:

۵۱۳، ط، قديمی کتب خانہ کراچی)

(۷۹): (العرف الشذی شرح سنن الترمذی، کتاب المناقب عن رسول اللہ صلی

اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، باب فی فضل النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، ج: ۵، ص: ۶، رقم الحديث: ۳۶۰۹، ط، دار الکتب العلمیة بیروت لبنان)

(۸۰): (و عن عبادة بن الصامت رضي الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ ان

أول ما خلق الله القلم، فقال له: اكتب. فقال: ما أكتب؟ قال: اكتب القدر. فكتب ما

نے سب سے پہلے نور کو پیدا کیے جانے کا رجحان ظاہر کیا ہے۔ قال ابن حجر: اختلفت الروایات فی أول المخلوقات، وحاصلها كما بینتها فی شرح شمائل الترمذی: ان اولها النور الذی خلق منه علیه الصلاة والسلام، ثم الماء ثم العرش (۸۱)۔

(ج): البدایہ والنہایہ میں حضرت عمرؓ سے روایت منقول ہے: عن عمر بن الخطاب قال: قال رسول اللہ ﷺ: ”لما اقترف آدم الخطیئة قال: یا رب!

كان وما هو كائن الى الأبد. وفي المرققات تحت هذا الحديث: رأيت في الدر المنثور نقلاً عن ابن عباس: ان أول شيء خلقه الله القلم، فقال له: اكتب، فقال: يا رب وما أكتب، قال: اكتب يجرى من ذلك هو كائن الى أن تقوم الساعة، ثم طوى الكتاب ورفع القلم. رواه البيهقي وغيره والحاكم وصححه، وفي الدر أيضاً عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: سمعت رسول الله ﷺ يقول: ان أول شيء خلق الله القلم ثم النون وهي الدواة، ثم قال له: اكتب، قال: وما أكتب، قال: ما كان وما هو كائن الى يوم القيامة من عمل أو أثر أو رزق أو أجل، فكتب ما يكون وما هو كائن الى يوم القيامة، ثم ختم فم القلم فلم ينطق ولا ينطق الى يوم القيامة. أخرجه الحكيم الترمذی هذا وروی أن أول ما خلق الله العقل، وأن أول ما خلق الله نوری وأن أول ما خلق الله روحی، وأن أول ما خلق الله العرش، والأولية من الأمور الاضافية فيؤول وأن كل واحد مما ذكر خلق قبل ما هو من جنسه، فالقلم خلق قبل جنس الأقلام ونوره قبل الأنوار والا فقد ثبت أن العرش قبل الخلق السماوات والأرض، فتطلق الأولية على كل واحد بشرط التقييد فيقال: أول المعاني كذا، وأول الأنوار كذا.

(مرقات المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، كتاب الايمان، باب الايمان بالقدر، الفصل الثاني، ج: ۱، ص: ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، رقم: ۹۴، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

(۸۱): (مرقات المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، كتاب الايمان، باب الايمان

بالقدر، الفصل الأول، ج: ۱، ص: ۲۴۱، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

أَسْأَلُكَ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ أَنْ غُفِرَتْ لِي، فَقَالَ اللَّهُ فَكَيْفَ عَرَفْتَ مُحَمَّدًا وَلَمْ
أَخْلُقْهُ بَعْدَ فَقَالَ يَا رَبِّ لَأَنْكَ لَمَّا خَلَقْتَنِي بِيَدِكَ وَنَفَخْتَ فِي مِنْ رُوحِكَ
وَرَفَعْتَ رَأْسِي فَرَأَيْتَ عَلَى الْعَرْشِ مَكْتُوبًا لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ
فَعَلِمْتَ أَنَّكَ لَمْ تَضِفْ إِلَى اسْمِكَ إِلَّا أَحَبَّ الْخَلْقِ إِلَيْكَ، فَقَالَ اللَّهُ
صَدَقْتَ يَا آدَمُ أَنَّهُ لِأَحَبِّ الْخَلْقِ إِلَيَّ وَإِذَا سَأَلْتَنِي بِحَقِّهِ فَقَدْ غُفِرَتْ لَكَ،
وَلَوْلَا مُحَمَّدٌ مَا خَلَقْتُكَ مَكْرَمُ حَدِيثَيْنِ كَيْفَ يَرَوِيهِ حَدِيثٌ ضَعِيفٌ هُوَ، بَلْ كَ
عَلَامَةُ ذَهَبِيَّ نَعْنِي أَسْأَلُكَ قَرَارِ دِيَا هُوَ (۸۲)۔ فَقَطَّ وَاللَّهُ تَعَالَى أَعْلَمُ (چند اہم عصری
مسائل، ج: ۲، ص: ۳۳ تا ۳۶، ط، مکتبہ دارالعلوم دیوبند)



(۸۲): (البداية والنهاية، باب خلق آدم عليه السلام، ج: ۱، ص: ۸۱، ط، مکتبہ

المعارف بیروت لبنان)

وَفِي مَنْهَجِ الْحَيَاةِ الْإِيمَانِيَّةِ: عَنْ عَمْرِو رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ
اللَّهِ ﷺ: لَمَّا أَذْنَبَ آدَمُ الذَّنْبَ الَّذِي أَذْنَبَهُ، رَفَعَ رَأْسَهُ إِلَى السَّمَاءِ، فَقَالَ: أَسْأَلُكَ
بِحَقِّ مُحَمَّدٍ ﷺ، أَلَا غُفِرَتْ لِي، فَأَوْحَى اللَّهُ إِلَيْهِ: مِنْ مُحَمَّدٍ؟ فَقَالَ: تَبَارَكَ
اسْمُكَ، لَمَّا خَلَقْتَنِي رَفَعْتَ رَأْسِي إِلَى عَرْشِكَ، فَإِذَا فِيهِ مَكْتُوبٌ: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ
مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ، فَعَلِمْتُ أَنَّهُ لَيْسَ أَحَدٌ أَعْظَمُ عِنْدَكَ قَدْرًا مِمَّنْ جَعَلْتَ اسْمَهُ مَعَ
اسْمِكَ، فَأَوْحَى اللَّهُ إِلَيْهِ: يَا آدَمُ إِنَّهُ آخِرُ نَبِيٍّ مِنْ ذُرِّيَّتِكَ، وَلَوْلَا هُوَ مَا خَلَقْتُكَ.
قَالَ الشَّيْخُ: أَخْرَجَهُ الطَّبْرَانِيُّ فِي الصَّغِيرِ، وَالْحَاكِمُ، وَأَبُو نَعِيمٍ، وَابِيهَقِي،
كِلَاهُمَا فِي الدَّلَائِلِ، وَابْنُ عَسَاكَرٍ كَذَا فِي الدَّرِّ.

وَفِي مَجْمَعِ الزَّوَائِدِ: رَوَاهُ الطَّبْرَانِيُّ فِي الْأَوْسَطِ، وَالصَّغِيرِ، وَفِيهِ مَنْ لَمْ
أَعْرِفْهُمْ.

وَفِي حَاشِيَةِ مَنْهَجِ: أَخْرَجَهُ الْحَاكِمُ فِي الْمُسْتَدْرَكِ ۲ / ۶۷۲ بِرَقْمِ:

۲۳۸ / ۴۲۲۸ وَقَالَ: هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحُ الْإِسْنَادِ، وَهُوَ أَوَّلُ حَدِيثٍ ذَكَرْتَهُ

حضور ﷺ کے متعلق اہل دیوبند کا عقیدہ

﴿ سوال ﴾:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ کے بارے میں: کہ دیوبندیوں کا عقیدہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے میں کیا ہے؟ وہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نبوت میں شک کرتے ہیں یا نہیں؟ کیا وہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرتے ہیں، وہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سچا رسول مانتے ہیں کہ نہیں؟ کیا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو گاؤں کا چودھری مانتے ہیں؟ آخر دیوبند کا عقیدہ کیا ہے؟ نیز اگر کوئی شخص گستاخی کرتا ہو اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نبوت میں شک کرتا ہوں، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو گاؤں کا چودھری سمجھتا ہو تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

﴿ الجواب وبالله التوفیق ﴾:

دیوبندیوں کا عقیدہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے میں یہ ہے

لعبدالرحمن بن زید بن أسلم فی هذا الكتاب، وتعقبه الذهبي فقال: بل موضوع، وعبدالرحمن واه، قال الحاكم: وهو أول حديث ذكرته له في هذا الكتاب، قلت: رواه عبد الله بن مسلم الفهري، ولا أدري من ذا؟ عن اسماعيل بن سلمة عنه يعني: عن عبدالرحمن بن زید انتهى.

وأخرجه الطبرانی في الأوسط برقم: ۶۵۰۲ وابن عساكر ج ۷ ص: ۳۰۹ في ترجمة آدم. وعرف فيه عبد الله بن مسلم الفهري بأنه من رهط أبي عبيدة بن الجراح، ونقل ابن عساكر عن البيهقي قوله: تفرد به عبدالرحمن بن زید بن أسلم من هذا الوجه وهو ضعيف. والله أعلم. (منهج الحياة الايمانية والتربية الدينية في ضوء الكتاب والسنة، ص: ۴۱۶، ۴۱۷، ط، المكتبة الحيوية سہانفور الہند)

کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ کے سچے پکے رسول ہیں، آپ تمام انبیاء اور رسولوں کے سردار ہیں، آپ کے بعد قیامت تک کوئی نبی آنے والا نہیں ہے، آپ تمام انسان و جنات سب کے لئے رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں، جو شخص دیوبندی علماء کے بارے میں یہ کہتا ہے کہ آپ کی نبوت میں شک کرتے ہیں وہ جھوٹا ہے، بلکہ دیوبندیوں کا عقیدہ ہے کہ جو بھی سرور کائنات، فخر موجودات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرے گا یا نعوذ باللہ آپ کو گاؤں کا چودھری کہے گا وہ ایمان سے خارج ہوگا۔

لو عاب النبی ﷺ بشیء من العیوب یکفر۔ (الفتاویٰ

التاتارخانیۃ، کتاب أحکام المرتدین، الفصل السابع، مکتبہ زکریا

۳۰۳/۷، رقم: ۱۰۵۴۸، فتاویٰ بزازیۃ ہامش الہندیۃ، کتاب

ألفاظ تکنون اسلاماً أو کفراً، الفصل الثالث فی الانبیاء، مکتبہ

زکریا جدید ۱۸۲/۳، وعلی ہامش الہندیۃ ۳۲۷/۲، خلاصۃ

الفتاویٰ، اشرفیہ دیوبند ۸۵/۴)

جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نام مبارک کان میں پڑ جائے تو کم از کم ایک دفعہ درود شریف پڑھنا واجب ہے، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ایک دفعہ درود شریف پڑھنے والے پر اللہ تعالیٰ دس مرتبہ رحمت نازل فرماتا ہے۔ اور دیوبندیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ اولیاء عظام برحق ہیں، مگر اولیاء کی شان انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی شان کے برابر نہیں ہے، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان کے برابر کسی بھی مخلوق کی شان نہیں ہو سکتی۔ اور جو شخص کسی انسان اور امتی کو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان کے برابر سمجھے گا اس کا ایمان برباد ہے، یہی دیوبندیوں کا عقیدہ ہے۔

عن أنس بن مالک قال: رسول اللہ ﷺ: من صلی

علی صلوٰۃ واحدۃ صلی اللہ علیہ عشر صلوات، وحطت عنہ

عشر خطیئات، ورفعت عشر درجات۔ (نسائی شریف، کتاب

الصلاة، باب الفضل فى الصلاة على النبي ﷺ، النسخة الهندية
١/١٤٥، دارالسلام، رقم: ١٢٩٧، شعب الايمان، دارالكتب
العلمية بيروت ٢/٢١٠، رقم: ٢٥٥٤)

وان محمدا عبده المصطفى ونبيه المجتبى ورسوله
المرتضى، وانه خاتم الأنبياء، وامام الأتقياء وسيد المرسلين
وحبيب رب العالمين، وكل دعوى النبوة بعده فغوى وهوى،
وهو المبعوث الى عامة الجن وكافة الورى بالحق والهدى،
وبالنور والضياء. (شرح العقيدة الطحاوية، دارالكتب العلمية
بيروت ١٤٩ تا ١٦٦)

وأفضل الأنبياء محمد عليه السلام، (شرح العقائد،
مكتبه نعيميه ديوبند: ١٤٠)

النولى لا يبلغ درجة الأنبياء، لأن الأنبياء معصومون
مكرمون بالوحى مامورون بتبليغ الأحكام وارشاد الأنام بعد
الاتصاف بكمالات الأولياء العظام. (شرح العقائد، مكتبه
نعيميه ١٦٥، شرح فقه أكبر، مكتبه اشرفى ديوبند ١٤٨)

ولا نفضل أحدا من الأولياء على أحد من الأنبياء
عليهم الصلاة والسلام، ونقول: نبى واحد افضل من جميع
الأولياء. (العقيدة الطحاوية/ ٥١٤، العقيدة الطحاوية،
دارالكتب العلمية بيروت/ ٤٩٢) فقط واللّه سبحانه وتعالى
اعلم (فتاوى قاسميه، ج: ٢، ص: ٨٨، ط، مكتبه اشرفيه ديوبند)



حضور ﷺ کے بارے میں اہل سنت کے عقائد

﴿ سوال ﴾:

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک آدمی کتاب وسنت پر ایمان رکھتا ہے۔ (۱) اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حاضر و ناظر تسلیم نہیں کرتا (۲) اور حضور اکرم کو عالم الغیب نہیں جانتا مگر جتنا علم رب العزت نے عطا کیا ہے وہ تمام مخلوق سے زیادہ اور سب رسولوں سے کئی گنا زیادہ تسلیم کرتا ہے۔ (۳) اور الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ بھی پڑھتا ہے۔ بایں طور کہ حضور اکرم ﷺ اپنے روضہ مبارک پر تو اپنے کانوں سے سنتے ہیں۔ علاوہ ازیں آپ کے پاس درود سلام پہنچایا جاتا ہے۔ مندرجہ بالا تین سوالوں کا جواب کتاب وسنت کی روشنی میں ارشاد فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔

نوٹ: ایسے عقائد رکھنے والے لوگوں کے متعلق کتاب وسنت کا کیا ارشاد ہے۔ ایسے لوگوں کے ساتھ کیا برتاؤ اور سلام و کلام کرنا جائز ہے یا نہیں۔

﴿ جواب ﴾:

یہ تمام عقائد مذہب اہل سنت والجماعت کے مطابق ہیں۔ قَالَ تَعَالَى لَا يَعْلَمُ الْغَيْبَ إِلَّا اللَّهُ (۸۳)۔ الْآيَةُ. مَا كُنْتُ لَدَيْهِمْ إِذْ يُلْقُونَ أَقْلَامَهُمْ (۸۴)۔ الْآيَةُ. وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَا مِنْ أَحَدٍ يَسْلَمُ عَلَيَّ إِلَّا رَدَّ اللَّهُ رُوحِي حَتَّىٰ أَرُدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ (۸۵) وَعَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِنَّ لِلَّهِ مَلَائِكَةً سِيَاحِينَ فِي الْأَرْضِ يَبْلَغُونِي مِنْ أُمَّتِي السَّلَامَ (۸۶) (مشکوٰۃ

(۸۳): (سورة النمل: ۶۵)

(۸۴): (سورة آل عمران: ۴۴)

(۸۵/۸۶): (مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الصلاة، باب الصلاة علی النبی ﷺ)

وفضلہا، ص: ۸۶، ط، قدیمی کتب خانہ کراچی)

شریف) عالم غیب و حاضر و ناظر ہونا رب تعالیٰ کی صفات خاصہ میں سے ہیں (۸۷)۔
مذکورہ عقائد رکھنے والا صحیح سنی مسلمان ہے۔ اس کے ساتھ باقاعدہ مسلمان بھائی کی حیثیت
سے برتاؤ رکھنا چاہئے اسے تکلیف دینا اور بیجا ستانا جائز نہیں ہے (۸۸)۔ فقط واللہ تعالیٰ
اعلم (فتاویٰ مفتی محمود، ج: ۱، ص: ۳۲۲، ط، اشتیاق اے مشتاق پریس لاہور)



(۸۷): فی روح المعانی: بالجملة علم الغیب بلا واسطة کلا أو بعضا
مخصوص باللہ جل وعلا، لا یعلمہ أحد من الخلق أصلا. (روح المعانی، سورة النمل،
الآیة: ۶۵، ج: ۲۰، ص: ۱۲، ط، دار احیاء التراث العربی بیروت لبنان)
وفی الجامع لأحكام القرآن: فاللہ تعالیٰ عنده علم الغیب، وبیده الطرق
الموصلة الیه، لا یملکها الا هو، فمن شاء اطلعه علیها اطلعه، ومن شاء حجبہ عنها
حجبہ. (الجامع لأحكام القرآن، سورة الأنعام، الآیة: ۵۹، ج: ۸، ص: ۴۰۲، ط، مؤسسة
الرسالة بیروت لبنان)

وفی شرح العقائد: العلم بالغیب أمر تفرد به اللہ تعالیٰ. الخ. (شرح العقائد
النفسیة، مسألة علم الغیب، ص: ۳۸۹، ۳۹۰، ط، مكتبة البشیر کرانشی)
(و کذا فی شرح الفقه الاکبر، ص: ۱۳۷، ط، دار الکتب العربیة الکبریٰ مصر)
(و کذا فی التبراس شرح شرح العقائد، مسألة علم الغیب، ص: ۳۴۳)
وفی مجموعة الفتاوی: اعتقاد اینکہ کسے غیر حق سبحانہ حاضر و ناظر،
و عالم خفی و جلی در ہر وقت و ہر آن است، اعتقاد شرک است. (مجموعة
الفتاویٰ علی هامش خلاصة الفتاوی، ج: ۴، ص: ۳۳۱، ط، مکتبہ رشیدیہ)
(۸۸): والذین یؤذون المؤمنین والمؤمنات بغير ما اکتسبوا فقد احتملوا
بهتانا واثما مبینا. (سورة الأحزاب: ۵۸)

وعن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال صعد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ
علیہ وسلم المنبر فنادی بصوت رفیع فقال یامعشر من اسلم بلسانہ ولم یقض

حضور ﷺ کا جسم مبارک مٹی میں ملنے کا مطلب

﴿سوال﴾:

تقویۃ الایمان کے صفحہ ۶۱ مطبوعۃ فاروقی میں حدیث نقل فرماتے ہیں ابو داؤد نے ذکر کیا کہ قیس بن سعد نے نقل کیا کہ گیا میں ایک شہر میں جس کا نام حیرہ ہے سودیکھا میں نے وہاں کے لوگوں کو سجدہ کرتے تھے اپنے راجہ کو سو کہا میں نے البتہ پیغمبر خدا زیادہ لائق ہیں کہ سجدہ کیا جائے ان کو پھر آیا میں پیغمبر خدا کے پاس پھر کہا میں نے کہ گیا تھا میں حیرہ میں تو دیکھا میں نے ان لوگوں کو سجدہ کرتے ہیں وہ اپنے راجہ کو سو تم بہت زیادہ لائق ہو کہ سجدہ کریں ہم تم کو سو فرمایا مجھ کو بھلا خیال تو کر جو تو گزرے میری قبر پر کیا سجدہ کرے گا تو اس کو کہا میں نے نہیں فرمایا تو مت کر۔ ف یعنی میں بھی مر کر مٹی میں ملنے والا ہوں۔ تو کیا سجدہ کے لائق ہوں الخ تو یہاں پر یہ شبہ واقع ہوتا ہے کہ مٹی میں ملنے سے کیا مراد ہے اور مخالفین یہاں پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ مولانا صاحب کے نزدیک انبیاء کا جسد زمین میں مل جانا ثابت ہوتا ہے اس کا کیا جواب ہے مفصل ارقام فرمائیے؟

﴿جواب﴾:

مٹی میں ملنے کے دو معنی ہیں ایک یہ کہ مٹی ہو کر مٹی زمین کے ساتھ خلط ہو جاوے جیسا سب اشیاء زمین میں پڑ کر خاک زمین ہی بن جاتی ہیں۔ دوسرے مٹی سے ملاقی و متصل ہو جانا یعنی مٹی سے مل جانا تو یہاں مراد دوسرے معنی ہیں اور جسد انبیاء علیہم السلام کا خاک نہ ہونے کے مولانا مرحوم بھی قائل ہیں۔ چونکہ مردہ کو چاروں طرف سے مٹی احاطہ کر لیتی ہے

الایمان الی قلبہ لاتؤذوا المسلمین ولا تعیروہم ولا تتبعوا عوراتہم فانہ من یتبع عورۃ اخیه المسلم یتبع اللہ عورۃ ومن یتبع اللہ عورۃ یتبع اللہ عورۃ یفضحہ ولو فی جوف رحلہ۔ رواہ الترمذی۔ (مشکاة المصابیح، باب ما ینہی عنہ من التہاجر والتقاطع واتباع العورات، ص: ۴۲۸، ۴۲۹، ط، قدیمی کتب خانہ کراچی)

اور نیچے مردہ کی مٹی سے جسد۔ مع کفن ملاحق ہوتا ہے یہ مٹی میں ملنا۔ اور مٹی سے ملنا کہلاتا ہے کچھ اعتراض نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ (فتاویٰ رشیدیہ، ص: ۲۵۲، ۲۵۳، ط، دارالاشاعت کراچی)



وحی کے وقت جو حضور ﷺ کی حالت احمرار وجہ و عرق کی ہوتی تھی اس کی کیا وجہ تھی اور ولی کو بھی یہ ہوتا ہے یا نہیں

﴿ سوال ﴾:

بخاری شریف میں باب غسل الخلق ثلاث مرات من الثياب میں جو حدیث نزول وحی کی لکھی ہے ”فاذا رسول اللہ ﷺ محمر الوجه وهو یغط ثم سری عنه (۸۹)۔ سونے کی حالت میں آواز کا ہونا اور چہرہ مبارک کا سرخ ہونا اس کے

(۸۹): قال أبو عاصم: أخبرنا ابن جریج: أخبرني عطاء: أن صفوان بن یعلی أخبره: أن یعلی قال لعمر رضی اللہ عنہ: أرني النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حين یوحی الیه قال: فبینما النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بالجعرانة ومعه نفر من أصحابه جاءه رجل فقال: یا رسول اللہ، کیف تری فی رجل أحرم بعمره وهو متضمن بطیب؟ فسکت النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ساعة فجاءه الوحی فأشار عمر رضی اللہ عنہ الی یعلی، فجاء یعلی وعلی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ثوب قد أظلم به فأدخل رأسه فاذا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم محمر الوجه وهو یغط ثم سری عنه. فقال: این الذی سأل عن العمره؟ فأتی برجل فقال: اغسل الطیب الذی بک ثلاث مرات. وانزع عنک الجبة، واصنع فی عمرتک ما تصنع فی حجتک. قلت لعطاء: أراد الانقاء حين أمره أن یغسل ثلاث مرات؟ قال: نعم. (صحیح البخاری، کتاب الحج، باب غسل الخلق ثلاث مرات من

متعلق اولیاء اللہ نے جو تحقیق بیان فرمائی ہو کہ یہ حالت کس قسم کی تھی اور کیا سر تھا۔ اور آیا وقت الہام بھی اسی قسم کی حالت جو مشابہ وحی کے ہوتی ہے اولیاء اللہ کو ہوتی ہے یا کوئی دوسری حالت جس سے الہام حق کا ہونا معلوم ہو جاتا ہے۔ چونکہ اس کا راز معلوم نہیں ہوتا لہذا آنحضور پوری کیفیت و تحقیق سے مشرف فرمائیں؟

﴿الجواب﴾:

جب وارد قوی ہوتا ہے قوی بشریہ ضعیف تحمل سے مغلوب ہو جاتے ہیں۔ اور اس قسم کی حالت پیدا ہو جاتی ہے۔ کچھ تخصیص الہام کی نہیں۔ ہر وارد میں یہ عمل ہو سکتا ہے مگر لازم نہیں۔ (تمہ اولی ص ۲۳۴) (امداد الفتاوی، ج ۱۱، ص ۲۱۱، ط، ذکر یا بک ڈپوالہند)



حضور ﷺ کو ”ابا جان“ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو
”امی جان“ کہنا

﴿سوال﴾:

ایک خطیب صاحب اپنی تقریر میں یا اپنی گفتگو کے اندر جب بھی حضور ﷺ و حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا تذکرہ کرتے ہیں تو ازراہ غلبہ محبت حضور ﷺ کا نام ”ابا جان محمد ﷺ“ اور ”اماں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا“ کہتے ہیں، تمام امت مسلمہ کے روحانی باپ و ماں ہیں، اس لئے ہم ان کو ماں باپ کے لفظوں سے صراحتہ تعبیر بھی کر سکتے ہیں۔

پوچھنا یہ ہے کہ ایسا کرنا بدعت میں شامل ہو گا یا نہیں؟ عام لوگ اگر اس عمل پر اصرار کریں تو کیا حکم ہے؟ بظاہر وہ ایک کے ایسا کرنے سے کوئی خرابی نظر نہیں آتی، ہاں کلام اس صورت میں ہے جب عام لوگ اصرار کریں، ہر ایک کا تفصیلی حکم کیا ہے؟

﴿ الجواب حامداً ومصلیاً ﴾:

خالی ابا جان اور امی جان نہیں کہنا چاہئے، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ام المؤمنین کہنا سلف سے منقول ہے: ﴿وَأَزْوَاجُهُ أُمَّهَاتُهُمْ﴾ (۹۰)، امی جان اور ابا جان ہر دو کی شان اقدس سے بہت کم درجہ کا لفظ ہے، ابا جان کہنے میں بظاہر نص قرآنی: ﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ﴾ الایۃ (۹۱) سے بھی تعارض ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم (فتاویٰ محمودیہ، ج: ۱، ص: ۳۸۴)



امہات المؤمنین تمام مؤمنین کی مائیں اور حضور ﷺ روحانی باپ ہیں

﴿ سوال ﴾:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) کیا ازواج مطہرات تمام مؤمن مرد اور مؤمن عورتوں کی مائیں ہیں یا صرف عورتوں کی ہیں، مردوں کی نہیں؟

(۲) کیا حضور ﷺ ہم سب کے روحانی باپ ہیں کہ نہیں؟

﴿ الجواب وبالله التوفیق ﴾:

(۱) ازواج مطہرات تمام مؤمن مردوں اور عورتوں کی مائیں ہیں، اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا:

النَّبِيُّ أَوْلَىٰ بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنفُسِهِمْ وَأَزْوَاجُهُ أُمَّهَاتُهُمْ. [الأحزاب: ۶]

(۹۰): (سورة الأحزاب: ۶)

(۹۱): (سورة الأحزاب: ۴۰)

(۲) جی ہاں روحانی باپ ہیں، جب ازواج مطہرات ہماری مائیں ہیں، تو آپ ﷺ بھی ہمارے روحانی باپ ہیں، نیز قرآن مقدس میں حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو امت محمدیہ کا روحانی باپ قرار دیا گیا ہے: لہذا بلاشبہ آپ ﷺ اپنی امت کے روحانی باپ ہیں۔

مِلَّةَ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ هُوَ سَمَّاكُمُ الْمُسْلِمِينَ. [الحج: ۷۸]

ويسمى كل من كان سببا في ايجاد شيء أو اصلاحه، أو ظهوره آبا، ولذلك سمي النبي ﷺ أبا المؤمنين، قال الله تعالى: ﴿النبي أولى بالمؤمنين من أنفسهم وازواجه امهاتهم﴾. [الأحزاب: ۶] وفي بعض القراءات: وهو أب لهم. (روح المعاني، الأحزاب: ۴۳، زكريا ۲۲/۴۶) فقط والله سبحانه وتعالى اعلم (فتاویٰ قاسميه، ج: ۲، ص: ۹۱، ط، مكتبه اشرفيه ديوبند)



آنحضرت ﷺ مؤمنین کے روحانی باپ ہیں

﴿ سوال ﴾:

نبی ﷺ تمام اشیاء کے باپ حقیقی و روحانی ہیں یا نہیں؟

﴿ الجواب ﴾:

معالم التنزیل وغیرہ کتب تفسیر میں: ﴿وَأَزْوَاجُهُ أُمَّهَاتُهُمْ﴾ (سورۃ احزاب، آیت: ۲) کے بعد قراءت اُبی رضی اللہ عنہ میں ”وہو أب لهم بھی واقع ہے (۹۲) اس

(۹۲) فی معالم التنزیل: قوله عز وجل: ﴿وَأَزْوَاجُهُ أُمَّهَاتُهُمْ﴾، وفي حرف

أبی: وَأَزْوَاجُهُ وَأُمَّهَاتُهُمْ وَهُوَ أَبٌ لَهُمْ وَهُنَّ أُمَّهَاتُ الْمُؤْمِنِينَ. (معالم التنزیل، المعروف

بتفسير البغوی، ج: ۶، ص: ۳۱۹، ط، دار طيبة ریاض)

لیے اشارہ کریمہ: ﴿وازواجه امہاتہم﴾ سے اور تصریح قراءت الٰہی سے ابوت روحانی مؤمنین کے لیے آنحضرت ﷺ کی ثابت ہوتی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، ج: ۱۸، ص: ۲۲۶، ط، مکتبہ دارالعلوم دیوبند)



حضور ﷺ کو اپنا بڑا بھائی ماننا

﴿سوال﴾:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: حضور ﷺ کو اپنا بڑا بھائی ماننا کیسا ہے؟

﴿الجواب وباللہ التوفیق﴾:

حضرت نبی کریم ﷺ کے متعلق صرف یہ عقیدہ رکھنا کہ وہ بھائی کے درجہ میں ہیں صحیح نہیں ہے: بلکہ حضور ﷺ اللہ کی طرف سے بھیجے ہوئے نبی ہیں، اس کا اعتقاد رکھنا ہر مسلمان پر فرض ہے: البتہ باعتبار بشریت بنص حدیث حضور ﷺ کی بھائی کہنے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے، مگر عرفاً اس کو معیوب سمجھا جاتا ہے۔

عن أبی ہریرۃ أن رسول اللہ ﷺ أتى المقبرۃ، فقال: السلام علیکم دار قوم مؤمنین، وانا ان شاء اللہ بکم لاحقوق، وددت أنا قد رأینا اخواننا، قالوا: أولسنا اخوانکم یا رسول اللہ؟ قال: أنتم أصحابی، و اخواننا الذین لم یأتوا بعد.

وفی الجامع لأحكام القرآن: ثم ان فی مصحف أبی بن کعب: وأزواجه أمہاتہم وهو أب لہم. وقرأ ابن عباس: من أنفسہم وهو أب لہم وأزواجه أمہاتہم. (الجامع لأحكام القرآن، سورة الأحزاب، الآية: ۶، ج: ۱۷، ص: ۶۳، ط،

الحديث (مسند امام أحمد بن حنبل ۲/۳۰۰، رقم: ۷۹۸۰،
 ۲/۴۰۸، رقم: ۹۲۸۱، مسلم شریف، باب استحباب اطالة
 الغرة...، النسخة الهندية ۱/۱۲۶، بیت الأفكار، رقم: ۲۴۹،
 مسند البزار، مكتبه العلوم والحکم ۱۵/۷۰، رقم: ۸۳۰۰،
 مشکوة ۱/۴۰)

عن عائشة رضي الله عنها أن رسول الله ﷺ كان
 في نفر من المهاجرين والأنصار، فجاء بعير، فسجد له، فقال
 أصحابه: يا رسول الله! تسجد لك البهائم والشجر، فنحن
 أحق أن نسجد لك؟ فقال: اعبدوا ربكم واکرموا أخاكم.
 (مسند أحمد بن حنبل ۶/۷۶، رقم: ۲۳۹۵) فقط واللّٰه سبحانه
 وتعالى اعلم (فتاویٰ قاسمیہ، ج: ۲، ص: ۹۲، ط، مكتبہ اشرفیہ
 دیوبند)



کیا نبی کریم ﷺ کا درجہ بڑے بھائی کے برابر ہے؟

﴿سوال﴾:

حضور اکرم ﷺ کا مرتبہ بڑے بھائی کے برابر ہے، وہ کس طرح سے ممکن ہے؟

﴿الجواب حامداً ومصلیاً﴾:

حدیث پاک میں ارشاد ہے: ”انا سید ولد آدم ولا فخر“ (۹۳). حضرت

(۹۳): وعن أبي سعيد رضي الله تعالى عنه، قال: قال رسول الله صلى الله

تعالى عليه وسلم: أنا سید ولد آدم يوم القيامة ولا فخر، وبیدی لواء الحمد ولا فخر.

وما من نبی يومئذ آدم فمن سواه الا تحت لوائی، وأنا أول من تنشق عنه الأرض

نبی اکرم ﷺ کا مرتبہ اللہ پاک کے نزدیک اتنا بلند ہے کہ نہ کوئی فرشتہ کو پاسکتا ہے، نہ کوئی پیغمبر (۹۴)، پھر بڑے بھائی کے برابر کیسے ہو سکتا ہے؟ البتہ حضور ﷺ نے اس بلند مرتبہ

ولا فخر۔ (مشکاة المصابیح، کتاب الفضائل والشمائل، باب فضل سید المرسلین، الفصل الثانی، ص: ۵۱۳، ط، قدیمی کتب خانہ کراچی)

(۹۴): فی الجامع لاحکام القرآن: وقد أشار ابن عباس الی هذا، فقال: ان الله فضل محمداً [صلى الله تعالى عليه وسلم] على الأنبياء وعلى اهل السماء، فقالوا: بم يا ابن عباس فضله على اهل السماء؟ فقال: ان الله تعالى قال: ﴿ومن يقل منهم انى اله من دونه فذلك نجزيه جهنم كذلك نجري الظالمين﴾ [الأنبياء: ۲۹]. وقال لمحمد صلى الله تعالى عليه وسلم: ﴿انا فتحنا لك فتحا مبينا ليغفر لك الله ما تقدم من ذنبك وما تأخر﴾ [الفتح: ۱/۲]. وقالوا: فما فضله على الأنبياء؟ قال: قال الله تعالى: ﴿وما أرسلنا من رسول الا بلسان قومه ليبين لهم﴾ [ابراهيم: ۴]، وقال الله عز وجل لمحمد صلى الله تعالى عليه وسلم: ﴿وما أرسلناك الا كافة للناس﴾ [سبا: ۲۸]، فأرسل الى الجن والانس، ذكره أبو محمد الدارمی فی مسنده. وقال العلامة عبد الله التركي فی حاشيته: وأخرجه أيضاً الطبرانی فی الكبير (۱۱۶۱۰)، وقال الهيثمی فی المجمع ۸/۲۵۵: رجاله رجال الصحيح غير الحكم بن أبان، وهو ثقة. (الجامع لاحکام القرآن، سورة البقرة، الآية: ۲۵۳، ج: ۴، ص: ۲۵۵، ۲۵۶، ط، مؤسسة الرسالة)

وفی الکوکب الأزهر: أن أفضل المخلوقات فی الدنيا والآخرة هو سيدنا محمد صلى الله تعالى عليه وسلم الذى جمع كل خلال الخير ونعوت الكمال، وبعثته صلى الله تعالى عليه وسلم عامة الجميع المكلفين، وأفضليته صلى الله تعالى عليه وسلم على جميع المخلوقات مما أجمع عليه المسلمون لقوله صلى الله تعالى عليه وسلم: "أنا أكرم الأولين والآخرين على الله ولا فخر". (الکوکب الأزهر شرح الفقه الأكبر، ص: ۱۲۲)

وفی شرح الفقه الأكبر: والمعتقد المعتمد ان أفضل الخلق نبينا حبيب الحق

کے باوجود حضرت عمرؓ کو بھی بھائی فرمایا ہے (۹۵) اور امت کو بھی بھائی فرمایا ہے جیسا کہ احادیث میں موجود ہے (۹۶)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (فتاویٰ محمودیہ، ج: ۱، ص: ۳۸۶)



وقد ادعى بعضهم الاجماع على ذلك فقد قال ابن عباس رضى الله عنهما أن الله فضل محمداً على أهل السماء وعلى الأنبياء وفي حديث مسلم والترمذى عن أنس رضى الله عنه أنا سيد ولد آدم يوم القيامة ولا فخر. زاد أحمد والترمذى وابن ماجه عن أبى سعيد وبىدى لواء الحمد ولا فخر وما من نبى يومئذ آدم فمن سواه الا تحت لوائى وأن أول من تنشق عنه الارض ولا فخر وأنا أول شافع وأول مشفع وروى الترمذى عن أبى هريرة رضى الله عنه ولفظه أنا أول من تنشق عنه الارض فاكسى حلة من حلل الجنة ثم أقوم عن يمين العرش وليس أحد من الخلائق يقوم ذلك المقام غيرى. (شرح الفقه الأكبر، مسئلة فى تفضيل بعض الأنبياء على بعض، ص: ۱۰۲، ۱۰۳، ط، دار الكتب العربية الكبرى مصر)

(وكذا فى النبراس شرح شرح العقائد، وفضل الأنبياء محمد ﷺ، ص: ۲۸۶)
(وكذا فى السكت والفوائد على شرح العقائد، وفضل الأنبياء سيدنا محمد ﷺ، ص: ۵۷۹، ط، المكتبة العصرية بيروت لبنان)

(۹۵): وعن عمر بن الخطاب رضى الله عنه، قال: استأذنت النبى صلى الله تعالى عليه وسلم فى العمرة فأذن لى، وقال: أشركنا يا أخى! فى دعالك ولا تنسنا. فقال كلمة ما يسرنى أن لى بها الدنيا. رواه أبو داؤد، والترمذى، وانتهت روايته عند قوله: ولا تنسنا. (مشكاة المصابيح، كتاب الدعوات الفصل الثانى، ص: ۱۹۵، قديمى كتب خانہ کراچی)

(۹۶): وعن أبى هريرة رضى الله تعالى عنه، أن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم أتى المقبرة فقال: السلام عليكم دار قوم مؤمنين، وأنا ان شاء الله بكم لاحقون، وددت أنا قد رأينا اخواننا. قالوا: أولسنا اخوانك يا رسول الله؟ قال: أنتم أصحابى، واخواننا الذين لم يأتو بعد. الخ. (مشكاة المصابيح، كتاب الطهارة، الفصل

نبی اکرم ﷺ کو صرف بھائی کا درجہ دینا

﴿ سوال ﴾:

کیا یہ صحیح ہے کہ اگر محنت کریں تو اولیاء اور انبیاء کے درجہ کو پہنچ سکتے ہیں، بعض صاحبان نے تو پیغمبران صاحبان علیہم الصلوٰۃ والسلام کی نسبت لکھا ہے کہ وہ ہمارے بھائی ہیں، اس سے زائد اور کوئی فضیلت نہیں۔ خصوصاً سرکارِ مدینہ ﷺ کی شان میں بھی یہی الفاظ استعمال کرتے ہیں، کیا ایسا کہنا صحیح ہے؟ اگر صحیح ہے تو مولانا فرماتے ہیں:

ہم سری با انبیاء پرداختند
اولیاء را خویشتن پنداشتند

جب انبیاء صاحبان علیہم الصلوٰۃ والسلام کی شان بعید از قیاس ہے تو ان کا مقابلہ کرنے والا گمراہ ہے یا کافر؟ وہ دائرہ اسلام سے خارج ہے یا نہیں؟ بعض حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے حضرت محمد ﷺ کے پر تو عکس سے دوزخ جنت، حور و غلمان، آسمان و زمین اور کل کائنات پیدا کئے گئے ہیں، کوئی نماز یا اوراد بغیر درود شریف کے مقبول نہیں، پھر ان کا مقابلہ کرنا یا مثل ان کے اپنے کو سمجھنا درست ہے؟

﴿ الجواب حامداً ومصلیاً ﴾:

کوئی امتی کسی نبی کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتا، ولایت کے اونچے مقامات پر پہنچا بعید نہیں مگر جو حضرات پہنچتے ہیں وہ دعویٰ نہیں کرتے اور تکبر نہیں کرتے، حضرت نبی اکرم ﷺ کے متعلق یہ عقیدہ رکھنا کہ وہ صرف بھائی کے درجہ میں ہیں، اس سے زیادہ ان کی کوئی فضیلت نہیں یہ غلط ہے، انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی شان میں توہین اور گستاخی کرنا کفر ہے (۹۷)، بلا تحقیق کسی کی طرف کوئی غلط عقیدہ منسوب کرنا درست نہیں، تہمت ہے۔ فقط

الثالث، ص: ۴۰، ط، قدیمی کتب خانہ کراچی)

(۹۷): فی شرح العقیدۃ الطحاوی: قوله: (ولا نفضل أحداً من الأولیاء علی

والله تعالى اعلم (فتاوى محمودية، ج: ١، ص: ٣٨٤)



أحد من الأنبياء، ونقول: نبي واحد أفضل من جميع الأولياء، ونؤمن بما جاء من كراماتهم وصح عن الثقات من رواياتهم)

لا يبلغ ولي قط الى درجات النبي، لأن الولي تابع للنبي، والتابع درجته دون درجة المتبوع، ولأن كل نبي ولي، وليس كل ولي نبياً، ففي النبي اجتمعت النبوة والولاية فيكون أفضل من الولي.

وفيه رد لما يزعمه بعض جهلة الصوفية من ترجيح الولاية على النبوة. ولأن النبي ﷺ قال: والله ما طلعت الشمس ولا غربت على أحد بعد النبيين أفضل من أبي بكر فهذا الحديث يقتضي أن أبا بكر الصديق أفضل من جميع الأولياء الذين ليسوا بأنبياء، فاذا كان الصديق أفضل من الأولياء، فالأنبياء أولى. (شرح العقيدة الامام الطحاوي، بيان أن النبوة أفضل من الولاية والايمان بكرامات الأولياء، ص: ١٥٦، ١٥٧، ط، دار الكرز)

وفي بيان السنة والجماعة: ولا يفضل أحداً من الأولياء رضى الله عنهم على أحد من الانبياء صلوات الله تعالى عليهم ونقول: نبي واحد أفضل من جميع الأولياء لأن الأنبياء معصومون مأمونون عن خوف الخاتمة، مكرمون بالوحي ومشاهدة الملك، ومأمورون بتبليغ الأحكام والارشاد للأنام بعد الاتصاف بكمالات الأولياء. فما نقل عن بعض الكرامية: جواز كون الولي أفضل من النبي كفر وضلال. (بيان السنة والجماعة، بحث: تفضيل الأنبياء على جميع الأولياء والايمان بكرامات الأولياء، ص: ١٣٩، ط، دار الفكر دمشق سورية)

وفي الفتاوى التاتارخانية: من لم يقر ببعض الأنبياء عليهم السلام أو عاب نبيا بشيء أو لم يرض بسنة من سنن المرسلين عليهم السلام فقد كفر. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب أحكام المرتدين، الفصل السابع: فيما يعود الى الأنبياء عليهم السلام، ج: ٧، ص: ٣٠٥، ط، مكتبة زكريا، بديوبند، الهند/ وكذا في مجمع الأنهر في

حضور ﷺ کو اپنا بھائی کہنا کیسا ہے؟

﴿سوال﴾:

عن ابی اھریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اتی المقبرۃ فقال السلام علیکم دار قوم مؤمنین وانا ان شاء اللہ بکم لاحقون وددت انا قد رأینا اخواننا قالوا او لسنّا اخوانک یا رسول اللہ قال: انتم اصحابی و اخواننا الذین لم یأتوا بعد فقالوا: کیف تعرف من لم یأت بعد من امتک یا رسول اللہ فقال ارأیت لو ان رجلاً له خیل غرم حجلۃ بین ظہری خیل دھم بهم الا یعرف خیلہ قالوا: بلی یا رسول اللہ قال: فانھم یأتون غرام حجلین من الوضوء انا فرطھم علی الحوض (مسلم، مشکوٰۃ: ۴۰/۱، مسلم: ۲۲۹/۲، مسند

احمد: ۲۴۵/۱۷، مؤطا مالک: ۷۵/۱ نسائی: ۲۶۲/۱)

سوال کیا مذکورہ بالا حدیث کے پیش نظر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کوئی امتی محبت و عقیدت کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنا بھائی کہہ سکتا ہے؟ کیا نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنا بھائی کہنے والا شخص کافر یا واجب القتل یا کسی بھی اعتبار سے قابل ملامت ہے؟ جبکہ قرآن کریم میں سورۃ شعراء آیت نمبر ۱۰۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵ میں خود اللہ تبارک و تعالیٰ حضرت صالح (۹۸)، حضرت ہود (۹۹)، حضرت

شرح ملتقى الأبحر، کتاب السیر والجهاد، باب المرتد، ج: ۲، ص: ۵۰۶، ط، دار الکتب العلمیۃ بیروت لبنان)

(۹۸): قال اللہ تبارک و تعالیٰ: کذبت ثمود المرسلین. اذ قال لهم اخوهم

صالح الا تتقون. (سورة الشعراء: ۱۴۱، ۱۴۲)

(۹۹): قال اللہ تبارک و تعالیٰ: کذبت عاد المرسلین. اذ قال لهم اخوهم

لوط (۱۰۰)، حضرت نوح علیہم السلام (۱۰۱) کو اپنی اپنی قوموں کا بھائی کہہ رہا ہے۔
برائے کرم قرآن و حدیث کی روشنی میں مدلل و مفصل جواب عنایت فرمائیں۔

﴿ الجواب حامداً ومصلیاً ﴾:

حضور اقدس ﷺ اللہ تعالیٰ کے بہت بڑے اور محبوب رسول ہیں، مخلوقات میں
حضور اقدس ﷺ سے بڑھ کر کسی کا درجہ نہیں ہے (۱۰۲) اور ہمارے خوش قسمتی ہے کہ

ہود الا تتقون. (سورة الشعراء: ۱۲۳، ۱۲۴)

(۱۰۰): قال اللہ تبارک وتعالیٰ: کذبت قوم لوط المرسلین. اذ قال لهم لوط

الا تتقون. (سورة الشعراء: ۱۶۰، ۱۶۱)

(۱۰۱): قال اللہ تبارک وتعالیٰ: کذبت قوم نوح المرسلین. اذ قال لهم

اخوهم نوح الا تتقون. (سورة الشعراء: ۱۰۵، ۱۰۶)

(۱۰۲): فی شرح الفقه الأكبر: والمعتقد المعتمد ان أفضل الخلق نبینا حبیب

الحق وقد ادعی بعضهم الاجماع علی ذلك فقد قال ابن عباس رضی اللہ عنہما أن

اللہ فضل محمدا علی أهل السماء وعلی الانبیاء و فی حدیث مسلم والترمذی عن

أنس رضی اللہ عنہ أنا سید ولد آدم یوم القيامة ولا فخر. زاد أحمد والترمذی وابن

ماجه عن أبی سعید و بیدی لواء الحمد ولا فخر وما من نبی یومئذ آدم فمن سواہ الا

تحت لوائی وأن أول من تنشق عنه الارض ولا فخر وأنا أول شافع وأول مشفع

وروی الترمذی عن أبی هريرة رضی اللہ عنہ ولفظه أنا أول من تنشق عنه الارض

فاکسی حلة من حلل الجنة ثم أقوم عن یمین العرش و لیس أحد من الخلائق یقوم

ذلك المقام غیری. (شرح الفقه الأكبر، مسئلة فی تفضیل بعض الانبیاء علی بعض،

ص: ۱۰۲، ۱۰۳، ط، دار الکتب العربیة الکبریٰ مصر)

(و کذا فی النبراس شرح شرح العقائد، و افضل الانبیاء محمد ﷺ، ص: ۲۸۶)

(و کذا فی النکت والفوائد علی شرح العقائد، افضل الانبیاء سیدنا محمد ﷺ،

ص: ۵۷۹، ط، المكتبة العصرية بیروت لبنان)

آپ ﷺ ہمارے رسول اور ہم آپ ﷺ کے امتی ہیں آپ ﷺ کی جتنی عزت و احترام کی جائے کم ہے آپ ﷺ کی بے ادبی اپنے لئے ہلاکت ہے قرآن پاک میں آپ ﷺ کے ادب اور احترام کرنے کا ہمیں حکم دیا گیا ہے سورۃ احزاب میں اذیت پہنچانے سے (۱۰۳) سورۃ الحجرات میں حضور اقدس ﷺ کے سامنے حضور ﷺ سے زیادہ اونچی آواز سے بولنے سے (۱۰۴) سورۃ نور میں حضور اقدس ﷺ کو عام لوگوں کی طرح مخاطب کرنے سے بھی منع کیا گیا ہے (۱۰۵) لہذا کسی بھی طرح قولاً وفعلاً واعتقاداً حضور اقدس ﷺ کی توہین سے بچنا چاہئے۔

آپ نے سوال میں جو حدیث پاک لکھی ہے وہ حدیث شریف مشکوٰۃ شریف میں ص: ۴۰ پر موطا مالک میں ص: ۱۰ پر مسلم شریف میں ص: ۱۲۷ پر ذکر کی گئی ہے۔ دوسری روایت جو حضرت عمرؓ سے عمرہ میں جاتے وقت ہے اور وہ بھی ترمذی شریف: ۱۹۶/۲ مشکوٰۃ شریف: ۱۹۵/۱ (۱۰۶) پر موجود ہے لیکن اس میں حضور اقدس ﷺ نے امتی کو بھائی کہا

(۱۰۳): قال اللہ تبارک وتعالیٰ: وما کان لکم ان تؤذوا رسول اللہ ولا ان تنکحوا ازواجه من بعدہ ابدًا. ان ذلکم کان عند اللہ عظیمًا. (سورۃ الاحزاب: ۵۳)
(۱۰۴): قال اللہ تبارک وتعالیٰ: یا ایہا الذین آمنوا لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی ولا تجہروا لہ بالقول کجہر بعضکم لبعض ان تحبط اعمالکم وانتم لاتشعرون. (سورۃ الحجرات: ۲)

(۱۰۵): قال اللہ تبارک وتعالیٰ: لاتجعلوا دعاء الرسول بینکم کدعاء بعضکم بعضًا قد یعلم اللہ الذین یتسللون منکم لو اذا فلیحذر الذین یخالفون عن امرہ ان تصیبہم فتنۃ او یتصیبہم عذاب الیم. (سورۃ النور: ۶۳)

(۱۰۶): وعن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ، قال: استأذنت النبی ﷺ فی العمرة فأذن لی، وقال: أشركنا یا أخی! فی دعائک ولا تنسنا. فقال كلمة ما یسرني أن لی بها الدنيا. رواه أبو داؤد، والترمذی، وانتهت روايته عند قوله: ولا تنسنا. (مشکاة المصابیح، کتاب الدعوات الفصل الثانی، ص: ۱۹۵، قدیمی کتب

ہے، امتی نے حضور ﷺ کو بھائی نہیں کہا ہے۔ اس لئے استدلال صحیح نہیں۔ اخوت اور بھائی چارگی مختلف قسم کی ہوتی ہے (۱) نسبی اخوت (۲) ایک اخوت ایمان ہوتی ہے (۳) اخوت قومی (۴) اور اخوت وطنی (۵) اخوت عملی جیسے کہ حاجی بھائی وغیرہ وغیرہ۔

اس لئے اگر کوئی شخص حضور اقدس ﷺ کو بھائی کہتا ہے تو صرف اس لفظ کے کہنے کی وجہ سے کافریا واجب القتل یا گستاخ رسول قرار دینا صحیح نہیں ہے۔ لیکن ہم آپس میں کسی کو بھائی کہتے ہیں تو اس وقت جو مساوات و برابری کا جذبہ ہوتا ہے حضور اقدس ﷺ اپنے درجہ و بزرگی کے اعتبار سے اس سے بہت بلند ہیں لہذا اگر کوئی کہے تو اس کو منع کیا جائے گا، آپ نے حضرت ہود، صالح علیہم السلام کے متعلق جو ذکر کیا ہے وہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا فرمان ہے اور اللہ تعالیٰ ان کو بھائی بتا رہے ہیں۔ اس لئے آئندہ اس قسم کے خطاب سے پرہیز کرنا چاہئے، اور فتنہ کے زمانہ میں فتنوں کو اور ہوا نہیں دینی چاہئے۔ باقی بخاری شریف میں بھی حضرت ابوبکرؓ نے حضور اقدس ﷺ کو انا اخوک کہہ کر اپنے آپ کو بھائی کہہ کر خطاب فرمایا ہے اور اس میں حضور اقدس ﷺ نے منع نہیں فرمایا۔ فقال له ابوبکر انا اخوک فقال انت اخي في دين الله الخ (۲/۶۰)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (فتاویٰ دینیہ، ج: ۱، ص: ۹۸ تا ۱۰۰/ فتاویٰ قاسمیہ، ج: ۲، ص: ۹۳، ۹۴، ط، مکتبہ اشرفیہ دیوبند)



انبیاء علیہم السلام کو ”بڑے بھائی“ کہنے کا مطلب؟

﴿ سوال ﴾:

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ نے انبیاء و اولیاء کو بڑا بھائی کہنے کی جسارت کی ہے، جیسا کہ ذیل کی عبارت سے واضح ہے، ملاحظہ فرمائیں:

”یعنی تمام انسان آپس میں بھائی بھائی ہیں، جو بہت بزرگ ہو وہ بڑا بھائی ہے اس کی بڑے بھائی کی سی تعظیم کرو، باقی سب کا مالک اللہ ہے، عبادت اسی کی کرنی چاہئے، معلوم ہوا کہ جتنے اللہ کے مقرب بندے ہیں خواہ انبیاء ہوں یا اولیاء ہوں وہ سب کے سب اللہ کے بے بس بندے ہیں اور ہمارے بھائی ہیں، مگر حق تعالیٰ نے انہیں بڑائی بخشی تو ہمارے بڑے بھائی کی طرح ہوئے۔“ (تقویۃ الایمان ۷۰، مطبوعہ فیصل پبلی کیشنز دیوبند)

تو انبیاء کو بڑا بھائی کہنا درست ہے یا نہیں؟

﴿ الجواب وبالله التوفیق ﴾:

مذکورہ عبارت ”تقویۃ الایمان“ مطبوعہ عبدالغنی چاندنی چوک دہلی ص: ۹۵ پر موجود ہے، یہ بات حضرت نے مشکوٰۃ شریف کی ایک حدیث کا مطلب بیان کرتے ہوئے لکھی ہے، جس میں یہ مضمون ہے: کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے سرکارِ دو عالم ﷺ سے دریافت کیا: ”یا رسول اللہ جب درخت اور چوپائے آپ کو سجدہ کرتے ہیں تو ہم لوگ آپ کو سجدہ کیوں نہ کریں؟“ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: اُعبدوا ربکم اؤکرموا اُخاکم اپنے رب کی عبادت کرو (یعنی سجدہ صرف اللہ ہی کے لئے کرو) اور اپنے دینی بھائی (یعنی رسول اکرم ﷺ) تعظیم کرو۔ (۱۰۷) (مشکوٰۃ المصابیح ۲۸۲)

(۱۰۷): وعن عائشة ان رسول الله ﷺ كان في نفر من المهاجرين والانصار فجاء بعير فسجد له فقال اصحابه يا رسول الله ﷺ تسجد لك البهائم والشجر فنحن احق ان نسجد لك فقال اعبدوا ربكم واكرموا اُخاکم ولو كنت امرا احدا ان يسجد لاحد لامرت المرأة ان تسجد لزوجها ولو امرها ان تنقل من جبل اصفر الى جبل اسود ومن جبل اسود الى جبل ابيض كان ينبغي لها ان تفعله. رواه احمد. (مشکوٰۃ المصابیح، باب الخلع والطلاق، ص: ۲۸۲، ۲۸۳، ط: قدیمی کتب خانہ)

اب آپ خود ہی فیصلہ فرمالیں کہ مذکورہ عبارت میں آپ ﷺ کو بھائی کیوں کہا گیا ہے؟ دراصل حضرت شاہ صاحب کی عبارت میں حدیث سے ہٹ کر کوئی بات نہیں کہی گئی ہے، بلکہ حدیث ہی کے اتباع میں آپ ﷺ کو بھائی کہا گیا ہے۔

علاوہ ازیں آپ ﷺ کو بھائی کہنا یہ سوء ادبی بھی نہیں ہے، اس لئے کہ قرآن کریم میں ہر نبی کو اپنی امت کا بھائی قرار دیا گیا ہے، ارشاد ربانی ہے۔

﴿وَالِی عَادِ أَخَاهُمْ هُودًا﴾ [ہود: ۵۰]

﴿وَالِی مَدَیْنِ أَخَاهُمْ شُعَیْبًا﴾ [ہود: ۸۴]

﴿وَالِی ثَمُوْدَ أَخَاهُمْ صَالِحًا﴾ [ہود: ۶۱]

﴿وَإِخْوَانُ لُّوطٍ﴾ [ق: ۱۳]

اسی طرح قرآن میں ہر مومن کو بھائی کہا گیا ہے: ﴿انما المؤمنون اخوة﴾۔

[الحجرات: ۱۰]

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو آپ ﷺ نے اپنا بھائی فرمایا ہے، بخاری کی حدیث ہے:

عن ابن عباس رضی اللہ عنہما عن النبی ﷺ قال: لو

كنت متخذًا من أمتی خلیلاً لاتخذت أبا بكر، ولكن أخی

وصاحبی. (صحیح البخاری ۵۱۶/۱، رقم: ۳۵۲۷)

اور سیدنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھی آپ ﷺ نے بھائی فرمایا ہے، ترمذی شریف میں ہے:

عن عمر رضی اللہ عنہ أنه استأذن النبی ﷺ فی

العمرة، فقال: أی أخی أشركنا فی دعائک ولا تنسنا. (سنن

الترمذی ۱۹۶/۲)

اسی طرح بعد میں آنے والے تمام لوگوں کو آپ ﷺ نے بھائی فرمایا ہے:
 وددت أنا قدر أينا اخواننا، قالوا: أولسنا اخوانك يا
 رسول الله! قال: أنتم أصحابي و اخواننا الذين لم يأتوا بعد.
 (صحیح مسلم ۱۲۷/۱، سنن النسائی ۱۹/۱، سنن ابن ماجہ
 ۳۱۹)

ان تمام آیات و احادیث سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کو بھی ایک
 دوسرے انسان کا بھائی قرار دینا قرآن و حدیث کے عین مطابق ہے۔ (مستفاد: تائید محمدی
 ضمیمہ تقویۃ الایمان ۱۰۸)

البتہ تاج دار مدینہ، سرکارِ دو عالم اور آقائے نام دار حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے متعلق
 یہ عقیدہ رکھنا کہ آپ صرف بھائی کے درجہ میں ہی ہیں، ان سے زیادہ آپ کی کوئی اور فضیلت
 نہیں ہے، تو یہ نہ صرف یہ کہ غلط ہے، بلکہ نبی اکرم ﷺ کی شان میں گستاخی ہے۔ (مستفاد:
 فتاویٰ محمودیہ ڈابھیل ۳۸۸/۱)

اور شاہ اسماعیل شہیدؒ کی عبارت سے اس کا اشارہ بھی نہیں ملتا ہے، بلکہ اس کے بر
 خلاف وہ اسی عبارت سے متصل لکھتے ہیں:
 ”ہم کو ان کی فرماں برداری کا حکم ہے۔“

اور اسی کتاب کے ص: نمبر ۳ پر رسول اللہ ﷺ کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:
 ”اس نے بے خبروں کو خبردار کیا اور ناپاکوں کو پاک کیا اور جاہلوں
 کو عالم اور احمقوں کو عقل مند اور راہ بھٹکے ہوؤں کو سیدھی راہ پر چلایا۔“

لہذا مذکورہ عبارت (جو سوال میں ہے) سے حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ کی طرف یہ
 نسبت کرنا کہ انہوں نے نبی اکرم ﷺ کا مرتبہ گھٹا دیا ہے، محض الزام اور بہتان نیز حقیقت
 کے بالکل خلاف ہے، وہ تو مسند الہند حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے صحیح وارث تھے،
 اور انہوں نے اپنی پوری زندگی اسلام کو فروغ دینے میں صرف کردی حتیٰ کہ اسی راہ میں اپنی

جان قربان کردی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (کتاب النوازل، ج: ۱، ص: ۲۷۰ تا ۲۷۳، ط، المرکز العلمی للنشر والتحقیق لال باغ مراد آباد الہند)



تمام امت مسلمہ کو حضور ﷺ کے برابر سمجھنا

﴿سوال﴾:

ایک شخص جو کہ اپنے کو اور تمام امت مسلمہ کو حضور اکرم ﷺ کے برابر سمجھتا ہے کہتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے برابر تو سبھی لوگ ہو سکتے ہیں اور پیشاب کرنے کے بعد صرف پانی سے طہارت کر لیتا ہے تو ایسے شخص کو امام بنانا کیسا ہے؟

﴿الجواب حامداً ومصلیاً﴾:

اگر وہ نفس مخلوق خدا اور بشر ہونے میں برابر سمجھتا ہے تو یہ عقیدہ درست ہے اور قرآن پاک حدیث پاک سے ثابت ہے (۱۰۸)، اگر وہ درجہ قرب و فضیلت میں برابر سمجھتا ہے تو

(۱۰۸): قال اللہ تبارک وتعالیٰ: قل انما انا بشر مثلکم یوحی الی انما الہکم

الہ واحد فاستقیموا الیہ واستغفروہ وویل للمشرکین۔ (سورۃ حم السجدۃ: ۶)

وقال تعالیٰ: قل انما انا بشر مثلکم یوحی الی الخ (سورۃ الکہف: ۱۱۰)

وقال تعالیٰ: قل سبحان ربی ہل کنت الا بشرا رسولاً۔ (سورۃ بنی اسرائیل:

(۹۳)

عن أنس بن مالک قال: كانت أم سلیم یتیمۃ، وہی أم أنس، فرأی

رسول اللہ ﷺ الیتیمۃ فقال: انت ہیۃ؟ لقد کبرت، لا کبر سنک فرجعت الیتیمۃ

الی أم سلیم تبکی، فقالت أم سلیم: ما لک؟ یا بنیۃ قالت الجاریۃ: دعا علی نبی

اللہ ﷺ أن لا یکبر سنی، فالآن لا یکبر سنی أبداً، أو قالت قرنی، فرجعت ام سلیم

مستعجلۃ تلوث خمارها، حتی لقی رسول اللہ ﷺ. فقال لها رسول ما لک؟ یا أم

سلیم! قالت: یا نبی اللہ! أدعوت علی یتیمتی؟ قال: وما ذاک؟ یا ام سلیم! قالت:

اس کو توبہ لازم ہے، پیغمبر کے برابر کوئی امتی نہیں ہو سکتا (۱۰۹) اور حضرت نبی اکرم ﷺ

زعمت أنك دعوت أن لا يكبر سنّها ولا يكبر قرنّها، قال: فضحك رسول الله ﷺ، ثم قال: يا أم سليم! أما تعلمين أن شرطى على ربى، أنى اشترطت على ربى فقلت: انما انا بشر، أرضى كما يرضى البشر، وأغضب كما يغضب البشر، فأیما أحد دعوت علیه، من أمتى، بدعوة، ليس لها بأهل، أن تجعلها له طهوراً وزكاة وقربة تقر به بها يوم القيامة. (صحيح مسلم، كتاب البر والصلة، باب من لعنه النبي ﷺ أو سبه أو دعا عيه، وليس هو أهلاً لذلك، كان له زكاة وأجر ورحمة، ص: ۱۱۳۶، رقم: ۶۶۲۷، ط، دار السلام رياض)

عن علقمة قال: قال عبد الله: صلى رسول الله ﷺ - قال ابراهيم: زاد أو نقص - فلما سلم قيل له: يا رسول الله! أحدث في الصلاة شيء؟ قال: وما ذاك؟ قالوا: صليت كذا وكذا، قال فثنى رجله، واستقبل القبلة، فسجد سجدتين، ثم سلم، ثم أقبل علينا بوجهه فقال: انه لو حدث في الصلاة شيء أنباتكم به، ولكن انما أنا بشر أنسى كما تنسون، فاذا نسيت فذكروني، واذا شك أحدكم في صلاته فليتحرر الصواب، فليتم عليه، ثم يسجد سجدتين. (صحيح مسلم، كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب السهو في الصلاة والسجود له، ص: ۲۳۰، رقم: ۱۲۷۴، ط، دار السلام رياض)

وعن عائشة قالت كان رسول الله ﷺ يخصف نعله ويخيط ثوبه ويعمل في بيته كما يعمل أحدكم في بيته وقالت كان بشراً من البشر يفلى ثوبه ويحلب شاته ويخدم نفسه. رواه الترمذی. (مشكاة المصابيح، باب في اخلاقه وشمائله، ص: ۵۲۰، ط، قديمی کتب خانہ کراچی)

(۱۰۹): فی بیان السنة والجماعة: ولا نفضل أحداً من الأولياء رضى الله عنهم على أحد من الانبياء صلوات الله تعالى عليهم ونقول: نبى واحد أفضل من جميع الأولياء لأن الأنبياء معصومون مأمونون عن خوف الخاتمة، مكرمون بالوحي ومشاهدة الملك، ومأمورون بتبليغ الأحكام والارشاد للأنام بعد الاتصاف

کے برابر تو کوئی پیغمبر بھی نہیں ہو سکتا (۱۱۰)، چہ جائیکہ کوئی امتی برابر کا دعویٰ کرے

بکمالات الأولياء. فما نقل عن بعض الكرامية: جواز كون الولي أفضل من النبي كفر وضلال. (بيان السنة والجماعة، بحث: تفضيل الأنبياء على جميع الأولياء والایمان بکرامات الأولياء، ص: ۱۳۹، ط، دار الفكر دمشق سوریه)

وفی شرح الفقه الأكبر: ومنها أن الولی لا يبلغ درجة النبی لان الأنبياء عليهم السلام معصومون مأمونون عن خوف الخاتمة مکرمون بالوحي حتى فی المنام وبمشاهدة الملائكة الکرام مأمورون بتبليغ الاحکام وارشاد الانام بعد الاتصاف بکمالات الاولياء العظام فما نقل عن بعض الكرامية من جواز كون الولی أفضل من النبی كفر وضلالة والخاد وجهالة. (شرح الفقه الأكبر، مسئلة فی أن الولی لا يبلغ درجة النبی، ص: ۱۱۰، ط، دار الكتب العربية الكبرى مصر)

(۱۱۰): فی شرح الفقه الأكبر: فمنها تفضيل بعض الانبياء على بعضهم وهو قطعی بحسب الحکم الاجمالی حیث قال اللہ تعالیٰ تلک الرسل فضلنا بعضهم على بعض وقال اللہ تعالیٰ ولقد فضلنا بعض النبیین على بعض اى بمزید العلم اللدنى لا بوفور المال الدنى وأما بحسب الحکم التفصیلى فالامر ظنى والمعتقد المعتمد ان أفضل الخلق نبینا حبیب الحق وقد ادعى بعضهم الاجماع على ذلك فقد قال ابن عباس رضى اللہ عنهما أن اللہ فضل محمدا على أهل السماء وعلى الانبياء وفى حدیث مسلم والترمذی عن انس رضى اللہ عنه أنا سيد ولد آدم يوم القيامة ولا فخر. زاد أحمد والترمذی وابن ماجه عن أبی سعيد وبيدى لواء الحمد ولا فخر وما من نبى يومئذ آدم فمن سواه الا تحت لوائى وأن أول من تنشق عنه الارض ولا فخر وأنا أول شافع وأول مشفع وروى الترمذی عن أبی هريرة رضى اللہ عنه ولفظه أنا أول من تنشق عنه الارض فاكسى حلة من حلل الجنة ثم أقوم عن يمين العرش وليس أحد من الخلائق يقوم ذلك المقام غيرى. (شرح الفقه الأكبر، مسئلة فی تفضيل بعض الانبياء على بعض، ص: ۱۰۲، ۱۰۳، ط، دار الكتب العربية الكبرى مصر)

(استغفر اللہ)۔ اگر کوئی شخص ایسا عقیدہ رکھتا ہے تو وہ ہرگز ہرگز امامت کے لائق نہیں (۱۱۱)۔

جو شخص پیشاب کے بعد ڈھیلے وغیرہ سے استنجاء نہیں کرتا بلکہ فوراً پانی سے دھو لیتا ہے تو ظن غالب یہ ہے کہ اس کا کپڑا ناپاک رہتا ہے، آج کل ڈاکٹروں اور طبیبیوں کا تجربہ یہ ہے کہ پیشاب کے بعد عامۃً قطرہ ضرور آتا ہے اس لئے ایسے شخص کو امام نہ بنایا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (فتاویٰ محمودیہ، ج: ۱، ص: ۳۸۹، ۳۹۰)



(۱۱۱): فی شرح العقائد: وتجوز الصلاة خلف كل بر وفاجر، لقوله عليه السلام: صلوا كل بر وفاجر. ولأن علماء الأمة كانوا يصلون خلف الفسقة، وأهل الهواء، والبدع، من غير نكير. وما نقل عن بعض السلف من المنع عن الصلاة خلف البدع فمحمول على الكراهة، اذ لا كلام في كراهة الصلاة خلف الفاسق والمبتدع. هذا اذا لم يؤد الفسق أو البدعة الى حد الكفر، أما اذا أدى اليه فلا كلام في عدم جواز الصلاة خلفه. (شرح العقائد النسفية، الكلام في العقائد المتفرقة، ص: ۳۶۹، ط، مكتبة البشرى كراتشي)

وفی نورالایضاح: وكره امامة العبد.... والفاسق، والمبتدع.

وفی امداد الفتاح تحته: والمراد المبتدع الذي لا تكفره بدعته فان كفر بها لاتصح امامته كما قدمناه. (امداد الفتاح شرح نورالایضاح ونجاة الارواح، كتاب الصلاة، فصل فی الأحق بالامامة، وترتيب الصفوف، ص: ۳۴۲، ۳۴۳، ط، مكتبة رشيدية كوئٹہ)

وفی ملتقى الأبحر: ويكره امامة العبد والأعرابي والأعمى والفاسق والمبتدع.

وفی مجمع الأنهر تحته: (والمبتدع) أى صاحب هوى لا يكفر به صاحبه حتى اذا كفر أنه لم تجز أصلاً. (مجمع الأنهر فى شرح ملتقى الأبحر، كتاب الصلاة، ج: ۱، ص: ۱۶۲، ۱۶۳، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان/ رد المحتار على الدر

امتیوں کو بھائی کہنے والی روایت بیان کرنے والے کو گستاخ رسول کہنا؟

﴿ سوال ﴾:

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے یہاں شہر احمد آباد میں ایک عالم دین نے عوام کے درمیان اپنے ایک خطاب میں یہ فرمایا کہ: نبی کریم ﷺ نے امتیوں کو اپنا بھائی قرار دیا ہے، جن کے الفاظ حسب ذیل ہیں:

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن حضور ﷺ مرحومین کو ایصالِ ثواب کرنے اور دعا مغفرت کے خاطر قبرستان میں تشریف لائے اور فرمایا: تم پر سلام ہواے مومنین کی جماعت! ان شاء اللہ ہم بھی تم سے ملنے والے ہیں، میں اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ کاش اپنے بھائیوں یعنی قیامت تک آنے والے امتیوں کو دیکھ لیتا! حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہم آپ کے بھائی نہیں ہیں؟ آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ: ”تم میرے صحابی ہو اور میرے بھائی وہ ہیں جو ابھی تک نہیں آئے۔“

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ عمرہ کے لئے روانہ ہونے لگے، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ: ”اے میرے چھوٹے بھائی ہم کو اپنی دعا میں شریک کرنا اور فراموش نہ کرنا۔“ مذکورہ بالا الفاظ کی بنا پر کچھ لوگوں نے ان عالم صاحب کو گستاخ رسول قرار دیا ہے، تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا حضور ﷺ کا خود کو اپنی امت کا بھائی کہنا حدیث سے ثابت ہے؟ اور کیا بھائی قرار دینے کی وجہ سے عالم مذکور کو گستاخ رسول اور نبی کریم ﷺ کی شان

میں توہین کرنے والا قرار دیا جاسکتا ہے؟ مذکورہ سوالات کے جوابات مفصل اور مدلل عنایت فرما کہ عند اللہ ماجور ہوں۔

﴿الجواب وبالله التوفیق﴾:

مذکورہ عالم صاحب نے اپنے بیان میں جو دو روایتیں پیش کی ہیں وہ صحیح سند سے ثابت ہیں، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت جس میں آپ نے قیامت تک آنے والے امتیوں کو ”بھائیوں“ سے تعبیر فرمایا ہے، یہ حدیث شریف مسلم شریف وغیرہ میں موجود ہے۔ اسی طرح سیدنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو چھوٹا بھائی قرار دینے کی روایت صحیح سند سے متعدد کتب حدیث میں موجود ہے، اس لئے ان صحیح روایات کو بیان کرنے کی وجہ سے مذکورہ عالم دین کو گستاخ رسول قرار دینا اپنی کم علمی کی دلیل ہے۔

لیکن یہاں یہ واضح رہنا چاہئے کہ اس سے حقیقی بھائی نہیں، بلکہ دینی بھائی ہونا مراد ہے، اور یہ ظاہر ہے کہ اخوت دینی کہ اعتبار سے تمام مسلمان اہل ایمان اولین و آخرین سب ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔

خود قرآن پاک میں ارشاد ہے: ﴿انما المومنون اخوة﴾ اور ایک روایت میں نبی اکرم ﷺ نے اپنے جاں نثار یار غار خلیفہ اول سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو واضح طور پر ”أخی فی الدین“ (دینی بھائی) قرار دیا ہے، لہذا اس طرح کی اخوت پر کوئی اعتراض یا اشکال نہیں ہونا چاہئے۔

عن أبی ہریرۃ رضی اللہ عنہ أن رسول اللہ ﷺ

خرج الی المقبرة فقال: السلام علیکم دار قوم مؤمنین، وانا

ان شاء اللہ بکم لاحقون، وودت انی قد رأیت اخواننا، قالوا:

یا رسول اللہ ألسنا اخوانک؟ قال: أنتم أصحابی، و اخوانی

الذین لم یاتو بعد و أنا فرطهم علی الحوض. (سنن النسائی

ان عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ استأذن النبی ﷺ
 فی عمرۃ، فأذن له، وقال: یا أخی أشركنا فی دعائك ولا
 تنسأنا فی دعائك. (سنن أبی داؤد ۲۱۰/۱، سنن ابن ماجہ
 ۲۰۸، شعب الایمان ۱۵۰۲/۶)
 قال رسول اللہ ﷺ: المسلم أخو المسلم. (مسند
 أحمد ۹/۲، صحیح البخاری ۳۳۰/۱، سنن الترمذی ۲۶۳/۱)
 قال ﷺ: لو كنت متخذاً من هذه الأمة خلیلاً دون
 ربی عزوجل لاتخذت ابن أبی قحافة، أخی فی الدین،
 وصاحبی فی الغار. (مسند أحمد ۴/۴، سنن الترمذی
 ۲۰۷/۲) فقط واللہ تعالی اعلم (کتاب النوازل، ج: ۱، ص:
 ۲۷۳ تا ۲۷۵، ط، المركز العلمی للنشر والتحقیق لال باغ مراد
 آباد الہند)



آنحضرت ﷺ کے خدا کی طرف سے ہونے کا ثبوت

﴿سوال﴾:

آنحضرت ﷺ کے خدا کی طرف سے سچا پیغمبر ہونے کا کیا ثبوت ہے؟

﴿جواب﴾:

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کبھی مخلوق کی طرف سے کوئی بات
 نقل کرتے ہوئے بھی جھوٹ نہیں بولا، بلکہ ساری زندگی جو بات کہی، سچ کہی۔ بھلا ایسا شخص
 خدا کا نام لے کر کیسے جھوٹ بول سکتا ہے (۱۱۲)؟... (آپ کے مسائل اور ان کا حل، ج: ۱،

ص: ۱، ط، مکتبہ لدھیانوی کراچی)



کیا شیطان کا علم حضور ﷺ کے علم سے زیادہ ہے؟

﴿ سوال ﴾:

زید کہتا ہے کہ شیطان کا علم زیادہ ہے حضور اکرم ﷺ کے علم سے اور بکر کہتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کا علم زیادہ ہے، ان دونوں میں سے کس کا قول صحیح ہے؟

﴿ الجواب حامداً ومصلیاً ﴾:

شیطان ملعون کی کیا حیثیت ہے کہ اس کے علم کو زیادہ کہا جائے جب کہ حضرت رسول مقبول ﷺ کے علوم کی وہ شان ہے کہ سید الاولین والآخرین امام الانبیاء والمرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خالق کائنات جل شانہ نے شان نبوت کے لائق اپنی ذات و صفات اور امور اخروی سے متعلق اتنے علوم عطا فرمائے کہ دیگر تمام انبیاء و ملائکہ اور تمام جن و بشر کے علوم کی حیثیت ان کے سامنے ایسی ہے جیسے بحرنا پیدا کنار کے سامنے ایک قطرہ کی ہوتی ہے اور یہ حق تعالیٰ کے عطا فرمانے سے ہے (۱۱۳)۔ حق تعالیٰ کا عم ذاتی ہے اور اس کے علم کے سامنے

کنتم تتهمونه بالكذب قبل أن يقول ما قال؟“ (قال ابو سفيان) ”قلت: لا“.... (قال هرقل لأبي سفيان) ”سألتك: هل كنتم تتهمونه بالكذب قبل أن يقول ما قال؟ فذكرت أن لا، فقد أعرف أنه لم يكن ليذر الكذب على الناس ويكذب على الله... الخ. (صحيح البخاري، كتاب بدء الوحي، باب بلا ترجمة، ص: ۳، ۴، رقم: ۷،

دار السلام رياض)

(۱۱۳): فی الفتح: لأن قوله ﷺ ”أنا أعلمكم بالله“ ظاهر في أن العلم بالله درجات، وأن بعض الناس فيه أفضل من بعض، وأن النبي ﷺ منه في أعلى الدرجات والعلم بالله يتناول ما بصفاته وما بأحكامه وما يتعلق بذلك. (فتح الباری بشرح صحيح البخاری، کتاب الایمان، باب قول النبی ﷺ: أنا أعلمكم بالله الخ، ج: ۱، ص: ۱۱۳)

تمام مخلوقات کے علوم ایک قطرہ کی حیثیت بھی نہیں رکھتے (۱۱۴)، کیونکہ حق تعالیٰ کا علم غیر

(۸۹)

وفي منحة الملك الجليل: فقلوه: "أعلم بالله أنا"، يعنى أن الرسول أعلم الناس بالله، وغيره أقل علما بالله منه. (منحة الملك الجليل شرح صحيح محمد بن اسماعيل، كتاب الايمان، باب قول النبي ﷺ: أنا أعلمكم بالله، ج: ۱، ص: ۱۰۹، ط، دار التوحيد)

وفي المهند على المفند: نقول باللسان ونعتقد بالجنان ان سيدنا رسول الله ﷺ اعلم الخلق قاطبة بالعلوم المتعلقة بالذات والصفات والتشريعات من الاحكام العملية والحكم النظرية والحقائق الحققة والاسرار الخفية وغيرها من العلوم ما لم يصل الى سرادقات ساحته احد من الخلائق لاملك مقرب ولانبي مرسل ولقد اعطى علم الاولين والاخرين وكان فضل الله عليه عظيما. (المهند على المفند، ص: ۴۵، ط، الميزان ناشرون وتاجرون كتب لاهور)

(وكذا في امداد الفتاوى، كتاب العقائد والكلام، ج: ۱۲، ص: ۵۴۸، ط، زكريا بك دپو الهند/ ج: ۶، ص: ۳۱۲، ط، مكتبة دار العلوم كراچی)

(وكذا في منحة الباری بشرح صحيح البخاری، كتاب الايمان، باب قول النبي ﷺ: أنا أعلمكم بالله، ج: ۱، ص: ۱۶۳، ط، مكتبة الرشد)

(وكذا في منار القاری شرح مختصر صحيح البخاری، كتاب الايمان، باب قول النبي ﷺ: أنا أعلمكم بالله، ج: ۱، ص: ۱۰۲، ط، مكتبة دار البيان دمشق و مكتبة المؤيد المملكة العربية السعودية)

(۱۱۴): عن النبي ﷺ قال: قام موسى النبي عليه السلام خطيبا في بني اسرائيل، فسئل أى الناس أعلم؟ فقال: أنا أعلم، فعتب الله عليه، اذ لم يرد العلم اليه، فأوحى الله اليه أن عبداً من عبادى بمجمع البحرين هو أعلم منك، قال: رب، وكيف لى به؟ ف قيل له: احمل حوتا فى مكثل فاذا ففدته فهو ثم، فانطلق وانطلق بفتاه يوشع بن نون وحمل حوتا..... فانطلقا يمشيان على ساحل البحر، ليس لهما

متناہی ہے، اور سب کے علوم کثرت کے باوجود متناہی ہیں، حضرات اکابر دیوبند کا یہی مسلک ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ، ج: ۱، ص: ۳۷۵)



حضور ﷺ کا خود کو گرانے کا عزم اور اس کی تحقیق

﴿ سوال ﴾:

کیا آنحضرت ﷺ سے کوئی ایسی روایت ثابت ہے جس کا مضمون یوں ہو کہ ”میرا دل چاہتا ہے کہ اپنے آپ کو پہاڑ کی چوٹی سے گرا دوں۔“ اگر یہ روایت آپ سے ثابت ہو تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ حضور ﷺ نے یہ ارادہ کب کیا تھا اور یہ کیسے ہوا؟ جبکہ خود کشتی شریعت میں حرام ہے۔

﴿ الجواب ﴾:

یہ روایت بعض کتب حدیث میں موجود ہے، اور یہ واقعہ فترۃ الوحی کے زمانے میں پیش آیا تھا، اس روایت کو علامہ قسطلانی نے امام زہریؒ سے یوں نقل کیا ہے:-

وفتر الوحی فترة حتى حزن رسول الله ﷺ زاده فی
التعبير من طريق معمر عن الزهري فيما بلغنا حزنا غدا منه
مرارا كي يتردى من رؤس شواهد الجبال فكلما اوفى بذروة
جبل لكي يلقي نفسه تبدى له جبريل فقال يا محمد انك

سفينة فمرت بهما سفينة، فكلموهم أن يحملوهما فعرف الخضر فحملوهما بغير نول، فجاء عصفور فوق على حرف السفينة فنقر نقرة أو نقرتين في البحر، فقال الخضر: يا موسى ما نقص علمي وعلمك من علم الله الا كنقرة هذا العصفور في البحر... الخ. (صحيح البخاري، كتاب العلم، باب ما يستحب للعالم اذا سئل: أي الناس أعلم؟ فيكل العلم الى الله، ص: ۳۱، ۳۲، رقم: ۱۲۲، ط، دار السلام رياض)

رسول اللہ حق فیسکن لذلك جاشه وتقر نفسه فيرجع واما ارادته عليه السلام القا نفسه من رؤس شواهن الجبال فخرنا على مافاتہ من الامر الذي بشر به ورقة. (ارشاد الساری ج ۸ ص ۴۲۷ سورة اقراء باسم ربك الذي خلق - صحيح ابن حبان ج ۱ ص ۱۲۰ - البداية ج ۳ ص ۴ باب كيف بدأ الوحي)

اور اس سے خودکشی ثابت نہیں ہوتی بلکہ یہ تو عشق و محبت مع اللہ کا درجہ ہے، جیسے کہ ایک شخص کے دل میں تڑپ ہو کہ اللہ کی راہ میں قربان ہو جائے اور پھر جہاد کو چلے اور کفار کے ساتھ مقابلہ کرتے ہوئے آخر شہید ہو جائے تو اس کو خودکشی نہیں کہا جاتا جو باعث عتاب ہو بلکہ یہ باعث اجر ہوتی ہے، یا یہ ابتدائی وقت تھا جب خودکشی سے ممانعت نہیں ہوئی تھی۔ اور قاضی عیاضؒ نے اس وقت پر حمل کیا ہے جب حضور ﷺ نے توحید کی دعوت پیش کی تو کفار نے اسے جھٹلایا اور انکار کر بیٹھے جس پر حضور ﷺ نہایت غمگین ہوئے۔ چنانچہ ”فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلَى آثَارِهِمْ إِنْ لَمْ يُؤْمِنُوا بِهَذَا الْحَدِيثِ أَسَفًا“۔ (سورة الكهف آیت ص ۶) میں بھی اس کی طرف اشارہ ہے۔

لما قال القسطلانی: وحمله القاضي عياض على انه لما اخرجہ من تكذيب من بلغه كقوله تعالى: فعلك باخع..... الخ ولم يرد بعد شرع عن ذلك فيعترض به. (ارشاد الساری ض ۸ ص ۴۲۷ سورة اقرأ باسم ربك الذي خلق) (فتاویٰ حقانیہ، ج: ۲، ص: ۱۹۹، ۲۰۰، ط، مکتبہ سید احمد شہید اکوڑہ خٹک/فتاویٰ محمودیہ، ج: ۱، ص: ۳۸۳،



کیا حضور ﷺ اللہ تعالیٰ کے مجبور محض اور محتاج بندے ہیں؟

﴿ سوال ﴾:

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے مجبور محض اور محتاج بندے ہیں یا نہیں؟

﴿ الجواب ﴾:

حضرت سید الکونین ﷺ اللہ تبارک و تعالیٰ کے پیدا کردہ مقبول ترین اور سچے رسول ہیں، تمام انبیاء کے سردار ہیں (۱۱۵)، اللہ کے دربار میں آپ ﷺ مجبور اور محتاج ہیں، اللہ کے حکم کے تابع ہیں اور آپ ﷺ اللہ کی مرضی کے خلاف کوئی عمل نہیں کرتے تھے، ہمیشہ اللہ کو خوش کرنے کی کوشش فرماتے تھے۔

قُلْ لَا أَمْلِكُ لِنَفْسِي نَفْعًا وَلَا ضَرًّا إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ وَلَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ الْغَيْبَ لَا سْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوءُ إِنْ أَنَا إِلَّا نَذِيرٌ وَبَشِيرٌ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ. [الأعراف: ۱۸۸]
إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ.

[قصص: ۵۶]

قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ إِنَّمَا إِلَهُكُمُ اللَّهُ وَاحِدٌ. [الكهف: ۱۱۰]

(۱۱۵): عن أبي سعيد، قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: أنا سيد ولد آدم يوم القيامة ولا فخر، وبإيدي لواء الحمد ولا فخر. وما من نبي يومئذ آدم فمن سواه الا تحت لوائي، وأنا أول من تنشق عنه الأرض ولا فخر. (مشكاة المصابيح، كتاب الفضائل والشمائل، باب فضل سيد المرسلين، الفصل الثاني، ص:

عن ابن عباسؓ سمع عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یقول
 علی المنبر: سمعت النبی ﷺ یقول: لا تطرونی كما أطرت
 النصارى ابن مریم، فانما أنا عبده، فقولوا: عبد اللہ ورسوله.
 [صحیح البخاری، کتاب الأنبیاء، باب قول اللہ: ”واذکر فی
 الکتاب مریم“، النسخة الهندیة ۱/ ۴۹۰، رقم: ۳۳۲۹، ف:
 ۳۴۴۵، مسند البزار، مکتبه العلوم والحکم ۱/ ۲۹۹، رقم:
 ۱۹۴] فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم (فتاویٰ قاسمیہ، ج: ۲،
 ص: ۹۰، ط، مکتبه اشرفیہ دیوبند)



کیا حضرت یوسف علیہ السلام آنحضرت ﷺ سے زیادہ سخی تھے؟

﴿ سوال ﴾:

ایک شخص کہتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام آنحضرت ﷺ سے سخاوت میں
 زیادہ تھے، یہ صحیح ہے یا غلط؟

﴿ الجواب ﴾:

یہ کہنا اس شخص کا کہ حضرت یوسف علیہ السلام آنحضرت ﷺ سے سخاوت میں زیادہ
 تھے غلط ہے، آپ ﷺ نے فرمایا ہے: أنا أجود الناس الحديث. کہ میں سب بنی آدم
 میں سے سخی تر ہوں (۱۱۶)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، ج: ۱۸، ص:
 ۲۳۰، ۲۳۱، ط، مکتبه دارالعلوم دیوبند)



(۱۱۶): عن ابن عباسؓ قال: کان رسول اللہ ﷺ أجود الناس، وکان أجود ما
 یکون فی رمضان حین یلقاه جبریل، وکان یلقاه فی کل لیلۃ من رمضان فیدارسه

حضور اکرم ﷺ کی تمام دنیا کے لئے بعثت

﴿ سوال ﴾:

رسول اکرم ﷺ ساتویں صدی عیسوی میں ساری دنیا کے لئے مبعوث ہوئے تھے، ”ساری دنیا میں“ براعظم امریکا بھی شامل ہے مگر وہاں تک اسلام کی دعوت خود رسول اللہ ﷺ صحابہ کرم رضی اللہ عنہم بلکہ تابعین، تبع تابعین، اور اس کے بہت عرصہ بعد تک صوفیائے کرام کے ذریعہ بھی نہیں پہنچی، تا آنکہ پندرہویں صدی میں امریکا دریافت ہوا، ساتویں صدی عیسوی سے پندرہویں صدی عیسوی تک آٹھ سو سال امریکا مکمل جہالت کی تاریکی میں ڈوبا رہا۔

امریکا کے قدیم باشندے، جنہیں ریڈ انڈین کا نام دیا گیا، وہ مظاہر پرست ہی رہے، وہ حضرت نوح علیہ السلام کے کسی بیٹے کی اولاد ہیں؟ جیسا کہ ایشیائی اقوام کو سام کی، افریقی اقوام کو حام کی اور یورپی اقوام کو یافث کی اولاد تسلیم کیا گیا ہے۔

حضرت عقبہ بن نافعؓ نے جس وقت ”بحر ظلمات“ میں گھوڑا ڈال دیا اور زمین ختم ہو جانے پر حسرت کا اظہار کیا تھا، اس وقت بھی وہاں سے بہت دور امریکا کی سرزمین موجود تھی۔ سوال یہ ہے کہ حضور ﷺ کی نظر اور صحابہ کرامؓ اور صوفیائے عظام کی بصیرت سے امریکا کیسے بچا رہا؟

القرآن، فلرسول اللہ أجود بالخير من الريح المرسلة. (صحيح البخارى، كتاب بدء الوحي، باب بلا ترجمة، ص: ۳، رقم: ۶، ط، دار السلام رياض)

وعن أنس بن مالك قال: قال رسول الله ﷺ: هل تدرون من أجود جوداً؟ قالوا: الله ورسوله أعلم. قال: الله أجود جوداً، ثم أنا أجود بنى آدم، وأجودهم من بعدى رجل علم علماً فنشره، يأتى يوم القيامة أميراً وحده، أو قال: أمة واحدة. (مشكاة المصابيح، كتاب العلم، الفصل الثالث، ص: ۳۶، ۳۷، ط، قديمى كتب خانہ کراچی)

﴿ الجواب ﴾:

جب معلوم دنیا میں امریکا کا وجود ہی کسی کو معلوم نہ تھا تو وہاں دعوت پہنچانے کا بھی کوئی مکلف نہیں تھا، اور جب امریکا دریافت ہوا وہاں دعوت بھی پہنچ گئی، جن امور کا آدمی مکلف ہے اور جس پر اس سے قیامت کے دن باز پرس ہوگی، آدمی کو ان امور میں غور کرنا چاہئے، اور جن امور کا وہ مکلف ہی نہیں ان میں غور فکر لایعنی اور بے مقصد ہے، جس کا کوئی نتیجہ نہیں۔ واللہ اعلم (آپ کے مسائل اور ان کا حل، ج: ۱، ص: ۷۱، ۷۲، ط، مکتبہ لدھیانوی کراچی)



کیا حضور ﷺ پر زکوٰۃ فرض نہیں تھی؟

﴿ سوال ﴾:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: فرضیت زکوٰۃ کے لئے جو نصاب شریعت میں متعین ہے، کیا وہ نصاب اگر نبی اکرم ﷺ کو حاصل ہوتا تو آپ ﷺ پر زکوٰۃ فرض نہ ہوتی؟ گزارش ہے کہ تفصیلی جواب عطا فرمائیں، کیوں کہ قبوری شریعت کے مالکان اعلیٰ حضرت بریلوی کی ذریت نے اس مسئلہ کو بڑے زور و شور سے اچھا لایا ہے اور تقریباً ہر جلسہ میں اس مسئلہ کو اڑا رہے ہیں اور اس کے لئے دو عقلی دلیلیں ذکر کرتے ہیں:

(۱) زکوٰۃ مال کا میل کچیل ہوتا ہے اور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مال بالکل پاک صاف، دودھ سے زیادہ صاف، لہذا آپ ﷺ پر زکوٰۃ نہیں۔

(۲) پوری کائنات نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی غلام ہے اور غلام کا مال اپنا مال ہوتا ہے، نتیجہ یہ ہوگا کہ اپنے جیب سے مال نکال کر خود اپنے ہی جیب میں مال ڈالنا لازم آئے گا، لہذا معلوم ہوا کہ نبی آخر الزماں محمد رسول اللہ ﷺ پر زکوٰۃ کبھی نہیں، اگر یہ دلیلیں

درست ہیں تو الحمد للہ ورنہ ان دلیلوں کا تشفی بخش رد فرمائیں اور قرآن و سنت و ائمہ اربعہ و متفق علیہ علماء کی روشنی میں مسئلہ کی وضاحت فرمائیں، عین نوازش ہوگی۔

﴿ الجواب وبالله التوفیق ﴾:

شریعت مقدسہ کے ہر احکام پر ہمیشہ سب سے پہلے صاحب شریعت سرور کائنات ﷺ نے عمل فرمایا ہے، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ یہ اسلام کے ارکان اور اساس ہیں، ان میں سے ہر ایک پر شدت کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی پاک ذات نے عمل فرمایا ہے، تو اگر نماز، روزہ، حج آپ کی ذات اقدس پر فرض ہوئے ہیں، تو مالک نصاب ہونے کے بعد زکوٰۃ کے فرض ہونے پر کیوں اشکال ہے؟ سب کا حکم قرآن مقدس کے ذریعہ سے نازل ہوا ہے، جس طرح قرآن کریم نے نماز، روزہ، حج کا پابند بنایا ہے، اسی طرح زکوٰۃ کا بھی پابند بنایا ہے، اب رہی مال کے پاک صاف ہونے کی وجہ سے اشکال؟ تو اس طرح کا اشکال نماز، روزہ، حج کے فرض ہونے پر بھی ہوتا ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا ہی میں آپ سے سوال و جواب نہ ہونے اور جنت کے مقام محمود کی گارنٹی دے دی ہے، تو پھر نماز، روزہ، حج کی فرضیت اور پابندی کیوں ہوئی؟ تو جس طرح نماز، روزہ، حج کا حکم تھا اسی طرح زکوٰۃ کا بھی حکم رہا ہے۔ اور یہ جو کہا گیا ہے کہ ساری کائنات آپ ﷺ کی غلام ہے اور غلام کا مال اپنا مال ہوتا ہے، تو ایسی دلیل پیش کرنے والے نے کبھی یہ بھی سوچا ہے کہ آپ ﷺ جب ان غلاموں سے کوئی چیز خریدتے تھے تو پوری قیمت دے کر ہی لیا کرتے تھے تو آپ ﷺ کیوں قیمت دے کر لیتے تھے، جب غلاموں کا مال اپنا ہی مال ہوتا ہے؟ اور قیمت دے کر خریدنے کی ذخیرہ حدیث میں بے شمار روایات موجود ہیں (۱۱۷)۔ حدیث کی کتابوں کو دیکھ لیں، ہم

(۱۱۷) عن سماک بن حرب، حدثنا سوید ابن قیس قال: جلبت أنا ومخرقة

العبدی بزاً من ہجر فأتینا بہ مکة فجاءنا رسول اللہ ﷺ یمشی فساو منا بسر او یل فبعناہ وثم رجل یزن بالاجر، فقال لہ رسول اللہ ﷺ: زن وأرجح. (سنن أبی داؤد، کتاب البیوع، باب فی الرجحان فی الوزن والوزن بالاجر، ص: ۴۸۶، رقم: ۳۳۳۶، ط،

یہاں ایک روایت نقل کر دیتے ہیں۔

عن أنس بن مالك قال: نهينا أن نسأل - الى - فجاء رجل من أهل البادية، فقال: يا محمد! أتانا رسولك، فزعم لنا أنك تزعم أن الله أرسلك، قال: صدق - الى قال: وزعم رسولك أن علينا خمس صلوات في يومنا وليلتنا، قال: صدق، قال: فبالذي أرسلك الله أمرك بهذا؟ قال: نعم، قال: وزعم رسولك أن علينا زكاة في أموالنا، قال: صدق، قال: فبالذي أرسلك الله أمرك بهذا؟ قال: نعم. الحديث (مسلم شريف، كتاب الايمان، باب بيان أركان الاسلام، النسخة الهندية ۱ / ۳۱، بيت الأفكار، رقم: ۱۲، ترمذی، أبواب الزکوة،

دار السلام ریاض)

عن جابر: أن النبي ﷺ اشترى عبداً بعبدين. (سنن أبي داؤد، كتاب البيوع، باب في ذلك اذا كان يداً بيد، ص: ۴۸۸، رقم: ۳۳۵۸، ط، دار السلام ریاض) وعن عروة بن أبي الجعد البارقی: أن رسول الله ﷺ أعطاه ديناراً ليشتري له شاة، فاشترى له شاتين، فباع احدهما بدينار، وأتاه بشاة ودينار، فدعا له رسول الله ﷺ فيبيعة بالبركة، فكان لو اشترى تراباً لربح فيه. رواه البخاري. (مشكاة المصابيح، كتاب البيوع، باب الشركة والوكالة، الفصل الأول، ص: ۲۵۴، ط، قديمی کتب خانہ کراچی)

وعن حكيم بن حزام: أن رسول الله ﷺ بعث معه بدينار ليشتري له به أضحية، فاشترى كبشاً بدينار، وباعه بدينارين، فرجع فاشترى أضحية بدينار، فجاء بها وبالدينار الذي استفضل من الأخرى، فتصدق رسول الله ﷺ بالدينار، فدعا له أن يبارك له في تجارته. رواه الترمذی. وأبو داؤد. (مشكاة المصابيح، كتاب البيوع، باب الشركة والوكالة، الفصل الثالث، ص: ۲۵۴، ط، قديمی کتب خانہ کراچی)

باب ماجاء اذا أدیت الزکوة، النسخة الهندية ۱/ ۱۳۴،
دارالسلام، رقم: ۶۱۹، رقم: ۶۱۹، مسند البزار، مكتبة العلوم
والحكم ۱۳/ ۳۲۲، رقم: ۶۲۸) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ
اعلم۔ (فتاویٰ قاسمیہ، ج: ۲، ص: ۱۱۱ تا ۱۱۳، ط، مکتبہ
اشرفیہ دیوبند)



کیا حضور ﷺ پر مہر دینا واجب تھا؟

﴿ سوال ﴾:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (سورۃ
احزاب، آیت نمبر: ۵۰) مورخہ ۱۹/ خون ۱۹۸۸ء کو یہ جو آزاد بہنوں کا مسئلہ میں نے آپ
کے سامنے رکھا تھا اور آپ نے شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ کی تفسیر پڑھ کر پل بھر میں
حل کر دیا تھا، حقیقت میں یہ مسئلہ اتنا آسان نہیں جو چٹکی بجا کر حل ہو جائے، اگر ایسا ہو جاتا
تو امت محمد ﷺ جو آپسی اختلاف کی بدولت تباہ برباد ہے، ایک ہو جاتی، دنیا کی حاکم
ہو جاتی، جس دن یہ مسئلہ حل ہو جائے، یقین مانیں اس دن اماموں کی کھڑی کی ہوئیں فقہاء
کی دیواریں ڈھ جائیں گی اور دنیا کا تختہ پلٹ جائے گا۔ تفسیر شیخ الہند جو آپ نے پڑھ کر سنائی
وہ قطعی صحیح نہیں، انصاف نہیں کہ نبی ﷺ کے لئے بلا مہر عورتیں یا بیویاں جائز اور حلال تھیں،
اگر ایسا ہوتا آیت ابتداء میں یہ نہ کہتی کہ: ﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَحْلَلْنَا لَكَ أَزْوَاجَكَ
الَّتِي أَتَيْتَ أَجُورَهُنَّ﴾ [الأحزاب: ۵۰] ”اے نبی، ہم نے حلال کی تمہاری بیویاں جن
کے مہر تم نے ادا کر دیئے۔“ اس پہلے فقرے سے صاف واضح ہے کہ نبی ﷺ کے لئے وہی
بیویاں حلال تھیں جن کے مہر انہوں نے ادا کر دیئے، اور مہر ادا کئے بنا نبی ﷺ کے لئے کوئی
بیوی حلال نہیں، بلکہ حرام ہے، نبی کے لئے وہ بیویاں جن کا مہر آپ نے ادا نہیں کیا، بیویاں

چاہے ملکیت میں ہوں یا آزاد بہنیں ہوں، یا پھر مومن عورت بیوی بنانے کے لئے مہر کا ادا کرنا نبی کے لئے ضروری ہے، لہذا کسی حالت میں نبی کے لئے بلا مہر عورتیں جائز اور حلال نہیں حرام ہیں، اس میں ملکیت ہے اور یہ کہ ﴿ خَالِصَةً لَّكَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ ﴾ سے ملحق فقرے ﴿ وَامْرَأَةً مُّؤْمِنَةً إِنْ وَهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ إِنْ أَرَادَ النَّبِيُّ أَنْ يَسْتَنْكِحَهَا ﴾ [الأحزاب: ۵۰] اور مومن عورت (اگر ان میں سے) جو ہبہ کر دے اپنا نفس نبی کو اگر ان میں سے جن سے نبی ارادہ کرے نکاح کا (حلال ہیں) یہ فقرہ مہروں کے متعلق ہرگز نہیں ہے، ”وہبت نفسہا“ مہر و مہروں کی ادائے گی کو ہرگز نہیں کہتے، بلکہ نفس کے ہبہ کو کہتے ہیں، لہذا کسی بھی عالم کا یہ کہنا قطعی غلط اور بے بنیاد ہوگا کہ نبی کو مہر ادا کئے بغیر عورت حلال ہے، اللہ رب العالمین کو ”وہبت نفسہا“ کے بجائے ”وہبت اجور ہن“ استعمال کرنے میں کوئی مجبوری نہ تھی۔ اور ”وہبت نفسہا“ میں حکمت ہے۔ اور آیت مندرجہ بالا سورہ احزاب کی ایک مکمل آیت ہے، لہذا ”خالصة لك من دون المؤمنين“ او پروالے ہر فقروں سے تعلق رکھتا ہے، اس آیت میں واضح طور پر نبی ﷺ کو اجازت ہے کہ وہ اپنی ملکیت یا آزاد بہنوں یا مومن عورت سے نکاح کرنا چاہیں تو وہ نکاح کر سکتے ہیں، یہ خاص اجازت نبی ﷺ کو ہے، اور مومن مسلمانوں کو نہیں حرام ہے، مسلمانوں کے لئے ملکیت اور آزاد بہنوں کے سلسلہ میں یہ شرط ہے کہ ملکیت وہ ہوں جو جہاد میں ہاتھ لگی ہوں اور آزاد بہنیں، وہ ہوں جو آپ کے ساتھ ہجرت کی ہوئی ہوں، سوال ہوا کہ اگر خالصۃ والی بات آیت و آیت کے ہر فقرے سے متعلق ہے تو مسلمانوں کو ملکیت اور مومن عورتوں سے نکاح کرنا حرام ہو جائے گا، سوال صحیح ہوگا، لیکن الجھن نہیں کیوں کہ ”خالصة“ والی بات اللہ فوراً کہتا ہے: ﴿ قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ فِيْ اَزْوَاجِهِمْ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ ﴾ [الأحزاب: ۵۰] واضح ہے۔ اور حکمت اس میں اشارہ ہے، سورہ نساء کی طرف: ﴿ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهَاتُكُمْ وََاَخَوَاتُكُمْ ﴾ [النساء: ۲۳] کی طرف۔

میں نے آپ سے مصلحتاً جرح نہیں کی، اس لئے جرح نہیں کی کیوں کہ جو حضرات

(جنید صاحب و حاجی مختار صاحب) میرے ساتھ تھے، ان دونوں کی نظر میں آپ بہت بڑے ولی ہیں۔ اور مجھے یقین ہے کہ اس بات کا علم آپ کو بھی ہے، ان کے عقیدت مندانہ لہجے عمل سے آپ کیا ہیں اللہ بہتر جانے، لیکن آپ بہت کام کے ہیں، مجھے آپ کی سخت ضرورت ہے، جیسے موسیٰ کو ہارون کی ضرورت تھی، آپ دنیا کا تختہ پلٹ سکتے ہیں، بنی نوع انسان کو گمراہی سے بچا سکتے ہیں، اب وقت ہے قرآن و اسلام کی اصلیت واضح کر دینے کا۔ فی امان اللہ آپ کا مدثر (مہدی) جواب کا منتظر۔

جواب از مفتی الطاف الرحمن صاحب حیات العلوم مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

﴿ الجواب وبالله التوفیق ﴾:

حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن علیہ الرحمہ کی تفسیر صحیح اور حق ہے، ایک ذی علم کے لئے عظیم فہم و ادراک کی ضرورت ہے، آپ نے دراصل قرآن کی آیت کی تفسیر اپنی رائے سے کی ہے، جو کہ صریح البطلان ہے۔ اور آپ نے اپنے زور قلم میں فقہاء کرام و ائمہ عظام کو مورد الزام ٹھہرایا، یہ آپ کی انتہائی گستاخی اور بے ادبی ہے، ان ائمہ کرام و فقہاء عظام کی توہین، فی الحقیقت دین مبین کی توہین ہے، بظاہر آپ کے قلم سے مترشح ہو رہا ہے کہ آپ قرآنیہ فرقہ سے یا اس سے متاثر ہیں۔ حدیث و فقہ کے جو کہ ہمارے دین محمد ﷺ کا بڑا سرمایہ ہے، جس کے بغیر دین مکمل نہیں۔ اس حدیث و فقہ کے آپ منکر ہیں ”العیاذ باللہ“ فہم قرآن کے لئے مختلف علوم و فنون کی ضرورت ہے، وہ علوم خادم قرآن اور وسیلہ علم قرآن ہیں، جن میں لغت، صرف، نحو، بلاغت، ادب، حدیث، فقہ و تاریخ وغیرہ شامل ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان علوم سے آپ کو بالکل مس اور لگاؤ نہیں۔ اور آپ اتنے بڑے جری ہو گئے کہ آپ نے اپنی ذہن سے قرآن کا مفہوم سمجھ لیا، جب کہ صحابہ کرام، تابعین اور تبع تابعین و ائمہ کرام و فقہاء عظام اور اسلاف محتاج ہیں، قرآن پاک کے سمجھنے میں حدیث پاک اور ارشاد نبوی ﷺ کے، بہر حال زیادہ تفصیل میں نہیں جاتا، اولاً آپ تابع

ہو جائے کہ آئندہ اپنی رائے سے قرآن پاک کی تفسیر نہیں کروں گا، بلکہ محمد رسول اللہ ﷺ کی رائے کو مقدم سمجھوں گا اور صحیح سمجھوں گا، اس کے بعد میں آپ کو واضح کرنا چاہتا ہوں کہ قرآن پاک میں جو لفظ ”وہبت نفسہا“ آیا ہے، اس میں ہبہ کا فاعل عورت کو مانا گیا۔ اور ”ہبہ“ کے اصطلاحی معنی یہ ہیں: ”الہبة تمليک العين بلا عوض“ جس کے معنی ہیں: کسی چیز کا مالک بنانا بغیر کسی عوض اور بدلہ کے۔ لہذا جب ہبہ کے مفہوم میں ہی عوض نہیں ہے، تب پھر کسی طرح سے اس کے دوسرے معنی اپنی عقل سے مہر کے نکالنا صحیح ہوگا؟

دوسرے یہ کہ رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی کچھ خصوصیات ہیں جو کہ آپ کی ذات کے لئے مخصوص ہیں، اس میں سے یہ بھی ہے، مثلاً آپ کے لئے اور آپ کے خاندان والوں کے لئے زکوٰۃ کا حرام ہونا (۱۱۸)۔ اور آپ کی میراث کا وارثین میں تقسیم نہ ہونا (۱۱۹)، آپ کے لئے چار سے زائد بیویوں کا حلال ہونا (۱۲۰)، بیویوں کے

(۱۱۸): وعن عبدالمطلب بن ربيعة، قال: قال رسول الله ﷺ ان هذه الصدقات انما هي اوساخ الناس، وانها لاتحل لمحمد، ولا لآل محمد. رواه مسلم. (مشكاة المصابيح، كتاب الزكاة، باب من لاتحل له الصدقة، الفصل الاول، ص: ۱۶۱، ط، قديمی کتب خانہ کراچی)

(۱۱۹): في تفسير ابن كثير: أنه قد ثبت في الصحيحين من غير وجه: أن رسول الله ﷺ قال: لا نورث ماتركنا فهو صدقة. وفي رواية عند الترمذي باسناد صحيح: نحن معشر الأنبياء لا نورث. (تفسير ابن كثير، سورة مريم، الآية: ۶، ج: ۵، ص: ۲۱۲، ۲۱۳، ط، دار طيبة)

(۱۲۰): في تفسير ابن كثير: قال الشافعي: وقد دلت سنة رسول الله ﷺ المبينة عن الله أنه لا يجوز لأحد غير رسول الله ﷺ أن يجمع بين أكثر من أربع نسوة.

وهذا الذي قاله الشافعي رحمه الله، مجمع عليه بين العلماء، الا ما حكى عن طائفة من الشيعة أنه يجوز الجمع بين أكثر من أربع الى تسع. وقال بعضهم:

درمیان باری کا ضروری نہ ہونا (۱۲۱)، اپنے نفس کو بہہ کرنے والی عورت سے بلا مہر نکاح کرنا

بلا حصر. وقد يتمسك بعضهم بفعل النبي ﷺ في جمعه بين أكثر من أربع الى تسع كما ثبت في الصحيحين، وأما إحدى عشرة كما جاء في بعض ألفاظ البخاري. وقد علقه البخاري، وقد روينا عن أنس أن رسول الله ﷺ تزوج بخمس عشرة امرأة، ودخل منهن بثلاث عشر، واجتمع عنده إحدى عشرة ومات عن تسع. وهذا عند العلماء من خصائص رسول الله ﷺ دون غيره من الأمة. (تفسير ابن كثير، سورة النساء، الآية: ۳، ج: ۲، ص: ۲۰۹، ط، دار طيبة)

وفی الجامع لاحکام القرآن: اعلم أن هذه العدد: مثنی وثلاث، ورباع، لا يدل علی اباحة تسع، كما قاله من بعد فهمه للكتاب والسنة... وأما ما أبیح من ذلك للنبي ﷺ، فذلك من خصوصياته، علی ما یأتی بیانه فی الاحزاب. (الجامع لاحکام القرآن، سورة النساء: ۳، ج: ۶، ص: ۳۳، ۳۴، ط، مؤسسة الرسالة بیروت لبنان) (۱۲۱): قال الله تبارک وتعالی: ترجی من تشاء منهن وتؤی الیک من تشاء ومن ابتغیت ممن عزلت فلا جناح علیک ذلك ادنی ان تقر اعینهن ولا یحزن ویرضین بما آتیتهن کلهن والله یعلم ما فی قلوبکم وكان الله علیمًا حلیمًا. (سورة الاحزاب: ۵۱)

وفی الجامع لأحكام القرآن: واختلف العلماء فی تأویل هذه الآية، وأصح ما قیل فیها: التوسعة علی النبی ﷺ فی ترک القسم، فكان لا یجب علیه القسم بین زوجاته. وهذه القول هو الذی یناسب ما مضی، وهو الذی ثبت معناه فی الصحيح عن عائشة رضی الله عنها، قالت: كنت أغار علی اللائی وهبن أنفسهن لرسول الله ﷺ وأقول: أوتهب المرأة نفسها لرجل؟ فلما أنزل الله عز وجل: ﴿ترجی من تشاء منهن وتؤی الیک من تشاء ومن ابتغیت ممن عزلت﴾ قالت: قلت: والله ما أرى ربک الا یسارع فی هواک. قال ابن العربی: هذا الذی ثبت فی الصحيح هو الذی ینبغی أن یعول علیه. والمعنی المراد: هو أن النبی ﷺ کان مخیراً فی أزواجه، ان شاء أن یقسم قسم، وان شاء أن یترک القسم ترک. فخص النبی ﷺ بأن جعل

وغیره وغیرہ (۱۲۲)۔ یہی وجہ ہے کہ ۷۱ھ میں حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نے اپنے آپ کو رسول اللہ ﷺ کے لئے ہبہ بغیر مہر کے کیا، مگر آپ نے اپنی شان عالی کی بنا پر بعد میں بغیر ان کی خواہش اور مطالبہ کے ان کو مہر عطا فرمایا (۱۲۳)۔ امید ہے کہ آپ ان جوابات

الأمر اليه فيه، لكنه كان يقسم من قبل نفسه دون فرض ذلك عليه، تطيباً لنفوسهن، وصونا لهن عن أقوال الغيرة التي ترقى الى ما لا ينبغي. (الجامع لاحكام القرآن، سورة الأحزاب، الآية: ۵۱، ج: ۱۷، ص: ۱۹۰، ط، مؤسسة الرسالة بيروت لبنان)

(۱۲۲): في الدر المنثور: وأخرج عبد الرزاق، وعبد بن حميد وعن ابن شهاب قال: لا يحل لرجل أن يهب ابنته بغير صداق، قد جعل الله ذلك للنبي ﷺ خاصة دون المؤمنين. (الدر المنثور في التفسير بالمأثور، سورة الأحزاب، الآية: ۵۰، ج: ۱۲، ص: ۸۸)

وفي التفسير المأمون: قال قتادة: ليس لامرأة أن تهب نفسها بغير أمر ولي ولا مهر، الا للنبي، كانت له خالصة من دون الناس. (التفسير المأمون، سورة الأحزاب، الآية: ۵۰، ج: ۶، ص: ۱۹۵)

وفي الجامع لاحكام القرآن: خص الله تعالى رسوله في أحكام الشريعة بمعان لم يشاركه فيها أحد. في باب القرض والتحريم والتحليل. مزية على الأمة وهيبة له، ومرتبة خص بها، ففرضت عليه أشياء ما فرضت على غيره، وحرمت عليه أفعال لم تحرم عليهم، وحللت له أشياء لم تحلل لهم، منها متفق عليه، ومنها مختلف فيه.... وأما ما أحل له ﷺ فجملته ستة عشر: ... السابع: النكاح بغير صداق. (الجامع لاحكام القرآن، سورة الأحزاب، الآية: ۵۰، ج: ۱۷، ص: ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ط، مؤسسة الرسالة بيروت لبنان)

(وكذا في التفسير المأمون على منهج التنزيل والصحيح المسنون، سورة النساء، الآية: ۳، ج: ۲، ص: ۱۸۵)

(۱۲۳): في الاصابة: وقال ابن سعد: حدثنا محمد عمر، وأنبأنا ابن جريج،

سے مطمئن ہوں گے، ورنہ خدا آپ سے خود پوچھ لے گا اور جواب طلب کرے گا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

مفتی الطاف الرحمن

۱۴۰۸/۱۱/۱۷ھ



جواب از مفتی شبیر صاحب، مفتی مدرسہ شاہی مراد آباد

﴿ الجواب وبالله التوفیق ﴾:

”ہبہ“ کے معنی عربی زبان میں بلاعوض مالک بنانے اور اختیار میں دے دینے کے ہیں۔

”الہبۃ تملیک العین بلاعوض“ [قواعد الفقہ، أشرفی

دیوبند ۵۵۰]

”الہبۃ تملیک فی الحیاۃ بغير عوض“ [لغة الفقہاء،

کراچی ۴۹۲]

عن أبی الزبیر، عن عکرمۃ أن میمونۃ بنت الحارث وهبت نفسها لرسول اللہ ﷺ. وعن محمد بن عمر، عن موسی بن محمد بن عبد الرحمن، عن أبيه، عن عمرۃ، قال: قيل لها ان میمونۃ وهبت نفسها: فقالت: تزوجها رسول اللہ ﷺ علی مهر خمس مائة درهم، وولی نکاحہ ایاہا العباس. (الاصابة فی تمیز الصحابة، کتاب النساء، حرف المیم، ج: ۸، ص: ۳۲۳، ط، دار الکتب العلمیۃ بیروت لبنان)

وفی اعلام النساء: وقال ابن شہاب: ہی التی وهبت نفسها للنبی ﷺ وكذلك قال قتادة. وقال: وفيها نزلت (وامرأة مؤمنة ان وهبت نفسها للنبي) الآية فقال ابن عبد البر وقول ابن شہاب الصواب. (أعلام النساء فی عالمی العرب والاسلام، ج: ۵، ص: ۱۳۸، ۱۳۹، ط، مؤسسة الرسالة بیروت لبنان)

اور باب نکاح میں عورت کے اپنی ذات کو مرد کے اختیار میں دینے کے عوض میں جو متعین مقدار مال مرد کی طرف سے عورت کو دیا جاتا ہے، اس کو مہر کہتے ہیں۔ اب قرآن کریم میں ”وہبت نفسہا“ کا معنی ہی صحیح ہو سکتا ہے کہ جب بلا مہر حضور ﷺ کے ملک نکاح میں دینا مراد ہو، اب آیت کریمہ کے دونوں ٹکڑوں میں تطبیق کی صورت یوں ہوگی کہ جن بیویوں سے آپ ﷺ نے نکاح فرمایا ہے وہ دو قسم پر ہیں:

(۱) وہ بیویاں جن سے آپ نے از خود اقدام کر کے نکاح فرمایا ہے، انہوں نے اپنے کو آپ کے ہاتھ ہبہ نہیں کیا۔

(۲) وہ مومنہ بیوی جنہوں نے اپنی ذات کو آپ کے ہاتھ ہبہ کر دیا۔ اول الذکر بیویوں کے لئے آنحضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ان کا مہر ادا کرنا تمام مومنین کی طرح واجب تھا، اسی طرف اللہ تعالیٰ نے: ﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَحْلَلْنَا لَكَ أَزْوَاجَكَ الَّتِي أَتَيْتَ أَجُورَهُنَّ﴾ [الأحزاب: ۵۰] کے ٹکڑے سے اشارہ فرمایا ہے۔ اور موخر الذکر بیویوں کے لئے مہر ادا کرنا آنحضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر واجب نہیں تھا، یہ آپ ﷺ کی باب نکاح میں سات خصوصیات میں سے ایک خصوصیت ہے، اسی کو اللہ تعالیٰ نے: ﴿وَأَمْرًا مِّنْهُ إِنَّ وَهَبْتُ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ إِنْ أَرَادَ النَّبِيُّ أَنْ يَسْتَنْكِحَهَا﴾ [الأحزاب: ۵۰] کے ٹکڑے سے بیان فرمایا ہے، اسی طرح آنحضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نکاح خاص طور پر مومنہ عورتوں کے ساتھ صحیح تھا، کافرہ، کتابیہ کے ساتھ نہیں، بخلاف عام مومنین کے کہ ان کے لئے کافرہ کتابیہ کے ساتھ نکاح صحیح اور درست ہے، اس لئے الجھن میں پڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔

فلما أخبر في هذه الآية أن ذلك كان خالصاً لدون

المؤمنين مع إضافة لفظ الهبة الى المرأة دل ذلك على أن ما

خص به النبي ﷺ من ذلك، إنما هو استحابة البضع بغير

بدل، لأنه لو كان المراد اللفظ لما شارك فيه غيره، لأن ما

كان مخصوصا به وخالصا له، فغير جائز أن تقع بينه وبين غيره فيه شركة حتى يساويه فيه اذا كانت مساواتهما في الشركة تزيل معنى الخلوص والتخصيص. (أحكام القرآن للجصاص، سورة الأحزاب، ۵۲، مكتبة سهيل الكيڏمي لاهور ۳/۳۶۶)

مزید تفصیل ذیل کے حوالوں میں مطالعہ فرمائیں:

(أحكام القرآن للعلامة تھانوی ۵/۴۴۶، أحكام القرآن للجصاص، سورة الأحزاب، ۵۲، مطبه سهيل اكيڏمي لاهور ۳/۳۶۵، معارف القرآن، سورة الأحزاب، ۵۲، مكتبة اشرفي ديوبند ۷/۱۸۶ تا ۷/۱۹۵، تفسير روح المعاني، سورة الأحزاب، ۵۲، جز: ۲۲، مكتبة زكريا ۱۲/۹۴، تفسير خازن، سورة الأحزاب: ۵۲، مطبع دارالمعرفة بيروت ۳/۴۷۳، مدارك ۳/۴۷۳) فقط واللّٰه تعالى اعلم۔ (فتاویٰ قاسمیہ، ج: ۲، ص: ۱۱۳ تا ۱۱۹، ط، مكتبة اشرفيه ديوبند)



کیا حضور ﷺ پر عورتوں سے پردہ فرض تھا؟

﴿سوال﴾:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عورتوں کو پردہ ضروری اور فرض تھا یا نہیں؟

﴿الجواب وباللّٰه التوفيق﴾:

حضور اکرم ﷺ پر عورتوں سے پردہ فرض تھا یا نہیں؟ اسی طرح عورتوں پر

حضور ﷺ سے پردہ فرض تھا یا نہیں؟ اس بارے میں کوئی صریح روایت بندہ کی نظر سے نہیں گذری، البتہ پردہ کا مدار فتنہ پر ہے۔ اور آپ ﷺ سے اس کا وہم و گمان بھی نہیں ہو سکتا، اس لئے آپ ﷺ پر پردہ فرض ہونے کی بات سمجھ میں نہیں آتی، البتہ اتنی بات صراحت سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ بیعت کے وقت عورتوں سے مصافحہ نہیں فرماتے تھے۔

فقال رسول الله ﷺ: انى لا أضاح النساء، انما قولى لمائة امرأة كقولى لامرأة واحدة. الحديث (نسائی شریف، کتاب قسم الفیء، باب بیعة النساء، النسخة الهندية ۲ / ۱۸۳، دار السلام، رقم: ۴۱۸۶، المستدرک، مکتبہ نزار مصطفى الباز ۸ / ۲۴۸۱، رقم: ۶۹۴۶) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ (فتاویٰ قاسمیہ، ج: ۲، ص: ۱۱۹، ط، مکتبہ اشرفیہ دیوبند)



حضور ﷺ کے سینہ چاک ہونے کی تحقیق

﴿ سوال ﴾:

جناب رسالت مآب ﷺ سینہ اقدس کو چیر کر اندر کے حصہ کو دھونے اور پھر رکھ کر سینے کا ذکر متعدد کتب میں لکھا ہے۔ کیا کسی اور نبی کا سینہ بھی اسی طرح چاک کیا گیا تھا؟ اور اس طرح چیرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ حضور ﷺ نے فرمایا ”كنت نبيا و آدم بين الماء والطين اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے لولاک لما خلقت الافلاک ظاہر ہوا کہ حضور علیہ السلام روز ازل سے ہی نبی تھے۔ اور جب نبی تھے تو یقیناً پاک بھی ہوں گے۔ پھر سینہ کس لئے چیرا گیا۔ اگر الم نشرح لک صدرک کا مطلب سینہ چیرنا ہے تو پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی خدا کے حضور عرض کی تھی۔ رب اشرح لی صدري۔ مگر یہ کہیں نہیں لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بھی سینہ چاک کر کے دھویا گیا۔ اور سیا گیا۔ براہ کرم اس روایت پر روشنی ڈالیں۔

﴿ الحواب ﴾:

شق صدر کی روایات صحیح ہیں۔ امام بخاری و امام مسلم وغیرہما نے اپنی اپنی کتاب میں ان روایات کو نقل فرمایا ہے (۱۲۴)۔ پس توہمات ذہنیہ کی بناء پر انکار کرنا خلاف تحقیق و منافی دیانت امر ہے۔ دلائل سے جب اس کا وقوع ثابت ہے تو صرف اس بناء پر اس کا انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اس کی ضرورت ہماری سمجھ میں نہیں آتی۔ واقعہ ہو چکا ہماری سمجھ میں آئے تو بھی

(۱۲۴) عن قتادة، عن أنس بن مالك، عن مالك بن صعصعة، أن النبي ﷺ حدثهم عن ليلة أسرى به: بينما أنا في الحطيم - وربما قال في الحجر - مضطجعا إذ أتاني آت، فشق ما بين هذه إلى هذه. يعني من ثغرة نحره إلى شعرته فاستخرج قلبي، ثم أتيت بطست من ذهب مملوء إيمانا، فغسل قلبي، ثم حشي، ثم أعيد - وفي رواية: ثم غسل البطن بماء زمزم، ثم ملئ إيمانا وحكمة - ثم أتيت بدابة دون البغل وفوق الحمار، أبيض يقال له: البراق. الخ. (مشكلة المصابيح، كتاب الفضائل، والشمائل، باب في المعراج، الفصل الأول، ص: ۵۲۶، ط، قديمي كتب خانہ کراچی / صحيح البخاري، كتاب مناقب الأنصار، باب المعراج، ص: ۷۹۴، ۷۹۵، رقم: ۳۸۸۷، ط، دار السلام رياض / صحيح مسلم، كتاب الايمان، باب الاسراء برسول الله ﷺ إلى السموات وفرض الصلوات، ص: ۸۴، رقم: ۴۱۵، ط، دار السلام رياض)

عن أنس بن مالك، أن رسول الله ﷺ أتاه جبريل عليه السلام وهو يلعب مع الغلمان، فاخذه فصرعه فشق عن قلبه، فاستخرج القلب، فاستخرج منه علقة، فقال: هذا حظ الشيطان منك، ثم غسله في طست من ذهب بماء زمزم، ثم لأمه، ثم أعاده في مكانه، وجاء الغلمان يسعون إلى أمه - يعني ظئره - فقالوا: ان محمداً قد قتل، فاستقبلوه وهو منتقع اللون.

قال أنس: وقد كنت أرى أثر ذلك المخيط في صدره. (صحيح مسلم، كتاب الايمان، باب الاسراء برسول الله ﷺ إلى السموات وفرض الصلوات، ص: ۸۳، ۸۴، رقم: ۴۱۳، ط، دار السلام رياض)

اور نہ آئے تو بھی۔ روزمرہ کی زندگی میں بھی بعض واقعات ایسے پیش آ جاتے ہیں کہ عقل انسانی نہ ان کی ضرورت کی قائل ہوتی ہے اور نہ ان کی کوئی توجہیہ کر پاتی ہے۔ لیکن عقل انسانی کی اس در ماندگی سے واقعہ کے ہو جانے پر کیا اثر پڑ سکتا ہے۔ یہ ہونا اب نہ ہونے سے تو نہیں بدلا جاسکتا ہے۔

الف: اس میں اختلاف ہے کہ شق صدر آنحضرت علیہ السلام کے ساتھ ہی خاص ہے یا دیگر انبیاء علیہم السلام کا بھی شق صدر ہوا۔

واختلف هل كان شق صدره وغسله مختصاً به او
وقع بغيره من الانبياء وقد وقع للطبراني في قصة تابوت بني
اسرائيل ان كان فيه الطست التي يغسل فيه قلوب الانبياء
وهذا مشعر بالمشاركة. (فتح الملهم: ج، ۱: ص،
۳۲۳) (۱۲۵).

ب: ضرورت بروایت صحیح مسلم یہ ہے۔

فاستخرج القلب، فاستخرج منه علقه (۱۲۶) الحديث (ج ۱: ص
۳۲۳) قلب مبارک دھویا گیا اور اس میں ایمان و حکمت بھر دیا گیا۔ روایت کے الفاظ یہ
ہیں۔

ثم جاء بطست من ذهب ممتلىء حكمة وايمان

(۱۲۵): (فتح الملهم بشرح صحيح الامام مسلم، كتاب الايمان، باب الاسراء
برسول الله ﷺ الى السموات وفرض الصلوات، ج: ۲، ص: ۲۶۰، ط، دار احياء التراث
العربي بيروت لبنان)

(۱۲۶): (صحيح مسلم، كتاب الايمان، باب الاسراء برسول الله صلى الله تعالى
عليه وسلم الى السموات وفرض الصلوات، ص: ۸۳، ۸۴، رقم: ۴۱۳، ط، دار السلام
رياض)

فافرغها فی صدری (۱۲۷). (رواه مسلم فتح الملهم ج ۱: ص

(۳۲۴)

اور یہ اعتراض لغو ہے کہ جب آپ پاک تھا تو سینہ کس لئے چیرا گیا۔ قلب پاک ہی میں تو ایمان و حکمت بھرا جاتا ہے۔ نیز پاکی کے بے شمار مراتب ہیں۔ ہر پاکی سے اعلیٰ و بالا اور کمال اور پاکیزگی ہے۔ کمال کے مراتب غیر متناہی ہیں۔ ہر مرتبہ کے بعد نبی اکرم ﷺ کو مزید علو و رفعت عنایت فرمائی جاتی ہے۔ لہذا نبی کریم ﷺ کی سابقہ عبادت اس نظافت کے خلاف نہیں۔ جیسے کمالات معراج آپ کے سابقہ کمالات کے خلاف نہیں اور نہ ہی یہ کہا جاسکتا ہے کہ آپ کی ذات گرامی معراج سے قبل کمالات سے خالی تھی العیاذ باللہ۔

لولاک لما خلقت الافلاک کے الفاظ حدیث صحیح کے الفاظ نہیں بلکہ مضمون صحیح ہے (۱۲۸) اور اس کا کسی حدیث سے تعارض نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (خیر الفتاویٰ، ج: ۱، ص: ۳۱۱، ۳۱۲، ط، مکتبہ امدادیہ ملتان)



(۱۲۷): (صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب الاسراء برسول اللہ ﷺ الی

السموات وفرض الصلوات، ص: ۸۴، رقم: ۴۱۵، ط، دار السلام ریاض)

(۱۲۸): فی کشف الخفاء: ولولاک ولولاک ما خلقت الافلاک.

قال الصغانی موضوع، وأقول لکن معناه صحیح وان لم یکن حدیثاً. (کشف

الخفاء ومزیل الالباس عما اشتهر من الأحادیث علی السنة الناس، ج: ۲، ص: ۱۹۱،

رقم: ۲۱۲۳، ط، مکتبۃ العلم الحدیث)

وفی الآثار المرفوعة: قال علی القاری فی تذکرۃ الموضوعات: حدیث

لولاک لما خلقت الافلاک، قال العسقلانی موضوع، کذا فی الخلاصۃ، لکن

معناه صحیح. (الآثار المرفوعة فی الأخبار الموضوعة، ص: ۳۳، ط، ادارة القرآن

والعلوم الاسلامیۃ کراتشی)

شق صدر اور معراج

﴿سوال﴾:

جو شخص حضرت نبی اکرم ﷺ کے شق صدر کو باطل کہتا ہے اور آنحضرت ﷺ کی معراج جسمانی کو خواب و خیال سمجھتا ہے اس کا کیا حکم ہے؟

﴿الجواب حامداً ومصلیاً مسلماً﴾:

حضور اکرم ﷺ کا شق صدر، روایات صحیحہ سے ثابت ہے، تفسیر فتح العزیز تفسیر الم نشرح: ۲/۲۷۵ میں ہے کہ چار مرتبہ شق صدر ہوا ہے، ابن حبان، حاکم، اور نعیم، ابن عساکر، عبد اللہ بن احمد وغیرہ ہم کی روایات صحیحہ کو استدلال میں پیش کیا ہے (۱۲۹) لہذا اس کا انکار

(۱۲۹): فی تفسیر عزیزی: روزی ہمراہ پسران دایہ خود در کود کان بازی کردہ، در چرانیدن گوسفندان مشغول بودند، و پسران دایہ برائے گرفتن نان و آذوقہ پیش مادر خود رفتہ، و آنجناب تنہا ہمراہ گوسفندان در آن صحرا بودند کہ ناگاہ دو جانور کلان بصورت کرگس (کہ آنرا در زبان ہندی گد گویند) نمودار شدند، یکے مرد دیگرے را پر سید کہ این همان شخص ست؟ آن دیگر گفت کہ آری، پس ہر دو متوجہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شدند، و آنحضرت بسبب ترس از ان جانوران رو بگریز نہادند، تا آنکہ آن ہر دو جانور ہر دو بازوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم را گرفتہ بر پشت ہر زمین انداختند، و بمنقار ہائے خود شکم مبارک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چاک کردند و از سینہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دل مبارک را بر آوردہ، نیز چاک کردند، و از ان خون بستہ سیاہ بر آوردہ بر تافتند، و گفتند کہ این خون بستہ مردار نصیب شیطان ست، در دل ہر آدمی این را از دل او بر آوردیم، والا ہر گز وسوسہ شیطان را قبول نخواہد کرد.

بعد از ان یکے مر دیگرے را گفت کہ آب برف بیار، بآن آب شکم ایشان

ناواقفیت یا عناد پر مبنی ہے۔

معراج جسمانی مسجد اقصیٰ تک بحالت یقظہ نص قطعی سے ثابت ہے، اس کا انکار کفر ہے اور سماء دنیا تک خبر مشہور سے ثابت ہے، اس کا منکر مفضل اور مبتدع ہے اور سماء دنیا سے

راہ شستند، بعد ازان آبِ ژالہ طلبیدند، وبان آب دل را شستند، بعد ازان گفت کہ سکیںہ بیار، آنچیری بود بر مثالِ ذر در و آنرا بزلِ ایشان افشانند، بعد ازان یکے مر دیگرے را گفت کہ این را بد و زر و آنرا دروختہ بمہرِ نبوت مہر کردند، و سینیہ مبارک آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم را دوختہ برابر کردند، چنانچہ انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہ خادم ملازم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میدیدم الخ.

دوم آنکہ ابن حبان و حاکم و ابو نعیم و ابن عساکر و ضیائی مقدسی و عبد اللہ بن احمد در زوائد مسند بسند صحیح روایت کردہ اند کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چون دہ سالہ شدند، در صحرائے بودند کہ دو کس بصورتِ دو مرد ظاہر شدند، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میفرمودند کہ من مانند چہرہ ہائے آن دو شخص ہیچگاہ چہرہ نورانی ندیدہ ام، و بوائے خوش کہ از انہا می آمد در ہیچ عطری نشمیدہ ام، و مانند جامہ ہائے آن دو شخص در نفاست و صفا و در خشندگی ہیچ جامہ بنظر من نیامدہ، آن ہر دو شخص جبرئیل و میکائیل علیہما السلام بودند، ہر دو بازوائے مرا بوجہی گرفتند کہ اصلاً مرا معلوم نشد، و باسانی تمام بر فقرہ فقرا مرا غلطانیدند کہ ہیچ عضو من بے جان شد، و درد نہ کرد، و باز آنہا شکم مرا چاک کردند، و اصلاً خون نہ بر آمد، و درد نہ شد، و یکے از آنہا آب در طشتِ زرین می آورد، و دیگر تمام درد نہ مرا می شست، باز یکے مر دیگرے را گفت کہ دلِ این را چاک کن، و غل و حسد را ازو دور کن، خونِ بستہ بر آوردند، و بر تافتند، باز گفت مہر بانگی و شفقت در دلِ این بیند، از چیزے بصورتِ تل سیمین آوردہ در دلِ من انداختند، و دوائے خشکی بر مثالِ زر در بالائے آن پاشیدند، باز انگشت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لاگزفتہ، گفتند

آگے جنت و عرش وغیرہ تک خبر واحد سے ثابت ہے، اس کا منکر فاسق ہے۔

فی العقائد النسفیة: ”والمعراج لرسول الله ﷺ فی
 یقظة بشخصه الی السماء ثم الی ما شاء الله تعالیٰ من العلی
 حق“ قال التفتازانی تحت (قوله: حق) ”أی ثابت بالخبر
 المشهور حتی أن منکره یكون مبتدعاً (الی أن قال) فقوله:
 فی الیقظة اشارة الی الرد علی من زعم أن المعراج کان فی
 المنام (الی أن قال) وقوله: بشخصه اشارة الی الرد علی من
 زعم أنه کان للروح فقط (الی أن قال) وقوله: الی السماء
 اشارة الی الرد علی من زعم أن المعراج فی الیقظة لم یکن الا
 الی بیت المقدس علی مناطق به لکتاب وقوله: (ثم الی ما
 شاء الله) اشارة الی اختلاف أقوال السلف، فقیل: الی الجنة،
 وقیل: الی العرش، وقیل: فوق العرش الی طرف العالم.

کہ کہ بر دو سلامت باش آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرمودند کہ من اذان
 وقت در دل خود شفقت و رحمت بر ہر صغیر و کبیر می یابم، و این بار آنحضرت
 صلی اللہ علیہ وسلم چون سن بلوغ قریب رسیدہ بود لوازم جوانی میل بشہوت
 و سورت غضب ست، برائے عصمت از گناہائے کہ تعلق باین دو صفت دارند،
 و بیشتر غلبہ آنها در جوانی و ما بعد جوانی ست شق صدر مکرر واقع شد. سوم
 آنکہ چون هنگام بعثت قریب ست، و زمان نزول وحی بر دل مبارک آنحضرت
 صلی اللہ علیہ وسلم نزدیک آمد، بار دیگر دل ایشان را برائے تنقیہ و تقویت
 چاک کردند..... چہارم: شب معراج، و این بار شق صدر برائے آن بود کہ دل
 مبارک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قوت سیر عالم ملکوت بہم سازند،
 و طاقت دیدن تجلیات بدیہہ و انوارِ مثلہ لیہ پیدا کند. (تفسیر عزیزی، سورۃ الم

فالاسراء وهو من المسجد الحرام لی بیت المقدس قطعی
ثبت بالکتاب، والمعراج من الأرض الی السماء مشهور،
ومن السماء الی الجنة أو الی العرش أو غیر ذلك احاد۔
شرح عقائد نسفی، ص: ۱۰۴ (۱۳۰)۔

”قال أهل السنة بأجمعهم: ان المعراج الی المسجد
الأقصى قطعی ثابت بالکتاب، والی سماء الدنيا ثابت بالخبر
المشهور، والی ما فوقه من السموات ثابت بالآحاد، فمنکر
الأول کافر ألبتة، ومنکر الثاني مبتدع مضل، ومنکر الثالث
فاسق۔“ تفسیر احمدیہ“ ص: ۵۰۳۔ فقط واللہ سبحانہ
تعالی اعلم (فتاویٰ محمودیہ، ج: ۱، ص: ۳۹۳ تا ۳۹۶)



رسول اللہ ﷺ کا شق صدر

﴿سوال﴾:

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے امام صاحب نے یہ
بات بیان فرمائی کہ رسول اللہ ﷺ کے شق صدر کا تذکرہ قرآن میں موجود ہے۔ حالانکہ یہ
بات میں نے پہلی دفعہ سنی ہے۔ آپ وضاحت فرمائیں تاکہ میرا یہ خلجان دور ہو جائے۔

﴿الجواب حامداً ومصلیاً﴾:

رسول اللہ ﷺ کے شق صدر کا ذکر قرآن مجید میں صراحتاً موجود نہیں ہے البتہ بعض
حضرات کی رائے کے مطابق الم نشرح لک صدر ک کا مدلول یہی ہے۔

قال الله تعالى (الانشراح: ۱): أَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ
صَدْرَكَ.

لمافی تفسیر روح المعانی (۳۰/۲۱۲): وعن ابن
عباسؓ وجماعة انه اشارة الى شق صدر الشريف في صباه
عليه الصلاة والسلام.

وفي احكام القرآن للقرطبي (۲۰/۱۰۴): وفي
الصحيح عن انس بن مالك عن مالك بن صعصعة رجل من
قومه ان النبي ﷺ قال فينا انا عند البيت بين النائم واليقظان
اذ سمعت قائلا فاتيت بطست من ذهب فيها ماء زمزم فشرح
صدرى الى كذا وكذا.

وفي التفسير المنير (۳۰/۲۹۴): وقيل المراد
بذلك شرح صدره ليلة الاسراء كما رواه الترمذی عن
مالك بن صعصعة قال ابن كثير ولكن لا منافاة فان من جملة
شرح صدره الذي فعل بصدره ليلة الاسراء. (نجم الفتاوى،
ج: ۱، ص: ۲۴۹)



معراج کا واقعہ عالم بیداری میں پیش آیا تھا یا خواب میں؟

﴿سوال﴾:

جناب سرور کائنات ﷺ کو معراج شریف بہ جسد شریف خاکی ہوئی یا روحانی عالم
بیداری یا عالم خواب (میں)؟

﴿الجواب﴾:

آنحضرت ﷺ کو معراج بسجدہ الشریف عالم بیداری میں ہوئی۔ شرح فقہ اکبر میں ہے:

”وخبیر المعراج أى بجسد المصطفى ﷺ يقظةً الى السماء ثم الى ما شاء الله تعالى فى المقامات العلى حق الخ، فمن ردّه فهو ضالّ مبتدع“ (۱۳۱) (شرح فقہ اکبر، ص: ۱۳۵)

اور مراقہ میں ہے:

”والحق الذى عليه أكثر الناس ومعظم السلف وعامة المتأخرين من الفقهاء والمحدثين والمتكلمين أنه أسرى بجسده“ (۱۳۲). فقط واللہ اعلم (فتاویٰ دار العلوم دیوبند، ج: ۱۸، ص: ۲۳۶، ۲۳۷، ط، مکتبہ دار العلوم دیوبند)



(۱۳۱): (شرح الفقہ اکبر، بحث فی أن المعراج حق، ص: ۱۰۰، دار الکتب العربیۃ الکبریٰ مصر)

(۱۳۲): (مرقات شرح مشکاة المصابیح، کتاب الفضائل والشمائل، باب فی المعراج، الفصل الاول، ج: ۱۰، ص: ۵۴۷، ط، دار الکتب العلمیۃ بیروت لبنان) وفى بیان السنۃ والجماعۃ: ونقول المعراج لرسول اللہ ﷺ حق أى ثابت بالخبر المشهور حتى ان منکره يكون مبتدعاً وانکاره وادعاء استحالتہ انما یتنى على أصول الفلاسفة وقد أسرى بالنبی محمد ﷺ من المسجد الحرام الى المسجد الأقصى كما نطق به الكتاب و منه عرج بشخصه خلافاً لمن زعم أنه كان للروح فقط فى اليقظة خلافاً لمن زعم أنه كان فى المنام. (شرح العقیدۃ الطحاویۃ، بیان السنۃ والجماعۃ، ص: ۷۵، ط، دار الفكر المعاصر بیروت لبنان)

معراج جسمانی یا روحانی؟

﴿ سوال ﴾:

کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ آپ ﷺ کو معراج جسمانی ہوئی تھی یا روحانی؟ مدلل جواب عنایت فرمائیں۔

﴿ الجواب حامداً ومصلیاً ﴾:

جمہور کے نزدیک آپ ﷺ کو معراج جسمانی ہوئی۔ البتہ بعض حضرات نے بعض آثار کی وجہ سے تطبیق یہ بیان کی ہے کہ آپ کو دو دفعہ معراج ہوئی، اول روحانی اور دوم جسمانی۔

لقوله تعالى (الاسراء: ۱): سبحن الذي اسرى بعبدہ
ليلا من المسجد الحرام الى المسجد الاقصا الاية وفي روح
المعاني (۱۵/ص ۷): واختلف ايضا انه في اليقظة او في
المنام..... وذهب الجمهور الى انه في اليقظة ببدنه
وروحه ﷺ والرويا تكون بمعنى الرؤية في اليقظة كما في
قول الراعي يصف صائداً

وكبر للرويا وهش فؤاده
وبشر قلبا كان جمأً بلاله

..... وذهبت طائفة..... بان لاسراء كان مرتين
احدهما في نومه ﷺ قبل النبوة.... ثم اسرى بروحه وبدنه
بعد النبوة قال في الكشف وهذا هو الحق به يحصل الجمع
بين الاخبار.

وفي احكام القرآن للقرطبي (۲۰۸/۱۰): هل كان

اسراء بروحه او جسده اختلف في ذلك السلف والخلف
فذهبت طائفة الى انه اسراء بالروح... وذهب معظم السلف
والمسلمين الى انه كان اسراء بالجسد وفي اليقظة وانه
ركب البراق بمكة ووصل الى بيت المقدس وصلى فيه ثم
اسرى بجسده.

وفي تفسير كبير (۲۰/۱۲۸): اختلف في كيفية
ذلك الاسراء فالاكثرون من طوائف المسلمين اتفقوا على
انه اسرى بجسد رسول الله ﷺ والاقولون قالوا انه ما اسرى
البروحه.

وفي المرقات (۱۱/۱۳۸): في شرح السنة قال
القاضي عياض اختلف الناس في الاسراء برسول الله ﷺ
فقليل انما كان جميع ذلك في المنام والحق الذي عليه اكثر
الناس ومعظم السلف وعامة المتأخرين من الفقهاء
والمحدثين والمتكلمين انه اسرى بجسده. (نجم الفتاوى،
ج: ۱، ص: ۲۷۱، ۲۷۲)



شب معراج میں انبیاء علیہم السلام کو آپ ﷺ نے نفل
نماز پڑھائی تھی یا فرض؟

﴿سوال﴾:

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ معراج کے موقع پر آپ ﷺ
نے جو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی امامت کرائی تھی اس نماز میں انبیاء علیہم السلام اپنے

جسموں کے ساتھ حاضر تھے یا صرف روحیں موجود تھیں نیز وہ نفل نماز تھی یا فرض نماز؟

﴿الجواب حامداً ومصلیاً﴾:

آپ ﷺ نے معراج کی رات جو انبیاء کی امامت کرائی تھی وہ نفل نماز تھی اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی روحیں وہاں موجود تھیں۔

وفی مرقات المفاتیح (۱۱ / ۱۴۳): قال ابن الملك فی شرح المشارق المرئی کان ارواح الانبياء متشكلة بصورهم التي كانوا عليها الاعیسی فانه مرئی بشخصه وسبقه التوربشتی حیث قال وروية الانبياء فی السموات وفی بیت المقدس یحمل علی رؤیة روحانیتهم الممثلة بصورهم التي كانوا عليها غیر عیسی فان رویتہ محتملة للامرین او احدهما.

لما فی السراجیة (ص ۲۲): امامة النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لیلة المعراج لارواح الانبياء علیہم السلام كانت فی النافلة. (نجم الفتاوی، ج: ۱، ص: ۲۷۰، ۲۷۱)



معراج کس تاریخ میں ہوئی؟

﴿سوال﴾:

معراج شریف جس کا ذکر قرآن پاک میں ہے رسول اللہ ﷺ کو کس ماہ اور کس تاریخ میں ہوئی ہے، گو اس میں اختلاف ہے مگر مشہور اور اولیٰ کوئی روایت ہے؟

﴿الجواب﴾:

قال فی ردالمحتار فی شرح قول صاحب

الدر المختار فی کتاب الصلاة: فرضیت فی الاسراء لیلة السبت سابع عشر رمضان قبل الهجرة بسنة ونصف الخ: قوله: (فرضت فی الاسراء) نقله أيضا الشيخ اسماعیل "الأحكام شرح درر الحکام" ثم قال: وحاصل ما ذكره الشيخ محمد البکری نفعنا الله تعالى ببرکاته فی "الروضة الزهراء" أنهم اختلفوا فی أى سنة كان الاسراء بعد اتفاقهم علی أنه كان بعد البعثة؟ فجزم جمع بأنه كان قبل الهجرة بسنة، ونقل ابن حزم الاجماع علیه، وقيل بخمس سنين، ثم اختلفوا فی أى الشهور كان؟ فجزم ابن الأثیر والنووی فی فتاویہ بأنه كان فی ربيع الأول، قال النووی: لیلة سبع وعشرين، وقيل فی ربيع الآخر، وقيل فی رجب، وجزم به النووی فی "الروضة"، تبعاً للرافعی وقيل فی شوال، وجزم الحافظ عبد الغنی القدسی فی سیرته بأنه لیلة السابع والعشرين من رجب، وعلیه عمل أهل الأمصار انتهى. (۱۳۳)۔

خلاصہ اور حاصل اس عبارت کا یہ ہے کہ صاحب درمختار نے یہ فرمایا کہ نماز معراج کی رات میں فرض ہوئی جو کہ رمضان شریف کی سترہ تاریخ تھی، ہجرت سے ڈیڑھ برس پہلے یعنی سن گیارہ نبوی میں، شامی نے کہا کہ یہ قول شیخ اسماعیل نے نقل کیا ہے احکام شرح درر حکام میں، پھر یہ کہا کہ شیخ محمد بکری نے روضة الزہراء میں فرمایا کہ معراج کے سال میں اختلاف ہے بعد متفق ہونے کے اس پر کہ معراج بعثت کے بعد ہوئی، سو ایک جماعت نے اس پر یقین کیا کہ ہجرت سے ایک برس پہلے ہوئی، اور ابن حزم نے اس پر اجماع نقل کیا اور

کہا گیا کہ ہجرت پانچ برس پہلے، پھر اس میں اختلاف ہے کہ معراج کس مہینہ میں ہوئی، سوا بن اثیر اور امام نوویؒ نے اپنے فتاویٰ میں نقل کیا کہ ربیع الاول کی ستائیس تاریخ میں اور بعض نے کہا کہ ربیع الثانی میں اور کہا گیا کہ رجب میں ہوئی، امام عبدالغنی قدسی نے سیرت میں اس پر یقین کیا کہ معراج ستائیس رجب کو ہوئی اور اسی پر عمل ہے اہل امصار کا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، ج: ۱۸، ص: ۲۳۷، ۲۳۸، ط، مکتبہ دارالعلوم دیوبند)



انبیاء کی امامت کا واقعہ معراج سے پہلے کا ہے یا بعد کا؟

﴿ سوال ﴾:

مسجد اقصیٰ میں نبی کریم ﷺ نے تمام انبیاء کو نماز پڑھائی تھی، یہ واقعہ معراج سے پہلے کا ہے یا بعد کا؟ اگر پہلے کا ہو تو پھر حضرت جبریل علیہ السلام نے تمام انبیاء سے حضور کا تعارف کیوں کرایا؟

﴿ الجواب ﴾:

رسول اللہ ﷺ نے انبیاء کی امامت آسمان پر تشریف لے جانے سے پہلے کی یا آسمان سے اترنے کے بعد؟ اس میں سیرت نگاروں کا اختلاف ہے، اور دونوں طرح کے اقوال موجود ہیں، مشہور مؤرخ، محدث اور مفسر علامہ ابن کثیر کا خیال ہے کہ آپ ﷺ نے یہ امامت آسمان سے اترنے کے بعد فرمائی تھی، اور اس کے لئے انہوں نے دو لیلیں دی ہیں، "اول تو یہی کہ اگر آپ ﷺ نے پہلے امامت کی ہوتی تو آسمان پر تعارف کی حاجت نہ ہوتی، دوسرے یہ کہ بعض روایتوں میں یہ بات آئی ہے کہ نماز کا وقت ہو گیا تو آپ ﷺ نے امامت فرمائی، بظاہر نماز کے وقت سے نماز فجر ہی مراد ہو سکتی ہے، اور زیادہ امکان یہی ہے کہ فجر کا وقت آپ کی واپسی پر ہوا ہوگا (۱۳۴)۔ ویسے سیرت کی اکثر کتابوں میں پہلے

امامت کا ذکر ہے، ایسی صورت میں آسمان پر آپ ﷺ کے تعارف کو تکریم و احترام پر محمول کیا جائے گا، کیونکہ بعض دفعہ کسی شخص کی تعظیم کے طور پر بھی اس کا تعارف کرایا جاتا ہے۔ واللہ اعلم (کتاب الفتاویٰ، ج: ۱، ص: ۵۳۷، ۵۳۸، ط، زمزم پبلشرز کراچی)



معراج کا جو توں سمیت اور بغیر پردہ کے ہونا ثابت ہے یا نہیں

﴿سوال﴾:

ایک شخص کہتا ہے کہ آنحضرت ﷺ جب معراج میں اللہ پاک سے ملاقات کرنے تشریف لے گئے، جب آپ ﷺ پہنچے تو اللہ پاک نے فرمایا کہ اے میرے حبیب جو توں سمیت آئیے تاکہ میرا عرش مزین ہو جائے، چنانچہ آپ مع جو توں کے عرش پر گئے اور یہ بھی کہتا ہے کہ آپ ﷺ اور اللہ پاک کے مابین بغیر کسی پردہ وغیرہ کے باتیں ہو گئیں، کیا یہ صحیح ہے یا نہیں؟

﴿الجواب﴾:

نعلین شریفین کے متعلق یہ بات کہ حضرت حق جل جلالہ نے حضور ﷺ کو نعلین

الانبياء هبطوا معه تكريما له وتعظيما عند رجوعه من الحضرة الالهية العظيمة كما هي عادة الوافدين لا يجتمعون باحد قبل الذي طلبوا اليه، ولهذا كان كلما مر على واحد منهم يقول له جبريل عند ما يقدم ذلك للسلام عليه هذا فلان نسلم عليه، فلو كان قد اجتمع بهم قبل صعوده لما احتاج الى تعرف بهم مرة ثانية. ومما يدل على ذلك أنه قال فلما حانت الصلاة: أممهم. ولم يحن وقت اذ ذاك الا صلاة الفجر فتقدمهم امامهم عن أمر جبريل فيما يرويه عن ربه عز وجل، فاستفاد بعضهم من هذا أن الامام الاعظم يقدم في الامامة على رب المنزل حيث كان بيت المقدس محلتهم ودار اقامتهم.. الخ. (البداية والنهاية، ج: ۳، ص: ۱۱۲، ۱۱۳، ط، مكتبة المعارف

سمیت عرش پر بلایا بعض سیر و تفاسیر میں مذکور ہے۔ واعظ اسے دیکھ کر بیان کر دیتے ہیں مگر سند اور صحت کے لحاظ سے ہمیں اس کی کوئی پختہ سند نہیں ملی۔

اور حضور ﷺ کا لیلۃ المعراج میں اللہ تعالیٰ کی رؤیت بغیر حجاب سے مشرف ہونا ثابت ہے اگرچہ کلام بغیر حجاب کا صراحتہ ثبوت نہیں ہے (۱۳۵)۔ فقط واللہ اعلم (کفایت المفتی، ج: ۱، ص: ۱۰۴، ۱۰۵، ط، دار الاشاعت کراچی)



(۱۳۵): وقال القاضي عياض [رحمه الله]: اختلف السلف والخلف، هل رأى نبينا ﷺ ربه ليلة الاسراء، فأنكرته عائشة، وهو المشهور عن ابن مسعود. واليه ذهب جماعة من المحدثين والمتكلمين. وروى ابن عباس أنه رأى بعينه، ومثله عن أبي ذر وكعب والحسن كان يحلف على ذلك، وحكى مثله عن ابن مسعود وأبي هريرة وأحمد بن حنبل. وحكى اصحاب المقالات عن أبي الحسن الأشعري وجماعة من أصحابه [رضي الله عنهم] أنه رآه. (مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاة المصابيح، کتاب أحوال القيامة وبدء الخلق، باب رؤية الله تعالى، الفصل الثالث، ج: ۱۰، ص: ۳۲۶، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

عن ابن عباس: أنه رآه بعينه، هذا هو المشهور عنه، وحجته قوله تعالى: (ما كذب الفؤاد ما رأى). [النجم: ۱۱]. وقال عبد الله بن الحارث: اجتمع ابن عباس وكعب، فقال ابن عباس: اما نحن بنو هاشم فنقول: ان محمداً رأى ربه مرتين. ثم قال ابن عباس: أتعجبون أن الخلة تكون لابراهيم، والكلام لموسى، والرؤية لمحمد ﷺ وعليهم أجمعين. قال: فكبر كعب حتى جاوبته الجبال، ثم قال ان الله قسم رؤيته وكلامه بين محمد وموسى عليهما السلام، فكلم موسى ورآه محمد ﷺ.

وحكى عبدالرزاق ان الحسن كان يحلف بالله لقد رأى محمد ربه....
وحكى ابن اسحاق أن مروان سأل أبا هريرة: هل رأى محمد ربه؟ فقال: نعم.

کیا حضور ﷺ کی عمر کے ۲۷ سال معراج میں گزرے ہیں؟

﴿سوال﴾:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کیا یہ بات صحیح ہے کہ جب آپ ﷺ کے پاس قبض روح کے لئے ملک الموت آئے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ میری کل عمر ۹۰ برس کی ہے اور ابھی میری عمر سے ۶۳ سال گزرے ہیں، ۲۷ برس کہاں گئے؟ تو ملک الموت نے جواب دیا کہ کہ ۲۷ برس آپ کی عمر کے معراج میں گزرے ہیں؟ کیا واقعی کسی حدیث یا تاریخ میں ایسا ذکر ہے؟ اگر نہیں ہے تو ایسا کہنے والے کے لئے کیا حکم ہے؟ اور عدم صحت کی صورت میں سننے والوں پر کوئی گناہ ہے یا نہیں؟ براہ کرم حقیقت سے آگاہ فرمائیں۔ اللہ آپ کو اجر عطا فرمائے گا۔

﴿الجواب وباللہ التوفیق﴾:

یہ کسی صحیح حدیث یا معتبر کتاب میں نظر سے نہیں گذرا، آپ ان سے اس کا حوالہ

وحکی النقاش عن أحمد بن حنبل أنه قال: أنا أقول بحديث ابن عباس: بعينه رآه رآه... حتى انقطع نفسه، یعنی نفس أحمد.

والی هذا ذهب الشيخ أبو الحسن الأشعري وجماعة من اصحابه: أن محمداً ﷺ رأى الله ببصره وعيني رأسه. وقاله أنس وابن عباس وعكرمة والربيع والحسن. وكان الحسن يحلف بالله الذي لا اله الا هو لقد رأى محمداً ربه. (الجامع لأحكام القرآن، ج: ۸، ص: ۴۸۴، ط، مؤسسة الرسالة بيروت لبنان)

(و كذا في المفهم لما أشكل من كتاب تلخيص مسلم، كتاب الايمان باب هل رأى محمد ﷺ ربه؟، ج: ۱، ص: ۴۰۱، ۴۰۲، ط، دار ابن كثير، مشق وبيروت)

(و كذا في الكوكب الوهاج والروض البهاج في شرح صحيح مسلم بن الحجاج، كتاب الايمان، باب في ذكر الاختلاف هل رأى محمد ﷺ ربه؟، ج: ۴، ص:

۲۵۰، ط، دار طوق النجاة، بيروت لبنان)

طلب فرمائیں کہ کہاں سے بیان کر رہے ہیں؟ سننے والوں پر کوئی گناہ تو نہیں، لیکن اس طرح غیر مستند باتوں پر یقین بھی نہیں کرنا چاہئے، جن وعظ کی کتابوں میں اس قسم کی باتیں موجود ہیں وہ غیر مستند ہیں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم (فتاویٰ قاسمیہ، ج: ۲، ص: ۱۰۸، ۱۰۹، ط، مکتبہ اشرفیہ دیوبند)



شب معراج میں نبی ﷺ کا اللہ کی زیارت کا مسئلہ

﴿سوال﴾:

ماقولکم (رحمکم اللہ) فی رؤیة النبی ﷺ ربہ لیلۃ المعراج؟

﴿الجواب﴾:

اختلف اصحاب النبی ﷺ ومن بعدهم فی هذه المسألة والأحوط أن يتوقف الانسان ولا يجزم فی ذالك بشی لأن لا يلزم تخطئة احد الطرفين وفي كلاهما من اصحاب النبی ﷺ ولان الآيات لا تدل على احد المعانی بالصراحة والاحادیث ایضا آحاد لا تثبت بها العقيدة ومع هذا لا تعلق بالرؤية وعدمها عمل من اعمالنا.

لما فی فتح الملهم: (۴۱۶/۲-۴۱۷، طبع دارالعلوم کراچی)

اختلف السلف فی رؤیة النبی ﷺ ربہ فذهب عائشة وابن مسعود الى انکارها واختلف عن ابی ذر وذهب جماعة الى اثباتها..... (۴۷۱/۲)..... وقد رجح القرطبی فی المفهم قول الوقف فی هذه المسئلة وعزاه جماعة من المحققين وقواه بانه ليس فی الباب دليل قاطع وغاية ما استدل به للطائفتين ظواهر متعارضة قابلة للتأويل قال

ولست المسئلة من العمليات فيكتفى فيها بالادلة الظنية
وانما هي من المعتقدات فلا يكتفى فيها الا بالدليل القطعي.

ولما في شرح الفقه الاكبر: (ص ۳۱۳، طبع بيروت)

اختلفوا في جوازها في الدنيا شرعا فاثبتها اكثر
ونفاهم اخرون، ثم الذين اثبتوها في الدنيا خصوصها وقوعها
له صلی اللہ علیہ وسلم في ليلة الاسراء على خلاف في ذالك بين السلف
والخلف من العلماء والصحيح انه صلی اللہ علیہ وسلم رأى ربه بفؤاده
لا بعينه كما في شرح العقائد وغيره وهكذا في النبراس: (ص
۲۹۵، طبع) (فتاوى عباد الرحمن، ج: ۱، ص: ۷۸، ط،
ايجو كيشنل پريس كراچي)



شب معراج میں اقتداء کرنے والے انبیاء علیہم السلام کی تعداد

﴿ سوال ﴾:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: شب
معراج میں مسجد اقصیٰ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے سوالا کہ انبیاء علیہم السلام نے نماز پڑھی، یا
کچھ کم زیادہ نے؟

﴿ الجواب وبالله التوفيق ﴾:

بعض احادیث میں صراحت ہے کہ شب معراج میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام انبیاء
کی امامت فرمائی اور انبیاء علیہم السلام کی تعداد کے بارے میں احادیث مختلف ہیں، ان میں
سے ایک روایت ایک لاکھ چوبیس ہزار کی بھی ہے، اس روایت کے اعتبار سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم
نے شب معراج میں پورے ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء علیہم السلام کی امامت فرمائی ہے۔

أخرج أحمد عن ابن عباس - رضى الله عنه - حديثاً طرفه هذا: قال: فلما دخل النبي ﷺ المسجد الأقصى، قام يصلى، ثم التفت، فاذا النبيون أجمعون يصلون معه. (مسند أحمد ١/ ٢٥٧، رقم: ٢٣٢٤، تفسير ابن كثير ٣/ ٢٣)

عن أبى ذر - رضى الله عنه - قال: فقلت يا رسول الله؟ كم النبيون؟ قال: مائة ألف وأربعة وعشرون ألف نبي. الحديث (مستدرک، مكتبة نزار مصطفى الباز ٤/ ١٥٦١، رقم: ٤١٦٦)

وقدر روى بيان عددهم فى بعض الأحاديث على ماروى أن النبى عليه السلام سئل عن عدد الأنبياء، فقال: مائة ألف وأربعة وعشرون ألفاً. وفى رواية: مائتا ألف وأربع وعشرون ألفاً، والأولى أن لا يقتصر على عدد فى التسمية. (شرح عقائد، مكتبة نعيمه ديو بند: ١٣٨) (١٣٦) فقط والله

(١٣٦): وعن أبى ذر، قال: قلت: يا رسول الله ﷺ! أى الأنبياء كان أول؟ قال: آدم. قلت: يا رسول الله ﷺ! ونبى كان؟ قال: نعم نبي مكلم قلت يا رسول الله كم المرسلون قال ثلثمائة وبضعة عشر جما غفيرا وفى رواية عن ابن امامة قال ابوذر قلت يا رسول الله كم وفاء عدة الانبياء قال مائة الف واربعة وعشرون الفا الرسل من ذلك ثلثمائة وخمسة عشر غفيرا. (مشكاة المصابيح، كتاب أحوال القيامة وبدء الخلق، باب بدء الخلق وذكر الأنبياء، الفصل الثالث، ص: ٥١١، قديمى كتب خانہ کراچی)

وفى شرح الفقه الأكبر: وقد ورد فى مسند أحمد رحمه الله أنه عليه الصلاة والسلام سئل عن عدد الأنبياء عليهم الصلاة والسلام فقال مائة ألف وأربعة وعشرون ألفاً والرسل منهم ثلاثمائة وثلاثة عشر أولهم آدم عليه الصلاة والسلام

سبحانہ و تعالیٰ اعلم (فتاویٰ قاسمیہ، ج: ۲، ص: ۱۰۲، ۱۰۳،

ط، مکتبہ اشرفیہ دیوبند)



شب معراج سے قبل حضورؐ کو سی نماز پڑھتے تھے؟

﴿سوال﴾:

کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ شب معراج سے قبل رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کون سی نماز پڑھتے تھے اور کتنے وقت کی؟ زید کہتا ہے باضابطہ نماز تو معراج میں ملی ہے۔

﴿الجواب وباللہ التوفیق﴾:

اس وقت نماز فرض تو نہیں تھی لیکن نوافل پڑھتے تھے اور نوافل کے لئے وقت اور تعداد متعین نہیں ہے، البتہ صلوٰۃ الفجر و صلوٰۃ العصر کا پڑھنا بعض روایات سے ثابت ہے۔
أقول: ان صلاة الصبح والعصر كان يؤديها النبي

وآخرهم محمد صلى الله عليه وعلى آله وسلم وهو لا ينافي قوله تعالى ولقد أرسلنا رسلا من قبلك منهم من قصصنا عليك ومنهم من لم نقصص عليك فان نبوت الاجمال لا ينافي تفصيل الاحوال نعم الأولى أن لا يقتصر على الاعداد فان الآحاد لا تفيد الاعتماد فى الاعتقاد بل يجب كما قال الله تعالى كل آمن بالله وملائكته وكتبه ورسله أن يؤمن ايماناً اجمالياً من غير تعرض لتعدد الصفات وعدد الملائكة والكتب والأنبياء وأرباب الرسالة من الاصفياء. (شرح الفقه الأكبر، بحث فى أن الأنبياء منزّهون عن الكبائر والصغائر، ص: ۵۵، ط، دار الكتب العربیة الکبریٰ مصر)

(و کذا فى ردالمحتار على الدر المختار، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مطلب فى عدد الأنبياء والرسل عليهم الصلاة والسلام، ج: ۲، ص: ۲۴۲، ط، دار الكتب العلمیة

بیروت لبنان)

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قبل لیلۃ الاسراء فلاحاجة الى تعلیمها، وقد ذهب بعض العلماء الى فرضیة الفجر والعصر قبل لیلۃ الاسراء وكثیر من آیات القرآن دالة على هاتین الصلاتین وفي الصحیحین أنه علیه السلام صلی بالنخلة حين ذهب عامداً الى عكاظ واستمع له الجن وجهر بالقراءة واتفق العلماء على أنه علیه السلام كان یصلی الفجر. الخ. [العرف الشذی على هامش الترمذی، كتاب الصلاة، باب ماجاء فی مواقیة الصلوة ۱ / ۳۹] فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔ (فتاویٰ قاسمیہ، ج: ۲، ص: ۳۵۱، ۳۵۲، ط، مکتبہ اشرفیہ دیوبند الہند)



ہجرت کی رات صدیق اکبرؓ کا آنحضرت علیہ السلام کو کندھوں پر اٹھانے کا ثبوت

﴿ سوال ﴾:

ایک مولوی صاحب نے تقریر میں یہ کہا کہ ہجرت کے وقت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب غارِ ثور کی طرف تشریف لے جا رہے تھے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کندھوں پر سوار تھے۔ اور فتح مکہ کے وقت کعبہ سے تصویریں اور بت اتارنے کے لئے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کہا کہ اے علی تو میرے کندھوں پر چڑھ کر ان کو اتار دے۔ تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ حضور آپ اللہ کے نبی ہیں اور میں آپ کے کندھوں پر چڑھنے کی بے ادبی کیسے کروں۔ تو اس پر حضور صلی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے علی: میں نبی ہوں اور نبوت کے وزن کی وجہ سے تو مجھ کو

اپنے کندھوں پر نہیں اٹھا سکتا۔ القصہ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان بلند ہے کہ انہوں نے اپنے کندھوں پر اٹھا لیا۔

ایک دوسرے سید صاحب کہتے ہیں کہ مولوی صاحب مذکور نے غلط بیانی کی ہے۔ نہ ہی ابو بکر صدیقؓ کے کندھوں پر حضورؐ سوار ہوئے اور نہ حضرت علیؓ کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ تو میرا بوجھ نہیں اٹھا سکتا۔ اور ابو بکر صدیقؓ کی فضیلت کا دعویٰ صحیح نہیں ہے۔

اور یہ شاہ صاحب اور وہ مولوی صاحب دونوں اہلسنت والجماعت ہونے کے مدعی ہیں۔ آپ فرمائیں کہ مولوی صاحب کے بیان کردہ دونوں واقعے سچے ہیں؟ اور حضرت صدیق اکبرؓ کی فضیلت کے دلائل کیا ہیں؟

﴿ الجواب ﴾:

بوقت ہجرت آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کندھوں پر اٹھانے کا ذکر حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی تاریخ میں بحوالہ بیہقی کیا ہے۔ ان کے الفاظ یہ ہیں:

لما حفیت رجلاً رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حملہ الصدیق علی کاهلہ اھ۔

لیکن آخر میں فرماتے ہیں:

”وفی هذا السياق غرابة ونكارة“. [ج: ۱، ص:

[۱۸۰

اور فتح مکہ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ والا واقعہ بھی بعض سیرت کی کتابوں میں ملتا ہے۔ [دیکھئے سیرت محمدیہؐ غزوہ فتح مکہ]۔ لیکن اس کے الفاظ بعینہ وہی نہیں جو سوال میں درج ہیں۔ بلکہ اس سے کچھ مختلف الفاظ ہیں۔ پس سید صاحب واقعہ اول کی تغلیظ کرنا بے جا ہے۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت قرآن وحدیث سے ثابت ہے۔

اور اسی پر امت کا اجماع ہے (۱۳۷)۔ وعن محمد بن الحنفية قال قلت لابي اى

(۱۳۷): قال الله تبارك وتعالى: الا تنصروه فقد نصره الله اذ أخرجه الذين كفروا ثانى اثنين اذ هما فى الغار اذ يقول لصاحبه لا تحزن ان الله معنا. الى آخر الآية. (سورة التوبة: ٤٠)

وفى تفسير القرطبي تحت هذه الآية: قوله تعالى: ﴿اذ يقول لصاحبه لا تحزن ان الله معنا﴾ هذه الآية تضمنت فضائل الصديق رضى الله تعالى عنه. وروى أصبغ وأبو زيد عن ابن القاسم عن مالك: ﴿ثانى اثنين اذ هما فى الغار اذ يقول لصاحبه لا تحزن ان الله معنا﴾ هو الصديق. فحقق الله تعالى قوله له بكلامه، ووصف الصحبة فى كتابه.

قال بعض العلماء: من أنكر عمر وعثمان أو أحد من الصحابة صاحب رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم فهو كذاب مبتدع. ومن أنكر أن يكون أبو بكر رضى الله عنه صاحب رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم فهو كافر، لأنه رد نص القرآن. (الجامع لاحكام القرآن، سورة التوبة، الآية: ٤٠، ج: ١٠، ص: ٢١٥، ط، مؤسسة الرسالة بيروت لبنان)

عن ابن عمر رضى الله تعالى عنهما قال: كنا نخير بين الناس فى زمان رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم، فنخير أبا بكر ثم عمر ثم عثمان رضى الله عنهم. (صحيح البخارى، كتاب فضائل اصحاب النبى صلى الله تعالى عليه وسلم، باب فضل أبى بكر بعد النبى صلى الله تعالى عليه وسلم، ص: ٧٤٩، رقم: ٣٦٥٥، ط، دار السلام رياض)

وفى شرح عقيدة الامام الطحاوى: (ونثبت الخلافة بعد رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم لأبى بكر الصديق تفصيلا له وتقديما على جميع الأمة، ثم لعمر بن الخطاب، ثم عثمان بن عفان، ثم لعلى بن أبى طالب رضى الله تعالى عنهم أجمعين، وهم الخلفاء الراشدون والأئمة المهديون)..... لأنه أفضل الناس بعد الأنبياء لقوله عليه الصلاة والسلام: ما طلعت شمس ولا غربت على أحد بعد النبيين أفضل من

الناس خیر بعد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال ابو بکر قلت ثم قال عمر۔ الحدیث۔ رواہ البخاری۔ مشکوٰۃ ص: ۵۵۵۔ یہ خود حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ تمام لوگوں میں سے بہتر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد ابو بکرؓ ہیں۔ اب اس کے بعد نزاع کی کیا ضرورت رہ گئی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (خیر الفتاویٰ، ج: ۱، ص: ۴۶۹، ۴۷۰، ط، مکتبہ امدادیہ ملتان)



نبی اکرم ﷺ کا حلیہ مبارک

﴿سوال﴾:

نبی اکرم ﷺ کا حلیہ مبارک کیسا تھا؟ اور آپ کے لباس اور بالوں کے متعلق تفصیل سے بیان فرمائیں۔

﴿جواب﴾:

آنحضرت ﷺ کے حلیہ مبارک کی تفصیل شامل ترمذی میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے منقول ہے، اس کو ”خصائل نبوی“ سے نقل کیا جاتا ہے۔

”ابراہیم بن محمد، حضرت علیؓ کی اولاد میں سے ہیں (یعنی پوتے ہیں)، وہ فرماتے ہیں کہ حضرت علیؓ جب حضور ﷺ کے حلیہ مبارک کا بیان فرماتے تو کہا کرتے تھے کہ: حضور اقدس ﷺ نہ زیادہ لائے تھے، نہ زیادہ پستہ قد، بلکہ میانہ قد لوگوں میں تھے۔ حضور ﷺ کے بال مبارک نہ بالکل نیچے دار تھے نہ بالکل سیدھے تھے، بلکہ تھوڑی سی پیچیدگی لئے

أبی بکرؓ۔ واذا ثبتت خلافة أبی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بالاجماع وقد أوصی بالخلافة لعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ واتفقت الصحابة علی بیعته، ثبتت خلافة عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بعده۔ (شرح عقیدۃ الامام الطحاوی لأبی حفص الغزنوی، ص:

ہوئے تھے۔ نہ آپ ﷺ موٹے بدن کے تھے، نہ گول چہرہ کے، البتہ تھوڑی سی گولائی آپ ﷺ کے چہرہ مبارک میں تھی، یعنی (چہرہ انور بالکل گول نہ تھا، نہ بالکل لانا بلکہ دونوں کے درمیان تھا) حضور ﷺ کا رنگ سفید سرخی مائل تھا، آپ ﷺ کی مبارک آنکھیں نہایت سیاہ تھیں اور پلکیں دراز، بدن کے جوڑوں کے ملنے کی ہڈیاں موٹی تھیں (مثلاً: کہنیاں اور گھٹنے)، اور ایسے ہی دونوں مونڈھوں کے درمیان کی جگہ بھی موٹی اور پُر گوشت تھی۔ آپ کے بدن مبارک پر (معمولی طور سے زائد) بال نہیں تھے (یعنی بعض آدمی ایسے ہوتے ہیں کہ ان کے بدن پر بال زیادہ ہو جاتے ہیں، حضور ﷺ کے بدن مبارک پر خاص خاص جگہوں کے علاوہ جیسے بازو، پنڈلیاں، وغیرہ ان کے علاوہ اور کہیں بال نہیں تھے)، آپ ﷺ کے سینہ مبارک سے ناف تک بالوں کی لکیر تھی۔ آپ ﷺ کے ہاتھ اور قدم پر گوشت تھے۔ جب آپ ﷺ تشریف لے چلتے تو قدموں کو قوت سے اٹھاتے گویا کہ پستی کی طرف چل رہے ہیں، جب آپ ﷺ کسی کی طرف توجہ فرماتے تو پورے بدن مبارک کے ساتھ توجہ فرماتے (یعنی یہ کہ گردن پھیر کر کسی کی طرف متوجہ نہیں ہوتے تھے، اس لئے کہ اس طرح دوسرے کے ساتھ لاپرواہی ظاہر ہوتی ہے، اور بعض اوقات متکبرانہ حالت ہو جاتی ہے، بلکہ سینہ مبارک سمیت اس طرف توجہ فرماتے۔ بعض علماء نے اس کا مطلب یہ بھی فرمایا ہے کہ جب آپ ﷺ توجہ فرماتے تو تمام چہرہ مبارک سے فرماتے، کن آنکھوں سے نہیں ملاحظہ فرماتے تھے، مگر یہ مطلب اچھا نہیں)۔ آپ ﷺ کے دونوں مبارک شانوں کے درمیان مہر نبوت تھی۔ آپ ﷺ ختم کرنے والے تھے نبیوں کے۔ آپ ﷺ سب سے زیادہ سخی دل والے تھے اور سب سے زیادہ سخی زبان والے، سب سے زیادہ نرم طبیعت والے تھے اور سب سے زیادہ شریف گھرانے والے تھے (غرض آپ ﷺ دل و زبان، طبیعت، خاندان، اوصاف ذاتی اور نسبی ہر چیز میں سب سے افضل تھے)۔ آپ ﷺ کو جو شخص یکا یک دیکھتا مرعوب ہو جاتا تھا (یعنی آپ ﷺ کا وقار اس قدر زیادہ تھا کہ اول وہلہ میں دیکھنے والا رعب کی وجہ سے ہیبت میں آ جاتا تھا، اول تو جمال و خوبصورتی کے لئے بھی

رعب ہوتا ہے:

شوق افزوں مانع عرض تمنا داب حسن
بار بادل نے اٹھائے ایسی لذت کے مزے

اس کے ساتھ جب کمالات کا اضافہ ہو تو پھر رعب کا کیا پوچھنا! اس کے علاوہ حضور اقدس ﷺ کو جو مخصوص چیزیں عطا ہوئیں، ان میں رعب بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کیا گیا۔ البتہ جو شخص پہچان کر میل جول کرتا، وہ آپ ﷺ کے اخلاق کریمانہ و اوصاف کا گھائل ہو کر آپ ﷺ کو محبوب بنا لیتا تھا۔ آپ ﷺ کا حلیہ بیان کرنے والا صرف یہ کہہ سکتا ہے کہ: میں نے حضور اکرم ﷺ جیسا باجمال و باکمال نہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پہلے دیکھا، نہ بعد میں دیکھا (ﷺ) (۱۳۸)۔

✽... اور لباس میں آنحضرت ﷺ کے معمول مبارک کا مختصر خلاصہ یہ ہے کہ لباس میں اکثر سوتی گرتا زیب تن فرماتے تھے (۱۳۹)، جس کی آستینیں عموماً گٹوں تک (۱۴۰) اور لمبائی آدھی پنڈلی تک ہوتی تھی (۱۴۱)۔ ایک بار رومی ساخت کا جبہ بھی،

(۱۳۸): (خصائل نبوی، باب ماجاء فی خلق رسول اللہ، ص: ۱۷، ۱۸، ۱۹، ط،

مکتبۃ البشری کراتشی)

(۱۳۹): عن أم سلمةؓ قالت: كان أحب الثياب إلى رسول الله ﷺ القميص.

(شمائل ترمذی مع خصائل نبوی، باب ماجاء فی لباس رسول اللہ ﷺ، ص: ۶۴، ط،

مکتبۃ البشری کراتشی)

(۱۴۰): عن أسماء بنت یزید قالت: كان کم قميص رسول الله ﷺ إلى

الرسم. (شمائل ترمذی مع خصائل نبوی، باب ماجاء فی لباس رسول اللہ ﷺ، ص:

۶۷، ط، مکتبۃ البشری کراتشی)

(۱۴۱): فی خصائل نبوی: مناوی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ

حضور [صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم] کا گرتا زیادہ لمبا نہ ہوتا تھا، نہ اس کی آستینیں لمبی ہوتی تھیں۔

دوسری حدیث میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا ہے کہ حضور [صلی اللہ تعالیٰ علیہ

جس کی آستینیں آگے سے تنگ تھیں، استعمال فرمایا (۱۴۲)۔ سفید کو پسند فرماتے تھے اور اس کی ترغیب دیتے تھے (۱۴۳)، اکثر لنگی استعمال فرماتے تھے (۱۴۴)، یمانی چادروں کو پسند فرماتے تھے (۱۴۵)، شلوار کا خریدنا اور پسند فرمانا ثابت ہے، مگر پہننا ثابت

وسلم [کا گرتا ٹخنوں سے اونچا ہوتا تھا۔ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ نصف پنڈلی تک ہونا چاہئے۔ (شمائل ترمذی مع خصائل نبوی، باب ماجاء فی لباس رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، ص: ۶۵، ط، مکتبۃ البشرى کراتشى)

(۱۴۲) عن عروۃ بن المغیرۃ بن شعبۃ، عن أبیہ: أن النبی ﷺ لبس جبة ضيقة الکمین. (شمائل ترمذی مع خصائل نبوی، باب ماجاء فی لباس رسول اللہ ﷺ، ص: ۷۶، ط، مکتبۃ البشرى کراتشى)

(۱۴۳) عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم علیکم بالبیاض من الثیاب، لیلبسہا أحياءکم، وکفنوا فیہا موتاکم، فانہا من خیار ثیابکم.

عن سمرة بن جندب رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: البسوا البیاض، فانہا أطہر وأطیب، وکفنوا فیہا موتاکم. (شمائل ترمذی مع خصائل نبوی، باب ماجاء فی لباس رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، ص: ۷۵، ط، مکتبۃ البشرى کراتشى)

(۱۴۴) عن أبی بردۃ: قال أخرجت الینا عائشة رضی اللہ عنہا کساء ملبداً، وازاراً غلیظاً فقالت: قبض روح رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فی ہذین. (خصائل نبوی مع شمائل ترمذی، باب ماجاء فی صفة ازار رسول اللہ ﷺ، ص: ۱۳۰، ط، مکتبۃ البشرى کراتشى)

(۱۴۵) عن أنس، قال: کان أحب الثیاب الی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم أن یلبسہا الحبرۃ. وفي المرقات تحت هذا الحدیث: ففي النہایۃ الحبرۃ من البرود ما کان موشیاً مخططاً یقال: برد حبرۃ بوزن عنبۃ علی الوصف والاضافۃ، وهو برد یمانی. (مرقات المفاتیح شرح مشکاة المصابیح، کتاب اللباس، الفصل الأول، ج: ۸،

نہیں (۱۴۶)۔ سبز چادریں بھی استعمال فرمائیں (۱۴۷)، گاہے سرخ دھاریوں والی دو چادریں بھی استعمال فرمائیں (۱۴۸)، بالوں کی بنی ہوئی سیاہ چادر (کالی کملی) بھی استعمال فرمائی (۱۴۹)، سر مبارک پر کپڑے کی کلاہ اور اس کے اوپر دستار پہننے کا معمول تھا (۱۵۰)۔

ص: ۱۹۱، ط، دار الکتب العلمیۃ بیروت لبنان)

(۱۴۶): عن أبي هريرة قال دخلت مع النبي ﷺ يوماً السوق فجلس الى البزار فاشترى سراويل بأربعة دراهم وكان لأهل السوق وزان يزن فقال له رسول الله ﷺ اتزن وأرجح... الخ. (مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، كتاب اللباس، باب السراويل، ج: ۵، ص: ۱۲۱، ط، دار الكتاب العربی بیروت لبنان)

(۱۴۷): وعن أبي رمثة التيمي، قال: أتيت النبي ﷺ عليه ثوبان أخضران، وله شعر قد علاه الشيب وشيبه أحمر. (مشكاة المصابيح، كتاب اللباس، الفصل الثاني، ص: ۳۷۶، ط، قديمی کتب خانہ کراچی)

(۱۴۸): عن عون بن أبي جحيفة، عن أبيه قال: رأيت النبي ﷺ وعليه حلة حمراء كأني أنظر الى بريق ساقيه. قال سفيان: أراها حبرة. (خصائل نبوی مع شمائل ترمذی، باب ماجاء فی لباس رسول اللہ ﷺ، ص: ۷۱، ۷۲، ط، مكتبة البشري كراتشي)

(۱۴۹): عن عائشة رضي الله عنها قالت: خرج رسول الله ﷺ ذات غداة، وعليه مرط من شعر أسود. (خصائل نبوی مع شمائل ترمذی، باب ماجاء فی لباس رسول اللہ ﷺ، ص: ۷۶، ط، مكتبة البشري كراتشي)

(۱۵۰): فی تحفة الاحوذی: وقال ابن القيم فی زاد المعاد: وكان يلبسها يعني العمامة ويلبس تحتها القلنسوة وكان يلبس القلنسوة بغير عمامة ويلبس العمامة بغير قلنسوة. انتهى. وفي الجامع الصغير برواية طبراني عن ابن عمر قال كان يلبس قلنسوة بيضاء. قال العزیزی: اسناده حسن وفيه برواية الروياني وابن عساكر عن ابن عباس: كان يلبس القلائس تحت العمام و بغير العمام ويلبس العمام بغير

﴿...سر مبارک پر پٹے رکھنے کا معمول تھا، جو اکثر و بیشتر نرمہ گوش (کانوں کی لو) تک ہوتے اور کبھی کم و بیش بھی ہوتے تھے (۱۵۱)۔ حج و عمر کا احرام کھولنے کے موقع پر سر کے بال استرے سے صاف کرادیئے جاتے اور موئے مبارک رفقاء و احباب میں تقسیم فرما دیئے جاتے (۱۵۲)، صلی اللہ علیہ و آلہ و اصحابہ و اتباعہ اجمعین! نعلین شریفین رنگے ہوئے چمڑے کے ہوتے تھے جن میں دو تسمے ہوا کرتے

قلانس و كان يلبس القلانس اليمانية وهن البيض المضربة و يلبس القلانس ذوات الاذان في الحرب و كان ربما نزع قلنسوته فجعلها سترة بين يديه وهو يصلي. الحديث. (تحفة الاحوذى بشرح جامع الترمذی، باب بلا ترجمة، ج: ۵، ص: ۵۸۳، ط، دار الفكر)

(۱۵۱): وعن عائشةؓ قالت: كنت اغتسل أنا ورسول الله ﷺ من اناء واحد، و كان له شعر فوق الجمة، و دون الوفرة. و في المرقاة تحت هذا الحديث: و هذا بظاهره يدل على أن شعره ﷺ كان أمراً متوسطاً بين الجمة و الوفرة و ليس بجمة و لا وفرة اذ معنى فوق الجمة أن شعره لم يصل الى محل الجمة و هو المنكب، و معنى دون الوفرة أن شعره كان أنزل من شحمة الاذن، لكن جاء في بعض الروايات أنه ﷺ كان عظيم الجمة الى شحمة أذنيه و هذا ظاهر أن شعره كان جممة، و على أن جمته مع عظمها الى أذنيه، و لعل ذلك باعتبار اختلاف أحواله ﷺ. (مرقات المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، كتاب اللباس، باب الترجل، ج: ۸، ص: ۲۹۸، ۲۹۹، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

(۱۵۲): وعن أنسؓ: أن النبي ﷺ أتى منى، فأتى الجمرة فرماها، ثم أتى منزله بمنى، و نحر نسكه، ثم دعا بالحلاق، و ناول الحالق شقه الأيمن فحلقه، ثم دعا أبا طلحة الأنصاريؓ، فأعطاه اياه، ثم ناول الشق الأيسر، فقال: احلق فحلقه، فأعطاه أبا طلحةؓ، فقال: اقسامه بين الناس. (مشكاة المصابيح، كتاب المناسك، باب الحلق، الفصل الأول، ص: ۲۳۲، ط، قديمی کتب خانہ کراچی)

تھے (۱۵۳)۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل، ج: ۱، ص: ۱۶۵ تا ۱۶۸، ط، مکتبہ لدھیانوی کراچی)



حضور ﷺ کا قدم مبارک

﴿سوال﴾:

کیا آپ کو معلوم ہے کہ ہمارے نبی کریم ﷺ کا قدم مبارک کتنا ہوگا؟ انداز بتادیں۔

﴿جواب﴾:

یہ تو معلوم نہیں، اتنا معلوم ہے کہ جب آنحضرت ﷺ لوگوں میں چلتے تھے تو سب سے اونچے نظر آتے تھے (۱۵۴)۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل، ج: ۱، ص: ۱۶۸، ط، مکتبہ لدھیانوی کراچی)



(۱۵۳): عن قادة قال: قلت لأنس بن مالک: كيف كان نعل رسول

الله ﷺ؟ قال لهما قبلان. (شمائل ترمذی، مع خصائل نبوی، باب ماجاء فی نعل رسول الله ﷺ، ص: ۸۴، ط، مکتبۃ البشریٰ کراچی)

(۱۵۴): حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا قدم مبارک درمیانہ تھا لیکن میانہ پن کے ساتھ کسی

قدر طول کی طرف کو مائل۔ چنانچہ ہند بن ابی ہالہ وغیرہ کی روایت میں اس کی تصریح ہے۔ ان دونوں روایتوں پر اس حدیث سے اشکال ہوتا ہے جس میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب کسی جماعت میں کھڑے ہوتے تو سب سے زیادہ بلند نظر آتے، لیکن یہ درازی قد کی وجہ سے نہ تھا بلکہ معجزہ کے طور پر تھا تا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جیسا کمالات معنویہ میں کوئی بلند مرتبہ نہیں ہے، اسی طرح صورت ظاہری میں بھی کوئی بلند محسوس نہ ہو۔ (خصائل مع شمائل ترمذی، باب ماجاء خلق رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، ص: ۱۱، ط، مکتبۃ البشریٰ کراچی)

حضور ﷺ کے نعل مبارک کے نقش کو چومنے، اس جیسے نعل پہننے اور اس کے احترام کا حکم

﴿ سوال ﴾:

مکرم و محترم جناب مفتی صاحب، دامت برکاتہم!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ، اما بعد!

۱: جو چیز سرور کائنات ﷺ کے جسد اطہر سے متصل ہوگئی، اس کی برکات کا انکار تو کوئی جاہل یا ملحد ہی کرے گا، لیکن اس شے کی مثل ہاتھ سے تیار کر لی جائے تو کیا اس میں بھی وہ برکت آ جاتی ہے؟ بالفاظ دیگر متبرک سے کی تصویر بھی متبرک ہے؟

۲: آج کل سرور کائنات ﷺ کے نعل مبارک کا نقشہ بہت عام ہو گیا، لوگ اس کو چومتے ہیں، برکت کے لئے سر پر رکھتے ہیں، اس کی کیا حیثیت ہے؟ اس نقشے کی یہ حیثیت مسلم کہ اس سے آپ ﷺ کے نعل مبارک کی صورت معلوم ہوگئی، روایات حدیث میں مذکور نعل کا سمجھنا آسان ہوگا۔

۳: کیا اس نقشے کے مطابق نعل بنوا کر استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ سرور کائنات ﷺ کی ہر ادا ہمارے لئے نمونہ ہے، آپ ﷺ کی جیسی پگڑی، قمیص جیسی قمیص بنوانا، پہننا سب باعث سعادت اور محبت کا تقاضا ہے، کیا آپ ﷺ کے جوتے جیسا جوتا پہننا بھی محبت کا تقاضا ہے یا نہیں؟

۴: نیز یہ بھی قابل دریافت ہے کہ یہ نقشہ اس وقت عام مروج تھا یا حضور ﷺ کے ساتھ خاص تھا؟ آپ ﷺ کا نعل مبارک صحابہ رضوان اللہ علیہم کے زمانے میں موجود تھا، دیگر مستعمل کپڑوں، برتنوں کی طرح اس کو سنبھال کر رکھا گیا۔ جن حضرات کے پاس یہ موجود نہیں تھا، کیا کسی روایت سے ثابت ہے کہ وہ لوگ کاغذ پر اس کی صورت بنا کر برکت حاصل کرتے ہوں؟ اگر ثابت نہ ہو تو آج اس کو باعث ثواب سمجھنا، سفر میں ساتھ رکھنا،

برکت کے لئے دکانوں، مکانوں پر لگانا کیا بدعت نہیں ہوگا؟

۵: روضہ اقدس کی صحیح تصویر یعنی فوٹو، بیت اللہ کی صحیح تصویر بھی باعث برکت ہے یا نہیں؟ اب لوگ ان کپڑوں اور قالینوں پر نماز پڑھنا بے ادبی سمجھنے لگ گئے ہیں جن پر روضہ اقدس کی تصویر ہو، اس کی کیا حیثیت ہے؟

۶: اب نقش خاتم بھی شائع ہو گیا ہے، لوگ اس کے تصور کو انوار و برکات کا باعث سمجھنے لگے ہیں، اس کی کیا شرعی حیثیت ہے؟ مجھے خطرہ ہے کہ غالی لوگوں کی طرف سے جلد ہی آپ ﷺ کی اونٹنی اور بغل اور حمار کی مثل شائع ہو کر ان کا بھی احترام نہ شروع ہو جائے۔ میرے غیر مرتب الفاظ کو اپنے مرتب الفاظ میں منتقل کر کے سوال و جواب اپنے ماہنامہ ”البلاغ“ میں شائع فرمادیں تو میرے جیسے کئی متحیر لوگوں کی رہنما ہو جائے گی۔ والسلام، عبد المجید غفرلہ، باب العلوم کھروڑپکا

بخدمت اقدس جناب مولانا عبد المجید صاحب مدظلہم العالی!
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

امید ہے مزاج گرامی بخیر ہوں گے۔

آپ کا مفصل استفتاء نعل مبارک کے نقشے کے بارے میں کافی عرصہ پہلے مل گیا تھا، وہ برابر زیر غور رہا، آخر میں مشورے کے لئے حضرت مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی کی خدمت گرامی میں پیش کیا، ہماری خوش قسمتی ہے کہ حضرت والا خود جواب تحریر فرمانے کے لئے تیار ہو گئے، چنانچہ یہ جواب حضرت مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی کا لکھا ہوا ہے۔ والسلام بندہ عبدالرؤف سکھروی۔

مخدوم گرامی قدر حضرت مولانا عبد المجید صاحب مدظلہم العالی!
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

آنجناب کا گرامی نامہ مولانا مفتی عبدالرؤف صاحب کے نام آیا تھا، انہوں نے احقر کو مشورے کے لئے بھیجا، احقر نے جو کچھ سمجھ میں آیا، لکھ دیا، اور آنجناب کی خدمت میں اس

خیال سے ارسال کر رہا ہوں کہ اگر کوئی غلطی ہوگی تو آنجناب اس پر متنبہ فرمائیں گے۔

﴿ جواب ﴾:

شاید جناب کے علم میں ہوگا کہ حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسالہ ”زاد السعید“ میں حضور اقدس ﷺ کے نعل مبارک کا نقشہ شائع فرمایا تھا اور اس کو سر پر رکھ کر دعا کرنے کی بھی فی الجملہ ترغیب دی تھی، اور اس سلسلے میں ایک رسالہ بھی تحریر فرمایا تھا، بعد میں حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب نے اس موضوع پر حضرت سے خط و کتابت کی جو کفایت المفتی جلد: ۲ صفحہ: ۱۶ تا ۶۹ (۱۵۵) اور امداد الفتاویٰ جلد: ۴ صفحہ: ۳۲۸ تا ۳۳۲ (۱۵۶) میں مکمل شائع ہو چکی ہے۔ اس خط و کتابت کے مطالعے سے مسئلے کی شرعی حیثیت بڑی حد تک واضح ہو جاتی ہے۔ اور اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جہاں تک آنحضرت ﷺ کے ان آثار متبرکہ کا تعلق ہے جو آپ کے زیر استعمال رہے ہوں یا آپ کے جسم اطہر سے مس ہوئے ہوں، ان سے تبرک یا انہیں بوسہ دینا یا سر پر رکھنا متعدد صحابہ کرامؓ اور علمائے متقدمین سے ثابت ہے، اور جیسا کہ خود آنجناب نے ذکر فرمایا ہے وہ محل اشکال نہیں۔ البتہ اگر آپ ﷺ کے ان آثار متبرکہ کی کوئی تصویر بنائی جائے یا اس کا کوئی نقشہ بنایا جائے تو وہ اگرچہ اصل آثار کے مساوی نہ ہوگا، لیکن چونکہ اصل کے ساتھ مشابہت اور مشاکلت کی وجہ سے اس کو حضور اقدس ﷺ سے فی الجملہ ایک نسبت حاصل ہے، اس لئے اگر کوئی شخص اپنے شوق طبعی اور محبت کے داعیہ سے اس کا بھی ادب کرے اور اسی محبت کے داعیہ سے اسے بوسہ دے یا آنکھوں سے لگائے تو فی نفسہ اس کی ممانعت پر بھی کوئی دلیل نہیں، لہذا فی نفسہ ایسا کرنا مباح ہوگا، بلکہ جس محبت کے داعیہ سے ایسا کیا

(۱۵۵): (کفایت المفتی، کتاب السلوک والطریقة، ج: ۲، ص: ۹۱ تا ۹۹، ط،

دار الاشاعت کراچی)

(۱۵۶): (امداد الفتاویٰ، ج: ۱۰، ص: ۵۷ تا ۶۲، ط، مکتبہ زکریا بک ڈپو الہند/

ج: ۴، ص: ۳۷۴ تا ۳۷۹، ط، مکتبہ دارالعلوم کراچی)

جار ہا ہے وہ محبت ان شاء اللہ موجب اجر بھی ہوگی بشرطیکہ اس خاص عمل کو بذاتہ عبادت نہ سمجھا جائے، کیونکہ عبادت کے لئے ثبوت شرعی درکار ہے۔ البتہ جواز کے لئے کسی مستقل دلیل کی ضرورت نہیں کیونکہ اس کے لئے ممانعت کی دلیل نہ ہونا بھی کافی ہے۔ اور اس تفصیل میں دونوں صورتیں شامل ہیں، خواہ نقش اصل کے بالکلیہ مطابق ہو یا بالکلیہ مطابق نہ ہو، کیونکہ مشابہت کی وجہ سے فی الجملہ نسبت دونوں کو حاصل ہے۔

یہ تو مسئلے کی اصل تھی، لیکن چونکہ ان نازک حدود کو سمجھنا اور ان کی نزاکت کو ملحوظ رکھنا عوام کے لئے مشکل معلوم ہوتا ہے، اور اس بات کا اندیشہ ہے اس میں حدود سے تجاوز نہ ہو جائے، مثلاً یہ کہ ان اعمال کو بذاتہ عبادت جانے لگے یا ادب و تعظیم میں حدود سے تجاوز ہو کر مشرکانہ افعال یا اعتقادات اس کے ساتھ نہ مل جائیں۔ اس لئے مناسب یہی ہے کہ ان نقشوں کی عمومی تشہیر اور ان کی طرف ترغیب وغیرہ سے اجتناب ہی کیا جائے، اس لئے حضرت حکیم الامت قدس اللہ سرہ نے اپنے رسالہ ”نیل الشفاء بنعل المصطفیٰ ﷺ“ سے بعد میں رجوع فرمایا لیا تھا۔

خلاصہ یہ کہ تشہیر کی ہمت افزائی نہیں کرنی چاہئے، لیکن اگر کوئی شخص حدود میں رہ کر مذکورہ افعال کرتا ہے اس پر نکیر بھی درست نہیں۔

۳: آنحضرت ﷺ کی نعل شریف جیسی نعل بنوا کر پہننے کے جواز یا عدم جواز کے بارے میں فقہائے کرام کی کوئی تصریح تو نہیں دیکھی، البتہ یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ یہ معاملہ ذوق کا ہے، اور مذاق مختلف ہو سکتے ہیں، ایک مذاق یہ ہے کہ جس چیز کو حضور اقدس ﷺ کے آثار متبرکہ میں سے کسی کے ساتھ مشابہت حاصل ہو وہ تو سر اور آنکھوں پر رکھنے کی چیز ہے، نہ یہ کہ اس کو پاؤں میں استعمال کیا جائے، لہذا اگر کوئی شخص اس مذاق کے تحت اسے پہننے سے احتراز کرے تو یہ اس کے مذاق تعظیم و محبت کا تقاضا ہے جس پر وہ قابل علامت نہیں، جیسا کہ حضرت گنگوہی قدس اللہ سرہ کے بارے میں منقول ہے کہ سبز رنگ کا جوتا بھی اس لئے نہیں پہنتے تھے کہ گنبد خضراء کا رنگ سبز ہے۔ اور دوسرا مذاق یہ ہے کہ انسان

اپنے ہر عمل اور ہر ادا میں حتی الامکان حضور اقدس ﷺ کی اداؤں کی نقل اتارنے کی کوشش کرے، اور آپ ﷺ کے لباس جیسا لباس پہنے، اور اس نقطہ نظر سے آپ ﷺ کے نعل مبارک جیسا نعل بنوا کر پہنے اور مقصود اتباع ہو تو بظاہر اس پر بھی ممانعت کی کوئی دلیل نہیں، بلکہ یہ بھی محبت کا تقاضا ہے۔ چونکہ اس کا مقصود اتباع ہے، اس لئے بظاہر اس میں اہانت کا بھی کوئی پہلو نہیں۔ چنانچہ صحابہ و تابعین رضی اللہ عنہم اجمعین سے یہ کہیں منقول نہیں کہ انہوں نے حضور اقدس ﷺ کے نعل مبارک جیسے جوتے پہننے سے احتراز کا اہتمام کیا ہو، بالخصوص جبکہ اس دور میں جوتوں کی اوضاع میں اتنا تنوع بھی نہیں تھا، لہذا جیسا عرض کیا گیا یہ ذوق کی بات ہے اور کوئی ذوق قابل ملامت نہیں۔

۴۔ یہ بات تلاش کے باوجود نہیں مل سکی کہ آیا یہ نقشہ عام مروّج تھا یا آنحضرت ﷺ کے ساتھ خاص تھا۔

۵، ۶۔ روضہ اقدس یا بیت اللہ کی صحیح تصویر کا حکم بھی قریب قریب ایسا ہی ہے کہ ان کو اصل کے ساتھ تشابہ کی ایک نسبت قویہ حاصل ہے، نیز انہیں دیکھ کر اس کا استحضار قوی ہوتا ہے، لہذا ان کا احترام کرنا چاہئے، یعنی ان کو کسی موضع اہانت میں استعمال کرنا درست نہیں، جہاں تک ان کے باعث برکت ہونے کا تعلق ہے، یہ بات واضح ہے کہ کسی جگہ ان کے لگانے سے ان شعائر کا بار بار استحضار ہوتا ہے، اور یہ استحضار یقیناً باعث برکت ہے۔

جانمازوں پر فی نفسہ کسی بھی قسم کے نقش پسندیدہ نہیں، لیکن اگر کسی جائے نماز پر حرمین شریفین میں سے کسی کی تصویر اس طرح بنی ہوئی ہے کہ وہ پاؤں کے نیچے نہیں آتی تو اس میں بھی اہانت کا کوئی پہلو نہیں، البتہ موضع سجود میں بیت اللہ کے سوا کسی اور چیز کی تصویر بالخصوص روضہ اقدس کی شبیہ میں چونکہ ایہام خلاف مقصود کا ہو سکتا ہے اس سے احتراز مناسب معلوم ہوتا ہے۔

۷۔ نقش خاتم کے بارے میں بھی وہی تفصیل ہے جو نقش نعلین کے بارے میں عرض کی گئی، البتہ ظاہر ہے کہ ان غیر ذی روح اشیاء کے نقوش پر ذی روح کے نقوش کو ہرگز قیاس

نہیں کیا جاسکتا، کہ ذی روح کا نقش یا تصویر بہر صورت ممنوع ہے (۱۵۷)۔ واللہ سبحانہ اعلم (فتاویٰ عثمانی، ج: ۱، ص: ۳۵ تا ۳۹، ط، مکتبہ معارف القرآن کراچی)



(۱۵۷): عن أبي طلحة، قال: قال النبي ﷺ: لا تدخل الملائكة بيتاً فيه كلب، ولا تصاویر. متفق عليه. وفي المرقّات تحت هذا الحديث: "ولا تصاویر" یعم جمیع أنواع الصور. وقد رخص فیما كان فی الأنماط الموطوءة بالأرجل علی ما ذكره ابن الملك. قال الخطابی: انما لا تدخل الملائكة بيتاً فيه كلب أو صورة مما یحرم اقتناؤه من الكلاب والصور، واما ما لیس بحرام من كلب الصيد والزرع والماشية ومن الصورة التي تمتهن فی البساط والوسادة وغيرهما، فلا یمنع دخول الملائكة بیده. قال النووي: والأظهر أنه عام فی كل كلب وصورة، وأنهم یمتنعون من الجمیع لاطلاق الأحادیث ولأن الجر والذى كان فی بیت النبي ﷺ تحت السریر كان له فیہ عذر ظاهر لأنه لم یعلم به، ومع هذا امتنع جبریل علیہ الصلوٰۃ والسلام من دخول البیت، وعلمه بالجر... قال أصحابنا وغيرهم من العلماء: تصویر صورة الحيوان حرام شدید التحريم وهو من الكبائر لأنه متوعداً علیہ بهذا الوعد الشدید المذكور فی الأحادیث سواء صنع فی ثوب أو بساط أو درهم أو دينار أو غیر ذلك، وأما تصویر صورة الشجر والرجل والجبل وغير ذلك فلیس بحرام. هذا حکم نفس التصوير، وأما اتخاذ المصور بحيوان، فان كان معلقاً علی حائط سواء كان له ظل ام لا، أو ثوباً ملبوساً أو عمامة أو نحو ذلك فهو حرام... الخ. (مرقات المفاتیح شرح مشکاة المصابیح، کتاب اللباس، باب التصاویر، الفصل الأول، ج: ۸، ص: ۳۲۲، ۳۲۳، ط، دار الکتب العلمیة بیروت لبنان)

حضور اکرم ﷺ اور نماز اشراق

﴿ سوال ﴾:

آپ ﷺ اشراق کی کتنی رکعت پڑھتے تھے؟

﴿ الجواب حامداً ومصلیاً ﴾:

اشراق کی دو یا چار رکعت پڑھنا مسنون ہے (۱۵۸)۔ (زاد المعاد: ۱/۹۳) فقط واللہ
اعلم بالصواب (فتاویٰ فلاحیہ، ج: ۱، ص: ۱۵۱)



(۱۵۸): عن أبي الدرداء، وأبي ذر رضي الله عنهما قالاً: قال رسول
الله ﷺ: عن الله تبارك وتعالى أنه قال: يا ابن آدم! اركع لي أربع ركعات من أول
النهار، أكفك آخره. رواه الترمذی. وفي المرقاة تحت هذا الحديث: ”أربع
ركعات من أول النهار“ قيل: المراد صلاة الضحی وقيل: صلاة الاشراق. (مرقات
المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، ج: ۳، ص: ۳۵۵، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)
وفي الموسوعة الفقهية: وصلاة الاشراق بهذا الاسم ذكرها بعض فقهاء
الشافعية على ما جاء في بعض كتبهم، وذلك في أثناء الكلام على صلاة الضحی.
ففي منهاج الطالبين وشرحه المحلى قال: من النوافل التي لايسن لها
الجماعة: الضحی: وأقلها ركعتان، وأكثرها اثنتا عشرة ركعة، ويسلم من كل
ركعتين، قال القليوبي تعليقا على قوله: (الضحی) هي صلاة الأوابين وصلاة
الاشراق على المعتمد عند شيخنا الرملي وشيخنا الزیادی: وقيل: كما في الأحياء:
انها (أى صلاة الاشراق) صلاة ركعتين عند ارتفاع الشمس.

وفي عميرة قال الاسنوی: ذكر جماعة من المفسرين. أن صلاة الضحی هي
صلاة الاشراق المشار اليها في قوله تعالى: ﴿يسبحن بالعشي والاشراق﴾ أى
يصلين، لكن في الأحياء انها غيرها، وأن صلاة الاشراق ركعتان بعد طلوع الشمس

ختم نبوت ذاتی سے متعلق ”الشہاب الثاقب“ کی عبارت

پر اشکال کا جواب

﴿سوال﴾:

حضرت مولانا مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ”الشہاب الثاقب“ ص: ۷۸ میں یہ عبارت ہے:

”پس بنظر اس کے وصف اصلی اور کمال ذاتی کے ممکن ہوگا کہ کوئی نبی اس کے بعد آوے اگرچہ یہ ممکن وجہ خارجی سے ممتنع ہو گیا ہو۔
یہ وہی مطلب اس عبارت کا ہے جو ص: ۱۴ میں مجدد بریلوی نقل کی ہے کہ:
”اگر فرض کیا جائے وجود کسی نبی کا بعد آپ کے تو آپ کی خاتمیت پر نہ ہوگا“ الی آخرہ۔

﴿الجواب حامداً ومصلیاً﴾:

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب ”تحذیر الناس“ میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ایک اثر کی تشریح کرتے ہوئے یہ تحریر فرمایا ہے کہ ”رسول پاک ﷺ کے خاتم النبیین ہونے کے ایک معنی تو وہی ہیں جو سب کے ذہنوں میں موجود ہیں، یعنی یہ کہ حضور اکرم ﷺ تمام انبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد تشریف لائے۔“ یہ مطلب بھی درست ہے اور اس پر ہمارا عقیدہ ہے جیسا کہ خود حضرت نانوتوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب ”جوابات محذورات عشر“ میں جگہ جگہ تحریر فرمایا ہے کہ ”ختم نبوت اپنا دین و ایمان ہے لیکن اس کے علاوہ ایک اور معنی بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ اپنی ذات اور مرتبہ کے لحاظ سے بھی خاتم النبیین ہیں اور آپ کی ذات تمام انبیاء

کے لئے خاتم ہے اور مطلب اس وقت میں بھی صادق ہے جب کہ آپ جملہ انبیاء کے آخر میں تشریف لائے اور آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آسکتا، نبوت کا دروازہ بند ہو چکا ہے، اب اگر کوئی شخص نبوت کا دعویٰ کرے تو وہ باطل ہے اور اگر بالفرض آپ سب سے پہلے حتیٰ کہ حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام سے بھی پہلے تشریف لاتے تب بھی آپ اپنے مرتبہ کے لحاظ سے خاتم النبیین ہی ہو کر تشریف لاتے، اور اگرچہ چند انبیاء کے بعد چند انبیاء سے پہلے تشریف لاتے جب بھی آپ مرتبہ کے اعتبار سے خاتم النبیین ہی ہوتے۔“ الحاصل آپ کا یہ عہدہ اور مقام ہر حال میں آپ کے لئے حاصل ہے۔

یہی مطلب ”الشہاب الثاقب“ کی عبارت کا ہے، اب اگر کوئی اپنی باطن کی خرابی اور کج فہمی سے مطلب بگاڑ کر بیان کرے تو خود اس کا مطلب ہوگا، حضرت نانوتوی یا حضرت مدنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما کا وہ ہرگز مطلب نہیں، اس بگڑے ہوئے مطلب کو ان بزرگوں کی طرف منسوب کرنا افتراء اور بہتان ہے اور اس بگڑے ہوئے مطلب پر جو شرعی حکم عائد ہوگا وہ خود اس بگاڑنے والے پر ہوگا نہ کہ ان بزرگوں پر۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم (فتاویٰ محمودیہ، ج: ۱، ص: ۳۷۲ تا ۳۷۷)



ختم نبوت ذاتی وزمانی؟

﴿سوال﴾:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی درج ذیل عبارت کے بارے میں کہ:

”بلکہ اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی کوئی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیت

محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا۔“ (حوالہ تحذیر الناس ص: ۴۱، مطبوعہ مکتبہ

تھانوی دیوبند)

کیا اس عبارت سے ختم نبوت کا معاذ اللہ انکار لازم آتا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

﴿ الجواب وبالله التوفیق ﴾:

حضرت نانوتویؒ کی کتاب ”تخذیر الناس“ کی پوری عبارت ملاحظہ فرمائیں:
 ”ہاں اگر خاتمیت بمعنی اوصاف ذاتی بوصف نبوت لیجئے، جیسا کہ
 اس بیچ مداں نے عرض کیا ہے تو پھر سوائے رسول ﷺ اور کسی افراد مقصودہ
 بالخلق میں سے مماثل نبوی ﷺ نہیں کہہ سکتے؛ بلکہ اس صورت میں فقط
 انبیاء کے افراد خارجی ہی پر آپ ﷺ کی فضیلت ثابت نہ ہوگی افراد مقدرہ
 پر بھی آپ ﷺ کی فضیلت ثابت ہو جائے گی؛ بلکہ اگر بالفرض بعد
 زمانہ ﷺ بھی کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے
 گا۔“

واضح رہنا چاہئے کہ حضرت نانوتویؒ نے اس کتاب میں یہ ثابت کیا ہے کہ آپ صلی
 اللہ علیہ وسلم تین طریقوں سے خاتم النبیین ہیں:

(۱) خاتمیت مکانی (۲) خاتمیت زمانی (۳) خاتمیت ذاتی مرتبی یعنی زمانہ اور
 مکان کی قید سے قطع نظر کرتے ہوئے آپ ﷺ کا ختم نبوت کے مرتبہ پر فائز ہونا جس کو
 حدیث: ”كنت نبيا و آدم بين الماء والطين“ میں بیان فرمایا گیا ہے، مذکورہ عبارت
 میں اسی خاتمیت ذاتی سے بحث کی گئی ہے، اس عبارت کا تعلق خاتمیت زمانی کے بحث سے
 بالکل ہے ہی نہیں، یعنی آنحضرت ﷺ کی فضیلت صرف اسی وجہ سے نہیں ہے کہ آپ سب
 سے آخر میں مبعوث ہوئے؛ بلکہ اس سے آگے بڑھ کر خود آپ ﷺ اپنی ذات والا صفات
 کے اعتبار سے زمان و مکان کی قید سے بالاتر ہو کر خاتمیت نبوت سے متصف ہیں۔
 (مستفاد: قادیانی مغالطے ۶۱)

اسی کو سمجھاتے ہوئے حضرت نانوتویؒ نے یہ بات لکھی ہے ”کہ اگر بالفرض (محض

سمجھانے کے لئے ایک فرضی صورت اختیار کی ہے جس پر اگر اور بالفرض کے الفاظ صراحۃً دلالت کر رہے ہیں، اس سے ہرگز یہ لازم نہیں آتا ہے کہ حضرت نانوتویؑ آنحضرت ﷺ کے بعد کسی نبی کے امکان کے قائل ہیں) بعد زمانہ بھی کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیت محمدی (یعنی بحیثیت ذاتی) میں کچھ فرق نہ آئے گا“ (بلکہ اس مفروضہ صورت میں بھی آپ ﷺ کی ذات ہی خاتم النبیین کی مستحق ہوگی)

معلوم یہ ہوا کہ حضرت نانوتویؑ کی اس عبارت سے یہ سمجھنا کہ آں موصوف نبی اکرم ﷺ کے آخری نبی ہونے کے منکر ہیں قطعاً صحیح نہیں ہے؛ بلکہ اس کے برخلاف اس عبارت کا صاف مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ صرف سب نبیوں کے بعد میں آنے کی وجہ سے ہی خاتم النبیین نہیں بلکہ آپ ﷺ ذاتی مرتبہ کی بنا پر بھی خاتم النبیین ہیں، یعنی دونوں اعتبار سے خاتم النبیین ہیں۔

اور یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ حضرت نانوتویؑ ختم نبوت کے منکر ہوں، حالاں کہ رسالہ ”تحذیر الناس“ کا موضوع ہی یہی ہے کہ آپ ﷺ آخری نبی ہیں، اور خود ”تحذیر الناس“ میں جا بجا حضرت نانوتویؑ نے نبی اکرم ﷺ کی ختم نبوت کا صراحۃً ذکر فرمایا ہے۔ مثال کے طور پر ص: ۱۰ پر تحریر فرماتے ہیں:

”سوا اگر اطلاق اور عموم ہے تب تو ثبوت خاتمیت زمانی ظاہر ہے ورنہ تسلیم لزوم خاتمیت زمانی بدلات التزامی ضرور ثابت ہے“ اور ص: ۲۱ پر ہے

”در صورت کہ زمانے کو حرکت کہا جائے تو اس کے لئے کوئی مقصود بھی ہوگا، جس کے آنے پر حرکت منتهی ہو جائے سو حرکت سلسلہ نبوت کے لئے نقطہ ذات محمدی منتهی ہے“۔

اسی طرح اپنی دیگر تصنیفات میں بھی اس کی صراحت کی ہے کہ آپ ﷺ سب سے آخری نبی ہیں۔

مناظرہ عجیبہ کے ص: ۲۹ پر ہے:

”خاتمیت زمانی اپنا دین و ایمان ہے ناحق کی تہمت کا البتہ کچھ

علاج نہیں۔“

اور ص: ۶۹ پر رقم طراز ہیں:

”ہاں یہ مسلم ہے کہ خاتمیت زمانی اجماعی عقیدہ ہے۔“

اور صفحہ ۱۰۳ پر ارقام فرماتے ہیں:

”بعد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کسی اور نبی کے

ہونے کا احتمال نہیں، جو اس میں تامل کرے اس کو کافر سمجھتا ہوں۔“

(مستفاد: فیصلہ کن مناظرہ ص: ۵۳)

ایک اور جگہ تحریر فرماتے ہیں:

”خاتمیت زمانی سے مجھ کو انکار نہیں؛ بلکہ یہ کہئے کہ منکروں کے

لئے گنجائش انکار نہ چھوڑی۔“ (جواب محذورات ۵۰)

قاسم العلوم حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ کی مذکورہ بالا تصریحات کے ہوتے ہوئے

کوئی صاحب دیانت اور صاحب عقل یہ نہیں کہہ سکتا ہے کہ آپ ختم نبوت زمانی کے منکر ہیں؛ لیکن افتراء پردازی کا کوئی علاج نہیں۔

نیز یہ بتلادینا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہ تحقیق کہ آنحضرت ﷺ خاتم زمانی

ہونے کے ساتھ خاتم مرتبی اور خاتم ذاتی بھی ہیں یعنی آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے کمالات

نبوت براہ راست عطا فرمائے اور دیگر انبیاء علیہم السلام کو آنحضرت ﷺ کے واسطے سے،

اس میں حضرت نانوتویؒ منفرد نہیں؛ بلکہ بہت سے متقدمین علماء محققین بھی اس کی تصریح

فرما چکے ہیں۔

اور خود مولوی احمد رضا خاں بریلوی بھی اپنے رسالہ ”جزاء اللہ عدوہ“ کے

ص: ۲۳ پر لکھتے ہیں:

”اور نصوص متواترہ اولیاء کرام وائمہ عظام و علماء اعلام سے مبرہن ہو چکا ہے کہ ہر نعمت قلیل یا کثیر، صغیر یا کبیر، جسمانی یا روحانی، دینی یا دنیوی (الی قولی) ملک یا انسان جن یا حیوان؛ بلکہ تمام ماسوا اللہ میں جسے جو کچھ ملی ہے یا ملے گی اس کی کلی انہیں کے صباۓ کرم سے کھلی اور کھلتی ہے، یا کھلے گی، یہ سر الوجود اور اصل الوجود خلیفۃ اللہ الاعظم و ولی نعمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ یہ خود فرماتے ہیں: عَلَيْهِ السَّلَامُ اَنَا أَبُو الْقَاسِمِ، اللّٰهُ يَعْطِي وَاَنَا قَاسِمٌ“۔

فاضل بریلوی کی اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ عالم میں جو کچھ نعمت روحانی یا جسمانی کسی کو ملی ہے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دست کرم کا نتیجہ ہے، اور چونکہ نبوت بھی ایک اعلیٰ درجہ کی روحانی نعمت ہے؛ لہذا وہ بھی دوسرے انبیاء علیہم السلام کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے واسطہ سے ملی ہے اور اسی حقیقت کا نام حضرت مولانا قاسم صاحب نانوتویؒ کی اصطلاح میں ”خاتمیت ذاتی“ اور ”خاتمیت رتبی“ ہے۔

﴿ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِنْ رِجَالِكُمْ وَلَكِنْ رَسُولَ

اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ ﴾ [الاحزاب: ۴۰]

عن جبیر مطعم رضی اللہ عنہ قال: سمعت النبی

صلی اللہ علیہ وسلم يقول: وأنا العاقب، والعاقب الذی لیس بعده نبی..

(صحیح البخاری، المناقب / ما جاء فی أسماء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم)

رقم: ۳۵۳۲، صحیح مسلم، الفضائل / باب فی أسمائه صلی اللہ علیہ وسلم رقم:

(۲۳۵۴)

”وقد أخبر اللہ تبارک وتعالیٰ فی کتابہ ورسولہ صلی اللہ علیہ وسلم

فی السنة المتواترة أنه لا نبی بعده، لیعلموا أن کل من ادعی

هذا المقام بعده، فهو کذاب وأفاک دجال ضال مضل“۔

(تفسیر ابن کثیر ۶۵۲/۳ الاحزاب: ۴۰ بیروت)

اعلم أن الاجماع قد انعقد على أنه ﷺ خاتم المرسلين كما أنه خاتم النبيين وان كان المراد بالنبيين في الآية هم المرسلين. (اليواقيت والجواهر ۳۷/۲)

قوله: ”وكل دعوى النبوة بعده فغى وهوى“ ش: لما ثبت أنه خاتم النبيين، علم أن من ادعى بعده النبوة فهو كاذب. (عقيدة الطحاوية مع الشرح ۱۷۶، بحواله: عقائد اهل السنة والجماعة ۱۰۰) فقط واللّه تعالى اعلم (كتاب النوازل، ج: ۱، ص: ۲۸۷ تا ۲۹۱، ط، المركز العلمی للنشر والتحقیق لال باغ مراد آباد الهند)



حضور اکرم ﷺ کے خاتم النبيين ہونے پر اشکال اور اس کا جواب

﴿سوال﴾:

بلاشبہ حضور اقدس ﷺ پر نبوت ختم ہو چکی، آپ ﷺ خاتم النبيين ہیں لہذا اب کوئی دوسرا نبی نہیں آئے گا، لیکن اشکال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب اللہ تبارک و تعالیٰ قادر مطلق ہے اور اس نے جس طرح پہلے انبیاء بھیجے اب بھی ان کے بھیجنے پر قادر ہے، پھر اب وہ نبی کیوں نہیں بھیجے گا؟ براہ کرم اس اشکال کو دور فرمادیں۔

﴿الجواب حامداً ومصلیاً﴾:

جب وہ قادر مطلق ہے تو اس کو کون مجبور کر سکتا ہے کہ وہ ضرور نبی بھیجے، کسی کو مطالبہ کا حق نہیں، اس نے اپنے پاک نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو آخری نبی اور خاتم النبيين قرار دیدیا ہے (۱۵۹) اس لئے وہ قادر مطلق ہونے کے باوجود کسی نبی کو پیدا نہیں

فرمائے گا (۱۶۰)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (فتاویٰ محمودیہ، ج: ۱، ص: ۳۷۴)



رسول اللہ وخاتم النبیین۔ (الأحزاب: ۴۰)

وعن أبي هريرة، أن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم قال: فضلت على الأنبياء بست: أعطيت جوامع الكلم، ونصرت بالرعب، وأحلت لي الغنائم، وجعلت لي الأرض مسجداً وطهوراً، وأرسلت إلى الخلق كافة، وختم بي النبيون. وفي المرققات تحت هذا الحديث: "وختم بي النبيون" أي وجودهم فلا يحدث بعدى نبى ولا يشكل بنزول عيسى عليه السلام، وترويج دين نبينا صلى الله تعالى عليه وسلم على أتم النظام وكفى به شهيداً شرفاً وناهيك به فضل على سائر الأنام. قال الطيبي: أغلق باب الوحى وقطع طريق الرسالة وسد، وأخبر باستغناء الناس عن الرسل وأظهر الدعوة بعد تصحيح الحجة وتكميل الدين. (مرقات المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، كتاب الفضائل والشمال، باب فضل سيد المرسلين ﷺ، الفصل الأول، ج: ۱۰، ص: ۴۲۷، ۴۲۸، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

(۱۶۰): قال اللہ تبارک وتعالى: واللہ يحکم لامعقب لحكمه. (سورة الرعد:

(۴۱)

وفى روح المعانى: لأن اخباره تعالى بوقوع الشىء أو عدم وقوعه القدرة عليه، ولا يخرج من الامكان الذاتى لامتناع الانقلاب، وانما ينفى وقوعه أو وقوعه فيصير بالغير، واللازم للممكن أن لا يلزم من فرض وقوعه نظراً الى ذاته محال، وأما بالنظر الى امتناعه بالغير فقد يستلزم الممتنع بالذات كاستلزام عدم المعلول الأول عدم الواجب. (روح المعانى، سورة البقر، الآية: ۶، ج: ۱، ص: ۱۳۰، ط، دار احياء التراث العربى بيروت لبنان)

حضور ﷺ ازل سے خاتم الانبیاء ہیں

﴿ سوال ﴾:

حضور ﷺ کو کب سے خاتم النبیین تسلیم کیا جائے قبل الولادت بھی آپ خاتم الانبیاء تھے؟ وضاحت کی جائے مہربانی ہوگی۔

﴿ الجواب ﴾:

چونکہ ختم کے متعلق بہت سے آیات اور احادیث وارد ہیں (۱۶۱)۔ اور ان میں سے

(۱۶۱): قال اللہ تبارک وتعالیٰ: ما کان محمد أباً أحد من رجالکم ولكن رسول اللہ وخاتم النبیین. (الأحزاب: ۴۰)

وعن أبی ہریرۃ، أن رسول اللہ ﷺ قال: فضلت علی الأنبیاء بست: أعطیت جوامع الکلم، ونصرت بالرعب، وأحلت لی الغنائم، وجعلت لی الأرض مسجداً وطهوراً، وأرسلت الی الخلق كافة، وختم بی النبیون. (مشکاة المصابیح، کتاب الفضائل والشمائل، باب فضائل سید المرسلین صلوات اللہ وسلامہ علیہ، الفصل الأول، ص: ۵۱۱، ط، قدیمی کتب خانہ کراچی)

وعن العرباض بن ساریۃ، عن رسول اللہ ﷺ، أنه قال: انی عند اللہ مکتوب: خاتم النبیین، وان آدم لمنجدل فی طینتہ، وسأخبرکم بأول أمری، دعوة ابراهیم، وبشارة عیسی، ورؤیا أمی الی الی رأت حین وضعتنی وقد خرج لها نور أضاء لها منه قصور الشام. (مشکاة المصابیح، کتاب الفضائل والشمائل، باب فضائل سید المرسلین صلوات اللہ وسلامہ علیہ، الفصل الثانی، ص: ۵۱۳، ط، قدیمی کتب خانہ کراچی)

وعن جابر، أن النبی ﷺ قال: أنا قائد المرسلین ولا فخر، وأنا خاتم النبیین ولا فخر، وأنا أول شافع ومشفع ولا فخر. (مشکاة المصابیح، کتاب الفضائل والشمائل، باب فضائل سید المرسلین صلوات اللہ وسلامہ علیہ، الفصل الثانی، ص: ۵۱۴، ط، قدیمی کتب خانہ کراچی)

سب سے اول کا تعین مشکل ہے۔ لہذا ہم عقیدہ رکھیں گے کہ پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام اللہ تعالیٰ کے علم میں ازل سے خاتم الانبیاء ہیں اور اس کے متعلق اول وحی کی تاریخ نامعلوم ہے۔ وہو الموفق (فتاویٰ فریدیہ، ج: ۱، ص: ۴۶۸)



رسول اللہ ﷺ آخری نبی ہیں

﴿ سوال ﴾:

بعض لوگ کہتے ہیں کہ قیامت کے قریب نبی آخر الزمان آنے والے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ نہیں، اس سلسلہ میں وضاحت کیجئے۔

﴿ جواب ﴾:

نبی آخر الزمان پیغمبر اسلام جناب محمد ﷺ ہیں، آپ ﷺ اللہ کے آخری نبی اور رسول ہیں، اور ہر طرح کی نبوت آپ ﷺ پر ختم ہو چکی ہے، آپ ﷺ کے بعد کسی نبی کی آمد کا امکان باقی نہیں رہا، قرآن میں یہ بات صراحت سے فرمائی گئی ہے (۱۶۲)، احادیث اس سلسلہ میں بکثرت وارد ہوئی ہیں (۱۶۳)، اور یہ امت کا اجماعی عقیدہ ہے، اگر کوئی شخص

(۱۶۲): قال اللہ تبارک وتعالیٰ: ما کان محمد أباً أحد من رجالکم ولكن

رسول اللہ وخاتم النبیین. (الأحزاب: ۴۰)

(۱۶۳): عن أبی ہریرۃ رضی اللہ عنہ: أن رسول اللہ ﷺ قال: ان مثلی ومثل

الأنبیاء من قبلی کمثل رجل بنی بیتاً فأحسنه وأجمله الا موضع لبنة من زوایة فجعل الناس یطوفون به ویعجبون له ویقولون: هلا وضعت هذه اللبنة؟ قال: فأنا اللبنة، وأنا

خاتم النبیین. (صحیح البخاری، کتاب المناقب، باب خاتم النبیین ﷺ، ص: ۷۲۷،

رقم: ۳۵۳۵، ط، دار السلام ریاض)

عن مصعب بن سعد، عن أبیہ، أن رسول اللہ ﷺ خرج الی تبوک

واستخلف علیاً فقال: أتخلفنی فی الصبیان والنساء؟ قال: ألا ترضی أن تكون منی

آپ ﷺ کے بعد نبوت کا دعویٰ کرے، یا اس جھوٹے مدعی کی تصدیق کرے، تو وہ کافر ہے، اور اس کے کفر میں کوئی شبہ نہیں (۱۶۳)، قیامت تک کے لئے آپ ﷺ ہی کی نبوت

بمنزلة هارون من موسى الا أنه ليس نبي بعدى. (صحيح البخارى، كتاب المغازى، باب غزوة تبوك، وهى غزوة العسرة، ص: ۹۰۹، رقم: ۴۴۱۶، ط، دار السلام رياض)
عن الزهرى: سمع محمد بن جبير بن مطعم عن ابيه، أن النبی ﷺ قال: أنا محمد، وأنا أحمد، وأنا الماحي يمحى بي الكفر، وأنا الحاشر الذى يحشر الناس على عقبى، وأنا العاقب، والعاقب الذى ليس بعده نبي. (صحيح مسلم، كتاب الفضائل، باب فى أسمائه ﷺ، ص: ۱۰۳۴، ط، دار السلام رياض)

وأخرج أحمد عن حذيفة، عن النبی ﷺ قال: فى أمتى كذابون ودجالون سبعة وعشرون، منهم أربع نسوة، وانى خاتم النبيين لانبى بعدى.

وأخرج ابن أبى شيبه عن عائشة قالت: قولوا: خاتم النبيين. ولا تقولوا لانبى بعده. (الدرالمثور فى التفسير بالماثور، سورة الأحزاب، الآية: ۴۰، ج: ۱۲، ص: ۶۴)
(۱۶۳): فى الجامع لأحكام القرآن: قال ابن عطية: هذه الألفاظ عند جماعة علماء الأمة خلفاً وسلفاً متلقة على العموم التام، مقتضية نصاً أنه لانبى بعده ﷺ.
(الجامع لأحكام القرآن، سورة الأحزاب، الآية: ۴۰، ج: ۱۷، ص: ۱۶۶، ط، مؤسسة الرسالة بيروت لبنان)

وفى الموسوعة الفقهية: من ادعى النبوة لنفسه أو غيره فهو كاذب قطعاً، لأن الله تعالى نص فى القرآن الكريم على أن محمد ﷺ هو خاتم النبيين، أى آخرهم، ليس بعده نبي حتى تقوم الساعة. قال الله تعالى: ﴿ما كان محمد أباً أحد من رجالكم ولكن رسول الله وخاتم النبيين﴾. قال النبی ﷺ: أنا خاتم النبيين. وقال أيضاً: فضلت على الأنبياء بست... الحديث، وفيه: وختم بي النبيون، وقال ﷺ: سيكون فى أمتى كذابون ثلاثون كلهم يزعم أنه نبي، وأنا خاتم النبيين لانبى بعدى. وهذا أمر مجمع عليه معلوم من الدين بالضرورة. ومن هنا ينص الفقهاء على أن من ادعى أنه شريك لمحمد ﷺ فى الرسالة، أو قال بجواز اكتسابها بتصفية

ہے، کیونکہ آپ ﷺ کے بعد قیامت تک کوئی اور نبی نہیں آسکتا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دونوں انگلیوں ”انگشت شہادت اور بیچ کی انگلیوں“ کو جمع کر کے اشارہ سے سمجھاتے ہوئے فرمایا کہ میری بعثت اور قیامت ان دونوں انگلیوں کی طرح ہے، ”بعثت أنا والساعة كهاتين“ (۱۶۵) مقصد یہ ہے کہ میری نبوت اور قیامت کے درمیان کسی اور نبی کا ظہور نہیں ہو سکتا۔ (کتاب الفتاویٰ، ج: ۱، ص: ۵۳۶، ط، زمزم پبلشرز کراچی)



القلب وتهذيب النفس فهو كافر.

وكذا ان ادعى انه يوحى اليه وان لم يدع النبوة. قال القاضي عياض:
لا خلاف في تكفير مدعى الرسالة. قال: وتقبل توبته على المشهور.

وقال عبدالقاهر البغدادي: قال أهل السنة بتكفير كل متنبئ، سواء كان قبل الاسلام كزرادشت، ويوراسف، وماني، وديسان، ومرقيون، ومزدك، أو بعده، كمسيلمة وسجاح، والأسود بن يزيد العنسي، وسائر من كان بعدهم من المتنبئين. ومن صدق مدعى النبوة يكون مرتداً، لكفره، كذلك، لانكاره الأمر المجمع عليه.

ونقل القرافي عن أشهب أنه قال: ان كان المدعى للنبوة ذمياً استتيب ان أعلن ذلك، فان تاب والا قتل، وقال ابن القاسم: يقتل المتنبئ أسراً ذلك أو أعلنه.

ومن ادعى النبوة لغيره من الناس فهو مرتد، وقال عبدالقاهر: قال أهل السنة بتكفير من ادعى للأئمة الالهية أو النبوة، كالسبئية والبيانبة والخطابية ومن جرى مجراهم. (الموسوعة الفقهية، ج: ۴۰، ص: ۳۸، ۳۹، ۴۰)

وفيه ايضاً: آخر الأنبياء بعثة محمد ﷺ وذلك أمر اجماعي... الخ.

(الموسوعة الفقهية، ج: ۴۰، ص: ۴۱)

(۱۶۵): قال ابو حازم: سمعت من سهل ابن سعد الساعدي صاحب رسول

رسول اللہ ﷺ کا خاتم النبیین ہونا

﴿ سوال ﴾:

مندرجہ ذیل عبارت کے اس عقیدہ پر شرعی فتویٰ دیجئے (کتاب تحذیر الناس ص ۳)
از افاضات مبارکہ حجت الاسلام حضرت قاسم العلوم والخیرات مولانا محمد قاسم صاحب قدس اللہ
سرہ العزیز۔

عوام کے خیال میں تو رسول اللہ کا خاتم ہونا بایں معنی ہے کہ آپ کا زمانہ انبیاء سابق
کے زمانہ کے بعد ہے اور آپ سب میں آخری نبی ہیں، مگر اہل فہم پر روشن ہوگا کہ تقدم و تاخر
زمان میں بالذات کچھ نہیں ہے کچھ مقام مدح میں لیکن رسول اللہ و خاتم النبیین فرمانا اس
صورت میں کیوں کر صحیح ہو سکتا ہے کتاب تحذیر الناس ص ۳ کیا یہ عقیدہ رکھنا درست ہے۔

﴿ الجواب وبالله التوفیق ﴾:

عبارت منقولہ پوری عبارت نہیں ہے پوری عبارت کا جو مفہوم ہے وہ بالکل صحیح
و برحق ہے اور وہی عقیدہ تمام اہل سنت والجماعت کا ہے اور حاصل اس کا یہ ہے کہ جناب نبی
کریم ﷺ محض زمانہ ہی کے اعتبار سے خاتم النبیین نہیں تھے بلکہ ذات و مرتبہ کے اعتبار
سے بھی آپ خاتم النبیین ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب (منتخبات نظام الفتاویٰ، ج: ۱،
ص: ۸۷، ط، ایفا پبلیکیشنز نئی دہلی)



اللہ ﷺ يقول: قال رسول اللہ ﷺ: بعثت وأنا والساعة كهذه من هذه أو كهاتين،
و قرن بين السبابة والوسطى. (صحيح البخارى، كتاب الطلاق، باب اللعان وقول الله
تعالى: ﴿والذين يرمون أزواجهم﴾ الى قوله: ﴿ان كان من الصادقين﴾، ص: ۱۱۵۰،
رقم: ۵۳۰۱، ط، دار السلام رياض)

کیا نبوت جاری ہے؟

سوال:

سورۃ اعراف کی آیت ”یا بنی آدم اما یا تینکم رسل منکم“ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد قیامت تک نبی آتے رہیں گے کیونکہ بنی آدم سے یوم قیامت تک آنے والے تمام افراد مراد ہیں ان کے انبیاء بھی قیامت تک آنے چاہئیں۔

جواب:

یہاں دو عموم ہیں۔ ایک افراد انسانی کا عموم۔ دوسرا تمام اوقات میں عموم و احاطہ رسل۔ حتیٰ کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد بھی قیامت تک ظاہر ہے کہ پہلا عموم دوسرے عموم کو مستلزم نہیں۔ بایں طور پر ہر دور میں نئے نئے رسول آتے رہیں بلکہ یہ چیز امکان وقوعی کے طور پر ثابت ہے کہ ایک ہی رسول قرون کثیرہ کے افراد انسانی کے لیے کافی ہو جیسا کہ عیسیٰ علیہ السلام امت عیسویہ کے قرون کثیرہ کے لیے کافی ہوئے (یعنی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل پانچ صد سال) یہ معاملہ باری تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے۔ ہر ایک کے لیے جس قدر چاہتا ہے حد مقرر فرماتا ہے۔ لہذا عین ممکن ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے ہم عصروں کے لیے اور مابعد میں قیامت تک آنے والوں کے لیے کافی ہوں۔ پس آیت مذکورہ سے استدلال کوئی قوت نہیں رکھتا بلکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد سلسلہ نبوت و رسالت کا انقطاع نص قرآنی ”و خاتم النبیین“ سے ثابت ہے۔

سوال:

شیخ اکبر حضرت محی الدین ابن عربی نے فتوحات میں اور امام شعرانی نے یواقیت والجاہر میں کئی مقامات پر تصریح فرمائی ہے کہ نبوت تشریعی کا سلسلہ منقطع ہوا ہے مطلق نبوت

کا نہیں۔ لہذا جائز ہے کہ بعض کالمین امت کو نبی غیر تشریحی کہا جائے۔

﴿ جواب ﴾:

ایسا کہنا بالکل جائز نہیں۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت علیؑ سے ارشاد فرماتے ہیں: انت منی بمنزلة ہارون من موسیٰ الا انه لانی بعدی. [مشکاۃ ص: ۵۶۳] تم مجھ سے قرب و منزلت میں اس طرح ہو جس طرح موسیٰ علیہ السلام سے ہارون علیہ السلام تھے۔ لیکن میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ یہاں مطلقاً اسم نبی کے اطلاق کی نفی فرمادی خواہ وہ تشریحی کہلائے یا غیر تشریحی۔ اگر کہا جائے کہ صاحب فتوحات و صاحب یواقیت نے اس حدیث کی خلاف ورزی کیوں کی ہے تو جواباً یہ کہا جائے گا کہ ان اکابر کی غرض یہ ہے کہ اس امت مرحومہ میں اہل اللہ کا ایسا گروہ موجود ہے جنہیں کشف یا الہام یا لوح محفوظ کے مطالعہ کے ذریعے کتاب و سنت وغیرہ کے اسرار سے مطلع کیا جاتا ہے۔ یہ نہیں کہ اس معنی کے حصول سے انہیں نبوت کا مقام مل جاتا ہے۔ یا ان پر اسم نبی کا اطلاق صحیح ہے بلکہ صاحب فتوحات خود فتوحات میں تصریح فرماتے ہیں۔ لایصح لاحد ان یال مقام النبوة انا نراہ کالنجوم علی السماء۔ کہ اب کسی کے لیے نہیں ہو سکتا کہ وہ نبوت کا مقام پائے ہم تو نبوت کے مقام کو اپنے سے اتنا دور دیکھتے ہیں جتنا کہ آسمان کی بلندی پر دور سے ستارے نظر آتے ہیں۔ یواقیت میں بھی اسی طرح منقول ہے۔

خلاصہ یہ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد رسول و نبی کا اطلاق امت مرحومہ کے کسی فرد پر جائز نہیں۔ ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔ یہ وہی چیز ہے کسی نہیں۔ قصیدہ بردہ میں ہے تبارک اللہ ما وحی بمکتسب یعنی کسی چیز نہیں۔ شرح عقائد وغیرہ میں ہے کہ کوئی ولی درجہ انبیاء تک نہیں پہنچ سکتا (۱۶۶)۔ صاحب سمجھ کے لیے یہی کافی

(۱۶۶): فی شرح العقائد: ولا یبلغ ولی درجۃ الأنبیاء، لأن الأنبیاء معصومون

مأمونون عن خوف الخاتمة. (شرح العقائد النسفیة، مسألة أفضلیة النبوة والولاية، ص:

ہے۔ واللہ یقول الحق ویہدی السبیل والصلاة والسلام علی رسولہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وعلی آلہ واصحابہ اجمعین۔ [فتاویٰ مہریہ، ۲۸، ۲۹]۔ (فتاویٰ ختم نبوت، ج: ۱، ص: ۲۲۸، ۲۲۹، ط، عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت ملتان)



آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خاتم الرسل ہونے کی دلیل

﴿سوال﴾:

کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ قرآن واحادیث مبارکہ میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کے بے شمار دلائل ملتے ہیں، تو سوال یہ ہے کہ کیا یہی دلائل حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خاتم الرسل ہونے کے بھی ہیں، یا ان کے علاوہ کوئی اور دلائل ہیں، جو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خاتم الرسل ہونے پر دال ہیں؟ اگر ان دلائل کے علاوہ کوئی دوسری دلیل ہے تو اس کو جواب میں تحریر فرمائیے واضح رہے کہ ہمیں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خاتم النبیین والرسل ہونے میں کوئی شک و تردید نہیں ہے، بلکہ صرف حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خاتم الرسل ہونے کے دلائل معلوم کرنا ہے؟

﴿الجواب وبالله التوفیق﴾:

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خاتم الانبیاء اور خاتم النبیین ہونے کے دلائل قرآن مقدس اور احادیث شریفہ میں موجود ہیں، اسی طرح خاتم الرسل ہونے کی بھی صراحت

وفی شرح الفقه الأكبر: ومنها أن الولی لا یبلغ درجة النبی لأن الأنبیاء علیہم السلام معصومون مأمونون عن خوف الخاتمة. (شرح الفقه الأكبر، مسئلہ فی أن الولی لا یبلغ درجة النبی، ص: ۱۱۰، ط، دار الکتب العربیۃ الکبریٰ)

احادیث میں موجود ہے، ملاحظہ فرمائیے:

عن أنس بن مالک قال: قال رسول الله تعالى عليه وسلم: ان الرسالة والنبوة قد انقطعت فلا رسول بعدى ولا نبى، الحديث. [ترمذى شريف، كتاب الرؤيا، باب ذهب النبوة، النسخة الهندية، ۲ / ۵۳، دار السلام رقم: ۳۲۷۲، مسند احمد ۳ / ۲۶۷، رقم: ۷۷۳]

عن أبى هريرة رضى الله تعالى عنه قال قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم مثلى ومثل الأنبياء كمثلى قصر أحسن بنيانه الا موضع تلك اللبنة فكنت أنا سدوت موضع اللبنة ختم بى البنيان وختم بى الرسل. [مشكوة المصابيح، النسخة الهندية ۲ / ۵۱۱، صحيح ابن حبان، دار الكفر ۶ / ۸۳، رقم: ۶۴۱۵] فقط واللّه سبحانه وتعالى اعلم۔ (فتاویٰ قاسميه، ج: ۲، ص: ۳۴۷، ۳۴۸، ط، مكتبه اشرفيه ديوبند الهند)



رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے موئے مبارک کی شرعی حیثیت

﴿ سوال ﴾:

جناب مفتی صاحب افغانستان اور مقبوضہ کشمیر میں کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ ان کے پاس رسول اللہ ﷺ کے موئے مبارک و بال موجود ہیں، لوگ ان کی زیارت کے لئے ثواب کی نیت سے جاتے ہیں اور وہاں نذرانے وغیرہ پیش کرتے ہیں، دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا واقعی کسی جگہ ابھی تک رسول اللہ ﷺ کے موئے مبارک موجود ہیں اور ان کی

زیارت کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

﴿ الجواب ﴾:

روایات سے یہ ثابت ہے کہ بعض صحابہ کرامؓ کے پاس آنحضرت ﷺ کے موئے مبارک (بال) موجود تھے، خود رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر احرام سے نکلنے کے لیے حلق فرمایا تو ان موئے مبارک کو حضرت ابوطحہؓ کے ذریعے صحابہ کرامؓ میں تقسیم فرمایا جن کو آپ ﷺ کے جان نثار صحابہ کرامؓ نے اپنی جانوں سے پیارا سمجھ کر ان کی حفاظت فرمائی۔

لما رواه الامام ابو عيسى الترمذی رحمه الله: عن انس بن مالك قال: لما رمى رسول الله ﷺ الجمره نحر نسكه ثم ناول الحائق شقه الايمن فحلقة فاعطاء ابا طلحة ثم ناوله شقه الايسر فحلقة فقال: اقسامه بين الناس. (الجامع الترمذی علی صدر معارف السنن ج ۶ ص ۲۷۵ باب ماجاء بأی جانب الراس يبدأ فی الحلق، کتاب الحج)

حضرت خالد بن ولیدؓ کے پاس بھی حضور ﷺ کے موئے مبارک تھے جن کو وہ اپنے خود (حفاظتی ٹوپی) میں رکھا کرتے تھے، خصوصاً جنگ کے موقع پر انہیں اپنے خود میں ضرور رکھتے جن کی برکت سے اللہ تعالیٰ آپ کو فتح عطا فرماتا۔

قال العلامة العيني: وذكر غير واحد ان خالد ابن وليد كان في قلنسوته شعرات من شعره ﷺ فلذلك كان لا يقدم على وجه الا فتح له ويؤيده ما ذكره الملا في السيرة ان خالد سال ابا طلحة حين فرق شعره ﷺ بين الناس ان يعطيه شعرة ناصيته فاعطاء اياه فكان مقدم ناصيته مناسباً لفتح كل ما اقدم عليه. (عمدة القاری ج- ۱ ص ۶۳ کتاب

الحج باب الحلق والتقصیر عند الاحلال

آنحضرت ﷺ کے موئے مبارک حضرات صحابہ کرامؓ اور ان کے اہل و عیال کی وساطت سے دوسروں تک بھی پہنچے جو ان کے ہاں دنیا و مافیہا سے زیادہ محبوب تھے چونکہ صحابہ کرامؓ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد پوری دنیا میں پھیل گئے تھے، اس لئے ممکن ہے کہ آپ کے موئے مبارک صحابہ کرامؓ کے واسطے سے کشمیر اور افغانستان کے علاقوں میں کسی کے پاس ہوں۔

علامہ سید محمد یوسف بنوریؒ نے صحیح بخاری کے حوالہ سے لکھا ہے:

”عن ابن سیرین قال: قلت لعبيدة عندنا من شعر النبي

ﷺ اصبنا من قبل انس او من اهل انس فقال لأن تكون

عندي شعرة منه احب الى من الدنيا وما فيها“۔ (معارف السنن

ج ۶ ص ۳۷۸، ۳۷۹ کتاب الحج)

تو ان روایات اور اس قسم کی دوسری روایات سے واضح طور پر یہ ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے موئے مبارک لوگوں کے ہاں محفوظ چلے آ رہے ہیں، اس لیے یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ دنیا کے کسی مقام پر حضور نبی کریم ﷺ کے موئے مبارک موجود ہوں اور لوگ ان کی زیارت کے لیے سفر کریں، تاہم اس بارے میں کہیں شک پیدا ہو جائے تو خاموشی اختیار کرنے میں ہی بہتری ہے۔ خواہ مخواہ نزاع کی صورت اختیار کرنے سے اجتناب کیا جائے۔ (فتاویٰ حقانیہ، ج: ۲، ص: ۶۸، ۶۹، ط، مکتبہ سید احمد شہید اکوڑہ خٹک/ فتاویٰ رحیمیہ، ج: ۳، ص: ۴۰، ط، دارالاشاعت کراچی/ فتاویٰ فلاحیہ، ج: ۱، ص: ۱۶۶)



آپ ﷺ پر جادو کا ہونا مقام نبوت کے خلاف نہیں

﴿سوال﴾:

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص کہتا ہے کہ حضور انور ﷺ پر جادو نہیں ہوا اگر ہوا ہے تو براہ کرم اسکا حوالے بخاری و مسلم سے عنایت فرمائیں؟ بینوا تو جروا۔

﴿جواب﴾:

سارا دین اسلام صرف بخاری و مسلم میں نہیں ہے احادیث کی اور بھی کتب ہیں جو کہ خیر القرون میں مدون ہوئی ہیں بخاری و مسلم سے ہی حوالہ کا مطالبہ وہی لوگ کرتے ہیں جن کے ذہنوں پر غلط محنت ہوئی ہوتی ہے اور وہ لوگ باقی احادیث سے متعلق بدگمانی کی بیماری میں مبتلا ہوتے ہیں یہ بڑی جہالت اور خطرناک بیماری ہے، تاہم آپ ﷺ پر جادو کے بارے میں احادیث بخاری و مسلم میں بھی ہیں جن کے حوالے آپ ملاحظہ فرمائیں گے، اس سے پہلے آپ بطور تمہید یہ جان لیں کہ سحر اور جادو حقیقت میں اسباب طبعیہ ہی کا اثر ہوتا ہے اور انبیاء علیہم السلام اسباب طبعیہ کے اثرات سے متاثر ہوتے ہیں اور یہ تاثر شان نبوت کے خلاف نہیں جیسے انکا بھوک پیاس سے متاثر ہونا، بیماری میں مبتلا ہونا اور شفاء پانا ظاہری اسباب سے متاثر ہونا سب جانتے ہیں اسی طرح جادو کے باطنی اسباب سے انبیاء علیہم السلام متاثر ہو سکتے ہیں اور یہ تاثر شان نبوت کے منافی نہیں ہے چنانچہ بخاری شریف میں حضرت عائشہؓ سے مختلف سندوں کے ساتھ روایت ہے کہ حضور ﷺ پر ایک یہودی نے سحر اور جادو کیا تو اسکا اثر آپ پر یہ تھا کہ بعض اوقات آپ ﷺ محسوس کرتے تھے کہ فلاں کام کر لیا ہے مگر وہ نہیں کیا ہوتا، پھر ایک روز آپ ﷺ نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے بتلادیا ہے کہ میری بیماری کیا ہے اور فرمایا کہ (خواب میں) دو شخص آئے ایک میرے سر ہانے بیٹھ گیا ایک پاؤں کی طرف سر ہانے والے نے دوسرے سے کہا کہ انکو کیا

تکلیف ہے دوسرے نے کہا کہ یہ مسحور یعنی ان پر جادو کیا گیا ہے اس نے پوچھا کہ سحر ان پر کس نے کیا ہے؟ تو دوسرے نے جواب دیا کہ لبید بن اعصم نے جو یہودیوں کا حلیف منافق ہے، اس نے پوچھا کس چیز میں جادو کیا ہے، اس نے بتلایا کہ کھجور کے غلاف میں (جس میں کھجور کا پھل پیدا ہوتا ہے) برزخی اروان (ایک کنویں کا نام ہے) میں ایک پتھر کے نیچے مدفون ہے، آپ ﷺ اس کنویں پر تشریف لے گئے اور اسکو نکال لیا اور فرمایا کہ مجھے خواب میں یہی کنواں دکھلایا گیا تھا، حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ آپ اس کا اعلان فرمادیتے تو بہتر ہوتا (کہ فلاں شخص نے یہ حرکت کی ہے، حضور انور ﷺ نے فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے شفا دیدی اور مجھے یہ پسند نہیں کہ میں کسی شخص کے لیے کسی تکلیف کا سبب بنوں) (مطلب یہ تھا کہ اسکا اعلان ہوتا تو لوگ اسکو قتل کر دیتے یا تکلیف پہنچاتے) اور اسی طرح یہی روایت مسلم شریف میں بھی ہے۔

لما فی صحیح البخاری: (۲ / ۳۸۰، طبع رحمانیہ لاہور)
 حدثنی عبد اللہ بن محمد عن عائشةؓ کان رسول
 اللہ ﷺ سحر حتی کان یری أنه یاتی النساء ولا یتھن قال
 سفیان وهذا اشد ما یکون من السحر اذا کان کذا قال فانته
 من نومه ذات یوم فقال یا عائشةؓ اعلمت ان اللہ قد افتانی
 فیما استفتیتہ فیہ اتانی رجلان فقعد احدهما عند رأسی
 والاخر عند رجلی فقال الذی عند رسیه للاخر ما بال الرجل
 فقال مطبوب قال ومن طبه قال لبید بن الاعصم رجل من بنی
 زریق حلیف لیهود کان منافقا قال و فیما قال فی مشط
 ومشاطة قال فاین قال فی جف طلعة ذکر تحت رعوفة فی
 برزخی اروان قال فاتی البثر حتی استخرجه فقال هذه البثر
 التی اریتها وکان مائها نقاعة الحناء وکان نخلها رؤس

الشیاطین قال فاستخرج قالت فقلت افلا تنشرت فقال اما
اللہ فقد شفانی واكره ان اثير على احد من الناس شرا.

ولما فی الصحيح للمسلم: (۲/۲۲۱، طبع قديمی کراچی)

حدثنا ابو کرب... عن عائشة قالت سحر رسول

اللہ ﷺ يهودی من يهود بنی زريق يقال له لبيد بن الاعصم

قالت حتى كان يخيل اليه انه يفعل الشئ وما يفعله حتى اذا

كان ذات يوم او ذات ليلة دعا رسول اللہ ﷺ ثم دعا ثم قال

يا عائشة اشعرت ان اللہ افتانى فيما استفتيته فيه جاءني

رجلان عند رجلى فقعدهما عند رأسى ما وجع الرجل

قال مطبوب قال من طبه قال لبيد بن الاعصم قال فى اى شئ

قال فى مشط ومشاطة وجب طلعة ذكر قال فاين هو قال فى

بئر ذى اروان قالت فاتها رسول اللہ ﷺ فى اناس من

اصحابه ثم قال يا عائشة واللہ لكان مائها نفاة الحناء، ولكان

نخلها رؤس الشیاطین قالت فقلت يا رسول اللہ افلا احرقته

قال لا اما انا فقد عافانى اللہ وكرهت ان اثير على الناس شرا

فامرت بها فدفنت. وكذا فى سنن ابن ماجه: ص ۲۵۳، طبع

قديمی. واللہ بالصواب اعلم. (فتاوى عباد الرحمن، ج: ۱،

ص: ۱۰۳ تا ۱۰۵، ط، ایجوکیشنل پریس کراچی)



حضور ﷺ کے چادر کا مقدار اور رنگ، بال مبارک اور آستین و قمیص کی مقدار

﴿ سوال ﴾:

- (۱) حضور ﷺ کا عام لباس یعنی چادر کی مقدار اور رنگ کیا تھا۔
- (۲) بالوں کی مقدار کتنی تھی۔
- (۳) آستین اور قمیص کی مقدار لکھئے، تو بڑی مہربانی ہوگی۔

﴿ الجواب ﴾:

- (۱) چادر کی طول چار شرعی گز اور عرض ڈھائی شرعی گز یا دو گز ایک بالشت اور اس کا رنگ سبز تھا۔ (ذرقانی ص ۲۹ جلد ۵)۔
- (۲) حج کے ماسوائے بال رکھتے تھے۔ الی انصاف اذنیہ، الی شحمتی الاذنین، الی المنکین، الی مافوق المنکین فی اوقات مختلفة، فلیراجع الی الشمائل وغیرھا (۱۶۷)۔

(۱۶۷): عن أنس بن مالک رضي الله عنه قال: كان شعر رسول الله ﷺ الی

نصف أذنيه.

عن البراء بن عازب رضي الله عنه قال: كان رسول الله ﷺ مربوطاً، بعيداً ما بين المنكبين، وكانت جمته تضرب شحمة أذنيه.

عن قتادة قال: قلت لأنس: كيف كان شعر رسول الله ﷺ؟ قال لم يكن بالجعد ولا بالبسط، كان يبلغ شعره شحمة أذنيه. (شمائل ترمذی مع خصائل نبوی، باب ماجاء فی شعر رسول الله ﷺ، ص: ۴۴، ۴۵، ۴۶، ط، مكتبة البشري كراتشي)

عن عائشة قالت: كنت أغتسل أنا ورسول الله ﷺ من اناء واحد، وكان له شعر فوق الجمة، ودون الوفرة. وفي المرقاة تحت هذا الحديث: وهذا بظاهره

(۳) آستین بہت طویل اور بہت فراخ نہ تھے۔ رسخین تک لمبے تھے (۱۶۸)۔ اور قمیص کعبین سے اوپر تک ہوئی تھی۔ اور غالباً انصاف الساقین تک ہوئی تھی (۱۶۹)۔ (زرقانی ص ۵ جلد ۵) وهو الموفق (فتاویٰ فریدیہ، ج: ۱، ص: ۴۵۷)



آنحضرت ﷺ کا معجزہ روشمش

﴿ سوال ﴾:

گزشتہ دنوں ایک مولانا صاحب نے مقامی مسجد میں اتباع رسول کے موضوع پر

یدل علی أن شعره ﷺ كان أمراً متوسطاً بين الجممة والوفرة وليس بجممة ولا وفرة اذ معنى فوق الجممة أن شعره لم يصل الى محل الجممة وهو المنكب، ومعنى دون الوفرة أن شعره كان أنزل من شحمة الاذن، لكن جاء في بعض الروايات أنه ﷺ كان عظيم الجممة الى شحمة أذنيه وهذا ظاهر أن شعره كان جممة، وعلى أن جمته مع عظمها الى أذنيه، ولعل ذلك باعتبار اختلاف أحواله ﷺ. (مركات المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، كتاب اللباس، باب الترحل، ج: ۸، ص: ۲۹۸، ۲۹۹، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

(۱۶۸): عن أسماء بنت يزيد قالت: كان كم قميص رسول الله ﷺ الى

الرسغ. (شمائل ترمذی مع خصائل نبوی، باب ماجاء فی لباس رسول الله ﷺ، ص: ۶۷، ط، مكتبة البشري كراتشي)

(۱۶۹): فی خصائل نبوی: مناوی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ حضور ﷺ کا گرتا زیادہ لمبا نہ ہوتا تھا، نہ اس کی آستینیں لمبی ہوتی تھیں۔ دوسری حدیث میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ حضور ﷺ کا گرتا ٹخنوں سے اونچا ہوتا تھا۔ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ نصف پنڈلی تک ہونا چاہئے۔ (شمائل ترمذی مع خصائل نبوی، باب ماجاء فی لباس رسول الله ﷺ، ص: ۶۵، ط، مكتبة البشري كراتشي)

وعظ کرتے ہوئے فرمایا کہ: ایک مرتبہ حضور ﷺ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے زانو پر سر رکھ کر لیٹے کہ اتنے میں انہیں نیند آگئی اور آپ ﷺ سو گئے، ادھر عصر کا وقت ختم ہو رہا تھا۔ حضرت علیؑ نے انہیں جگانا مناسب نہ سمجھا، انہوں نے سوچا کہ نماز تو پھر مل جائے گی مگر حضور ﷺ کی اس طرح قربت نہ جانے پھر نصیب ہوگی یا نہیں؟ اتنے میں سورج غروب ہو گیا، حضور ﷺ کی آنکھ کھلی تو سورج غروب ہو چکا تھا، حضور ﷺ نے جاگ کر حضرت علیؑ سے فرمایا کہ: نماز پڑھنا چاہتے ہو یا قضا پڑھو گے؟ حضرت علیؑ نے فرمایا کہ: قضا نہیں پڑھنا چاہتا! تو حضور ﷺ نے سورج کو حکم دیا، سورج دوبارہ نکل آیا اور حضرت علیؑ نے نماز پڑھی۔ خلاصہ کلام یہ ہوا کہ حضرت علیؑ نے اپنی نماز تو قضا کر لی مگر زانو سے حضور ﷺ کو نہ جگایا۔

اس میں تفصیل طلب بات یہ ہے کہ آیا حضور ﷺ نے خود نماز پڑھنے سے پہلے سو گئے یا دونوں نے نماز نہیں پڑھی؟ اگر حضور ﷺ نے پڑھی تو یہ کیسے ممکن ہے کہ حضرت علیؑ وہاں بیٹھے رہے اور انہوں نے نماز نہیں پڑھی؟ اور پھر نبی جب سوتا ہے تو غافل نہیں ہوتا، نبی کا دل جاگ رہا ہوتا ہے، بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ نبی سو جائے، اس کی اپنی نماز قضا ہو جائے یا اس کے رفیق کی؟

مولانا کی گفتگو سے مندرجہ بالا اشکالات میرے ذہن میں آئے، امید ہے کہ ان کا جواب دے کر ممنون فرمائیں گے اور بتلائیں گے کہ آیا یہ واقعہ صحیح احادیث سے ثابت ہے یا واقعہ کی حد تک ہے؟

﴿ جواب ﴾:

حضرت علیؑ کے لیے رد شمس کی حدیث امام طحاوی رحمہ اللہ نے مشکل الآثار (ج: ۲ ص: ۹) میں حضرت اسماء بنت عمیسؓ سے روایت کی ہے، بہت سے حفاظ حدیث نے اس کی تصحیح فرمائی ہے۔ امام طحاویؒ نے اس کے رجال کی توثیق کرنے کے بعد حافظ احمد بن صالح مصریؒ کا یہ قول نقل کیا ہے:

” لا ینبغی لمن کان سبیلہ العلم التخلّف عن حفظ

حدیث اسماء الذی روی لنا عنه، لانه من اجل علامات النبوة۔“ (مشکل الآثار ج: ۲ ص: ۱۱)

ترجمہ:۔۔۔ ”جو شخص علم حدیث کا راستہ اختیار کئے ہوئے ہو، اسے حضرت اسماءؓ کی حدیث کے، جو آنحضرت ﷺ سے مروی ہے، یاد کرنے میں کوتاہی نہیں کرنی چاہئے، کیونکہ یہ جلیل القدر معجزات نبوت میں سے ہے۔“

حافظ سیوطیؒ ”اللآلی المصنوعة“ میں لکھتے ہیں:

”ومما يشهد بصحة ذلك قول الامام الشافعي وغيره ما اوتى نبي معجزة الا اوتى نبينا ﷺ نظيرها، او ابلغ منها، وقد صح ان الشمس حسبت على يوشع (عليه السلام) ليالي قاتل الجبارين، فلا بد ان يكون لنبينا ﷺ نظير ذلك، فكانت هذه القصة نظير تلك۔“ (مشکل الآثار ج: ۱ ص: ۳۴۱)

ترجمہ:۔۔۔۔۔ ”اور من جملہ ان امور کے جو اس واقعہ کے صحیح ہونے کی شہادت دیتے ہیں، حضرت امام شافعیؒ اور دیگر حضرات کا یہ ارشاد ہے کہ کسی نبی کو جو معجزہ بھی دیا گیا ہمارے نبی کریم ﷺ کو اس کی نظیر عطا کی گئی، یا اس سے بھی بڑھ کر، اور صحیح احادیث میں آچکا ہے کہ سورج، حضرت یوشع علیہ السلام کے لیے روکا گیا تھا، جبکہ انہوں نے جبارین سے جہاد کیا، پس ضروری تھا کہ ہمارے نبی کریم ﷺ کے لیے بھی اس کی نظیر واقع ہوتی، چنانچہ یہ واقعہ حضرت یوشع علیہ السلام کے واقعہ کی نظیر ہے۔“

امام ابن جوزیؒ نے اس قصہ کو موضوعات میں شمار کیا ہے، اور حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے بھی ”منہاج السنۃ“ میں بڑی شد و مد سے اس کا انکار کیا ہے، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ ”فتح

الباری“ میں لکھتے ہیں:

”وهذا ابلغ المعجزات، وقد اخطا ابن الجوزی فی

ایرادہ فی الموضوعات، وکذا ابن تیمیۃ فی کتاب الرد علی

الروافض فی زعم وضعه، واللہ اعلم!“ (ج: ۶ ص: ۲۲۲)

ترجمہ:.... ”رد شمس کا یہ واقعہ حضرت یوشع علیہ السلام کے واقعہ سے بلیغ تر ہے، ابن جوزیؒ نے اس واقعہ کو موضوعات میں درج کر کے غلطی کی ہے، اسی طرح ابن تیمیہؒ نے اپنی کتاب میں جو رد روافض پر لکھی گئی ہے، اس کو موضوع قرار دے کر غلطی کی ہے۔“

حافظ سیّد مرتضیٰ زبیدی رحمہ اللہ ”شرح احیاء“ میں لکھتے ہیں:

”وهذا تحامل من ابن الجوزی، وقد ردّ علیہ الحافظان السخاوی

والسیوطی، وحالہ فی ادراج الأحادیث الصحیحة فی حیز الموضوعات

معلوم عند الأئمة، وقد ردّ علیہ وعابہ كثیرون من اهل عصره ومن بعدهم،

كما نقله الحافظ العراقي فی أوائل نکتہ علی ابن الصلاح، فلا تطیل

بذکرہ، وهذا الحدیث صححہ غیر واحد من الحافظ، حتی قال السیوطی

ان تعدد طرقہ شاهد علی صحته، فلا عبرة بقول ابن الجوزی“. (اتحاف

شرح احیاء ج: ۷ ص: ۱۹۲)

ترجمہ:.... ”اس واقعہ کو موضوعات میں شمار کرنا ابن جوزیؒ کی

زیادتی ہے، حافظ سخاویؒ اور حافظ سیوطیؒ نے ان پر رد کیا ہے، اور ابن جوزیؒ

جس طرح صحیح احادیث کو موضوعات میں ذکر کر جاتے ہیں وہ ائمہ کو معلوم

ہے، ان کی اس روش پر ان کے معاصرین نے بھی اور بعد کے حضرات نے

بھی ان کی عیب چینی کی ہے، جیسا کہ حافظ عراقیؒ نے اپنی کتاب ”نکت ابن

اصلاح“ کے اوائل میں ذکر کیا ہے اور اس حدیث کو بہت سے حفاظ حدیث

نے صحیح کہا ہے۔ سیوطیؒ کہتے ہیں کہ: اس کے طرق کا متعدد ہونا اس کی صحت

پر شاہد ہے، اس لئے ابن جوزیؒ کے قول کا کوئی اعتبار نہیں۔“
بہر کیف! یہ واقعہ صحیح ہے اور اس کا شمار معجزات نبوی میں ہوتا ہے، رہا آپ کا یہ کہنا کہ:
”یہ کیسے ممکن ہے کہ آنحضرت ﷺ نے نماز پڑھ لی ہو اور حضرت علیؓ نے نہ پڑھی ہو؟“ اس
کا جواب خود اسی حدیث میں موجود ہے کہ حضرت علیؓ کو آنحضرت ﷺ نے کسی کام سے بھیجا
تھا، جب وہ اس کام سے واپس آئے تو نماز ہو چکی تھی، آنحضرت ﷺ یہ سمجھا کہ یہ نماز پڑھ
چکے ہوں گے۔

اور آپ کا یہ کہنا کہ: ”نبی سوتا ہے اس کا دل جاگتا ہے، پھر نماز قضا ہو سکتی ہے؟“ اس
کا جواب یہ ہے کہ نماز کے اوقات کا مشاہدہ کرنا دل کا کام نہیں، بلکہ آنکھوں کا کام ہے، اور
نیند کی حالت میں نبی کی آنکھ سوتی ہے، دل جاگتا ہے، یہی وجہ کہ ”لیلة التعلیٰس“ میں
آنحضرت ﷺ کی اور آپ ﷺ کے رفقا کی نماز فجر قضا ہوئی (۱۷۰)۔ واللہ اعلم (آپ
کے مسائل اور ان کا حل، ج: ۱، ص: ۱۶۹ تا ۱۷۱، ط، مکتبہ لدھیانوی کراچی)



(۱۷۰) عن ابی ہریرۃؓ قال ان رسول اللہ ﷺ حین قفل من غزوۃ خیبر سار
لیلة حتی اذا ادرکہ الکرۃ عرس وقال لبلال اکلاً لنا اللیل فصلی بلال ما قدر له
ونام رسول اللہ ﷺ واصحابہ فلما تقارب الفجر استند بلال الی راحلہ وجہ
الفجر فغلبت بلالا عیناہ وهو مستند الی راحلہ فلم یستیقظ رسول اللہ ﷺ ولا بلال
ولا احد من اصحابہ حتی ضربتہم الشمس فکان رسول اللہ ﷺ اولہم استیقاظاً ففزع
رسول اللہ ﷺ فقال ای بلال فقال بلال اخذ بنفسی الذی اخذ بنفسک قال
اقتادوا فاقتادوا رواحلہم شیئاً ثم توضأ رسول اللہ ﷺ وامر بلالا فاقام الصلاۃ
فصلی بہم الصبح فلما قضی الصلاۃ قال من نسی الصلاۃ فلیصلہا اذا ذکرہا فان
اللہ تعالیٰ قال واقم الصلاۃ لذكری رواہ مسلم۔ (مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاة
المصابیح، کتاب الصلاۃ، باب تأخیر الصلاۃ، الفصل الأول، ص: ۶۶، ۶۷، ط، قدیمی
کتب خانہ کراچی)

معجزہ شق القمر

﴿سوال﴾:

ہمارے یہاں ایک مولوی صاحب جو مسجد کے امام بھی ہیں، ان کا عقیدہ یہ ہے کہ شق قمر والا جو معجزہ نبی پاک ﷺ سے ظاہر ہوا تھا، وہ صحیح نہیں ہے اور نہ ہی اس کا ثبوت ہے۔ براہ کرم اس کے متعلق صحیح احادیث لکھ دیں، تاکہ ان کی تسلی ہو۔

﴿جواب﴾:

شق قمر کا معجزہ صحیح احادیث میں حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عباس، حضرت انس بن مالک، حضرت جبیر بن مطعم، حضرت حذیفہ، حضرت علی وغیرہم [رضوان اللہ تعالیٰ علیہم] سے مروی ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود کی حدیث میں ہے:

”انشق القمر علی عهد رسول اللہ ﷺ فرقتین، فرقة فوق الجبل وفرقة دونه فقال رسول اللہ ﷺ: اشهدوا“۔ (صحیح بخاری ج: ۲ ص: ۷۲۱ واللفظ له، صحیح مسلم ج: ۲ ص: ۳۷۳، ترمذی ج: ۲ ص: ۱۶۱) ترجمہ: ... رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں چاند دو ٹکڑے ہوا، ایک ٹکڑا پہاڑ سے اوپر تھا اور ایک پہاڑ سے نیچے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا: گواہ رہو۔

حضرت ابن عباسؓ کی روایت میں ہے:

”انشق القمر فی زمان النبی ﷺ“۔ (صحیح بخاری ج: ۲ ص: ۷۲۱ واللفظ له، صحیح مسلم ج: ۲ ص: ۳۷۳، ترمذی ج: ۲ ص: ۱۶۱)

ترجمہ: ... ”آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے

زمانے میں چاند دو ٹکڑے ہوا۔“

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں ہے:

”ان اهل مكة سالوا رسول الله ﷺ ان يرهم آية،

فأراهم انشقاق القمر مرتين“۔ (صحیح بخاری ج: ۲ ص:

۷۲۲، صحیح مسلم ج: ۲ ص: ۳۷۳ واللفظ له، ترمذی ج: ۲

ص: ۱۶۱)

ترجمہ:.... ”اہل مکہ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے

درخواست کی کہ کوئی معجزہ دکھائیں، آنحضرت ﷺ نے ان کو چاند کے دو

ٹکڑے ہونے کا معجزہ دکھایا۔“

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے:

”انفلق القمر على عهد رسول الله ﷺ، فقال رسول

الله ﷺ: اشهدوا“۔ (صحیح مسلم ص: ۳۷۳ ج: ۲ ترمذی

ص: ۱۶۱ ج: ۲ واللفظ له)

ترجمہ:.... ”رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں چاند دو ٹکڑے ہوا، پس

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: گواہ رہو۔“

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے:

”انشق القمر على عهد رسول الله ﷺ حتى صار

فرقتين على هذا الجبل وعلى هذا الجبل، فقالوا: سحرنا

محمد، فقال بعضهم لئن كان سحرنا فما يستطيع ان يسحر

الناس كلهم“۔ (ترمذی ج: ۲ ص: ۱۶۴، سورۃ القمر، طبع

قدیمی)

ترجمہ:.... ”رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں چاند دو ٹکڑے ہوا،

یہاں تک کہ ایک ٹکڑا اس پہاڑ پر تھا، اور ایک ٹکڑا اس پہاڑ پر۔ مشرکین نے کہا کہ محمد (ﷺ) نے ہم پر جادو کر دیا، اس پر ان میں سے بعض نے کہا کہ: اگر اس نے ہم پر جادو کر دیا ہے تو سارے لوگوں پر تو جادو نہیں کر سکتا (اس لئے باہر کے لوگوں سے معلوم کیا جائے، چنانچہ انہوں نے باہر سے آنے والوں سے تحقیق کی تو انہوں نے بھی تصدیق کی)۔“

حافظ ابن کثیرؒ نے البدایۃ والنہایۃ (ج: ۳، ص: ۱۱۹) میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی حدیث بھی نقل کی ہے (۱۷۱)، اور حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری (ج: ۶، ص: ۶۳۲) میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی حدیث کا بھی حوالہ دیا ہے (۱۷۲)۔
امام نوویؒ شرح مسلم میں لکھتے ہیں:

”قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں کہ چاند کا دو ٹکڑے ہو جانا ہمارے نبی ﷺ کے اہم ترین معجزات میں سے ہے، اس کو متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے روایت کیا ہے، علاوہ ازیں آیت کریمہ: ”اقتربت الساعة“

(۱۷۱): فی البدایۃ: وأما حذيفة بن اليمان [رضی اللہ عنہ] فروی أبو نعیم فی الدلائل من طریق عن عطاء بن السائب عن أبي عبد الرحمن السلمي. قال: خطبنا حذيفة بن اليمان بالمدائن فحمد الله وأثنى عليه ثم قال (اقتربت الساعة وانشق القمر) ألا وان الساعة قد اقتربت، ألا وان القمر قد انشق، ألا وان الدنيا قد آذنت بفراق، ألا وان اليوم المضمار وغدا السباق.. الخ. (البدایۃ والنہایۃ، فصل انشقاق القمر فی زمان النبی ﷺ، ج: ۳، ص: ۱۱۹، ط، مكتبة المعارف بیروت لبنان)

(۱۷۲): فی الفتح: قوله: (باب سؤال المشركين أن يريهم النبي ﷺ آية، فأراهم انشقاق القمر) فذكر فيه حديث ابن مسعود وأنس وابن عباس في ذلك، وقد ورد انشقاق القمر أيضاً من حديث علي وحذيفة وجبير ابن مطعم وابن عمر وغيرهم. (فتح الباری، کتاب بدء الخلق الأنبياء، باب سؤال المشركين ان يريهم

النبي ﷺ آية فأراهم انشقاق القمر، ج: ۶، ص: ۷۳۰)

وانشق القمر“ کا بظاہر و سیاق بھی اسی کی تائید کرتا ہے۔ زجاج کہتے ہیں کہ بعض اہل بدعت نے، جو مخالفین ملت کے مشابہ ہیں، اس کا انکار کیا ہے، اور یہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دل کو اندھا کر دیا ہے، ورنہ عقل کو اس میں مجال انکار نہیں۔“ (نووی: شرح مسلم ج: ۲ ص: ۳۷۳) (۱۷۳)۔ فقط واللہ اعلم (آپ کے مسائل اور ان کا حل، ج: ۱، ص: ۱۷۷، ط، مکتبہ لدھیانوی کراچی)



معجزہ شق القمر

﴿ سوال ﴾:

کیا فرتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: شق القمر کا معجزہ قرآن پاک سے ثابت ہے یا حدیث شریف سے، یا دونوں سے ثابت ہے؟ نیز یہ بات بھی بتائیں کہ واقعہ شق القمر حضور ﷺ کی انگلی مبارک کے اشارہ سے ہوا یا یوں ہی اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے بغیر انگلی کے اشارہ کے چاند کے دو ٹکڑے فرما دیئے تھے؟ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ شق القمر کا واقعہ حضور ﷺ کی انگلی کے اشارہ سے نہیں ہوا۔ اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ شق القمر کا واقعہ ہوا ہی نہیں، سرے سے وقوع کا ہی انکار کرتے ہیں، اصل حقیقت کیا ہے؟

(۱۷۳): فی شرح النووی: قال القاضی: انشقاق القمر من امہات معجزات نبینا صلی اللہ علیہ وسلم وقد رواها عدة من الصحابة رضی اللہ عنہم مع ظاہر الآیۃ الکریمیۃ و سیاقہا، قال الزجاج: وقد أنکرھا بعض المبتدعة المضاہین لمخالفی الملة و ذلک لما اعمی اللہ قلبہ و لا انکار للعقل فیہا. (شرح النووی لمسلم، کتاب صفة المنافقین و احکامہم، باب انشقاق القمر، ج: ۲، ص: ۳۷۳، ط، صداقت کتب

﴿ الجواب وبالله التوفیر ﴾:

چاند کے دو ٹکڑے ہونے کا معجزہ قرآن وحدیث سے ثابت ہے، اس کا انکار کرنے والا شخص ایک قطعی واقعہ کا انکار کرنے والا ہے، البتہ جو شخص یہ کہے کہ واقعہ شق القمر تو پیش آیا، لیکن اس میں پیغمبر علیہ السلام کے ہاتھ کے اشارہ کا کوئی دخل نہیں تھا، تو ایسے شخص کی بات کی تردید نہیں کی جاسکتی، کیوں کہ اشارہ کرنے کا ثبوت کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں ہے۔

﴿ اقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ﴾ [القمر: ۱]

ان اهل مكة سألوا رسول الله ﷺ أن يزيهم آية فأراهم انشقاق القمر. (صحيح البخارى ۵۱۳/۱، رقم: ۳۵۰۸)

عن ابن عباس رضى الله عنهما فى قوله تعالى: ﴿ اقتربت الساعة وانشق القمر ﴾ قال ابن عباس: اجتمعت المشركون الى رسول الله ﷺ، منهم: الوليد بن المغيرة وأبوجهل بن هشام والعاص بن أبى وائل والعاص بن هشام والأسود بن عبد يغوث والأسود بن عبد المطلب بن أسد بن عبد العزى وزمعة بن الأسود والنضر بن الحارث ونظراؤهم كثير، فقالوا للنبي ﷺ: ان كنت صادقاً فشق القمر لنا فرقتين: نصفاً على أبى قبيس ونصفاً على قعيقعان، فقال لهم رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم: ان فعلت تؤمنوا؟ قالوا نعم، وكانت ليلة بدر، فسأل رسول الله ﷺ عز وجل أن يعطيه ما سألوا، الحديث. (دلائل النبوة لأبى نعيم الأصبهاني ۲۷۹/۱، بحواله: فتاوى دارالعلوم ديوبند ۱۸/۱)

وقد شرع أن النبي ﷺ أشار الى القمر بسبابته الشريفة فانشق ولم أره في خبر صحيح. (روح المعاني ۱۱۵/۱۵)

اذا أنكر آية من القرآن أو سخر بآية من القرآن، وفي الخزانة: أوعاب فقد كفر. (الفتاوى التاتارخانية ۳۱۵/۷ رقم: ۱۰۵۷۶ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ (كتاب النوازل، ج: ۱، ص: ۲۹۱، ۲۹۲، ط، المركز العلمی للنشر والتحقیق لال باغ مراد آباد الهند/فتاویٰ دار العلوم دیوبند، ج: ۱۸، ص: ۲۳۸، ط، مکتبہ دار العلوم دیوبند/فتاویٰ قاسمیہ، ج: ۲، ص: ۱۰۷، ط، مکتبہ اشرفیہ دیوبند)



آنحضرت ﷺ کی انگلی سے چشمہ کا پھوٹنا

﴿ سوال ﴾:

کسی موقعہ پر آنحضرت ﷺ کی انگلیوں سے پانی کے چشمے جاری ہو گئے تھے جن سے اس وقت کے ہمراہی جہاد کرنے والوں نے بھی پانی پیا تھا، اس کے متعلق جو ذکر صحیح اور معتبر روایات میں ہے وہ تحریر فرمائیے۔

﴿ الجواب ﴾:

یہ معجزہ آنحضرت ﷺ کا صحیح احادیث سے ثابت ہے، بخاری شریف اور مسلم شریف دونوں میں یہ واقعہ مروی ہے، اور تمام امت کا متفق علیہ ہے، چنانچہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

”قال: عطش الناس يوم الحديبية ورسول الله ﷺ بين يديه ركة

فتوضاً منها، ثم أقبل الناس نحوه، قالوا: ليس عندنا ماء نتوضأ به ونشرب
 الا ما في ركوتك فوضع النبي ﷺ يده في الركوة، فجعل الماء يفور من
 بين أصابعه كأمثال العيون، قال: فشربنا وتوضأنا، قيل لجابر: كم كنتم؟
 قال: لو كنا مائة ألف لكفانا، كنا خمس عشرة مائة (متفق عليه) (۱۷۴).
 اور یہ قصہ کئی طرح مختلف مواقع میں پیش آیا ہے (۱۷۵)، الغرض یہ معجزہ آپ کا صحیح
 ہے اس کو کسی نے ضعیف نہیں کہا اور انکار نہیں کیا۔ فقط واللہ اعلم (فتاویٰ دارالعلوم
 دیوبند، ج: ۱۸، ص: ۲۳۹، ۲۴۰، ط، مکتبہ دارالعلوم دیوبند)



(۱۷۴): (مشكاة المصابيح، باب في المعجزات، الفصل الأول، ص: ۵۳۲، ط،
 قدیمی کتب خانہ کراچی)

(۱۷۵): عن عمران بن حصين أنهم كانوا مع النبي ﷺ في مسير فأدلجوا
 ليلتهم حتى اذا كان وجه الصبح عرسوا فغلبتهم أعينهم حتى ارتفعت الشمس،
 فكان أول من استيقظ من منامه أبو بكرؓ، وكان لا يوقظ رسول الله ﷺ من منامه حتى
 يستيقظ. فاستيقظ عمرؓ فقعده أبو بكرؓ عند رأسه فجعل يكبر ويرفع صوته حتى
 استيقظ النبي ﷺ فنزل وصلى بنا الغداة. فاعتزل رجل من القوم لم يصل معنا، فلما
 انصرف قال: يا فلان، ما يمنعك أن تصلي معنا؟ قال: أصابني جنابة، فأمره أن يتيمم
 بالصعيد، ثم صلى وجعلني رسول الله ﷺ في ركوب بين يديه، وقد عطشنا عطشاً
 شديداً فبينما نحن نسير اذا نحن بامرأة سادلة رجلها بين مزادتين، فقلنا لها: أين
 الماء؟ قالت: ايه لاءاء، قلنا: كم بين أهلك وبين الماء؟ قالت: يوم وليلة، فقلنا:
 انطلقى الى رسول الله ﷺ، قالت: وما رسول الله؟ فلم نملكها من أمرها حتى
 استقبلنا بها النبي ﷺ فحدثته بمثل الذي حدثتنا غير أنها حدثته أنها مؤتمة، فأمر
 بمزادتيها، فمسح بالعزلاوين. فشربنا عطاشاً أربعون رجلاً حتى روينا، فملأنا كل
 قربة معنا وادوة غير أنه لم نسق بعيراً وهى تكاد تبض من الملاء، ثم قال: هاتوا ما

حضور اکرم ﷺ اور صلاۃ اوّابین

﴿ سوال ﴾:

آپ ﷺ اوّابین کی کتنی رکعت پڑھتے تھے؟

﴿ الجواب حامداً ومصلیاً ﴾:

اوّابین کی کم از کم دو اور زیادہ سے زیادہ بارہ رکعت پڑھنا ثابت ہے (۱۷۶)۔ (زادا

لمعاد: ۲۱۸/۱) (فتاویٰ فلاحیہ، ج: ۱، ص: ۱۵۱، ۱۵۲)



عندکم، فجمع لها من الکسر والتمر، حتی أتت أهلها. قالت: أتیت أسحر الناس أو هو نبی كما زعموا فهدی اللہ ذاک الصرم بتلك المرأة فأسلمت وأسلموا. (صحیح البخاری، کتاب المناقب، باب علامات النبوة فی الاسلام، ص: ۷۳۲، رقم: ۳۵۷۱، ط، دار السلام ریاض)

عن أنس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: أتى النبی ﷺ باناء وهو بالزوراء فوضع يده فی الاناء فجعل الماء ينبع من بین أصابعه فتوضأ القوم. قال قتادة: قلت لأنس كم كنتم؟ قال: ثلاثمائة أو زهاء ثلاثمائة. (صحیح البخاری، کتاب المناقب، باب علامات النبوة فی الاسلام، ص: ۷۳۲، رقم: ۳۵۷۲، ط، دار السلام ریاض)

عن انس رضی اللہ عنہ قال: خرج النبی ﷺ فی بعض مخارجه ومعه ناس من أصحابه، فانطلقوا یسیرون من ماء یسیر فأخذہ النبی ﷺ فتوضأ ثم مد أصابعه الأربع علی القدح. ثم قال: قوموا فتوضؤا، فتوضأ القوم حتی بلغوا فیما یریدون من الوضوء، وكانوا سبعین أو نحوہ. (صحیح البخاری، کتاب المناقب، باب علامات النبوة فی الاسلام، ص: ۷۳۲، ۷۳۳، رقم: ۳۵۷۴، ط، دار السلام ریاض)

(۱۷۶): فی الموسوعة الفقهية: عند الفقهاء الضحی: ما بین ارتفاع الشمس

الی زوالها.

حضور اکرم ﷺ اور نوافل

﴿ سوال ﴾:

رسول اللہ ﷺ کون کون سی سنن و نوافل گھر میں پڑھتے تھے؟

الألفاظ ذات الصلة: صلاة الأوابين: قيل: هي صلاة الضحى. وعلى هذا فهما مترادفتان وقيل: ان صلاة الأوابين ما بين المغرب والعشاء، وبهذا تفترقان. (الموسوعة الفقهية، ج: ٢٧، ص: ٢٢١)

وفيه ايضاً: وعن أبي هريرة رضي الله عنه قال: أوصاني خليلي ﷺ بثلاث لست بتاركهن: ان لا أنام الا على وتر، وأن لا أدع ركعتي الضحى فانها صلاة الأوابين، وصيام ثلاثة أيام من كل شهر.

وقت صلاة الأوابين وحكمها: قال الجمهور: هي صلاة الضحى، والأفضل فعلها بعد ربع النهار اذا اشتد الحر واستدلوا بحديث النبي ﷺ: صلاة الأوابين حين ترمض الفصال فقول النبي ﷺ: صلاة الأوابين هو الذي أعطاها هذه تسمية، وكان ذلك واصحاب في حديث أبي هريرة لمتقدم وفيه... وأن لا أدع ركعتي الضحى فانها صلاة الأوابين.

ولذلك يقول الفقهاء: من أتى بها (أى بصلاة الضحى) كان من الأوابين.

وينظر تفصيل أحكام الصلاة الضحى في مصطلح: صلاة الضحى.

وتطلق أيضاً عن التنفل بعد المغرب. فقالوا: يستحب أداء ست ركعات بعد المغرب ليكتب من الأوابين، واستدلوا على أفضلية هذه الصلاة بحديث النبي ﷺ: من صلى بعد المغرب ست ركعات لم يتكلم فيما بينهن بسوء عدلن له عبادة اثنتي عشرة سنة.

قال الماوردي: كان النبي ﷺ يصليها ويقول: هذه صلاة الأوابين.

يؤخذ مما جاء عن صلاة الضحى والصلاة بين المغرب والعشاء أن صلاة

الأوابين تطلق على صلاة الضحى، والصلاة بين المغرب والعشاء. فهي مشتركة

﴿ الصواب حامداً ومصلیاً ﴾:

آپ ﷺ فرض نماز کے علاوہ دوسری تمام سنن ونوافل گھر ہی میں پڑھتے تھے، اور فرماتے تھے کہ ”تم اپنے گھروں میں بھی نمازیں پڑھتے رہو اور ان کو قبرستان نہ بناؤ“ (۱۷۷)۔ یعنی قبرستان میں جس طرح مردے کوئی عمل نہیں کر سکتے، اس طرح اپنے گھروں کو عبادت سے خالی نہ رکھو، بلکہ نماز کے ذریعہ انہیں آباد رکھو۔ البتہ موجودہ دور میں مسجد ہی میں سنن ونوافل پڑھنا بہتر ہے، اس لیے کہ اگر گھر میں پڑھنے کے لیے کہا جائے، تو اس بات کا قوی اندیشہ ہے کہ آدمی فرض نماز کے بعد مسجد سے نکل کر دنیاوی مشاغل میں لگ جائے، اور سنن ونوافل سے بالکل غافل ہو جائے، نتیجہ یہ ہو کہ نہ گھر میں پڑھ سکے اور نہ مسجد میں (۱۷۸)۔ فقط واللہ بالصواب (فتاویٰ فلاحیہ، ج: ۱، ص: ۱۵۳)



بینہما کما یقول الشافعیۃ.

وانفرد الشافعیۃ بتسمیۃ التطوع بین المغرب والعشاء بصلاۃ الأوابین، وقالوا: تسن صلاۃ الأوابین، وتسمى صلاۃ الغفلة لغفلة الناس عنها، واشتغالهم بغيرها من عشاء، ونوم، وغيرهما، وهي عشرون ركعة بين المغرب والعشاء، وفي رواية أخرى أنها ست ركعات. (الموسوعة الفقهية، ج: ۲۷، ص: ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵) (۱۷۷): عن ابن عمر، عن النبي ﷺ قال: اجعلوا من صلاتكم في بيوتكم. ولا تتخذوها قبوراً. وفي فتح الملهم تحت هذا الحديث: قوله: (ولا تتخذوها قبوراً) الخ: تأوله جماعة على أنه انما فيه النذب الى الصلاة في البيوت، اذا الموتى لا يصلون، كأنه قال: لا تكونوا كالموتى الذين لا يصلون في بيوتهم، وهي القبور. (موسوعة فتح الملهم بشرح صحيح الامام مسلم، كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب استحباب صلاة النافلة في بيته وجوازها في المسجد، ج: ۵، ص: ۱۴۳، ط، دار احياء التراث العربی بیروت لبنان)

(۱۷۸): في الدر المختار: والأفضل في النفل غير التراويح المنزل الا لخوف

حضور اکرم ﷺ اور مسواک

﴿ سوال ﴾:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسواک کب فرماتے تھے؟ صرف صبح میں یا ہر نماز کے وقت؟ بینوا تو جروا۔

﴿ الجواب حامداً ومصلیاً ﴾:

رسول اللہ ﷺ کے لیے خصوصی طور سے ہر نماز کے لیے وضو فرض تھا، اس کے بعد آپ ﷺ کے لیے ہر نماز سے پہلے مسواک لازم قرار دیا گیا۔ اس کے علاوہ قرآن پاک پڑھنے کے لیے، سونے سے پہلے، نیند سے بیدار ہونے کے بعد اور گھر میں داخل ہوتے وقت بھی آپ ﷺ سے مسواک کرنا ثابت ہے (۱۷۹)۔ فقط واللہ اعلم بالصواب (فتاویٰ فلاحیہ، ج: ۱، ص: ۱۵۳، ۱۵۴)



شغل عنها، والأصح أفضلية ما كان أخشع وأخلص.

وفی الشامیة تحتہ: قوله: (والأفضل فی النفل الخ) شمل ما بعد الفریضة وما قبلها، لحديث الصحيحین: "علیکم بالصلاة فی بیوتکم، فان خیر صلاة المرء فی بیتہ الا المكتوبة". وأخرج أبو داؤد: "صلاة المرء فی بیتہ أفضل من صلاتہ فی مسجدی هذا الا المكتوبة". وتماہ فی شرح المنیة، وحيث كان هذا أفضل یراعی ما لم یلزم منه خوف شغل عنها لو ذهب لبیتہ، أو كان فی بیتہ ما یشغل بالہ ویقلل خشوعہ، فیصلیہا حیثئذ فی المسجد، لأن اعتبار الخشوع أرجح. (ردالمحتار علی الدر المختار، کتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، قبیل مطلب سنة الوضوء، ج: ۲، ص: ۴۶۴، ط، دار عالم الکتب ریاض)

(۱۷۹): عن أبي هريرة عن النبي ﷺ، قال: لولا أن اشق على المؤمنين (وفي

حضور ﷺ کا ناشتہ

﴿سوال﴾:

رسول اللہ ﷺ صبح کے وقت ”ناشتہ“ کرتے تھے؟ اگر کرتے تھے، تو اس وقت کیا تناول فرماتے تھے؟

حدیث زہیر، علی امتی) لأمرتهم بالسواک عند کل صلاة. وفي فتح الملهم تحت هذا الحديث: قوله: (عند كل صلاة) الخ: قال النووي: السواک مستحب في جميع الأوقات، ولكن في خمسة أوقات أشد استحباباً: أحدها: عند الصلاة سواء كان متطهراً بماء أو بتراب، أو غير متطهر، كمن لم يجد ماء ولا تراباً.

والثاني: عند الوضوء.

الثالث: عند قراءة القرآن.

الرابع: عند الاستيقاظ من النوم.

الخامس: عند تغير الفم، وتغيره يكون بأشياء، منها ترك الأكل والشرب، ومنها: أكل ما له رائحة كريهة، ومنها: طول السكوت، ومنها: كثرة الكلام.

وقال ابن عابدين رحمه الله: قال في امداد الفتاح: وليس السواک من خصائص الوضوء فانه، يستحب في حالات: منها تغير الفم، والقيام من النوم، والى الصلاة، ودخول البيت، والاجتماع بالناس، وقراءة القرآن، لقول أبي حنيفة رحمه الله: ان السواک من سنن الدين. فتستوى فيه الأحوال كلها. (موسوعة فتح الملهم بشرح صحيح الامام مسلم، كتاب الطهارة، باب السواک، ج: ٢، ص: ٤٩٢، ٤٩٣، ط، دار احیاء التراث العربی بیروت لبنان)

عن المقدم بن شريح عن أبيه قال: سألت عائشة^{رض}، قلت: بأي شيء كان يبدأ النبي ﷺ إذا دخل بيته؟ قالت: بالسواک. (صحيح مسلم، كتاب الطهارة، باب

السواک، ص: ١٢٣، رقم: ٥٨٩، ط، دار السلام ریاض)

﴿ الجواب حامداً ومصلیاً ﴾:

رسول اللہ ﷺ کی مکی زندگی کے تیرہ سال اور ہجرت کے بعد سات سال آپ ﷺ پر بہت تنگی اور تکالیف و مصائب کے گزرے ہیں، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ بسا اوقات تین تین مہینے کا طویل عرصہ گزر جاتا، مگر گھر میں چولہا نہ جلتا تھا، صرف ”اسودین“ یعنی کھجور اور پانی پر آپ ﷺ گذر بسر فرمالیتے، گھر میں اناج یا غلہ وغیرہ کوئی چیز نہ ہوتی، جسے پکا یا جائے، آپ ﷺ کے فقر اختیار کی کا یہ حال تھا کہ اگر کوئی صحابی کھجور یا

عن حذیفة قال: كان رسول الله ﷺ اذا قام ليتجهجد، يشوص فاه بالسواك.

(صحيح مسلم، كتاب الطهارة، باب السواك، ص: ۱۲۴، رقم: ۵۹۳، ط، دار السلام رياض)

وفي الدرالمختار: والسواك سنة مؤكدة كما في الجوهره عند المضمنه، وقيل قبلها، وهو للوضوء عندنا الا اذا نسيه فيندب للصلاة كما يندب لاصفرار سن وتغير رائحة وقراءة قرآن، وأقله ثلاث في الأعلى وثلاث في الأسفل بمياه ثلاثة.

وفي الشامية تحته: قال في امداد الفتح: وليس السواك من خصائص النوضوء، فانه يستحب في حالات: منها تغير الفم، والقيام من النوم، والى الصلاة، ودخول البيت، والاجتماع بالناس، وقراءة القرآن، لقول أبي حنيفة: ان السواك من سنن الدين فتستوى فيه الأحوال كلها اهـ. وفي القهستاني: ولا تختص بالوضوء كما قيل، بل سنة على حدة على ما في ظاهر الرواية. وفي حاشية الهداية أنه مستحب في جميع الأوقات، ويؤكد استحبابه عند قصد الوضوء فيسن أو يستحب عند كل صلاة اهـ. وممن صرح باستحبابه عند الصلاة أيضا الحلبي في شرح المنية الصغير، وفي هداية ابن العماد أيضاً، وفي التاترخانية عن التتمة: ويستحب السواك عندنا كل صلاة ووضوء وكل ما يغير الفم وعند اليقظة اهـ. فاغتنم هذا التحرير الفريد. (ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الطهارة، قبيل مطلب في منافع السواك، ج: ۱، ص: ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، دار عالم الكتب رياض)

دودھ وغیرہ لے آتے، تو اسے تناول فرما لیتے (۱۸۰)۔ اور یہی حال ازواج مطہرات کا بھی تھا، کہ آپ ﷺ ان تمام کو سالانہ اخراجات کے لیے جو کچھ بھی دیتے، اکثر ازواج مطہرات اس کو اغرباء اور حاجت مندوں میں خرچ فرما دیتیں، آپ ﷺ کی سخاوت کا بحرِ ذخار تو اس سے بھی کہیں بڑھ کر تھا، اس لیے کسی بھی چیز کی ذخیرہ اندوزی آپ ﷺ کو پسند نہ تھی (۱۸۱)۔ چائے اور ناشتہ تو درکنار، ضروری کھانے پینے کے لیے بھی آپ ﷺ کوئی خاص انتظام نہیں فرماتے تھے، وقت پر جو کچھ بھی میسر ہوتا، اسے بہ خوشی تناول فرماتے، چائے کا رواج اس زمانے میں نہ تھا، میرے علم کے مطابق چائے کی ایجاد تقریباً دو صدی قبل کی ہے۔

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ چائے

(۱۸۰): عن عروۃ، عن عائشة رضی اللہ عنہا: أنها قالت لعروۃ: ابن اختی: ان کنا لننظر الی الهلال، ثم الهلال ثلاثة أهلة فی شهرین وما أوقدت فی أبیات رسول اللہ ﷺ نار، فقلت: یا خالة، ما کان یعیشکم؟ قالت: الأسودان: التمر والماء، الا أنه قد کان لرسول اللہ ﷺ جیران من الأنصار كانت لهم منائح، وکانوا یمنحون رسول اللہ ﷺ من ألبانهم فیسقینا. (صحیح البخاری، کتاب الهبة وفضلها والتحریص علیها، باب فضل الهبة، ص: ۵۱۰، رقم: ۲۵۶۷، ط، دار السلام ریاض)

(۱۸۱): عن أنس قال: کان النبی ﷺ لا یدخر شیئاً لغد. قال أبو عیسی: هذا حدیث غریب. (جامع الترمذی، کتاب الزهد، باب ما جاء فی معیشة النبی ﷺ وأهله، ص: ۵۳۸، رقم: ۲۳۶۲، ط، دار السلام ریاض)

عن أبی ہریرۃ، أن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دخل علی بلال، وعنده صبرة من تمر، فقال: ما هذا یا بلال؟ قال: شیء أدخرته لغد. فقال: أما تخشى أن ترى له غداً بخاراً فی نار جہنم یوم القيامة، أنفق بلالاً ولا تخش من ذی العرش اقلاقاً. (مشکاة المصابیح، کتاب الزکاة، باب الانفاق وکراهیة الامساک، الفصل الثالث،

ص: ۱۶۷، ط، قدیمی کتب خانہ کراچی)

کی کمپنی کے ملازمین مجھے چائے کے پیکٹ بیچنے کے لیے دیتے اور چائے بنا کر مفت پلاتے تھے، ہندوستان میں اسے آئے سو/۱۰۰ سال ہوئے ہوں گے، لہذا رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں چائے کا وجود ہی نہ تھا، صبح میں بھی آپ ﷺ کی جانب سے کوئی کھانا پہلے سے طے نہ ہوتا، جو کچھ بھی میسر ہوتا، آپ ﷺ تناول فرما لیتے۔

”مختصر شمائل ترمذی“، صفحہ نمبر: ۲۷۱/۲ پر پڑھیں، تمام تفصیلات مذکور ہیں۔ فقط، واللہ اعلم

بالصواب (فتاویٰ فلاحیہ، ج: ۱، ص: ۱۵۳ تا ۱۵۶)



حضور ﷺ کی تفریح

﴿سوال﴾:

آپ ﷺ تفریح کے لیے کہاں تشریف لے جاتے تھے؟

﴿الجواب حامداً ومصلیاً﴾:

انسان کو تھکن دور کرنے اور اکتاہٹ ختم کرنے کے لیے تفریح کی ضرورت ہوتی ہے، اور حضور پاک ﷺ کی شان یہ تھی کہ آپ ﷺ کو ایک روایت کے مطابق تیس جنتی اور ایک روایت کے مطابق چالیس جنتی آدمی کی طاقت دی گئی تھی۔ اور اہل جنت میں سے ایک آدمی کی طاقت ایک سو عام انسانوں کے برابر ہے۔ لہذا آپ ﷺ کے قویٰ اس اعتبار سے تین یا چار ہزار آدمیوں کے قویٰ کے برابر ہوئے (۱۸۲)، حاصل یہ ہے کہ جس شخصیت

(۱۸۲): عن أنس بن مالك قال: كان النبي ﷺ يدور على نسائه في الساعة

النواحسة من الليل والنهار وهن إحدى عشرة. قلت لأنس: أو كان يطيقه؟ قال كنا

نتحدث أنه أعطى قوة ثلاثين. وقال سعيد عن قتادة أن أنساً حدثهم: تسع نسوة.

وفى الفتح تحت هذا الحديث: قوله: (أو كان) بفتح الواو هو مقول قتادة والهمزة

للاستفهام ومميز ثلاثين محذوف أي ثلاثين رجلاً، ووقع في رواية الاسماعيلي من

عظمیٰ میں اتنی طاقت ہو، اسے تھکن یا اکتاہٹ چھو بھی نہیں سکتی، پھر تفریح کی ضرورت ہی کیا ہے۔

دیگر یہ کہ آپ ﷺ کے تمام اوقات ذکر الہی اور ارشادِ انام میں صرف ہوتے تھے، مخلوق کی رہنمائی کے بعد جو بھی وقت ملتا، آپ ﷺ اسے ”توجہ الی الخالق“ میں صرف فرماتے، چنانچہ آپ ﷺ کا فرمان ہے کہ ”جعلت قرۃ عینی فی الصلاة“ (۱۸۳)۔ یعنی نماز تو میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے، جسے یاد الہی میں اس قدر مزہ آ رہا ہو، اسے تفریح کی ضرورت نہیں ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب (فتاویٰ فلاحیہ، ج: ۱، ص: ۱۵۶ تا ۱۵۸)



طریق ابی موسیٰ عن معاذ بن ہشام ”أربعین“ بدل ثلاثین، وہی شاذۃ من هذا الوجه، لکن فی مراسیل طاوس مثل ذلك، وزاد ”فی الجماع“، وفی صفة الجنة لأبی نعیم من طریق مجاہد مثله وزاد ”من رجال أهل الجنة“، ومن حدیث عبد اللہ بن عمر ورفعه ”أعطیت قوة أربعین فی البطش والجماع“ وعند أحمد والنسائی وصححه الحاکم من حدیث زید بن أرقم رفعه ”ان الرجل من أهل الجنة لیعطی قوة مائة فی الأكل والشرب والجماع والشهوة“ فعلى هذا یكون حساب قوة نبینا أربعة آلاف۔ (فتح الباری، کتاب الغسل، باب اذا جامع ثم عاد۔ ومن دار علی نسائه فی غسل واحد، ج: ۱، ص: ۴۴۹)

(۱۸۳): عن عائشةؓ قالت: کان رسول اللہ ﷺ یذكر اللہ عزوجل علی کل احيائه۔ وفی البذل تحت هذا الحدیث: المراد من ذكر اللہ عزوجل الذکر القلبي، وهو المعبر بالحضور، فحينئذ یكون عموم الأحياء شاملاً لجميع أحيائه لا یستثنی منه حين، لأنه ﷺ کان دائم الذکر، لا ینقطع ذکره القلبي فی یقظة ولا نوم ولا فی وقت ما۔ (بذل المجہود فی حل سنن أبی داؤد، کتاب الطہارة، باب فی الرجل یذكر اللہ تعالیٰ علی غیر طہر، ج: ۱، ص: ۲۲۷، ۲۲۸، ط، دار البشائر الاسلامیة بیروت

حضور ﷺ کے اسفار

﴿سوال﴾:

کیا ہجرت مدینہ کے بعد آپ ﷺ نے کسی ملک کا سفر فرمایا تھا؟

﴿الجواب حامداً ومصلیاً﴾:

ہجرت کے بعد آپ ﷺ نے سفر جہاد کے علاوہ اور کوئی سفر نہیں فرمایا، جہاد کے لیے آپ ﷺ کا خیر (۱۸۴) (جسے اب خبر کہا جاتا ہے) اور تبوک (۱۸۵) (جو ملک شام

لبنان)

عن المغيرة بن شعبة قال قال رسول الله ﷺ: جعلت قرة عيني في الصلاة. (المعجم الكبير للطبراني، ج: ۲۰، ص: ۴۲۰، رقم: ۱۰۱۲، ط، مكتبة ابن تيمية القاهرة) وعن أنس قال: قال رسول الله ﷺ: حبيب الى الطيب والنساء، وجعلت قرة عيني في الصلاة، رواه احمد والنسائي وزاد ابن الجوزي بعد قوله: حبيب الى من الدنيا. (مشكاة المصابيح، باب فضل الفقراء وما كان من عيش النبي ﷺ، الفصل الثالث، ص: ۴۴۹، ط، قديمي كتب خانہ کراچی)

(۱۸۴): عن بشير بن يسار: أن سويد بن النعمان أخبره أنه خرج مع النبي ﷺ عام خيبر حتى إذا كنا بالصهباء وهي من أدنى خيبر صلى العصر ثم دعا بالأزواد فلم يؤت الا بالسويق، فأمر به فثرى فأكل وأكلنا ثم قام الى المغرب فمضمض ومضمضنا ثم صلى ولم يتوضأ.

عن سلمة بن الأكوع رضى الله عنه قال: خرجنا مع النبي ﷺ الى خيبر، فسرنا ليلاً... الخ. (أخرجهما البخاري في صحيحه، كتاب المغازي، باب غزوة خيبر، ص: ۸۶۵، رقم: ۴۱۹۵، ۴۱۹۶، ط، دار السلام رياض)

(۱۸۵): عن مصعب بن سعد، عن أبيه، أن رسول الله ﷺ خرج الى تبوك واستخلف علياً فقال: أتخلفني في الصبيان والنساء؟ قال: ألا ترضى أن تكون مني

کی جانب ہے) کا سفر کرنا ثابت ہے۔ واللہ اعلم بالصواب (فتاویٰ فلاحیہ، ج: ۱، ص: ۱۵۸)



حضور ﷺ کا اونٹ اور خچر پر سواری کرنا

﴿ سوال ﴾:

کیا آپ ﷺ نے اونٹ کے علاوہ گھوڑے یا خچر پر سواری فرمائی ہے؟

﴿ الجواب حامداً ومصلیاً ﴾:

رسول اللہ ﷺ نے اونٹ کے علاوہ گھوڑے اور خچر پر بھی سواری فرمائی ہے، گھوڑوں کے رنگ اور خصوصیات کے اعتبار سے ان کے نام بھی روایات میں مذکور ہیں، ایک روایت میں دس اور دوسری میں پندرہ گھوڑوں پر سواری کا بیان ہے (۱۸۶)۔ (زاد المعاد: ۳۴/۱) فقط واللہ اعلم بالصواب (فتاویٰ فلاحیہ، ج: ۱، ص: ۱۵۸، ۱۵۹)



بمنزلة هارون من موسى الا أنه ليس نبي بعدى. (صحيح البخارى، كتاب المغازى، باب غزوة تبوك، وهى غزوة العسرة، ص: ۹۰۹، رقم: ۴۴۱۶، ط، دار السلام رياض)
(۱۸۶): عن زاد المعاد: فمن الخيل: السكب. قيل وهو أول فرس ملكه، وكانه اسمه عند الأعرابي الذى اشتراه منه بعشر أواق الضرس، وكان أغر محجلاً طلق اليمن كميتاً. قيل كان أدهم... والمرتجز، وكان أشهب وهو الذى شهد فيه خزيمة بن ثابت.... واللحيف، واللزاز، والظرب، وسبحة، والورد. فهذه سبعة متفق عليها.... وقيل: كانت له أفراس آخر خمسة عشر، ولكن مختلف فيها، وكان دفناً سرجه من ليف.

وكان له من البغال دلدل، وكانت شهباء أهداها له المقوس. وبغلة أخرى. يقال لها: "فضة". أهداها له فروة الجذامى، وبغلة شهباء أهداها له صاحب أيلة، وأخرى أهداها له صاحب دومة الجندل، وقد قيل: ان النجاشى أهدى له بغلة فكان

حضور ﷺ اور پنکھا

﴿سوال﴾:

کیا گرمی کی شدت کی وجہ سے آپ ﷺ نے پنکھے کا استعمال کیا ہے؟ اگر استعمال منقول ہے، تو وہ پنکھا کیسا تھا؟

﴿الجواب حامداً ومصلیاً﴾:

پنکھے کے متعلق احادیث میں کہیں کوئی ذکر نہیں ہے، البتہ آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ: ”ما بین بیتی ومنبری روضة من ریاض الجنة (۱۸۷)۔

یعنی میرے گھر اور منبر کے درمیان کی جگہ جنت کے باغات کا ایک ٹکڑا ہے، اب غور کیجئے کہ جب جنت میں گرمی نہیں ہے، تو اس جگہ بھی گرمی نہیں ہو سکتی، لہذا پنکھے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ آپ ﷺ معصوم (یعنی تمام گناہوں سے پاک) تھے، علماء نے لکھا ہے کہ آپ ﷺ کو معصوم ہونے کی وجہ سے جنتی آدمی کی طرح دنیا میں بھیجا گیا تھا۔ اور جنتی کو جنت میں کوئی تکلیف نہیں ہوتی۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ آپ ﷺ کی زندگی نہایت سادہ تھی، جو امت کے لیے سادگی کا سبق تھی، آپ ﷺ نے ایسی سادگی کے ساتھ زندگی بسر فرمائی کہ روایات میں منقول ہے

یرکبھا.... و من الحمیر عفیر و کان أشهب، أهداه له المقوقس ملک القبط، و حمار آخر أهداه له فروة الجذامی، و ذکر أن سعد بن عبادۃ أعطی النبی ﷺ حماراً فرکبه. (زاد المعاد فی ہدی خیر العباد، فصل فی دواہہ ﷺ، بحوالہ حاشیہ فتاویٰ فلاحیہ)

(کتاب الطبقات الکبیر، ذکر خیل رسول اللہ ﷺ، ودواہہ، ج: ۱، ص: ۴۲۱)

(۱۸۷): (جامع الترمذی، أبواب المناقب، باب ماجاء فی فضل المدینۃ، ص:

کہ سخت کھر درے بچھونے کے اثرات آپ ﷺ کے بدن مبارک پر نمایاں بھی ہو جاتے۔
لیکن آپ ﷺ نے کبھی نرم گدایا تکیہ وغیرہ استعمال نہیں فرمایا، لہذا سچکھے کے استعمال کا سوال
ہی پیدا نہیں ہوتا (۱۸۸)۔ فقط، واعلم بالصواب (فتاویٰ فلاحیہ، ج: ۱، ص: ۱۵۹، ۱۶۰)



حضور ﷺ کا گریبان مبارک کس جانب تھا؟

﴿ سوال ﴾:

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ حضور ﷺ کا
گریبان مبارک کس جانب تھا؟ اور آپ کے گریبان پر بٹن تھے یا نہیں؟ وضاحت مطلوب
ہے۔

﴿ الجواب حامداً ومصلیاً ﴾:

(۱۸۸): عن عمر قال دخلت على رسول الله ﷺ فاذا هو مضطجع على
رمال حصير ليس بينه وبينه فراش قد اثر الرمال بجنبه متكئا على وسادة من ادم
حشوها ليف قلت يا رسول الله ادع الله فليوسع على امتك فان فارس والروم قد
وسع عليهم وهم لا يعبدون الله فقال اوفى هذا انت يا ابن الخطاب اولئك قوم
عجلت لهم طيباتهم في الحياة الدنيا وفي رواية اما ترضى ان تكون لهم الدنيا ولنا
الآخرة. متفق عليه. (مشكاة المصابيح، كتاب الرقاق، باب فضل الفقراء وما كان من
عيش النبي ﷺ، الفصل الاول، ص: ۴۴۷، ط، قديمی کتب خانہ کراچی)

عن ابن مسعود ان رسول الله ﷺ نام على حصير فقام وقد اثر في جسده
فقال ابن مسعود يا رسول الله لو امرتنا ان نبسط لك ونعمل فقال مالي وللدنيا وما
انا والدنيا الا كراكب استظل تحت شجرة ثم راح وتركها رواه احمد والترمذي
وابن ماجه. (مشكاة المصابيح، كتاب الرقاق، الفصل الثاني، ص: ۴۴۲، ط، قديمی

کتب خانہ کراچی)

حضور ﷺ کا گریبان مبارک سینے پر تھا جیسا کہ آج کل رائج ہے اور اس پر بٹن بھی

تھے۔

لمافی المرقات (۲۴۷/۸): عن معاوية بن قرة عن
ابيه قال اتيت النبي ﷺ في رهط من مزينة فبايعوه وانه
لمطلق الازار فادخلت يدي في جيب قميصه فمست
الخاتم. (في جيب قميصه) قال السيوطي فيه ان جيب
قميصه كان على الصدر كما هو المعتاد الآن فظن من لا علم
عنده انه بدعة وليس كما ظن.

وفي عمدة القاری (۳۰۲/۲۱): باب جيب القميص
ای هذا باب فی ذکر جیب القميص الكائن عندا لصدر و كانه
اشار بهذا الى ما وقع فی حديث الباب من قوله ويقول باصبعه
هكذا فی جيبه فان الظاهر انه كان لابس قميص و كان فی
طوقه فتحة الى صدره وعن هذا قال ابن بطال كان الجيب فی
ثياب السلف عندا الصدر. (نجم الفتاوى، ج: ۱، ص:
۲۵۵، ۲۵۶)



عصا ہاتھ میں رکھنا سنت ہے

﴿سوال﴾:

عصا ہاتھ میں رکھنا سنت ہے، کیا عصا ہاتھ میں رکھنا عمر کے ساتھ مقید ہے یا ہر کوئی
اس کو رکھ سکتا ہے؟

﴿الجواب حامداً ومصلیاً﴾:

اگر ادائے سنت کی نیت ہو تو موافق سنت عصار رکھنے سے ان شاء اللہ بلا قید عمر بھی ثواب ملے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (فتاویٰ محمودیہ، ج: ۴، ص: ۳۸۴)



حضور ﷺ کے نعلین کا رنگ

﴿سوال﴾:

کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بعض لوگ پیلے رنگ کے چیل پہنتے ہیں اور ان کو آپ علیہ السلام کی طرف منسوب کرتے ہیں آیا یہ بات صحیح ہے؟ قرآن و حدیث کی روشنی میں جواب دیں۔

﴿الجواب حامداً ومصلیاً﴾:

احادیث مبارکہ میں حضور اکرم ﷺ کے نعلین مبارک کا ذکر ملتا ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نعلین مبارک (چپلوں) کے دو تسمے تھے اور نعلین مبارک ایسے چمڑے کے بنے ہوئے تھے جو بالوں سے صاف تھے۔ البتہ کتب احادیث اور سیر و تاریخ کی کتابوں میں یہ بات تلاش کے باوجود نہیں مل سکی کہ نعلین مبارک کا رنگ کیا تھا؟ لہذا جب تک تحقیق سے یہ بات معلوم نہ ہو جائے کہ آپ ﷺ کے نعلین مبارک کا رنگ پیلا تھا اس وقت تک پیلے رنگ کے جوتے کو آپ ﷺ کی طرف منسوب کر کے پہننا صحیح نہیں۔

لمافی الصحیح للبخاری (۸۷/۲) عن قتادة قال

حدثنا انس ان نعل النبی ﷺ کان لها قبالة.

وفی الشمائل للترمذی (ص ۶): عن ابن عباس قال

کان لنعل رسول اللہ ﷺ قبالة منشی شراکھما.

وفی مصنف ابن ابی شیبہ (۵۳۴ / ۱۲): عن یزید بن

ابی زیاد قال رأیت نعل النبی ﷺ فی المدینة مخصرة ملسنة

لہا عقب خارج.

وفی حاشيته للشيخ محمد عوامه: المخصرتان:
الصيقتان من وسطهما ملسنة: كانت دقيقة على شكل
اللسان.

وفی الصحيح للبخاری (۲۱/۱): ربعی بن حراش
يقول سمعت عليا يقول قال النبي ﷺ لا تكذبوا على فانه من
كذب على فليج النار.

حدثنا المكي بن ابراهيم قال حدثنا يزيد بن ابي عبيد
عن سلمة هو ابن الاكوع قال سمعت النبي ﷺ يقول من
يقل على ما لم اقل فليتبوا مقعده من النار. (نجم الفتاوى، ج:
۱، ص: ۲۵۶)



حضور اکرم ﷺ اور گرم پانی استعمال کرنا

﴿سوال﴾:

کیا آپ ﷺ نے کبھی گرم پانی سے غسل فرمایا ہے؟ اور وہ گرم پانی کتنا ہوتا تھا؟

﴿الجواب حامداً ومصلياً﴾:

پانی کے گرم ہونے کی صراحت میری نظر سے نہیں گذری ہے، البتہ آپ ﷺ وضو
میں دو رطل پانی استعمال فرماتے تھے (۱۸۹)۔ (ابوداؤد: ۱۳/۱، ترمذی: ۹/۱)
اور غسل میں آٹھ رطل پانی استعمال فرماتے تھے (۱۹۰)۔ (ابوداؤد: ۱۳/۱، بخاری:

(۱۸۹/۱۹۰): عن عائشة أن النبي ﷺ كان يغتسل بالصاع ويتوضأ بالمد.

وفی البذل تحت هذا الحديث: والصاع مكيال يسع أربع امداد، والمد رطل وثلاث

۱/۳۹، ترمذی: ۱/۹) فقط، واللہ علم بالصواب (فتاویٰ فلاحیہ، ج: ۱، ص: ۱۶۰)



حضور ﷺ اور شکار

﴿ سوال ﴾:

کیا رسول اللہ ﷺ نے کبھی جانور کا شکار کیا تھا؟ اگر کیا تھا، تو کون سے ہتھیار سے؟

﴿ الجواب حامداً ومصلیاً ﴾:

شکار کے متعلق روایات میں کوئی ثبوت نہیں ملتا، البتہ آپ ﷺ نے اپنے دست

بالبغدادی، وهذا عند الشافعی، وأما عند أبي حنيفة رحمهما الله فالمد رطلان، والصاع ثمانية أرطال لخبر النسائي بذلك، ولفظه هكذا: وعن موسى الجهني قال: أتى مجاهد بقدر حزوته ثمانية أرطال، فقال: حدثتني عائشة أن رسول الله ﷺ كان يغتسل بمثل هذا، ورجاله رجال الصحيح، وقد قال النووي: وذكر جماعة من أصحابنا وجهاً لبعض أصحابنا أن الصاع هاهنا ثمانية أرطال، والمد رطلان. (بذل المجهود في حل سنن أبي داود، كتاب الطهارة، باب ما يجزئ من الماء في الوضوء، ج: ۱، ص: ۴۷۶، ط، دار البشائر الإسلامية بيروت لبنان)

وفي الأوجز: فإن مقدار الماء عند الحنفية عدّه صاحب "الدر المختار" من سنن الغسل، نقل الشامي عن "الحلية"؛ نقل غير واحد اجماع المسلمين على أن ما يجزئ في الوضوء والغسل غير مقدر بمقدار، وما في ظاهر الرواية من أن أدنى ما يكفي في الغسل صاع، وفي الوضوء مد للحديث المتفق عليه، ليس بلازم بل هو بيان أدنى القدر المسنون. قال في البحر: حتى من أسبغ بدون ذلك أجزاءه. انتهى. (أوجز المسالك الى موطأ مالك، كتاب الطهارة، باب العمل في غسل الجنابة، ج: ۱، ص: ۵۰۱، ۵۰۲، ط، دار القلم دمشق)

مبارک سے اونٹ کی قربانی فرمائی ہے (۱۹۱)۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب (فتاویٰ فلاحیہ، ج: ۱، ص: ۱۶۱)



حضور اکرم ﷺ گھر سے وضو فرما کر مسجد جاتے تھے

﴿سوال﴾:

رسول اللہ ﷺ وضو گھر میں کرنے کے بعد مسجد میں جاتے تھے، یا مسجد میں وضو فرماتے تھے؟

﴿الجواب حامداً ومصلیاً﴾:

آپ ﷺ ہمیشہ گھر سے وضو کر کے مسجد تشریف لاتے، اس وقت عام مسجدوں میں یا مسجد نبوی کے باہر وضو کے لیے کوئی باقاعدہ نظم نہیں تھا۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔ (فتاویٰ فلاحیہ، ج: ۱، ص: ۱۶۱)



(۱۹۱): فی حدیث طویل: ثم انصرف الى المنحر، فبحر ثلاثاً وستین بیده، ثم أعطی علیاً.. الخ. (صحیح مسلم، کتاب الحج، باب حجة النبی ﷺ، ص: ۵۱۶، رقم: ۲۹۵۰، ط، دار السلام ریاض)

نوٹ: آپ ﷺ سے مینڈھے کی قربانی کرنا بھی ثابت ہے، ملاحظہ ہو:

عن أنسؓ قال: ضحی النبی ﷺ بکبشین أملحین، فرأیتہ واضعاً قدمه علی صفاحهما یسمی ویکبر فذبحهما بیده. (صحیح البخاری، کتاب الأضاحی، باب من ذبح الأضاحی بیده، ص: ۱۲۰۰، رقم: ۵۵۵۸، ط، دار السلام ریاض)

حضور اکرم ﷺ نے وعظ کے لیے کوئی وقت مقرر نہیں فرمایا تھا

﴿سوال﴾:

کیا رسول اللہ ﷺ نے وعظ و نصیحت کے لیے کوئی وقت مقرر فرمایا تھا؟

﴿الجواب حامداً ومصلیاً﴾:

وعظ و نصیحت کے لیے آپ ﷺ کی جانب سے کوئی وقت مقرر نہیں تھا، امام بخاریؒ نے کتاب العلم میں اس کے متعلق دو باب قائم فرمائے ہیں:

(۱) باب ما كان النبي ﷺ يتخولهم بالموعظة والعلم، كي

لا ينفروا.

(۲) باب من جعل لأهل العلم أياماً معلومة.

پہلے باب میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور دیگر صحابہ کرامؓ سے متعدد روایات منقول ہیں، جن کا حاصل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صحابہ کرامؓ کے نشاط کا خیال رکھتے ہوئے کچھ دن ناغہ کرتے اور کچھ دن نصیحت فرماتے تھے (۱۹۲)۔ دوسرے باب میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت ہے کہ ان سے ایک تلمیذ نے یہ درخواست کی کہ ہم چاہتے ہیں کہ آپ سے روزانہ نصائح سنیں، تو آپؐ نے فرمایا کہ میں تمہارے نشاط کا خیال رکھتے ہوئے کچھ دن ناغہ کرتا ہوں، جیسا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی اسی طرح ہمارے نشاط کا خیال رکھتے ہوئے وقتاً فوقتاً نصیحت فرمایا کرتے تھے (۱۹۳)۔ واللہ اعلم

(۱۹۲): عن ابن مسعود قال: كان النبي ﷺ يتخولنا بالموعظة في الأيام

كراهة السامة علينا. (صحيح البخاري، كتاب العلم، باب ما كان النبي ﷺ يتخولهم

بالموعظة والعلم كي لا ينفروا، ص: ۲۰، رقم: ۶۸، ط، دار السلام رياض)

(۱۹۳): عن أبي وائل قال: كان عبد الله يذكر الناس في كل خميس، فقال له

رجل: يا أبا عبد الرحمن، لو ددت أنك ذكرتنا كل يوم، قال: أما انه يمنعني من

بالصواب (فتاویٰ فلاحیہ، ج: ۱، ص: ۱۶۱، ۱۶۲)



حضور ﷺ کا بیٹھ کر نماز پڑھنا

﴿ سوال ﴾:

رسول اللہ ﷺ کون سی نفل بیٹھ کر پڑھتے تھے؟

﴿ الجواب حامداً ومصلیاً ﴾:

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بہ حالت مرض فرض نماز بیٹھ کر پڑھی ہے، نیز حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کمزور ہو گئے تھے، تو بیٹھ کر نوافل پڑھتے تھے (۱۹۴)۔ (بخاری شریف)

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا ہے کہ بیٹھ کر نماز پڑھنے سے آدھا ثواب ملتا ہے۔ لیکن آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تعلیم امت کے خاطر بھی بیٹھ کر نماز پڑھی ہے، لہذا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس نماز کا پورا ثواب ملے گا (۱۹۵)۔ وتر کے بعد کی دو

ذٰلک اُنّی اُکْرہ اَنْ اَمْلَکُمْ، وَاِنّی اُتَخَوَّلُکُمْ بِالْمَوْعِظَةِ کَمَا کَانَ النَّبِیُّ ﷺ یَتَخَوَّلُنَا بِهَا مَخَافَةَ السَّامَةِ عَلَیْنَا. (صحیح البخاری، کتاب العلم، باب من جعل لأهل العلم ایاماً معومة، ص: ۲۰، رقم: ۷۰، ط، دار السلام ریاض)

(۱۹۴): عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ: لَمَّا بَدَنَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَثَقَلَ كَانَ أَكْثَرَ صَلَاتِهِ جَالِساً. متفق عليه. (مشکاة المصابیح، کتاب الصلاة، باب صلاة اللیل، الفصل الأول، ص: ۱۰۶، ط، قدیمی کتب خانہ کراچی)

(۱۹۵): عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ: حَدَّثَنَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَنَّهُ قَالَ: صَلَاةُ الرَّجُلِ قَاعِدًا نِصْفُ الصَّلَاةِ قَالَ: فَاتَيْتُهُ فَوَجَدْتَهُ يَصَلِي جَالِساً، فَوَضَعَتْ يَدِي عَلَى رَأْسِهِ. فَقَالَ: مَا لَكَ يَا عَبْدَ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو؟ قُلْتُ: حَدَّثْتَ يَا رَسُولَ اللَّهِ! أَنْكَ قُلْتَ: صَلَاةُ الرَّجُلِ قَاعِدًا عَلَى نِصْفِ الصَّلَاةِ وَأَنْتَ تَصَلِي قَاعِدًا! قَالَ:

رکعات کے بارے میں بعض علماء نے فرمایا ہے کہ ان کو اگر کوئی اس نیت سے کر پڑھتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس طرح پڑھی ہے، تو اسے پورا ثواب ملے گا۔ اور بعض فرماتے ہیں کہ اسے آدھا ثواب ملے گا (۱۹۶)۔ واللہ اعلم بالصواب (فتاویٰ فلاحیہ، ج: ۱،

اجل، ولكنى لسيت كأحد منكم. وفي فتح الملهم تحت هذا الحديث: قوله: (أجل، ولكنى لسيت) الخ: أى: قلت ذلك، ولكن الفرق أنى لسيت كأحدكم. قال عياض يعنى ليس كأحدكم فى السلامة من العذر، لأنه انما فعله للمشقة التى لحقته فى آخر عمره من كرسنه، وحطم الناس، وما كان صلى الله تعالى عليه وسلم ليدع الأفضل لغير عذر، ويحتمل أن يريد: لسيت كأحدكم فى الحكم، بل أجرى قاعداً كأجرى قائما، ويكون هذا من خصائصه صلى الله تعالى عليه وسلم، وقد خص بأشياء.

قال النووي: هذا مذهبننا فى هذا الحديث، والأول باطل، لأنه لا تبقى معه خصوصية له ﷺ، لأن من غيره من ذوى الأعذار أجره مع العذر كامل. اهـ.
قال ابن عابدين: اما النبى ﷺ فمن خصائصه أن نافلته قاعداً مع القدرة على القيام كناقلته قائما. (موسوعة فتح الملهم بشرح صحيح الامام مسلم، كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب جواز النافلة قائما وقاعداً، ج: ۴، ص: ۴۹۱، ۴۹۴، ط، دار أحياء التراث العربى بيروت لبنان)

فى مراقى الفلاح: ولكن له أى للمتأمل جالساً (نصف أجر القائم) لقوله ﷺ: من صلى قائما فهو أفضل، ومن صلى قاعداً فله نصف أجر القائم.
وفى حاشية الطحطاوى تحته: قوله: (ولكن له نصف أجر القائم) يستثنى منه صاحب الشرع صلى الله تعالى عليه وسلم كما ورد عنه صلى الله تعالى عليه وسلم: فان أجر صلاته قاعداً كأجر صلاته قائما فهو خصوصياته. (حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، كتاب الصلاة، فصل فى صلاة النفل جالساً والصلاة على الدابة، ص: ۴۰۳، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

(۱۹۶) عن أبى سلمة عائشة رضى الله عنها قالت: صلى النبى ﷺ العشاء،



وصلی ثمانی رکعات، ور کعتین جالسا، ور کعتین بین النداءین، ولم یکن یدعها أبداً.

وفی انعام الباری تحت هذا الحدیث: یہ ”رکعتین جالسا“ سے وتر کے بعد کی دو رکعتیں مراد ہیں اور یہ حضور اقدس ﷺ سے بیٹھ کر پڑھنا ہی ثابت ہیں۔ یہ حدیث صریح ہے اور اس کے ثبوت میں اور بھی حدیثیں ہیں، لہذا یہ کہنا کہ وتر کے بعد دو رکعتیں پڑھنا ثابت نہیں غلط ہے۔ البتہ جہاں بھی حدیث میں آیا ہے بیٹھ کر ہی پڑھنا آیا ہے، اس لئے بیشتر فقہاء یہ کہتے ہیں کہ اگر پڑھنی ہوں تو کھڑے ہو کر پڑھنا ہی افضل ہے لیکن اگر بیٹھ کر پڑھ لے تو یہ بھی جائز ہے۔ لیکن حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ میرا خیال یہ ہے کہ حضور ﷺ کا ہمیشہ بیٹھ کر پڑھنا یہ قصد و اختیار سے تھا، لہذا اس میں بیٹھ کر پڑھنا ہی افضل ہے۔

دوسرے حضرات کہتے ہیں کہ جو عام قاعدہ ہے کہ قیام افضل ہے وہ اس میں بھی جاری ہوتا ہے۔ روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے آٹھ رکعتیں کھڑے ہو کر پڑھیں اور یہاں وتر کا ذکر نہیں کیا، اس لئے کہ یہاں نفلی نماز کا ذکر کر رہے ہیں اور وتر واجب ہے۔

پھر فرمایا کہ دو رکعتیں بیٹھ کر پڑھتے تھے یعنی وتر کے بعد اور دو رکعتیں صلاۃ الفجر۔ لہذا جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ مابعد الوتر جو رکعتیں ہیں وہ حقیقت میں رکعتی الفجر تھیں، اس سے ان کی تردید ہو جاتی ہے کیونکہ یہاں فجر کی رکعتوں کو الگ ذکر کیا ہے۔ (انعام الباری، کتاب التہجد، باب المداومۃ علی رکعتی الفجر، ج: ۴، ص: ۳۲۳، ط، مکتبۃ الحراء کراچی)

وفی فیض الباری: قوله: (ثمان رکعات) والعجب من الراوی حیث ترک فیہ ذکر الوتر مع کونه دعامة فی أحادیث صلاۃ اللیل. وهو مذکور عد ابی داؤد فی هذه الروایة بعینها: ”رکعتین جالسا“. وهاتان الرکعتان لیستا عد البخاری رحمه الله تعالى فی غیر هذا الموضع. ولكنه لم یترجم علیهما لأنه لم یذهب الیہما. وتردد فیہما مالک رحمه الله تعالى أيضاً کما مر، مع أن الأحادیث قد صحت فیہما. بقى أن الجلوس فیہما اتفاقاً أو قصدی؟ فاختر النووی رحمه الله تعالى

حضور ﷺ کا قضاے حاجت کے وقت دیکھا جانا

﴿سوال﴾:

ہمارے ہاں ایک مولوی صاحب کہتا ہے کہ حضور ﷺ کو قضاے حاجت کے وقت کسی نے نہیں دیکھا ہے۔ یہ بات کہاں تک صحیح ہے؟ بینوا تو جرو

﴿الجواب﴾:

هذا مخالف من حديث ابن عمر انه ارتقى على البيت فرئ النبي ﷺ يقضى حاجته. والحديث مشهور (۱۹۷). وهو موفق. (فتاویٰ فریدیہ، ج: ۱، ص: ۴۶۵)



کیا حضور اکرم ﷺ نائب مطلق، مالک و مختار ہیں؟

﴿سوال﴾:

”حضور اقدس ﷺ نائب مطلق ہیں، تمام جہاں حضور ﷺ کے تحت تصرف کر دیا گیا جو چاہیں کریں، جس سے جو چاہیں لیں جسے جو

الأول. وعندی المختار هو الثانی لأنهما لم تثبتا عنه قائماً قط. فحمل فعله فی جمیع عمره علی الاتفاق مما یصادم البداة، واذن هو قصدی، وقد مرت نکتته من قبل. (فیض الباری علی صحیح البخاری، کتاب التہجد، باب المداومة علی رکعتی الفجر، ج: ۲، ص: ۵۷۵، رقم: ۱۱۵۹، ط، دار الکتب العلمیة بیروت لبنان)

(۱۹۷): عن ابن عمر، قال: رقیّت یوما علی بیت حفصة، فرأیت النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم علی حاجته مستقبل الشام مستدبر الکعبة. قال أبو عیسیٰ: هذا حدیث حسن صحیح. (جامع الترمذی، کتاب الطہارة، باب ماجاء من الرخصة فی ذلك، ص: ۳، رقم: ۹، ط، دار السلام ریاض)

چاہیں دیں، تمام جہاں میں ان کے حکم کا پھیرنے والا کوئی نہیں، تمام جہاں ان کا محکوم ہے اور وہ اپنے رب کے سوا کسی کے محکوم نہیں، تمام آدمیوں کے مالک ہیں، جو انہیں مالک نہ جانے حلاوت سنت سے محروم ہے، تمام زمین ان کی ملک ہے، تمام جنت ان کی جاگیر ہے، ملکوت السموات والارض حضور اکرم ﷺ کے زیر فرمان، جنات و نار کی کنجیاں دستِ اقدس میں دیدی گئیں، رزق و خیر اور ہر قسم کی عطائیں حضور اکرم ﷺ کے دربار سے تقسیم ہوتی ہیں، دنیا و آخرت حضور ﷺ کی عطا کا ایک حصہ ہے، احکام شرعیہ حضور ﷺ کے قبضہ میں کر دیئے گئے جس پر جو چاہیں حرام فرمادیں اور جس پر جو چاہیں حلال کر دیں اور جو فرض چاہیں معاف فرمادیں۔ (بہار شریعت، حصہ اول، ص: ۲۲)

۲..... ”جتنے فضائل و کمالات خزانہ قدرت میں ہیں سب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمائے گئے۔“ (ملفوظات خان صاحب، حصہ دوم، ص: ۳۹)

۳..... ”حضور ﷺ کو خداوند عرب کہہ کر ندا کر سکتے ہیں۔“ (ملفوظات خان صاحب، حصہ اول، ص: ۱۸۸)

۴..... ”انبیاء علیہم السلام کو معجزات و ادراک مغیبات ظاہری جوارح، سماع، بصر کی طرح باطنی بخشی ہیں، جب چاہیں خرق عادت فرمائیں، مغیبات کو معلوم فرمائیں، چاہیں نہ فرمائیں۔“ (الآ من والعلی، مصنفہ خان صاحب بریلوی، ص: ۲۰۹)

مذکورہ بالا چاروں نمبروں کی تحریر جو مع حوالہ کتب لکھی گئی ہے، معلوم کرنے پر بریلوی حضرات ان عبارات کی یہ تفصیل کرتے ہیں کہ اطاع اللہ اطاع الرسول کے تحت یہ نظریہ ہے کہ ہر حکم حضور ﷺ کے واسطے سے امت کو ملا ہے، آپ کے کل فرمان باذن اللہ

ہیں، آپ نے ذاتی کوئی حکم نافذ نہیں فرمایا، بلکہ خالصتاً ہر حکم ربی امت کو دیا، بایں ہمہ عشق محبت رسول میں یہ تحریر کیا ہے ورنہ ہر چیز کا رب ہی مالک ہے۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ مذکورہ بالا عبارات سے جو ظاہر ہے اور جو تفصیل ان کی نقل کی گئی، زید امام اسی گروپ کی تائید میں ہے اور نظریہ دیوبند سے منسبت بھی نہیں رکھتا، ایسے امام کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟ اگر نماز پڑھ لی تو اعادہ ضروری ہے یا نہیں؟

﴿ الجواب حامداً ومصلیاً ﴾:

نقل کردہ عبارات کے خلاف بھی خان صاحب بریلوی کی کتابوں میں موجود ہے ”الامن والعلی“ میں غیر اللہ کو عالم الغیب کہنا منع لکھا ہے، ایک مقام پر یہ بھی لکھتے ہیں کہ ”جو شخص حضور اکرم ﷺ یا خدائے پاک کے سوا کسی کے لئے بھی علم غیب ذاتی کا ایک ذرہ بھی تسلیم کرے وہ ایمان سے خارج ہے“ اور یہ بھی لکھا ہے کہ ”علم محیط (یعنی علم کلی) صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے، غیر خدا کے لئے علم غیب ماننا درست نہیں۔“

بہر حال آپ کے تحریر کردہ عقائد جو شخص اپنائے ہوئے وہ اس کو امام بنانا جائز نہیں، آپ صحیح العقیدہ شخص کے پیچھے نماز پڑھیں، اگر کچھ عملی غلطیاں ہوں تو اس کی وجہ سے آپ اعادہ کرتے ہوں تو آپ نفس جماعت کی فضیلت حاصل کر لیں گے۔ خان صاحب بریلوی کا تو اہم عقیدہ یہ ہے کہ علمائے حق جن کے نام بھی تحریر کئے ہیں وہ کافر ہیں، جو ان کو کافر نہ سمجھے وہ بھی کافر ہے جس کی وجہ سے اس شخص کا نکاح بھی باقی نہیں رہا، اولاد و ولد الزنا ہے۔ ایسے عقائد والے کی امامت کی کیا گنجائش ہے (۱۹۸)۔ فقط واللہ اعلم (فتاویٰ محمودیہ، ج: ۱، ص: ۳۷۷)



(۱۹۸) فی شرح العقائد: وتجاوز الصلاة خلف كل بر وفاجر، لقوله عليه السلام: صلوا كل بر وفاجر. ولأن علماء الأمة كانوا يصلون خلف الفسقة، وأهل الهواء، والبدع، من غير نكير. وما نقل عن بعض السلف من المنع عن الصلاة خلف

ابو جہل آپ ﷺ کا چچا نہیں تھا

﴿ سوال ﴾:

کیا ابو جہل آپ ﷺ کا حقیقی چچا تھا یا آپ ﷺ کے خاندان میں ہونے کی وجہ سے کسی دور کے رشتے سے چچا تھا؟

﴿ الحواب حامداً ومصلیاً ﴾:

البدع فمحمول على الكراهة، اذ لا كلام في كراهة الصلاة خلف الفاسق والمبتدع. هذا اذا لم يؤد الفسق أو البدعة الى حد الكفر، أما اذا أدى اليه فلا كلام في عدم جواز الصلاة خلفه. (شرح العقائد النسفية، الكلام في العقائد المتفرقة، ص: ۳۶۹، ط، مكتبة البشري كراتشي)

وفي نور الايضاح: وكره امامة العبد.... والفاسق، والمبتدع.

وفي امداد الفتاح تحته: والمراد المبتدع الذي لا تكفره بدعته فان كفر بها لاتصح امامته كما قدمناه. (امداد الفتاح شرح نور الايضاح ونجاة الارواح، كتاب الصلاة، فصل في الأحق بالامامة، وترتيب الصفوف، ص: ۳۴۲، ۳۴۳، ط، مكتبة رشيدية كوثنه)

وفي ملتقى الأبحر: ويكره امامة العبد والأعرابي والأعمى والفاسق والمبتدع.

وفي مجمع الأنهر تحته: (والمبتدع) أي صاحب هوى لا يكفر به صاحبه حتى اذا كفر أنه لم تجز أصلاً. (مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر، كتاب الصلاة، ج: ۱، ص: ۱۶۲، ۱۶۳، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان / رد المحتار على الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الامامة، ج: ۲، ص: ۲۹۹، ط، دار عالم الكتب رياض / الدر المنتقى في شرح الملتقى على هامش مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، ج: ۱، ص: ۱۶۲، ۱۶۳، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

ابولہب تو نبی کریم ﷺ کا حقیقی چچا تھا (۱۹۹)؛ لیکن ابو جہل چچا نہیں تھا، اس کا نسب نبی ﷺ کے پردادا کے اوپر سے ملتا ہے (۲۰۰)۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب (فتاویٰ فلاحیہ، ج: ۱، ص: ۱۶۷)



حضور علیہ السلام بھی لوازماتِ بشریہ سے مستثنیٰ نہ تھے

﴿ سوال ﴾:

ایک صاحب مسائل غسل بیان فرما رہے تھے انہوں نے کہا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ

(۱۹۹) فی اسد الغابۃ: وکان للنبی ﷺ من الأعمام عشرة، ومن العمات خمس، فالأعمام.... وعبد العزی بن عبد المطلب، وهو أبو لهب، وکان جواداً، کناه أبوہ بذلك لحسنہ، وأمه لبنی بنت ہاجر بن عبد مناف بن ضاطر بن حبشیۃ بن سلول الخزاعیۃ. (أسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ، ذکر أعمامہ وعماتہ ﷺ، ج: ۱، ص: ۱۴۲، ط، دار الکتب العلمیۃ بیروت لبنان)

(۲۰۰): ابو جہل ملعون کا نسب ساتویں پشت میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتا ہے۔

فی اسد الغابۃ: محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرۃ بن کعب بن لؤی بن فہر بن مالک بن النضر بن کنانۃ بن خزیمۃ بن مدرکۃ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان أبو القاسم، سید ولد آدم علیہما السلام. (أسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ، محمد رسول اللہ ﷺ، ج: ۱، ص: ۱۲۱، ط، دار الکتب العلمیۃ بیروت لبنان)

وفی الاستیعاب: واسم أبی جہل عمرو بن ہشام بن المغیرۃ بن عبد اللہ بن عمر بن مخزوم بن یقظۃ بن مرۃ بن کعب بن لؤی القرشی المخزومی. کان أبو جہل یکنی أبا الحکم، فکناه رسول اللہ ﷺ أبا جہل، فذهبت. (الاستیعاب فی معرفۃ الأصحاب، باب عکرمة، ج: ۳، ص: ۱۰۸۲، ط، دار الحیل بیروت لبنان)

علیہ وسلم بھی غسل جنابت فرماتے تھے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بھی منیٰ آتی تھی۔ تو ایک مولوی صاحب نے کہا کہ تو نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی توہین کی ہے لہذا تو کافر ہو گیا۔ کیا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو منیٰ آتی تھی؟ اور فتویٰ کفر دینے والا مولوی صاحب حق بجانب ہے یا نہیں؟

﴿الجواب﴾:

آنحضرت ﷺ بھی لوازمات بشریہ سے مستثنیٰ نہ تھے (۲۰۱)، مگر یہ انداز درست نہیں اور اگر کوئی غلطی سے یہ بات کہہ بیٹھے تو اس کی تکفیر بھی درست نہیں۔ (خیر الفتاویٰ، ج: ۱، ص: ۳۲۳، ط، مکتبہ امدادیہ ملتان)



آپ ﷺ کے اذان دینے کا ثبوت

﴿مسئلہ﴾:

عوام میں یہ بات مشہور ہے کہ آپ ﷺ نے کبھی اذان نہیں دی، مگر تقریرات رافعی میں علامہ سیوطی رحمہ اللہ کے حوالے سے ایک مرسل روایت نقل کی گئی ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے ایک مرتبہ اذان دی ہے (۲۰۲)۔ (المسائل الہمہ فیما ابتلت بہ

(۲۰۱): عن أنس قال: كان النبي ﷺ يطوف على نسائه بغسل واحد. رواه

مسلم. (مشكاة المصابيح، كتاب الطهارة، باب مخالطة الحنب، الفصل الأول، ص:

۴۹، ط، قدیمی کتب خانہ کراچی)

وعن أبي رافع، قال: ان رسول الله ﷺ طاف ذات يوم على نسائه، يغتسل

عند هذه، وعند هذه، قال: فقلت له: يا رسول الله! ألا تجعله غسلاً واحداً آخر؟

قال: هذا أزكى وأطيب وأطهر. (مشكاة المصابيح، كتاب الطهارة، باب مخالطة

الحنب، الفصل الثالث، ص: ۵۰، ط، قدیمی کتب خانہ کراچی)

(۲۰۲): فی تقریرات الرافعی: وفي السراج روى عقبة بن عامر قال: كنت مع

العامۃ، ج: ۳، ص: ۵۹/ فتاویٰ قاسمیہ، ج: ۵، ص: ۳۴۹، ۳۵۰، ط، مکتبہ اشرفیہ دیوبند/
کتاب النوازل، ج: ۳، ص: ۲۸۳، ۲۸۴، ط، المرکز العلمی للنشر والتحقق لال باغ مراد آباد
الہند/ نجم الفتاویٰ، ج: ۲، ص: ۲۴۲)



آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کا رکانہ سے کشتی لڑنے کا ثبوت

﴿سوال﴾:

یہاں ایک صاحب سے اس مسئلہ پر بحث ہوگئی کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
رکانہ پہلوان سے کشتی لڑے تھے یا نہیں؟ فریق مخالف نے کہا کہ یہ واقعہ درست نہیں۔ جو
ثابت کر دے اسے انعام دوں گا ہم نے صحاح ستہ میں بہت تلاش کیا مگر نہیں ملا۔ ترجمان السنۃ
میں یہ حدیث موجود ہے مگر وہ صاحب کہتے ہیں کہ حدیث کی کسی کتاب سے دکھاؤ۔ آپ
برائے مہربانی اس حدیث کا صحیح حوالہ تحریر فرمائیں۔

﴿الجواب﴾:

ابوداؤد شریف، ج: ۲، ص: ۵۶۳، اصح المطابع میں یہ حدیث موجود ہے۔
ان رکانہ صارع النبی صلی اللہ علیہ وسلم فصرعه النبی ﷺ (۲۰۳). فقط

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فی سفر، فلما زالت الشمس أذن بنفسه وأقام
وصلی الظهر. وقال السيوطی: ظفرت بحديث آخر مرسل أخرجه سعيد بن منصور
فی سننه قال: أذن رسول اللہ ﷺ مرة فقال: "حي على الفلاح". وهذه رواية لا تقبل
التأويل. اهـ. واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم. (تقریرات الرافعی علی ردالمحتار علی
الدرالمختار، کتاب الصلاۃ، قبیل باب شروط الصلاۃ، ج: ۱، ص: ۶۵، ط، دار عالم
الکتب ریاض)

(۲۰۳): (سنن ابی داؤد، کتاب اللباس، باب فی العمائم، ص: ۵۷۵، رقم:

واللہ تعالیٰ اعلم۔ (خیر الفتاویٰ، ج: ۱، ص: ۴۶۶، ط، مکتبہ امدادیہ ملتان)



آنحضرت علیہ الصلاۃ والسلام کا اہل نجد کے لئے دعائے کرنے کا سبب

﴿سوال﴾:

بعض لوگ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عرب کے لئے دعائے مانگی لیکن نجد کے لئے دعائے نہیں مانگی، حالانکہ صحابہ کرامؓ نے عرض بھی کیا تھا کہ نجد کے لئے دعائے مانگو۔ کیا یہ حدیث ہے یا نہیں؟ صحیح ہے یا موضوع؟

﴿الجواب﴾:

حدیث درست ہے اور حدیث مذکور میں نجد سے مراد ”عراق“ اور اس کے گرد کا علاقہ ہے۔ اس وقت وہاں کے لوگ کافر تھے۔ نیز بعد میں وہاں سے بہت سے فتنوں کا ظہور ہوا۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس جگہ کے لئے دعائے نہیں مانگی۔

والنجد هو ما ارتفع من الارض ومن كان بالمدينة

كان نجده بارية العراق ونواحيها في مشرق اهلها قيل اهل

المشرق كانوا حينئذ اهل كفر وظهور الخوارج في ارض

نجد والعراق. اهـ. [حواشی بخاری، ج: ۲، ص: ۱۰۵۱] فقط

واللہ تعالیٰ اعلم (خیر الفتاویٰ، ج: ۱، ص: ۴۶۶، ط، مکتبہ

امدادیہ ملتان)



بنائے کعبہ کے وقت آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بے ہوش ہونا

﴿سوال﴾:

کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ کیا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جبکہ آپ کی عمر شریف ۳۵ یا ۲۵ برس کی تھی تعمیر کعبہ کے وقت خواجہ ابوطالب کے کہنے سے جبکہ کندھے پر پتھر لے کر چلنے میں تکلیف ہو رہی تھی کہ اپنا تہبند کھول کر کندھے پر رکھ لو تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب ایسا کیا تو بیہوش ہو کر زمین پر گر پڑے تھے کیا یہ واقعہ درست ہے؟ واضح فرمائیں۔

﴿الجواب وبالله التوفیق﴾:

جی ہاں واقعہ درست اور صحیح ہے، سیرۃ مصطفیٰ ص: ۱۱۳ میں عمر ۳۵ سال کا واقعہ نقل فرمایا ہے اور صحیح بخاری اور مسلم میں یہ واقعہ موجود ہے اور حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے خواجہ ابوطالب کے بجائے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو نقل فرمایا ہے۔

عن جابر بن عبد اللہ قال: لما بنيت الكعبة ذهب النبي صلى الله تعالى عليه وسلم وعباس ينقلان فقال العباس للنبي صلى الله تعالى عليه وسلم: اجعل ازارك على رقبتك فخر الى الارض وطمحت عيناه الى السماء فقال أرنى ازارى فشدہ عليه. (بخاری شریف، کتاب الحج، باب فضل مکہ وبنیانہ، النسخۃ الہندیۃ، ۱/ ۲۱۵، رقم: ۱۵۵۸، ف: ۱۵۸۲، مسلم شریف کتاب الحيض، باب الاعتناء بحفظ العورة، النسخۃ الہندیۃ ۱/ ۱۵۴، بیت الافکار رقم: ۳۴۰)

وفی طبقات ابن سعد من حدیث الزہری عن محمد بن جبیر بن مطعم دخل حدیث بعضهم فی حدیث بعض

قالوا: بینا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ينقل معهم الحجارۃ یعنی للبيت وهو یومئذ ابن خمس وثلاثین سنة الخ. (عمدة القاری، کتاب الحج، باب فضل مکہ وبنیانه، مکتبہ زکریا ۱۷/۱۳۰، تحت رقم الحديث: ۱۵۸۲)

فینا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، ينقل معهم وهو یومئذ ابن خمس وثلاثین سنة وكانوا يضعون أزرهم علی عواتقهم، ويحملون الحجارۃ ففعل ذلك رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم الخ. (الطبقات الکبریٰ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱/۱۱۶، ذکر حضور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم هدم قریش الکعبۃ وبناءها ورسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یومئذ ابن خمس وثلاثین سنة تاریخ طبری ۲/۲۸۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔ (فتاویٰ قاسمیہ، ج: ۲، ص: ۳۵۰، ۳۵۱، ط، مکتبہ اشرفیہ دیوبند الہند)



نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کتنے حج کئے؟

﴿سوال﴾:

کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پوری زندگی میں کتنے حج کئے ہیں کیونکہ ایک صاحب نے دعویٰ کے ساتھ کہا ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک حج کیا ہے۔

﴿الجواب وبالله التوفیق﴾:

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہجرت سے قبل ہر سال حج فرمایا کرتے تھے اور موسم حج ہی اہل مدینہ کو دعوت دینے کا سبب بنا تھا، البتہ ہجرت کے بعد صرف ایک حج فرمایا تھا شاید جن صاحب نے ایک حج بتلایا ہے ان کی مراد ہجرت کے بعد کا حج ہوا اگر یہی بات ہے تو ان کی بات بھی صحیح ہے۔

قال ابن الأثير: كان عليه الصلوة والسلام يحج كل سنة قبل أن يهاجر ويوافقه قول ابن الجوزي حج حججا لا يعلم عددها الخ. (مرقات، كتاب المناسك، الفصل الاول، مطبع ملتان ۵/ ۲۶۳)

حجته بعد الهجرة الى المدينة واحدة، وأما قبل الهجرة وبعد النبوة فواحدة أيضا وأما قبل النبوة فالحج ثابتة بدون تعيين العدد الخ. (العرف الشذی علی هامش الترمذی، كتاب المناسك باب ماجاء كم حج النبي صلى الله تعالى عليه وسلم ۱/ ۱۷۱)

وقال ابن حزم: حج او اعتمر قبل النبوة وبعدها وقبل الهجرة وبعدها حججا وعمرا لا يعلمها الا الله كذا في الخميس قلت: لكنهم لا خلاف بينهم في أنه صلى الله تعالى عليه وسلم لم يحج بعد الهجرة الا مرة واحدة. (الكوكب الدری، مكتبة يحيى سہانپور ۱/ ۲۷۲، كتاب المناسك، باب كم حج النبي صلى الله تعالى عليه وسلم) فقط والله سبحانه و تعالى اعلم۔ (فتاویٰ قاسمیہ، ج: ۲، ص: ۳۵۳، ۳۵۴، ط، مكتبہ اشرفیہ دیوبند الہند)



حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جسم اطہر پر مکھی بیٹھتی تھی یا نہیں؟

﴿ سوال ﴾:

کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جسم مبارک پر مکھی بیٹھتی تھی یا نہیں؟

﴿ الجواب وبالله التوفیق ﴾:

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جسم مبارک پر مکھی بیٹھنے سے متعلق ہمیں کوئی صریح مستند روایت نہیں مل سکی، البتہ علامہ سیوطیؒ نے قاضی عیاضؒ کی ”شفاء“ کے حوالہ سے الخصائص الکبریٰ میں یہ نقل کیا ہے، کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جسم مبارک پر مکھی نہیں بیٹھتی تھی۔

ذكر القاضي عياض في الشفاء في مولده ان

خصائصه صلى الله تعالى عليه وسلم أنه كان لا ينزل عليه

الذباب وذكره ابن سبع في الخصائص بلفظ أن لم يقع على

ثيابه ذباب قط زاد أن من خصائصه أن القمل لم يكن يؤذيه.

(الخصائص الكبرى، باب ما لا ينزل الذباب على ثيابه ۱/ ۶۸)

فقط والله سبحانه وتعالى اعلم۔ (فتاویٰ قاسمیہ، ج: ۲، ص:

۳۵۴، ۳۵۵، ط، مکتبہ اشرفیہ دیوبند الہند)



سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دندان مبارک

کون سی جنگ میں شہید ہوئے؟

﴿ سوال ﴾:

کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ آقائے نامدار محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دندان مبارک جنگ بدر میں شہید ہوئے یا جنگ احد میں شہید ہوئے تھے؟ تحریر فرمائیں۔ عین نوازش ہوگی؟

﴿ الجواب وبالله التوفیق ﴾:

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دندان مبارک جنگ احد میں شہید ہوئے ہیں۔

عن انس أن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم

كسرت ربا عيته يوم أحد، وشج في رأسه الحديث. (مسلم

شريف، كتاب الجهاد والسير، باب غزوة احد، النسخة الهندية

١٠٨ / ٢، بيت الأفكار رقم: ١٧٩١، سنن ترمذی ابواب تفسير

القرآن، باب ومن سورة آل عمران، النسخة الهندية ١٢٩ / ٢، دار

السلام رقم: ٣٠٠٢، صحيح ابن حبان، باب كتب النبي، ذكر

ومن وجه المصطفى عند اظهارة.... دار الفكر ١٤٨ / ٦، رقم:

٦٥٨٣) فقط والله سبحانه وتعالى اعلم۔ (فتاویٰ قاسميه، ج:

٢، ص: ٣٥٨، ٣٥٩، ط، مكتبة اشرفيه ديوبند الهند)



کیا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جمائی یا چھینک آتی تھی؟

﴿سوال﴾:

کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جمائی آتی تھی یا نہیں؟ اسی طرح آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو چھینک آتی تھی یا نہیں؟ اس سلسلہ میں حدیث میں کیا صراحت وارد ہوئی ہے، واضح فرمائیے؟

﴿الجواب وبالله التوفیق﴾:

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جمائی نہیں آتی تھی، حضرت یزید ابن اصم کی روایت میں اس کی صراحت موجود ہے، کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کبھی جمائی نہیں آتی تھی، مصنف ابن ابی شیبہ میں حضرت یزید ابن اصم کی مرسل روایت مذکور ہے، اور اس کی وجہ یہی ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جمائی شیطان کی طرف سے ہوتی ہے، اور شیطان آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر کبھی غالب نہیں ہو سکا اسی طرح آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو انگڑائی بھی نہیں آتی تھی، چنانچہ ابن حجر عسقلانی نے ”فتح الباری“ میں حدیث: ۶۲۲۶ کی تشریح کے آخر میں ابن سبع کی شفاء کے حوالہ سے نقل فرمایا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو انگڑائی بھی نہیں آتی تھی، اس لئے کہ انگڑائی بھی شیطان کی طرف سے ہوتی ہے، روایات ملاحظہ فرمائیے:

عن یزید بن الأصم قال: ما تشاء ب رسول الله صلى

الله تعالى عليه وسلم في صلاة قط. (المصنف لابن أبي شيبة،

كتاب الصلاة، باب في التشاء ب في الصلاة، مؤسسة علوم القرآن

(۳۱۷/۵، رقم: ۸۰۶۵)

ومن الخصائص النبوية ما أخرجه ابن أبي شيبة

والبخاري في التاريخ من مرسل يزيد بن الاصم قال: ما تشاء ب

النبي صلى الله تعالى عليه وسلم قط. واخرج الخطابي من طريق مسلمة بن عبد الملك بن مروان قال: ما تشاء ب نبي قط، ومسلمة أدرك بعض الصحابة وهو صدوق، ويؤيد ذلك ما ثبت أن التشاء من الشيطان ووقع في الشفاء لابن سبع: أنه لا يتمطى، لأنه من الشيطان. (فتح الباري، كتاب الأدب، باب اذا تشاء ب فليضع يده على فيه، دار الفكر ۱۰ / ۱۱۳

رقم: ۵۹۸۵، ف: ۶۲۲۶، اشرفيه ديوبند ۱۰ / ۷۴۷)

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو چھینک آیا کرتی تھی، جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو چھینک آتی تھی، تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے منہ پر ہاتھ رکھ لیا کرتے تھے، اور چھینک آنا اللہ کی طرف سے ایک رحمت ہوتی ہے، اس لئے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بھی چھینک آتی تھی، روایات ملاحظہ فرمائیے:

عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه أن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم كان اذا عطس غطى وجهه بيده أو ثوبه وغض بها صوته. (ترمذی شریف، کتاب الأدب، باب ماجاء فی خفض الصوت وتخميم الوجه عند العطاس، النسخة الهندية، ۱۰۳ / ۲، دار السلام رقم: ۲۷۴۵)

عن أبي هريرة قال كان رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم اذا عطس وضع يده أو ثوبه على فيه وخفض أو غض بها صوته. (ابوداؤد شریف، کتاب الأدب، باب فی العطاس، النسخة الهندية، ۲ / ۲۸۶، دار السلام رقم: ۵۰۲۹)

عن أبي هريرة قال: كان رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم اذا عطس غض صوته وخمر وجهه. (السنن

الکبریٰ للبيهقي، كتاب الصلوة، باب كراهية رفع الصوت
الشديد بالعطاس، دار الحديث القاهرة، ۲ / ۵۸۸، رقم: ۳۵۷۹،
دار الكتب العلمية ۳ / ۲۰۵، رقم: ۳۶۷۱)

عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: كان رسول
الله صلى الله تعالى عليه وسلم اذا عطس أمسك يده أو
ثوبه على فيه ثم خفض بها صوته. (السنن الكبرى للبيهقي،
كتاب الصلوة، باب كراهية رفع الصوت الشديد بالعطاس، دار
الحديث القاهرة، ۲ / ۵۸۹، رقم: ۳۵۸۰، دار الكتب العلمية ۳ /
۲۰۵، رقم: ۳۶۷۲، شعب الايمان للبيهقي، باب في تسميت
العاطس فصل في خفض الصوت بالعطاس ۷ / ۳۱، ۳۲، رقم:
۹۳۵۴) فقط والله تعالى اعلم۔ (فتاویٰ قاسميه، ج: ۲، ص:
۳۵۵ تا ۳۵۷، ط، مکتبه اشرفيه ديوبند الهند)



حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے راستہ میں ام جمیل عورت بنت

حرب کا کانشاڈالنا

﴿سوال﴾:

کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
کے راستہ میں کانٹے اور گھر کا کوڑا کون ڈالا کرتا تھا کسی عورت کے بارے میں سنا تھا کیا یہ سچ
ہے، اس عورت کا نام کیا تھا؟ مہربانی فرما کر جواب عنایت فرمائیں نوازش ہوگی؟

﴿الجواب وبالله التوفيق﴾:

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے راستے میں کانٹے اور کوڑا ابولہب کی بیوی ام جمیل عوراء بنت حرب ڈالا کرتی تھی۔

أخرج ابن جرير عن ابن اسحاق عن رجل من همدان
يقال له يزيد أن امرأة أبي لهب كانت تلقي في طريق النبي
صلى الله تعالى عليه وسلم الشوكة والعضاة لتعقرهم.
(تفسير مظهری، زکریا جدید، ۵۳/۱۰، قدیم ۳۶۸/۱۰، روح
المعانی زکریا، ۴۷۲/۱۶)

أن امرأته أم جميل بنت حرب أخت أبي سفيان قال
الضحاک: كانت تنشر السعدان على طريق رسول الله
تعالى عليه وسلم فيطؤه كما يطأ أحدكم الحرير. (عمده
القاری زکریا ۵۲۲/۱۳، دار احیاء التراث العربی ۸/۲۰، تحت
رقم الحديث: ۴۹۷۳، حاشیة بخاری شریف ۷۴۳/۲، تحت
تب یدا، ۷۳۹/۲، تحت سورة الضحیٰ)

عبدالرحمن بن أبی زیاد عن أبیه قال: سمعت ربيعة
بن عباد الديلي، وهو يقول: أما ما سمعكم تقولون: ان قريشا
كانت تنال من رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم فاني
أكثر ما رأيت أن منزله كان بين منزل أبي لهب وعقبة بن أبی
معيط، فكان ينقلب رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم الى
بيته فيجد الأرحام، والدماء، والأبحاث قد تصدت على بابه،
فينحى ذلك بسية قوسه ويقول: بشس الجوار هذا يا معشر
قريش. (المعجم الاوسط للطبرانی، دار الفكر ۳۷۵/۶، رقم:
۹۱۲۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔ (فتاویٰ قاسمیہ، ج: ۲،

ص: ۳۶۰ تا ۳۶۲ ، ط، مکتبہ اشرفیہ دیوبند الہند



اسم ذات اور اسم محمد ﷺ میں ہونٹوں کے بند ہونے

اور نہ ہونے کا لطیفہ

﴿ سوال ﴾:

ہمارے مسجد کے امام نے ایک دفعہ تقریر کے دوران کہا ”اللہ کے نام لینے سے لب بند نہیں ہوتے اور محمد ﷺ کے نام سے لب بند ہو جاتے ہیں اس نام میں کتنا مٹھاس ہے“ یہ جملہ کہنا کس طرح ہے؟

﴿ الجواب ﴾:

اس سے مقصد اسم محمد ﷺ کی تعظیم ہے۔ نہ اسم اللہ کی تحقیر، لہذا اس میں حرج نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (فتاویٰ فریدیہ، ج: ۱، ص: ۴۶۹، ۴۷۰)



حضور ﷺ کی قبر اطہر کا سب جگہوں سے افضل ہونا

﴿ سوال ﴾:

وہی ہذا السؤال والجواب بحث فضل سید القبور علیٰ کل مکان مزور، کتاب تلح الصدور کے حصہ الحیور کے ختم کے قریب مضمون عید میلاد کے سلسلہ میں بعض علماء سے نقل کیا گیا ہے کہ وہ بقعہ جس سے جسم مبارک خصوص مع الروح مس کئے ہوئے ہے عرش سے بھی افضل ہے۔ الخ

(الف) اس مسئلہ کی کیا اصل ہے، اور وہ قطعی ہے یا غیر قطعی؟

(ب) کیا مسئلہ اعتقادیہ دلیل قطعی سے ثابت ہو سکتا ہے؟

(ج) کیا ایسے احکام میں غیر مجتہد کا حکم کافی ہے؟

(د) ایسے مسائل میں کیا توقف احوط نہیں جب تک ضرورت کلام داعی نہ ہو اور یہاں کونسا ضرورت داعی ہوئی؟

(ه) کیا اس مسئلہ میں کوئی عقلی اشکال نہیں، جو بعض کی تحریر میں دیکھا گیا اور اس کا کیا

جواب ہے؟

﴿الجواب﴾:

(الف) فی الدر المختار: آخر کتاب الحج، ومكة
أفضل منها (أى من المدينة) على الراجح الا ما ضم أعضاء
وعليه الصلوة والسلام، فانه أفضل مطلقاً حتى من الكعبة
والعرش والكرسى. اهـ

وفى ردالمحتار: بعد نقل بعض الخلاف مانصه وقد
نقل القاضى عياض وغيره الاجماع على تفضيله (أى
الضريح الشريف) حتى على الكعبة وأن الخلاف فيها ما عداه
ونقل عن ابن عقيل الحنبليان تلك البقعة أفضل من العرش
وقد وافقه السادة البكريون على ذلك وقد صرح التاج
الفاكهى بتفضيل الأرض على السموات لحلوله ﷺ بها،
وحكاه بعضهم على الأكثرين لخلق الأنبياء منها ودفنهم
فيها.

وقال النووى الجمهور على تفضيل السماء على
الأرض، فينبغى أن يستثنى منها مواضع ضم أعضاء الأنبياء
للجمع بين الأقوال العلماء (۲۰۴).

اور بھی بعض مصنفین نے باختلاف الفاظ ایسا ہی لکھا ہے۔ اس سے چند امور مستفاد ہوئے:

(الف) اول یہ کہ وہ مسئلہ قطعی نہیں۔

(ب) ثانی یہ کہ تفاضل قطعی کے لئے تو دلیل شرط ہے مگر تفاضل ظنی کے لئے دلیل ظنی جس میں اجتہاد بھی داخل ہے کافی ہے، البتہ اجتہاد کے لئے ماخوذ ہونا شرط ہے، خواہ ظنی ہو، چنانچہ عبارت بالا میں اس حکم کو حلوہ صلی اللہ علیہ وسلم سے معلول کیا گیا ہے جس کا ماخذ یہ آیت ہو سکتی ہے۔

لَا أُقْسِمُ بِهَذَا الْبَلَدِ وَأَنْتَ جَلُّ بِهَذَا الْبَلَدِ (۲۰۵) فِي
رُوحِ الْمَعَانِي وَالْإِعْتِرَاضِ لِتَشْرِيفِهِ صلی اللہ علیہ وسلم بِجَعْلِ حُلُولِهِ عَلَيْهِ
الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ لَا عِظَامَ الْبَلَدِ بِالْأَقْسَامِ بِهِ وَجَعَلَ بَعْضُ
الْأَجَلَةِ الْجُمْلَةَ عَلَى هَذَا الْوَجْهِ حَالًا مِنْ هَذَا الْبَلَدِ (۲۰۶) ۱۱۔

اس آیت میں تفسیر مذکور پر تصریح ہے، آپ کا حلول سبب ہے، عظمت محل کا مگر چونکہ یہ تفسیر قطعی نہیں، لہذا یہ دلیل باوجود قطعی الثبوت ہونے کے ظنی الدلالت ہوگی، اس لئے یہ حکم جو اس کا مدلول ہے ظنی ہوگا، پس ثابت ہوا کہ دلیل ظنی سے تفاضل ظنی کا صحیح ہے، اسی قبیل سے ہے استدلال حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا تفضیل نبوی۔ علی الملائکۃ پر درج ذیل روایت ہے:

قَالَ إِنْ اللَّهَ تَعَالَى: فَضْلُ مُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وسلم عَلَى الْأَنْبِيَاءِ
وَعَلَى أَهْلِ السَّمَاءِ. فَقَالُوا: يَا أَبْنِ عَبَّاسَ بِمِ فَضْلِهِ اللَّهُ عَلَى

تفضیل مکہ علی المدینۃ، ج: ۴، ص: ۵۲، ۵۳، ط، دار عالم الکتب ریاض

(۲۰۵): (سورة البلد: ۲۱)

(۲۰۶): (روح المعانی، سورة البلد، الآیۃ: ۲، ج: ۳۰، ص: ۱۳۴، ط، دار احیاء

التراث العربی بیروت لبنان)

أهل السماء. قال ان الله تعالى: قال لأهل السماء ومن يقل منهم انى اله من دونه فذلك نجزيه جهنم كذلك نجزي الظالمين. وقال الله تعالى: لمحمد ﷺ انا فتحنا لك فتحا مبينا ليغفر لك الله ما تقدم من ذنبك وما تأخر الحديث. كذلك فى المشكوة عن الدارمى (٢٠٧). وظنية الاستدلال ظاهر اذا نظر الى اية ولئن اتيت الذين أوتوا الكتب بكل اية ماتبعوا قبلتك وما أنت بتابع قبلتهم وما بعضهم بتابع قبلة بعض ولئن اتبعت أهواءهم من بعد ما جاءك من العلم انك اذا لمن الظالمين (٢٠٨). والى حديث أم سلمه رفعته من أهل بحجة أو عمرة من المسجد الأقصى الى المسجد الحرام غفر له ما تقدم من ذنبه وما تأخر أو وجبت له الجنة شك الراوى لأبى داؤد (كذا فى جمع الفوائد) (٢٠٩) لكن لا يستلزم كون بعض الدلائل ظنيا كون المدلول ظنيا لثبوته بدلائل الاخرى قطعية فافهم حق الفهم ولا تقع فى الوهم.

(ج) ثالث یہ کہ ایسے احکام غیر مقصود کے لئے مطلق مجتہد کا اجتہاد کافی ہے، مجتہد مطلق کا اجتہاد شرط نہیں، کیونکہ یہ حضرات اہل اختلاف مجتہد مطلق نہیں ہیں، مگر پھر بھی کسی

(٢٠٧): (مشكوة المصابيح، باب فضائل سيد المرسلين، الفصل الثالث، ص:

٥١٥، ط، قديمى كتب خانہ كراچى)

(٢٠٨): (سورة البقرة: ١٤٥)

(٢٠٩): (جمع الفوائد، كتاب المناسك، فضل الحج ووجوبه وفضل العمرة

وسنيتها، ج: ١، ص: ٥٢٧، رقم: ٣١٢٠، دار ابن حزم بيروت لبنان / سنن أبى داؤد،

كتاب المناسك، باب فى المواقيت، ص: ٢٥٦، رقم: ١٧٤١، ط، دار السلام رياض)

نے ان پر یہ نکیر نہیں کیا، کہ ان کو اجتہاد کا حق نہیں، بلکہ بلا نکیر اس اجتہاد کو برابر نقل کرتے ہوئے آئے اور اس مسئلہ کی طرح اور بہت سے مسائل اختلافیہ ایسے ہی ہیں جہاں محض اجتہاد سے کام لیا گیا ہے، پھر اجتہاد بھی کہیں مجتہد مطلق کا ہے کہیں غیر مجتہد مطلق کا، نیز کہیں مستند ہے نقل ظنی کی طرف کہیں مستند ہے عقلی ظنی کی طرف جیسے مسئلہ تفاضل بشر و ملائکہ کا اور جیسے مسئلہ ترکیب جسم من اجزاء لا تجزی اور جیسے مسئلہ دخول صبیان فی الجحیم کا اور بہت سے مسائل چنانچہ ان کے دلائل سے ظاہر ہے اور بعض میں تصریح بھی ہے، چنانچہ شرح عقائد میں تفاضل بشر و ملائکہ کے متعلق لکھا ہے۔

”ولا خفاء فی ان هذا المسئلة ظنية يكتفى فيها

بالادلة الظنية“ (۲۱۰)۔

اسی طرح مسئلہ وصول ثواب الی المیت کا ظنی اور خود اہل حق مختلف فیہ ہے، چنانچہ اہل حق نے معتزلہ کے ساتھ مطلق عبادت میں اختلاف کر کے عبادات بدنہ میں خود اختلاف کیا ہے، امام صاحب قائل ہیں، شافعی مالک نافی نہیں (۲۱۱)۔

(۲۱۰): (شرح العقائد النسفية، بحث أفضلية رسل البشر من رسل الملائكة، ص:

۴۰۵، ط، مكتبة البشري كراتشي)

(۲۱۱): فی مراقی الفلاح: فلانسان أن يجعل ثواب عمله لغيره عند أهل

السنة والجماعة صلاة كان أو صوماً أو حجاً، أو صدقة، أو قراءة للقرآن أو الأذکار أو غیر ذلك من انواع البر ویصل الی المیت۔

وقال الشيخ احمد الطحطاوی رحمہ اللہ تعالیٰ تحنہ: (فلانسان أن يجعل

ثواب عمله لغيره عند أهل السنة والجماعة) سواء كان المجعول له حياً، أو میتاً من

غیر أن ينقص من أجره شیء۔ (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح شرح نور

الایضاح، کتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز، فصل فی زیارة القبور، ص: ۶۲۱،

۶۲۲، ط، دار الكتب العلمية، بیروت لبنان)

وفی التبيين: وقال مالک والشافعی يجوز ذلك فی الصدقة والعبادة المالية

(د) البتہ ایسے مسائل میں احوط توقف ہی کو کہا گیا ہے۔

فی الدر المختار: قبیل باب المساجد، وعنه عليه
الصلوة والسلام القرآن أحب الى الله تعالى من السموات
والأرض ومن فيهن في ردالمحتار ظاهره يعم النبي ﷺ
والمسئلة ذات خلاف والأحوط الوقف (۲۱۲).

لیکن اگر کوئی ضرورت شرعیہ جس کی تشخیص بھی اجتہادی ہے، داعی ہو تو بقدر ضرورت
کلام بھی جائز ہے، جیسا اسی قسم کے مسائل میں مختلف ضرورتوں سے علماء نے کلام کیا ہے،
ایسی ہی ضرورت مانحن فیہ میں بھی داعی ہوئی اور وہ ضرورت ایک بدعت کا ابطال ہے، وہ
بدعت عید میلاد منانا ہے، اس دعوے پر ایک خاص دلیل سے استدلال کیا گیا ہے، اس دلیل
کے مقدمات میں سے یہ مسئلہ تفصیل بقعہ قبر شریف علی جمیع الامکنہ ایک مقدمہ ہے اور مقدمہ
بھی وہ جس کی تسلیم میں ایسے مذاق والوں کی جو عید مناتے ہیں کوئی شک ہی نہیں، چنانچہ وہ
تقریر عبارت ذیل پر ختم ہوئی ہے کہ ”بقعہ شریفہ وقبر شریف تمام اماکن سے افضل ہے۔“

اب اس مقدمہ کے بعد یہ سمجھنا چاہئے کہ قبر شریف تو بلا اختلاف بعینہ باقی ہے اس
میں کسی کو بھی شک نہیں ہو سکتا اور ”یوم الولادة ویوم المعراج ویوم البعثہ“ وغیرہ
یقیناً باقی نہیں کیونکہ زمانہ غیر قار ہے، وہ دن جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ہوئی
تھی اب یقیناً نہیں لوٹتا بلکہ اس کا مثل عود کرتا ہے، ایک مقدمہ ہوا، اس کے بعد یہ سمجھئے کہ
جب حضور ﷺ نے قبر کو عید منانے سے منع فرمادیا اور اس کا عید منانا حرام ہو گیا، تو ان

وفی الحج ولا يجوز فی غیره من الطاعات كالصلاة والصوم وقراءة القرآن وغیره.

(تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق، کتاب الحج، باب الحج عن الغیر، ج: ۲، ص:

۸۳، ۸۴، ط، مکتبۃ الکبری، مصر)

(۲۱۲): (الدر المختار مع ردالمحتار، کتاب الطہارۃ، قبیل باب المیاء، ج: ۱، ص:

۳۲۲، ط، دار عالم الکتب ریاض)

چیزوں کو عید بنانا کہ بعینہ باقی نہیں کیونکہ جائز ہو سکتا ہے۔ انتہت العبارة۔
بس اس مسئلہ کا جو کہ فی نفسہ غیر ضروری ہے ذکر کرنا اس ضرورت سے ہوا کہ
جماعت مقصودہ بالتخاطب پر حجت ہو پس اس مسئلہ کا ذکر تحقیقاً نہیں، بلکہ الزاماً ہے تاکہ ان پر
حجت ہو۔

(ہ) باقی اس محذور عقلی کا تو ہم کہ موضع القاء فضلات شریفہ میں بوقت خاص اعضاء
محقق ہے اگر یہ مس موجب تفضیل ہو تو افضلیت مذکورہ کا حکم اس موضع کے لئے یہی کیا
جاوے گا۔ اتنی بحاصلہ (یہ تو ہم اس کے قبل کے سوال میں بفصل ایک سوال وجواب مذکورہ
ہے) یہ تو ہم فاسد ہے، اس لئے کہ مشکوٰۃ میں ابن ماجہ سے بروایت ابو ہریرہؓ مرفوعاً روایت
ہے:

قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم المؤمن
أكرم على الله من بعض ملائكتہ (۲۱۳)۔

اور تمشف حدیث صدوسی وسوم میں ترمذی سے حضرت عمرؓ سے موقوفاً مروی ہے۔

أنه نظر يوماً الى البيت أو الى الكعبة فقال:

ما أعظمك وأعظم حرمتك والمؤمن أعظم حرمة عند الله
منك (۲۱۳)۔

تو بقول متوہم یہاں بھی یہ سوال کیا جائیگا کہ گوزمانہ اخراج بول و براز میں کہ وقت
تلوث بالنجاست کا ہے، مومن میں اگر صفت ایمان علت تفضیل ہو تو کیا افضلیت علی الکعبہ
والملائکۃ کا مومن کے لئے اس حالت میں بھی کیا جاوے گا جس سے ایک ملوث بالنجاست
کا ملائکہ مطہرین و بیت مطہر سے افضل ہونا لازم آتا ہے، یا ایک زمانہ میں خود کعبہ حسناء کے
اندراضنام و اوٹان موجود تھے تو کیا اس قید کے ساتھ بھی وہ مسجد اقصیٰ یا دوسری مساجد پر

فضیلت رکھتا تھا، اس متوہم کے نزدیک جو جواب اس سوال کا ہوگا وہی جواب خود اس کے سوال کا ہوگا، وہی جواب یہی ہو سکتا ہے کہ وہ حکم فی نفسہ اس عارض سے قطع نظر ہے، کیونکہ وہ عارض اس محل کا نہ جزو ذات ہے نہ لازم ذات ہے، پس یہی اپنے سوال کا جواب سمجھ لے۔
واللہ تعالیٰ اعلم (امداد الفتاویٰ، ج: ۱۲، ص: ۲۱۶ تا ۲۱۷، ط، زکریا بک ڈپو الہند)



روضہ اقدس کا وہ حصہ جو جسد اطہر سے مس کیا ہوا ہے، اس سے متعلق کیا عقیدہ رکھنا چاہیے؟

﴿سوال﴾:

میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ کیا یہ بات صحیح ہے کہ کیا دیوبندی عقائد کے مطابق روضہ رسول (ﷺ) کا مقام، خانہ کعبہ سے بھی اونچا ہے؟ اور عرش سے بھی اونچا ہے؟ اور کرسی سے بھی؟ اگر ہے تو وضاحت کا طالب ہوں کہ دیوبند اس کو کس تناظر میں دیکھتا ہے کیا یہ عقیدہ اللہ کے حاکمیت سے اونچا نہیں؟ براہ کرم اس پر روشنی ڈالیں تاکہ موقف واضح ہو۔

(۲۱۴): عن ابن عمر قال: صعد رسول اللہ ﷺ المنبر فنادی بصوت رفیع قال: یا معشر من أسلم بلسانہ ولم یفرض الایمان الی قلبہ، لا تؤذوا المسلمین ولا تعیروہم ولا تتبعوا عوراتہم، فانہ من تتبع عورة أخیه المسلم تتبع اللہ عورتہ، ومن يتبع اللہ عورتہ یفضحہ ولو فی جوف رحلہ. قال: ونظر ابن عمر یمام الی البیت أو الی الکعبۃ فقال: ما أعظمک وأعظم حرمتک، والمؤمن أعظم حرمة عند اللہ منک.

قال أبو عیسیٰ: هذا حدیث حسن غریب لا نعرفہ الا من حدیث الحسین بن واقد. (جامع الترمذی، أبواب البر والصلة، باب ما جاء فی تعظیم المؤمن، ص: ۴۶۸،

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿ الجواب وبالله التوفیق ﴾:

حامد اومصلیاً ومسلماً: ”روضہ اطہر“ کا وہ حصہ جو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جسد اطہر سے مس کیا ہوا ہے وہ خانہ کعبہ نیز عرش و کرسی سے افضل ہے، یہ کوئی ایسا عقیدہ نہیں ہے، جس پر ایمان و کفر کا مدار ہو، ہاں عقیدہ غیر قطعیہ کے طور پر (مذکورہ بالا عقیدہ) علمائے اہل سنت بہ شمول علمائے دیوبند کے نزدیک مسلم ہے (۲۱۵)۔ قاضی عیاض نے اس پر امت کا اجماع نقل کیا ہے، دلائل، حکمت، مصلحت وغیرہ تفصیلات کے لیے ”رد المحتار“، (۲۱۶)

(۲۱۵): فی المہند: ان البقعة الشریفة والرحبة المنیفة التی ضم أعضاءہ صلی اللہ علیہ وسلم أفضل مطلقاً حتی من الکعبة ومن العرش والکرسی کما صرح بہ فقہاء نارضی اللہ عنہم. (المہند علی المہند، ص: ۲۸، ط، المیزان ناشرون تاجران کتب لاہور)

(۲۱۶): فی الدر المختار: لاحرم للمدينة عندنا، ومكة أفضل منها علی الراجح، الا ما ضم أعضاءہ علیہ السلام فانه أفضل مطلقاً حتی من الکعبة والعرش والکرسی.

وفی الشامیة تحته: قال فی الباب: والخلاف فیما عدا موضع القبر المقدس، فما ضم أعضاءہ الشریفة فهو أفضل بقاع الأرض بالاجماع اھ۔ قال شارحہ: وكذا اى الخلاف فی غیر البيت: فان الکعبة أفضل من المدينة ما عدا الضريح الأقدس، وكذا الضريح أفضل من المسجد الحرام.

وقد نقل القاضی عیاض وغیرہ الاجماع علی تفضیلہ حتی الکعبة، وأن الخلاف فیما عداہ. ونقل عن ابن عقیل الحنبلی أن تلك البقعة أفضل من العرش، وقد وافقه السادة البکریون علی ذلك. وقد صرح التاج الفاکھی بتفضیل الأرض علی السموات لحلولہ ﷺ بها، وحکاه بعضهم علی الأكثرین لخلق الأنبیاء منها ودفنہم فیہا. وقال النووی: الجمهور علی تفضیل السماء علی الأرض فینبغی أن

”الخصائص الكبرى“ (۲۱۷) ملاحظہ فرمائیں، نیز ”شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیہ میں بسط سے اسے بیان کیا گیا ہے۔ (چند اہم عصری مسائل، ج: ۱، ص: ۴۵، ۴۶، ط، مکتبہ دارالعلوم دیوبند)



حضور ﷺ کے والدین کا اسلام

﴿سوال﴾:

ہمارے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین مسلمان تھے یا نہیں؟

﴿جواب﴾:

حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے والدین کے ایمان میں اختلاف ہے (۲۱۸) حضرت امام صاحب [رحمہ اللہ تعالیٰ] کا مذہب یہ ہے کہ ان کا انتقال حالت کفر

یستثنیٰ منها مواضع ضم أعضاء الأنبياء للجمع بين أقوال العلماء. (ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب الحج، باب الہدی، مطلب فی تفضیل قبرہ المکرم ﷺ، ج: ۴، ص: ۵۳، ط، دار عالم الکتب ریاض)

(۲۱۷): فی الخصائص الكبرى: قال العلماء محل الخلاف فی التفضیل بین مکة والمدينة فی غیر قبرہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم أما هو فأفضل البقاع بالاجماع بل وأفضل من الکعبة بل ذکر ابن عقیل الحنبلی أنه أفضل من العرش. (الخصائص الكبرى، باب اختصاصہ ﷺ بتفضیل بلدیہ علی سائر البلاد وبأن الدجال والطاعون لا یدخلهما وبفضل مسجده علی سائر المساجد وبأن البقعة التي دفن فیها أفضل من الکعبة والعرش، ج: ۳، ص: ۱۸۱، ط، دار الکتب الحدیثہ)

(۲۱۸): قال صاحب المرعاة: اعلم أن هذه المسألة کثر النزاع والخلاف بین العلماء فیها، فمنهم من نص علی عدم نجات الوالدین، كما رأیت فی کلام النووی، والقاری وقد بسط الکلام فی ذلك القاری فی شرح الفقه الأكبر، وفي رسالة

میں ہوا ہے (۲۱۹)۔ فقط (فتاویٰ رشیدیہ، ص: ۲۲۵، ط، دارالاشاعت کراچی)



مستقلة له. ومنهم من شهد لهما بالنجاة، كالسيوطي، وقد ألف في هذه المسألة سبع رسائل، بسط الكلام فيها، وذكر الأدلة من الجانبين، ومن شاء رجع إليها، والأسلم، والأحوط عندي هو التوقف، والسكوت. انتهى كلام صاحب المراجعة. قال الجامع عفا الله تعالى عنه: عندي الأولى، والأسلم الوقوف مع النصوص الصحيحة، كحديث الباب، وحديث مسلم المذكور: ان أبي وأباك في النار، مع عدم التوسع والخوض بزيادة ما ليس في النصوص، وأما تصحيح حديث احياء أبوي النبي ﷺ، كما قال ابن حجر الهيتمي فمما لا يلتفت اليه، فان جل الحفاظ من المحدثين على أنه موضوع، كما أشرت اليه فيما تقدم.

ثم ان هذه المسألة ما رأيت للمتقدمين فيها كلاما، بل انما أثارها، وتنازع فيها، وخاض غمرتها المتأخرون، من أمثال السيوطي، ومن سار على دربه فما وسع الأولين من السكوت، وعدم الخوض وترك التنازع، والتخاصم هو الصواب لمن كان حريصا على دينه، فلو كان في هذا الخوض خير لكان المتقدمون أسبق اليه، وأحرص من المتأخرين عليه، فسلوك سبيلهم فيه السلامة في الدنيا والآخرة، فالواجب الوقوف على ما صح عن رسول الله ﷺ، وعدم التوسع، ونصب الخلاف فيما وراءه. والله تعالى اعلم بالصواب واليه المرجع والمآب. (ذخيرة العقبى في شرح المجتبى، كتاب الجنائز، باب زيارة قبر المشرك، ج: ۲۰، ص: ۳۶، ۳۷، رقم الحديث ۲۰۳۴، ط، دار آل بروم، المملكة العربية السعودية)

(۲۱۹): في حاشية الطحطاوي: وما في الفقه الاكبر من أن والديه ﷺ ماتا

على الكفر فمدسوس على الامام ويدل عليه أن النسخ المعتمدة منه ليس فيها شيء من ذلك قال ابن حجر المكي في فتاواه وللوجود فيها ذلك لابي حنيفة محمد بن يوسف البخاري لا لابي حنيفة النعمان بن ثابت الكوفي وعلى تسليم أن الامام قال ذلك فمعناه أنهما ماتا في زمن الكفر وهذا لا يقتضي اتصافهما به كيف والله تعالى

حضور اکرم ﷺ کے والدین کا ایمان لانا

سوال:

يقول في كلامه العزيز وتقلبك في الساجدين. الخ. (حاشية الطحطاوى على الدر المختار، كتاب النكاح، باب نكاح الكافر، ج: ٢، ص: ٨٠، ط، المكتبة العربية كوتة)
وقال العلامة محمد زاهد بن الحسن الكوثري نور الله مرقدته: وأما في الفقه الأكبر رواية حماد بن أبي حنيفة عن أبيه فله شروح كثيرة... ففي بعض تلك النسخ: وأبوا النبي ﷺ ماتا على الفطرة - و (الفطرة) سهلة التحريف الى (الكفر) في الخط الكوفي، وفي أكثرها: (ما ماتا على الكفر)، كأن الامام الأعظم يريد به الرد على من يروى حديث (أبي و أبوك في النار) ويرى كونهما من أهل النار. لأن انزال المرء في النار لا يكون بدليل يقيني وهذا الموضوع ليس بموضوع عملي حتى يكتفى فيه بالدليل الظني.

ويقول الحافظ محمد المرتضى الزبيدي شارح الأحياء والقاموس في رسالته (الانتصار لوالدي النبي المختار) - وكنت رأيتها بخطه عند شيخنا أحمد بن مصطفى العمرى الحلبي مفتي العسكر العالم المعمر - مامعناه: ان الناسخ لما رأى تكرار (ما) في (ما ماتا) ظن أن أحدهما زائدة فحذفها نسخته الخاطئة، ومن الدليل على ذلك سياق الخبر لأن أبا طالب والأبوين لو كانوا جميعاً على حالة واحدة جمع الثلاثة في الحكم بجملة واحدة لا بجمليتين مع عدم التخالف بينهم في الحكم وهذا رأى وجيه من الحافظ الزبيدي الا أنه لم يكن رأى النسخة التي فيها (ما ماتا) و انما حكى ذاك عن رآها، واني بحمد الله رأيت لفظ (ما ماتا) في نسختين بدار الكتب المصرية قديمتين كما رأى بعض أصدقائي لفظي (ما ماتا) و (على الفطرة) في نسختين قديمتين بمكتبة شيخ الاسلام المذكورة - وعلى القارى بنى شرحه على النسخة الخاطئة وأساء الأدب سامحه الله. (العالم والمتعلم، ص: ٦، ٧، ط، المكتبة

حضور اکرم ﷺ کے والدین کے ایماندار ہونے کی روایت کتب سیر میں یا احادیث میں آئی ہے یا نہیں؟ اگر کوئی ہے تو کیسی ہے اور ان کے ایماندار ہونے پر اعتقاد و یقین رکھنا کیسا ہے؟

﴿الجواب حامداً ومصلیاً﴾:

حضور اکرم ﷺ کے والدین کے ایماندار ہونے میں اکابر کے مختلف اقوال ہیں، بعض فرماتے ہیں کہ ”ماتا علی الکفر“ (۲۲۰)۔

ایک روایت ہے: ”استأذنت ربی أن أستغفر لأمی، فلم يأذن لی“ (۲۲۱)۔ مسلم کی ایک اور روایت میں ہے: ”ان رجلاً قال: یا رسول اللہ ﷺ! أين أبی؟ قال: ”فی النار“ فلما قفا دعاه فقال: ”أبی وأباك فی النار“ (۲۲۲)۔ مسلم،

وفی حاشیة منح الروض الأزهر: وقال الشیخ محمد بن ابراهیم البیجوری المتوفی ۱۲۷۶ھ: ما نقل عن أبی حنیفة فی ”الفقه الاکبر“ من ان والدی المصطفی ماتا علی الکفر فمدسوس علیہ، وحاشاه أن یقول ذلک. وغلط ملا علی القاری غفر اللہ له فی کلمة شنیعة قالها. [تحفة المرید شرح جوهرة التوحید ص: ۶۹]۔ (منح الروض الأزهر شرح الفقه الاکبر، ص: ۱۹۷، ط، مكتبة المدينة کراتشی)

(۲۲۰): فی المرقات: ثم الجمهور علی أن والدیہ ﷺ ماتا کافرین وهذا الحدیث أصح ما ورد فی حقهما. (مرقات المفاتیح، کتاب الجنائز، باب زیارة القبور، الفصل الأول، ج: ۴، ص: ۲۱۶، ط، دار الکتب العلمیة بیروت لبنان)

(۲۲۱): عن أبی هریرة قال: قال رسول اللہ ﷺ استأذنت ربی أن أستغفر لأمی فلم يأذن لی، واستأذنته أن أزور قبرها فأذن لی. (صحیح مسلم، کتاب الجنائز، باب استئذان النبی ﷺ ربه عزوجل فی زیارة قبر أمه، ص: ۳۹۲، رقم: ۲۲۵۸، ط، دار السلام ریاض)

(۲۲۲): عن أنس أن رجلاً قال: یا رسول اللہ ﷺ! أين أبی؟ قال: فی النار فلما قفنی دعاه فقال: ان أبی وأباك فی النار. (صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب

شامی: ۶۳۳/۲ (۲۲۳)۔

آیت: ﴿وَلَا تُسْأَلُ عَنْ أَصْحَابِ الْجَحِيمِ﴾ بصیغہ نہی حضور اکرم کے سوال: ”لیت شعری ما فعل أبوای“ کے جواب میں نازل ہوئی۔

تفسیر مظہری، ص: ۶۷ میں لکھا ہے کہ یہ قوی نہیں (۲۲۴) بعض روایت سے معلوم

بیان أن من مات على الكفر فهو في النار ولا تناله شفاعة ولا تنفعه قرابة المقربين، ص: ۱۰۷، ۱۰۸، رقم: ۵۰۰، ط، دار السلام ریاض)

(۲۲۳): فی الشامیة: ولا یقال: ان فیہ اساءة ادب لاقتضائه کفر الأبوين الشریفین، مع أن الله تعالى أحياهما له وآمنا به كما ورد في حديث ضعيف. لأننا نقول: ان حديث أعم بدليل رواية الطبرانی وأبی نعیم وابن عساکر: خرجت من نکاح ولم أخرج من سفاح من لدن آدم الى ان ولدني أبی وامی، لم یصنئ من سفاح الجاهلية شیء، واحیاء ابوين بعد موتھما لا ینافی کون النکاح کان فی زمن الکفر، ولا ینافی أيضاً ما قاله الامام فی الفقه الأكبر من أن والديه ﷺ ماتا علی الکفر، ولا ما فی صحیح مسلم: استاذنت ربی أن أستغفر لأمی فلم یاذن لی، وما فیہ أيضاً أن رجلاً قال: یا رسول الله أين أبی؟ قال: فی النار، فلما قفا دعاه فقال: ان أبی وأباک فی النار، لا مکان أن یکون الأحياء بعد ذلك، كأنه کان فی حجة الوداع، وکون الايمان عند المعاینة غیر نافع فكيف بعد الموت؟ فذاک فی غیر الخصوصية اکرم الله بها نبیه ﷺ. (ردالمحتار علی الدر المختار، کتاب النکاح، باب نکاح الکافر، مطلب فی الکلام علی أبوی النبی ﷺ وأهل الفترة، ج: ۴، ص: ۳۴۸، ط، دار عالم الكتب ریاض)

(۲۲۴): فی تفسیر المظہری: وما ذکر البغوی أنه قال عطاء عن ابن عباس أن النبی صلی الله علیه وسلم قال ذات یوم: ”لیت شعری ما فعل أبوای“. فنزلت هذه الآية، وقال عبدالرزاق أخبرنی الثوری عن موسى بن عبیدة عن محمد بن کعب القرظی عنه، وأخرج ابن جریر من طریق ابن جریج داود بن عاصم عنه فذکرا نحوه

ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کے والدین کو زندہ کیا گیا اور وہ آپ پر ایمان لائے (۲۲۵)۔ ”بیہقی دلائل النبوة“ میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اور ابن نعیم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت بیان کی ہے:

”وقال رسول الله ﷺ: ”وما افترق الناس فرقتين الا جعلني الله في خيرهما، فأخرجت من بين أبوين فلم يصبنى شيء من عهد الجاهلية، وأخرجت من نكاح ولم أخرج من سفاح من لون آدم عليه الصلاة والسلام حتى انتهيت الى أبي وأمي، فأنا خيركم نفساً خيركم أباً“ - تفسير مظہری: ۱/ ۲۲۶۔

جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ.....، ملا علی القاری، قاضی عیاض، قاضی ثناء اللہ وغیرہ ہم نے مستقل تصانیف اس بارے میں کی ہیں اور روایات جمع کی ہیں۔
حق مذہب یہ ہے کہ اس مسئلہ کی نیز اس قسم کے دوسرے مسائل میں کنج و کاؤ کرنا

فلیس بمرضى عندی و لیس بقوی۔ (تفسیر المظہری، سورة البقرة، الآية: ۱۱۹، ج: ۱، ص: ۱۳۵، ط، دار احیاء التراث العربی بیروت لبنان)

(۲۲۵): فی الحاوی للفتاویٰ: وأورد السهيلي في الروض الأنف بسند قال: ان فيه مجهولين عن عائشة رضي الله تعالى عنها أن رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم سأل ربه أن يحيى أبويه، فأحياهما له، فأمننا به، ثم أماتهما، وقال السهيلي بعد إيراده: الله قادر على كل شيء، وليس تعجز رحمته وقدرته عن شيء، ونبيه صلى الله عليه وآله وسلم أهل أن يختص بما شاء من فضله وينعم عليه بما شاء من كرامته. (الحاوی للفتاویٰ، مسالك الحنفاء فی والدى المصطفى، ۲/ ۲۷۸، دار الفكر بیروت لبنان بحوالہ حاشیہ فتاویٰ محمودیہ)

(۲۲۶): (تفسیر المظہری، سورة البقرة، الآية: ۱۱۹، ج: ۱، ص: ۱۳۵، ط، دار

احیاء التراث العربی بیروت لبنان)

مفيد نہیں، بلکہ کسی حد تک مضر ہے لہذا توقف و سکوت بہتر ہے (۲۲۷) البتہ عمل سے شب و روز پیش آنے والے مسائل صوم و صلوٰۃ وغیرہ کی تحقیق مفید بلکہ ضروری ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم (فتاویٰ محمودیہ، ج: ۱، ص: ۴۰۴ تا ۴۰۶)



(۲۲۷): قال صاحب المراجعة: اعلم أن هذه المسألة كثر النزاع والخلاف بين العلماء فيها، فمنهم من نص على عدم نجاة الوالدین، كما رأيت في كلام النووي، والقاری وقد بسط الكلام في ذلك القاری في شرح الفقه الأكبر، وفي رسالة مستقلة له. ومنهم من شهد لهما بالنجاة، كالسيوطي، وقد ألف في هذه المسألة سبع رسائل، بسط الكلام فيها، وذكر الأدلة من الجانبين، ومن شاء رجع إليها، والأسلم، والأحوط عندي هو التوقف، والسكوت. انتهى كلام صاحب المراجعة. قال الجامع عفا الله تعالى عنه: عندي الأولى، والأسلم الوقوف مع النصوص الصحيحة، كحديث الباب، وحديث مسلم المذكور: ان أبي وأباك في النار، مع عدم التوسع والخوض بزيادة ما ليس في النصوص، وأما تصحيح حديث احياء أبوي النبي ﷺ، كما قال ابن حجر الهيتمي فمما لا يلتفت اليه، فان جل الحفاظ من المحدثين على أنه موضوع، كما أشرت اليه فيما تقدم.

ثم ان هذه المسألة ما رأيت للمتقدمين فيها كلاما، بل انما أثارها، وتنازع فيها، وخاض غمرتها المتأخرون، من أمثال السيوطي، ومن سار على دربه فما وسع الأولين من السكوت، وعدم الخوض وترك التنازع، والتخاصم هو الصواب لمن كان حريصا على دينه، فلو كان في هذا الخوض خير لكان المتقدمون أسبق اليه، وأحرص من المتأخرين عليه، فسلوك سييلهم فيه السلامة في الدنيا والآخرة، فالواجب الوقوف على ما صح عن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم، وعدم التوسع، ونصب الخلاف فيما وراءه. واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب. (ذخيرة العقبیٰ فی شرح المجتبیٰ، کتاب الجنائز، باب زیارة قبر المشرك، ج: ۲۰، ص: ۳۶، ۳۷، رقم الحديث ۲۰۳۴، ط، دار آل بروم، المملكة العربية السعودية)

کیا حضور اکرم ﷺ کے والدین مؤمن تھے؟

﴿سوال﴾:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے والدین خدا کو ماننے والے، صاحب ایمان مسلمان تھے یا نہیں؟ یا غیر مسلم تھے، بتوں کو پوجتے تھے یا نہیں؟

﴿الجواب وبالله التوفیق﴾:

اس سلسلہ میں ائمہ اور فقہاء کے درمیان اختلاف چلا آ رہا ہے، حضرت حافظ ابن حجرؒ وغیرہ کی رائے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کے اعزاز میں آپ کے والدین کو دوبارہ زندگی عطا فرمائی تھی، آنحضرت ﷺ پر ایمان لا کر بحالت ایمان وفات پائے۔

كما في الشامي: ألا ترى! أن نبينا عليه الصلاة

والسلام قد أكرمه الله تعالى بحياة أبويه له حتى آمنابه، كما

في حديث صحيح، صححه القرطبي. (شامي، كراچی ۴/

۲۳۱، زکریا ۶/۳۶۹)

اور حضرت امام اعظمؒ اور ملا قاریؒ کی رائے یہ ہے کہ بحالت کفر وفات

پائے (۲۲۸)۔

(۲۲۸): في حاشية الطحطاوى: وما في الفقه الاكبر من أن والديه ﷺ ماتا

على الكفر فمدسوس على الامام ويدل عليه أن النسخ المعتمدة منه ليس فيها شيء

من ذلك قال ابن حجر المكي في فتاواه وللوجود فيها ذلك لابي حنيفة محمد بن

يوسف البخاري لا لابي حنيفة النعمان بن ثابت الكوفي وعلى تسليم أن الامام قال

ذلك فمعناه أنهما ماتا في زمن الكفر وهذا لا يقتضي اتصافهما به كيف والله تعالى

يقول في كلامه العزيز وتقلبك في الساجدين. الخ. (حاشية الطحطاوى على الدر

كما في فقه الأكبر للإمام الأعظم أبي حنيفة وشرحه
للعلامة ملا علي قاري: ووالدا رسول الله ﷺ ماتا علي

المختار، كتاب النكاح، باب نكاح الكافر، ج: ٢، ص: ٨٠، ط، المكتبة العربية كوثته)
وقال العلامة محمد زاهد بن الحسن الكوثري نور الله مرقدته: وأما في الفقه
الأكبر رواية حماد بن أبي حنيفة عن أبيه فله شروح كثيرة.... ففي بعض تلك
النسخ: وأبوا النبي ﷺ ماتا علي الفطرة - و (الفطرة) سهلة التحريف الي (الكفر)
في الخط الكوفي، وفي أكثرها: (ما ماتا علي الكفر)، كأن الامام الأعظم يريد به
الرد علي من يروي حديث (أبي و أبوك في النار) ويرى كونهما من أهل النار. لأن
انزال المرء في النار لا يكون بدليل يقيني وهذا الموضوع ليس بموضوع عملي
حتى يكتفى فيه بالدليل الظني.

ويقول الحافظ محمد المرتضى الزبيدي شارح الأحياء والقاموس في
رسالته (الانتصار لوالدي النبي المختار) - وكنت رأيتها بخطه عند شيخنا أحمد بن
مصطفى العمري الحلبي مفتي العسكر العالم المعمر - مامعناه: ان الناسخ لما رأى
تكرر (ما) في (ما ماتا) ظن أن أحدهما زائدة فحذفها نسخته الخاطئة، ومن الدليل
علي ذلك سياق الخبر لأن أبا طالب والأبوين لو كانوا جميعا علي حالة واحدة
جمع الثلاثة في الحكم بجملة واحدة لا بجملتين مع عدم التخالف بينهم في الحكم
وهذا رأى وجيه من الحافظ الزبيدي الا أنه لم يكن رأى النسخة التي فيها (ما ماتا) و
انما حكى ذاك عن رآها، واني بحمد الله رأيت لفظ (ما ماتا) في نسختين بدار
الكتب المصرية قديمتين كما رأى بعض أصدقائي لفظي (ما ماتا) و (علي الفطرة)
في نسختين قديمتين بمكتبة شيخ الاسلام المذكورة - وعلي القاري بنى شرحه علي
النسخة الخاطئة وأساء الأدب سامحه الله. (العالم والمتعلم، ص: ٦، ٧، ط، المكتبة
الأزهرية)

وفي حاشية منح الروض الأزهر: وقال الشيخ محمد بن ابراهيم البيجوري
المتوفي ١٢٤٦ هـ: ما نقل عن أبي حنيفة في "الفقه الاكبر" من ان والدي المصطفى

ہزار دمن قال: أنهما ماتا على الايمان، أو ماتا على الكفر، ثم أحياهم الله تعالى، فماتا في مقام الايقان. (شرح فقہ اکبر، مکتبہ اشرفی دیوبند، ص: ۱۳۰)

ثم الجمهو على أن والديه عليه السلام ماتا كافرين، وهذا الحديث أصح ما روى في حقهما. (بذل المجهود، کتاب الجنائز، باب زیادة القبور، مکتبہ یحیی سہارنپور ۴/۲۱۴، البشائر الاسلامیة ۱۰/۵۲۴، مرقاة المفاتیح، کتاب الجنائز، باب زیادة القبور، الكلام على ايمان والديه عليه الصلوة والسلام، مکتبہ امدادیہ ملتان ۴/۱۱۳)

عن أنس أن رجلا قال: يا رسول الله! أين أبى؟ قال: في النار، فلما قفى دعاه، فقال: ان أبى وأباك في النار. (مسلم شریف، کتاب الايمان، باب بیان أن من مات على الكفر، فهو في النار، النسخة الهندیة ۱/۱۱۴، بیت الأفكار، رقم: ۲۰۳)

لہذا اس سلسلہ میں کف لسان ہی بہتر ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم (فتاویٰ قاسمیہ، ج: ۲، ص: ۱۴۷، ۱۴۸، ط، مکتبہ اشرفیہ دیوبند/ فتاویٰ دارالعلوم وقف دیوبند، ج: ۱، ص: ۱۹۷، ط، حجۃ الاسلام اکیڈمی/ فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، ج: ۱۸، ص: ۶۰۶، ۶۰۷، ط، مکتبہ دارالعلوم دیوبند/ امداد الاحکام، ج: ۱، ص: ۳۴۰، ۳۴۱، ط، مکتبہ دارالعلوم کراچی/ عزیز الفتاویٰ، ص: ۸۶، ط، دارالاشاعت کراچی/ نجم الفتاویٰ، ج: ۱، ص: ۲۷۲/ آپ کے مسائل اور ان کا حل، ج: ۱، ص: ۷۲، ط، مکتبہ لدھیانوی کراچی/ خیر الفتاویٰ، ج: ۱، ص: ۳۲۲، ط،

ماتا على الكفر فمدسوس عليه، وحاشاه أن يقول ذلك. وغلط ملا على القارى غفر الله له في كلمة شنيعة قالها. [تحفة المريد شرح جوهرة التوحيد ص: ۶۹]۔ (منح الروض الأزهر شرح الفقہ الأكبر، ص: ۱۹۷، ط، مکتبہ المدینة کراتشی)

مکتبہ امدادیہ ملتان / فتاویٰ حقانیہ، ج: ۱، ص: ۲۳۹، ۲۴۰، ط، مکتبہ سید احمد شہید اکوڑہ خٹک /
فتاویٰ رحیمیہ، ج: ۳، ص: ۵۲، ط، دارالاشاعت کراچی / فتاویٰ فریدیہ، ج: ۱، ص: ۴۵۳



رسول اللہ ﷺ کے باپ دادا کے ایمان وعدم ایمان میں توقف کرنا چاہیے

﴿ سوال ﴾:

ہمارے خاندان کے کچھ شیعہ لوگ کہتے ہیں کہ ہمارے رسول ﷺ کے باپ دادا
میں سے کوئی کافر نہیں تھا۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ کے کافر ہونے سے بھی وہ
انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آذران کا چچا تھا۔ مسئلہ کی وضاحت فرمائیں۔

﴿ الجواب ﴾:

قرآن سے صاف معلوم ہے کہ آذر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا باپ ہے اور کافر
گزارا ہے۔ اور بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ آذر چچا ہے، لیکن تاریخی بلاسندر روایات کی وجہ
سے قرآن کی تصریح کو ترک کرنا نہ تقاضائے علم ہے، اور نہ تقاضائے عقل (۲۲۹)، اور پیغمبر

(۲۲۹): قال اللہ تبارک وتعالیٰ: واذ قال ابراہیم لأبيه آزر أتتخذ اصناما

آلہة انی أراک وقومک فی ضلال مبین. (سورة الانعام: ۷۴)

فی تفسیر ابن کثیر: قال الضحاک: عن ابن عباس: ان أبا ابراہیم لم یکن
اسمہ آزر، وانما کان اسمہ تارح. رواہ ابن ابی حاتم.

وہکذا قال غیر واحد من علماء النسب: ان اسمہ تارح. وقال مجاہد
والسدی: آزر: اسم صنم.

قلت: کأنه غلب علیہ آزر لخدمته ذلک الصنم، فاللہ اعلم.

وقال ابن جریر: وقال آخرون: هو سب وعیب بکلامہم، ومعناه: معوج، ولم

کے والدین کے متعلق کفر اور اسلام کے دونوں قسم کی روایات مروی ہیں۔ القسم الاول ظاہر مروی والا سلام بعد الاحیاء مروی فی الطبرانی۔ لہذا احتیاط یہ ہے کہ ان

یسندہ ولا حکاہ عن أحد.

وقد قال ابن أبي حاتم: ذكر عن معتمر بن سليمان، سمعت أبي يقرأ: ﴿واذ قال ابراهيم لأبيه آزر﴾ قال: بلغني أنها أعوج، وأنها أشد كلمة قالها ابراهيم، عليه السلام.

ثم قال ابن جرير: والصواب أن اسم أبيه آزر، ثم أورد على نفسه قول النسابين أن اسمه تارح، ثم أجاب بأنه قد يكون له اسمان كما لكثير من الناس، أو يكون أحدهما لقبا، وهذا الذي قاله جيد قوى والله أعلم.

وفى حاشية تفسير ابن كثير: وقد اعترض على قول ابن جرير الطبري ومحاولته الجمع، المحدث أحمد شاكر - رحمه الله - فى بحث له فى آخر كتاب "المعرب" للجوالقى قال فى خاتمته: والحجة القاطعة فى نفى التأويلات التى زعموها فى كلمة: آزر، وفى ابطال ما سموه قراءات، تخرج باللفظ عن أنه علم لوالد ابراهيم: الحديث الصحيح الصريح فى البخارى: عن النبى ﷺ قال: يلقى ابراهيم أباه آزر يوم القيامة، وعلى وجه آزر فترة وغبرة، فيقول له ابراهيم: ألم أقل لك: لاتعصنى؟ فيقول أبوه: فاليوم لأعصيك... الى آخر الحديث، وفى البخارى (١٣٩ / ٤) من الطبعة السلطانية) وفتح البارى (٢ / ٢٤٦ من طبعة بولاق) وشرح العيني (١٥ / ٢٢٣، ٢٢٢ من الطبعة المنيرية)، فهذا النص يدل على أنه اسم العلم، وهو لا يحتتمل التأويل ولا التحريف. (تفسير ابن كثير، سورة الانعام، الآية: ٧٤، ج: ٣، ص: ٢٨٨، ٢٨٩، ط، دار طيبة)

وفى القرطبي: قال محمد بن اسحاق الكلبى والضحاك: ان آزر ابو ابراهيم عليه السلام، وهو تارح، مثل اسرائيل ويعقوب.

قلت: فيكون له اسمان كما تقدم. (الجامع لأحكام القرآن، سورة الانعام، الآية:

٧٤، ج: ٨، ص: ٤٣٣، ط، مؤسسة الرسالة بيروت لبنان)

كے متعلق توقف کیا جائے کما صرح بہ علامہ شامی (۲۳۰)۔ وهو الموفق. (فتاویٰ فریدیہ، ج: ۱، ص: ۴۵۴، ۴۵۵)



(۲۳۰): عن أنس أن رجلاً قال: يا رسول الله ﷺ! أين أبي؟ قال: في النار فلما قفي دعاه فقال: ان أبي وأباك في النار. (صحيح مسلم، كتاب الايمان، باب بيان أن من مات على الكفر فهو في النار ولا تناله شفاعة ولا تنفعه قرابة المقربين، ص: ۱۰۷، ۱۰۸، رقم: ۵۰۰، ط، دار السلام رياض)

وفي تفسير الظهري: وقال رسول الله ﷺ: "وما افترق الناس فرقتين الا جعلني الله في خيرهما، فأخرجت من بين أبوين فلم يصبنى شيء من عهد الجاهلية، وأخرجت من نكاح ولم أخرج من سفاح من لون آدم عليه الصلاة والسلام حتى انتهيت الى أبي وأمي، فأنا خيركم نفساً خيركم أبا. رواه البيهقي في دلائل النبوة من حديث أنس وأبو نعيم في دلائل النبوة من حديث ابن عباس نحوه، وقد صنف الشيخ الأجل جلال الدين السيوطي رضي الله عنه في اثبات اسلام آباء النبي ﷺ. (تفسير المظهری، سورة البقرة، الآية: ۱۱۹، ج: ۱، ص: ۱۳۶، ط، دار احیاء التراث العربی بیروت لبنان)

وفي الشامية: ولا يقال: ان فيه اساءة أدب لاقتضائه كفر الأبوين الشريفين، مع أن الله تعالى أحياهما له وآمنا به كما ورد في حديث ضعيف. لأننا نقول: ان حديث أعم بدليل رواية الطبراني وأبي نعيم وابن عساكر: خرجت من نكاح ولم أخرج من سفاح من لدن آدم الى ان ولدني أبي وأمي، لم يصبنى من سفاح الجاهلية شيء، وأحياء أبوين بعد موتهما لا ينافي كون النكاح كان في زمن الكفر، ولا ينافي أيضاً ما قاله الامام في الفقه الأكبر من أن والديه ﷺ ماتا على الكفر، ولا ما في صحيح مسلم: استأذنت ربي أن أستغفر لأمي فلم ياذن لي، وما فيه أيضاً أن رجلاً قال: يا رسول الله أين أبي؟ قال: في النار، فلما قفا دعاه فقال: ان أبي وأباك في النار، لا يمكن أن يكون الأحياء بعد ذلك، كأنه كان في حجة الوداع، وكون

کیا حضور ﷺ کے تمام آباؤ اجداد مسلمان تھے؟

﴿ سوال ﴾:

پارہ ۱۱۱ خیر سورۃ توبہ ”مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أَوْلَىٰ قُرْبَىٰ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ“۔ اس آیت شریفہ کا ترجمہ اور یہ کہ کس کے حق میں نازل ہوئی ہے۔ آیا حضور اکرم ﷺ کے والدین کے حق میں ہے یا کفار مشرکین کے حق میں ہے اور یہ آیت ناسخ ہے یا منسوخ؟ اور ہمارے سرکار آقائے نامداد فخر موجودات احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے آباؤ اجداد پشت در پشت حضرت آدم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام تک مسلمان تھے یا نہیں، آیا درمیان میں بت پرستی ہوئی ہے یا نہیں؟ صاف صاف قرآن و حدیث سے اس کا جواب دیں۔

﴿ الحواب ﴾:

اس آیت کریمہ کے شان نزول میں تینوں روایتیں موجود ہیں۔ اول یہ کہ آیت ابوطالب کے بارے میں اتری۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا کہ میں تمہارے لئے استغفار کروں گا جب تک مجھ کو خدا کی طرف سے منع نہ کیا جائے۔ تو یہ آیت نازل ہوئی اور حضور ﷺ کو منع کر دیا گیا (۲۳۱)۔

الایمان عند المعاینة غیر نافع فکیف بعد الموت؟ فذاک فی غیر الخصوصية اکرم اللہ بہا نبیہ ﷺ... وبالجملة کما قال بعض المحققین: انه لا ینبغی ذکر هذه المسألة الا مع مزید الأدب، ولیست من المسائل التي یضر جهلها أو یسأل عنها فی القبر أو فی الموقف، فحفظ اللسان عن التکلم فیها الا بخیر أولی وأسلم۔ (ردالمحتار علی الدر المختار، کتاب النکاح، باب نکاح الکافر، مطلب فی الکلام علی أبوی النبی ﷺ وأهل الفترة، ج: ۴، ص: ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ط، دار عالم الکتاب ریاض) (۲۳۱): فی الدر المنثور: أخرج ابن أبي شیبة، وأحمد، والبخاری، ومسلم،

دوم: یہ کہ یہ آیت جب اتری کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی والدہ کے لئے استغفار کرنے کی اجازت حضرت حق جل مجدہ سے طلب کی تو اس آیت کے ذریعہ سے حضور ﷺ کو منع کیا گیا (۲۳۲)۔

والنسائی، وابن جریر، وابن المنذر، وابن أبی حاتم، وأبو الشیخ، وابن مردویه، والبیہقی فی الدلائل، عن سعید بن المسیب، عن أبیه قال: لما حضرت أبا طالب الوفاة دخل علیہ النبی ﷺ وعنده أبو جهل وعبد اللہ بن أبی أمیة، فقال النبی ﷺ: ای عم، قل: لا اله الا الله. أحاج لك بها عند الله. فقال أبو جهل وعبد اللہ بن أبی أمیة: یا أبا طالب، أترغب عن ملة عبد المطلب؟ فجعل رسول الله ﷺ يعرضها علیہ، وأبو جهل وعبد اللہ يعودان بتلك المقالة، فقال أبو طالب آخر ما كلمهم: هو علی ملة عبد المطلب، وأبى أن يقول: لا اله الا الله. فقال النبی ﷺ: لأستغفرن لك ما لم أنه عنك. فنزلت: ﴿ما كان للنبي والذين آمنوا أن يستغفروا للمشركين﴾ الآية. وأنزل الله فی أبی طالب، فقال لرسوله: ﴿انك لا تهدي من احببت ولكن الله يهدي من يشاء﴾ [القصص: ۵۶]. (الدر المنثور فی التفسير بالمأثور، سورة التوبة، الآية: ۱۱۳، ج: ۷، ص: ۵۵۰)

(۲۳۲): فی تفسیر ابن کثیر: وقال ابن أبی حاتم فی تفسیره: حدثنا أبی، حدثنا خالد بن خدّاش، حدثنا عبد اللہ بن وهب، عن ابن جریج عن یوب بن ہانی، عن مسروق، عن عبد اللہ بن مسعود قال: خرج رسول الله ﷺ يوماً الى المقابر، فاتبعناه، فجاء حتی جلس الى قبر منها، فواجه طويلاً ثم بكى فبكينا لبكائه ثم قام فقام اليه عمر بن الخطاب، فدعاه ثم دعانا، فقال: ما أبكاكم؟ فقلنا: بكينا لبكائك قال: ان القبر الذي جلست عنده قبر آمنة، واني استأذنت ربي في زيارتها فأذن لي، ثم أوردته من وجه آخر، ثم ذكر من حديث ابن مسعود قريباً منه، وفيه: واني استأذنت ربي في الدعاء لها فلم يأذن لي، وأنزل على: ﴿ما كان للنبي والذين آمنوا أن يستغفروا للمشركين ولو كانوا أولي قربى﴾، فأخذني ما يأخذ الولد للوالدة، وكنت نهيتكم عن زيادة القبور فزروها، فانها تذكر الآخرة. (تفسير ابن کثیر، سورة

سوم: یہ کہ حضور ﷺ نے فرمایا تھا کہ جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والد کے لئے استغفار کیا میں بھی اپنے والد کے لئے استغفار کروں گا تو یہ آیت اتری اور حضور ﷺ کے اپنے والد کے لئے استغفار سے منع کیا گیا (۲۳۳)۔

یہ ثابت نہیں کہ حضور ﷺ کے تمام اجداد کرام مسلمان تھے، ان میں کوئی مشرک نہ تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا مشرک ہونا تو یقینی ہے۔ پس یہ قاعدہ نہیں ہے کہ نبی علیہ السلام کے اجداد میں مشرک نہیں ہوتا۔ (کفایۃ المفتی، ج: ۱، ص: ۱۰۵، ط، دار الاشاعت کراچی)



حضور ﷺ کے والدین کو ایصالِ ثواب کرنا

﴿ سوال ﴾:

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: حضور اکرم ﷺ کی والدہ ماجدہ کے لئے ایصالِ ثواب کریں تو کوئی حرج تو نہیں؟ کیا ایصالِ ثواب کر سکتے ہیں؟

﴿ الجواب وبالله التوفیق ﴾:

نبی اکرم ﷺ کے والدین کے لئے ایصالِ ثواب سلف صالحین سے ثابت نہیں

(التوبة، الآیة: ۱۱۳، ج: ۴، ص: ۲۲۲، ط، دار طیبیة)

(۲۳۳): فی تفسیر ابن کثیر: قال قتادة فی هذه الآیة: ذکر لنا أن رجلاً من أصحاب النبی ﷺ قالوا: یا نبی اللہ، ان من آبائنا من کان یحسن الجوار، ویصل الأرحام، ویفک العانی، ویوفی بالذمم، أفلا نستغفر لهم؟ قال: فقال النبی ﷺ: بلی، واللہ انی لأستغفر لأبى کما استغفر ابراهیم لأبيه. فأنزل اللہ: ﴿ما کان للنبی والذین آمنوا ان یستغفروا للمشرکین﴾ حتی بلغ: ﴿الجحیم﴾.. الخ. (تفسیر ابن کثیر،

سورة التوبة، الآیة: ۱۱۳، ج: ۴، ص: ۲۲۴، ط، دار طیبیة)

ہے، اور ان کے کفر و ایمان میں علماء کا اختلاف ہے۔

عن أنس رضي الله عنه أن رجلا قال: يا رسول الله! أين أبي قال: في النار، قال: فلما قفا دعاه، فقال: ان أبي وأباك في النار. (صحيح مسلم ۱/۱۱۴) والبحث في الشامي. (شامي زكريا ۴/۳۴۸، ۶/۳۶۹) فقط والله تعالى أعلم (كتاب النوازل، ج: ۱، ص: ۶۲۸، ط، المركز العلمي للنشر والتحقيق لال باغ مراد آباد الهند/ فتاویٰ رحيميه، ج: ۳، ص: ۵۲، ط، دار الاشاعت كراچي)



حضور ﷺ کے والدین کو مؤمن نہ ماننا؟

﴿سوال﴾:

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کو بہت سے لوگ مؤمن نہیں مانتے ہیں، یہ کہاں تک درست ہے؟

﴿الجواب وبالله التوفيق﴾:

رسول اکرم ﷺ کے والدین کے متعلق علماء کا اختلاف ہے، بعض حضرات ان کے ایمان کے قائل ہیں اور بعض عدم ایمان کے، دلائل دونوں طرف ہیں، کسی ایک جانب کو ترجیح نہیں ہے، اس لئے محققین علماء کے نزدیک اس سلسلہ میں توقف کرنا بہتر ہے، اور جہاں تک ہو سکے اس بارے میں بحث سے اجتناب کرنا چاہئے۔

ولا يقال: ان فيه اسائة أدب لاقتضائه كفر الأبوين

الشریفین مع أن الله تعالى أحياهما له وآمنا به، كما ورد في

حديث ضعيف..... وما فيه أيضا أن رجلاً قال: يا رسول الله! أين أبى؟ قال: النار، فلما قفا دعاه فقال: ان أباك في النار. وأما الاستدلال على نجاتهما بأنهما ماتا في زمن الفترة، فهو مبنى على أصول الأشاعرة أن من مات ولم تبلغه الدعوى يموت ناجياً. أما الماتريديّة، فإن مات قبل مضي مدة يمكنه فيها التأمل - الى قوله - وعلى هذا فالظن في كرم الله تعالى أن يكون أبواه صلوات الله من أحد هذين القسمين، بل قيل: أن آبائه صلوات الله كلهم موحدون. وباجملة كما قال بعض المحققين: أنه لا ينبغي ذكر هذه المسئلة الامع مزيد الأدب، وليست من المسائل التي يضر جهلها أو يسأل عنها في القبر أو في الموقف، فحفظ اللسان عن التكلم فيها الا بخير أولى وأسلم. (شامى زكريا ٤/ ٣٤٨)

وروى بأسانيد ضعيفة أن النبي صلوات الله دعا ربه فأحياه وآمنة أم رسول الله صلوات الله فأمنابه. واختار الامام الرازي أنهما ماتا على ملة ابراهيم عليه الصلاة والسلام، والجمع أن الاحياء كرامة لهما ليضاعف ثوابهما. وقد ألف الحافظ المحقق جلال الدين السيوطي رسائل في اثبات ايمانهما ايمان جميع آباء النبي صلوات الله الى آدم، وتبعه محققوا المتأخرين، وعارضه على بن سلطان القارى برسالته في اثبات كفرهما، فرأى استاذه ابن حجر مكى في منامه أن القارى سقط من سقف فانكسرت رجلاه، فقليل: هذا جزاء اهانة والدى رسول الله صلوات الله، فوقع كما رأى، ومن أراد

کشف مشکلات هذا المسئلة فلينظر في رسائل السيوطي.
(النبراس شرح العقائد النسفية ۳۱۶، بحواله: فتاوى محموديه
ڈابھیل ۴۰۹/۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ (كتاب النوازل، ج: ۱،
ص: ۳۸۰، ۳۸۱، ط، المركز العلمی للنشر والتحقیق لال باغ
مراد آباد الھند)



آنحضرت ﷺ کے والدین کی وفات کب ہوئی

﴿سوال﴾:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع عظام از روئے فرمان اللہ ورسول اللہ
(ﷺ) کے اس مسئلہ میں کہ ابوین کریمین وجد امجد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام دور رسالت
سے پہلے وفات پائے گئے یا بعد میں؟

﴿الجواب﴾:

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ابوین میں سے والد ماجد تو آپ کی ولادت
سے پہلے وفات پا گئے تھے (۲۳۴) اور والدہ ماجدہ کی وفات اس وقت ہوئی جب کہ آپ کی

(۲۳۴): فی البدایة: وعبدالله ابن عبدالمطلب يومئذ مريض، فقال أتخلف
عند أخوالي بني عدي بن النجار، فأقام عندهم مريضاً شهراً ومضى أصحابه فقدموا
مكة فسألهم عبدالمطلب عن ابنه عبدالله فقالوا خلفناه عند أخواله بني عدي بن
النجار وهو مريض، فبعث اليه عبدالمطلب أكبر ولده الحارث. فوجده قد توفي
ودفن في دار النابغة فرجع الى أبيه فاخبره، فوجد عليه عبدالمطلب وأخوته وأخواته
وجداً شديداً، ورسول الله ﷺ يومئذ حمل. ولعبدالله بن عبدالمطلب يوم توفي
خمس وعشرون سنة. (البدایة والنهاية، ج: ۲، ص: ۲۶۳، ط، مكتبة المعارف بيروت
لبنان)

عمر مبارک چھ ۶ سال کی تھی (۲۳۵) اور دور رسالت تو ۴۰ سال سے شروع ہوتا ہے (۲۳۶)۔ اس سے ظاہر ہے کہ ابوین نے دور رسالت نہیں پایا۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔ کتبہ السید عبدالرحیم لاچپوری غفرلہ ولوالدہ یہ۔ (فتاویٰ رحیمیہ، ج: ۳، ص: ۵۲، ط، دارالاشاعت کراچی)



آپ ﷺ کی اولاد کی تعداد

﴿سوال﴾:

کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کل کتنی اولاد تھی؟ ان کی تعداد مع اسماء تحریر فرمائیں۔

﴿الجواب حامداً ومصلیاً﴾:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کل اولاد کی تعداد آٹھ ہے جن میں چار بیٹے اور چار بیٹیاں ہیں۔ بیٹوں کے نام ابراہیم، قاسم، طیب اور طاہر رضی اللہ تعالیٰ عنہم جبکہ بیٹیوں کے نام

وفی أسد الغابة: وكان أبوه عبد الله قد توفي وأمه حامل به، وقيل: توفي وللنبي ﷺ ثمانية وعشرون شهراً وقيل كان له سبعة أشهر، والأول أثبت. (أسد الغابة في معرفة الصحابة، ج: ۱، ص: ۱۲۱، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

(۲۳۵): فی البدایة: قال ابن اسحاق: حدثنی عبد اللہ بن ابی بکر بن محمد بن عمرو بن حزم أن أم رسول الله ﷺ آمنة توفيت وهو ابن ست سنين بالابواء بين مكة والمدينة. (البدایة والنهاية، ج: ۲، ص: ۲۷۹، ط، مكتبة المعارف بيروت لبنان)

(۲۳۶): فی أسد الغابة: قالوا: بعث رسول الله ﷺ، وله أربعون سنة، وذلك في ملك أبرويز بن هرمز بن كسرى أنوشروان ملك الفرس... وقال ابن اسحاق: بعثه الله وله أربعون سنة، فأقام بمكة ثلاث عشرة سنة، وبالمدينة عشرة. (أسد الغابة في معرفة الصحابة، ج: ۱، ص: ۱۲۵، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

نہیں، رقیہ، ام کلثوم اور فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہن ہیں۔ اور بعض حضرات کے نزدیک طیب اور طاہر ایک ہی بیٹے کے دو نام ہیں تو اس اعتبار سے بیٹوں کی تعداد تین اور کل تعداد سات ہو جائے گی۔

لما فی البدایة والنهاية (۵/۲۵۵): وقال ابن جریج
كان عليه السلام ابن سبع وثلاثين سنة فولدت له القاسم وبه
كان يكنى والطيب والطاهر وزينب ورقية وام كلثوم،
وفاطمة قلت وهي ام اولاده كلهم سوى ابراهيم فمن مارية.
وفي المنتظم (۲/۸۶): قال ابن اسحاق فولدت (ای
خديجة) له ولده كلهم الابراهيم زينب ورقية وام كلثوم
وفاطمة والقاسم وبه ان يكنى والطاهر والطيب وهلك
هؤلاء الذكور في الجاهلية..... وقال غيره الطيب والطاهر
لقبان لعبد الله.

وفي السيرة النبوية لابی الفداء (۱/۲۶۴): عن بن
عباس قال ولدت خديجة لرسول الله ﷺ غلامين واربع
نسوة القاسم وعبد الله وفاطمة وام كلثوم وزينب ورقية وقال
الزبير بن بكار عبد الله هو الطيب وهو الطاهر. (نجم الفتاوى،
ج: ۱، ص: ۲۵۴)



حضور ﷺ کی چار صاحبزادیاں تھیں

﴿ سوال ﴾:

روافض کا کہنا ہے کہ حضور ﷺ کی ایک ہی صاحبزادی تھیں یعنی حضرت فاطمہ الزہراءؑ اور باقی حقیقی صاحبزادیاں نہیں تھیں بلکہ صرف حضور ﷺ کے زیر پرورش تھیں۔ برائے کرم آپ ﷺ کی حضرت فاطمہ الزہراءؑ کے علاوہ بقیہ تین صاحبزادیوں کے بارے میں تحقیق فرما کر جواب عنایت فرمادیں۔

﴿ الجواب ﴾:

علماء سیر کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حضور ﷺ کی چار صاحبزادیاں تھیں۔ سب سے بڑی حضرت زینبؑ تھیں۔ ان کا نکاح حضرت ابوالعاصؓ سے ہوا۔ اور ان سے چھوٹی سیدہ رقیہؑ اور پھر سیدہ ام کلثومؑ۔ ان دونوں کا نکاح یک بعد دیگرے حضرت عثمان بن عفانؓ سے ہوا۔ ان سے چھوٹی صاحبزادی حضرت فاطمہ الزہراءؑ جن کا نکاح حضرت علیؑ سے ہوا۔ روافض کا کہنا کہ حضور ﷺ کی ایک صاحبزادی تھیں بالکل بے بنیاد اور خلاف حقیقت بات ہے۔

لما فی بذل القوة: (ص ۴ فصل فی حوادث السنة

الاولیٰ من النبوة القسم الاول)

وفیہا اسلمت بنات النبی ﷺ الاربع کلہن زینب

وہی اکبر بناتہ وفاطمہ ورقیة وام کلثوم.

ولما فی الاستیعاب: (۴/۳۹۸، طبع بیروت)

رقیہ بنت رسول اللہ ﷺ امہا خدیجۃ بنت

خویلد..... الخ

ولما فی الاستیعاب: (۴/۵۰۶، طبع بیروت)

ام کلثوم بنت رسول اللہ ﷺ امہا خدیجۃ بنت
خویلد ولدتها قبل قاطمة وقیل رقیۃ رضی اللہ عنہن..... الخ.
ولما فی الاستیعاب: (۴/۴۰۹، طبع بیروت)
زینب بنت رسول اللہ ﷺ كانت اکبر بناته رضی
اللہ عنہن. الخ. (فتاویٰ عباد الرحمن، ج: ۱، ص: ۱۱۹، ۱۲۰،
ط، ایجو کیشنل پریس کراچی)



آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سب سے چھوٹی بیٹی کونسی تھی

﴿ سوال ﴾:

کیا فرماتے ہیں علماء کرام دریں مسئلہ کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بیٹیوں
میں سب سے چھوٹی بیٹی کون سی تھیں؟

﴿ الجواب ﴾:

مؤرخین کا اس میں اختلاف ہے۔ راجح یہی ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا
سب سے چھوٹی تھیں۔

قال ابن هشام اکبر بنیہ القاسم ثم الطیب ثم الطاهر
واکبر بناته رقیہ ثم زینب ثم أم کلثوم ثم فاطمة. اهـ. (ابن
هشام، ج: ۱، ص: ۱۰۱)

۲: وہی أصغر بناته فی قول. (مرقات، ج: ۱۱،
ص: ۳۷۴)

۳: وہی اختها ام کلثوم اصغر بنات رسول اللہ
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم واختلف فی الصغریٰ منہما وقد

قيل ان رقية اصغر منهما وليس ذلك عندي بصحيح كذا
في الاستيعاب اهـ. (سیرت محمدیہ، ص: ۵۵۵) فقط واللہ
تعالیٰ اعلم (خیر الفتاویٰ، ج: ۱، ص: ۴۶۵، ط، مکتبہ امدادیہ
ملتان)



طائف سے مکہ المکرمہ حضور ﷺ کس کی پناہ میں تشریف لائے؟

﴿سوال﴾:

کیا جب سرکارِ دو عالم ﷺ طائف تشریف لے گئے تو آپ کی مکہ مکرمہ سے
شہریت ختم کر دی گئی تھی اور پھر آپ کسی شخص کی امان حاصل کر کے مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے
تھے؟ اگر ایسا ہے تو اس شخص کا نام بھی تحریر فرمائیں کہ وہ کون شخص تھا؟

﴿جواب﴾:

مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ نے ”سیرۃ المصطفیٰ“ (ج: ۱، ص: ۳۸۱) میں، مولانا
ابوالقاسم رفیق دلاوریؒ نے ”سیرت کبریٰ“ (ج: ۲، ص: ۷۰۱) میں طبقات ابن سعد کے
حوالے سے (سیرت مصطفیٰ میں زاد المعاد کا حوالہ بھی دیا گیا ہے) اور حافظ ابن کثیرؒ نے
”البدایہ والنہایہ“ (ج: ۳، ص: ۱۳۷) میں اموی مغازی کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ
آپ ﷺ بن عدی کی پناہ میں تشریف لائے تھے۔ اور پناہ میں آنے کا یہ مطلب نہیں
تھا جو آپ نے سمجھا ہے کہ اس سے پہلے مکہ کی شہریت ختم کر دی گئی تھی، بلکہ یہ مطلب تھا کہ
مطعم بن عدی نے ضمانت دی تھی کہ آئندہ اہل مکہ آپ ﷺ کو نہیں ستائیں گے (۲۳۷)۔
(آپ کے مسائل اور ان کا حل، ج: ۱، ص: ۱۸۵، ط، مکتبہ لدھیانوی کراچی)



حضور اکرم ﷺ کے عقد نکاح

﴿ سوال ﴾:

یکم فروری ۱۹۸۹ء کو ”تفہیم دین“ پروگرام میں ٹی وی پر جناب ریاض الحسن گیلانی صاحب نے ایک سوال کے جواب میں کہا کہ: حضور ﷺ نے ۲۱ نکاح کئے، جن میں ۱۳ ازواج کو قائم رکھا، جبکہ ۸ کو طلاق دی۔ جہاں تک میرے ناقص علم میں حضور ﷺ نے طلاق کو ایک بُرا فعل ظاہر کیا ہے، مجبوراً دینے کی اجازت ہے، اس کے علاوہ ہمارے علم میں کوئی طلاق حضور ﷺ نے اپنی کسی زوجہ کو نہیں دی۔ برائے مہربانی! اس کی حقیقت حال بیان کی جائے۔

﴿ جواب ﴾:

۲۱ عقد میرے علم میں نہیں، جہاں تک مجھے معلوم ہے دو عورتوں کو نکاح کے بعد آبادی سے پہلے ان کی خواہش پر طلاق دی تھی۔ میری کتاب ”عہد نبوت کے ماہ و سال“ میں اس کی

أريقط الى الاخنس بن شريق فطلب منه أن يجيره بمكة. فقال: ان حليف قريش لا يجير على صميمها. ثم بعته الى سهيل بن عمرو ليجيره فقال: ان بنى عامر بن لؤى لا تجير على بنى كعب بن لؤى. فبعته الى المطعم بن عدى ليجيره فقال نعم قل له فليأت. فذهب اليه رسول الله ﷺ فبات عنده تلك الليلة، فلما أصبح خرج معه هو وبنوه ستة - أو سبعة - متقلدى السيوف جميعاً فدخلوا المسجد وقال لرسول الله ﷺ: طف واحتبوا بحمائل سيوفهم فى المطاف، فاقبل أبو سفيان الى معطم. فقال: أمجير أو تابع؟ قال لا بل مجير. قال اذا لاتخفر. فجلس معه حتى قضى رسول الله ﷺ طوافه، فلما انصرف انصرفوا معه. وذهب أبو سفيان الى مجلسه. قال فمكث أياماً ثم أذن له فى الهجرة، فلما هاجر رسول الله ﷺ الى المدينة توفى مطعم بن عدى بعده يسير.. الخ. (البداية والنهاية، ج: ۳، ص: ۱۳۷، ۱۳۸، ط، مكتبة المعارف بيروت لبنان)

تفصیل ہے۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل، ج: ۱، ص: ۹۷، ط، مکتبہ لدھیانوی کراچی)



حضور ﷺ کا نکاح کس نے پڑھایا؟

﴿سوال﴾:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حضور اقدس جناب محمد رسول اللہ ﷺ کا نکاح کس نے پڑھایا تھا؟ اور آپ کی ازواج مطہرات کا نکاح ایک ہی شخص نے پڑھایا ہے یا الگ الگ؟ وضاحت کے ساتھ تحریر فرمائیں۔

﴿الجواب وباللہ التوفیق﴾:

کتابوں میں صرف حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے نکاح پڑھانے کے متعلق صراحت ملتی ہے کہ ان کا نکاح حضور ﷺ کے چچا ابوطالب نے پڑھایا تھا۔ اور دیگر ازواج مطہرات کے نکاح پڑھانے کی صراحت نہیں ملتی، البتہ نکاح کرانے کی صراحت ملتی ہے:

(۱) حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح حضرت ابوطالب نے پڑھایا ہے۔ (زرقانی، دارالکتب العلمیہ بیروت ۲/۳۶۵)

(۲) حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح ان کے والد نے کرایا ہے (۲۳۸)۔ (اسد الغابہ، والفکر ۶/۱۹۰)

(۲۳۸): فی اعلام النساء: سودة بنت زمعة بن قيس بن عبد شمس أم المؤمنين من فواضل نساء عصرها كانت قبل أن يتزوجها رسول الله ﷺ تحت ابن عم لها يقال له: السكران بن عمرو. ولما أسلمت وبايعت النبي ﷺ أسلم زوجها معها وهاجرا جميعاً الى الأرض الحبشة. فلما توفي عنها جاءت خولة بن حكيم الى رسول الله ﷺ فقالت: يا رسول الله ألا تزوج؟ فقال: ومن؟ قالت: سودة بنت زمعة قد آمنت بك واتبعتك. فقال النبي ﷺ اذكريها علي. فانطلقت خولة الى سودة

(۳) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح ان کے والد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کرایا ہے (۳۳۹)۔ (سیرت ابن ہشام ۴/۲۹۷)

(۴) حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح ان کے بھائی ابو احمد بن جحش نے کیا ہے۔ (سیرت ابن ہشام ۴/۲۹۸)

اس میں رائج یہ ہے کہ ان کا نکاح آسمان میں ہوا، جس کی صراحت قرآن کریم میں موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ نے: ”زوجنکھا“ سے ارشاد فرمایا ہے (۳۴۰)۔

وأبوها شيخ قد جلس على الموسم فحيته بتحية الجاهلية. فقال لها: أنعمت صباحاً من أنت؟ فقالت: خولة بن حكيم. فرحب بها. ثم قالت له: ان محمد بن عبد الله بن عبد المطلب يذكر سودة ابنة زمعة. فقال: هو كريم. فما تقول صاحبك؟ فقالت: هي تحب ذلك. فقال لها: قولي له فليأت. فأتى رسول الله ﷺ فتزوجها. (أعلام النساء في عالمي العرب والاسلام، ج: ۲، ص: ۲۶۷، ط، مؤسسة الرسالة بيروت لبنان)

(۲۳۹): في السيرة النبوية: عائشة: وتزوج رسول الله ﷺ عائشة بنت أبي بكر الصديق بمكة، وهي بنت سبع سنين، وبنى بها بالمدينة، وهي بنت تسع سنين أو عشر، ولم يتزوج رسول الله ﷺ بكرةً غيرها، وزوجها أياها أبوها أبو بكر، وأصدقها رسول الله ﷺ أربع مائة درهم. (السيرة النبوية، ذكر أزواجه ﷺ، ج: ۴، ص: ۲۹۱، ۲۹۲، ط، دار الكتاب العربي بيروت لبنان)

(۲۴۰): في السيرة النبوية: زينب بنت جحش بن رثاب الأسدية. زوجها أياها أخوها أبو أحمد بن جحش، وأصدقها رسول الله ﷺ أربع مائة درهم. (السيرة النبوية، ذكر أزواجه ﷺ، ج: ۴، ص: ۲۹۲، ط، دار الكتاب العربي بيروت لبنان)

قال الله تبارك وتعالى: فلما قضى زيد منها وطراً زوجنكها لكي لا يكون على المؤمنين حرج في أزواج ادعيائهم إذا قضوا منهن وطراً وكان امر الله مفعولاً. (سورة الأحزاب: ۳۷)

عن عيسى بن طهان قال: سمعت أنس بن مالك رضي الله عنه يقول: نزلت

(۵) حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح ان کے بیٹے سلمی بن ابوسلمی نے کیا ہے (۲۴۱)۔ (ابن ہشام ۴/۴۹۸)

(۶) حضرت حفصہ بنت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح ان کے والد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کیا ہے (۲۴۲)۔ (ابن ہشام ۴/۴۹۸)

(۷) حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح شاہ حبشہ نے کیا ہے (۲۴۳)۔ (زاد المعاد ۱۱۰/۱۱۰)

آیۃ الحجاب فی زینب جحش، واطعم علیہا یومئذ خبزاً، ولحمًا، وكانت تفخر علی نساء النبی ﷺ، وكانت تقول: ان الله أنکحنی فی السماء. (صحیح البخاری، کتاب التوحید، باب ﴿وكان عرشه علی الماء﴾ [ہود: ۷] ﴿وهو رب العرش العظیم﴾ [التوبة: ۱۲۹]، ص: ۱۵۵۴، رقم: ۷۴۲۱، ط، دار السلام ریاض)

(۲۴۱) فی السیرۃ النبویۃ: أم سلمة: وتزوج رسول الله ﷺ أم سلمة بنت أبي أمية بن المغيرة المخزومية واسمها هند، زوجها اياها سلمة بن ابي سلمة ابنها. (السیرۃ النبویۃ، ذکر أزواجه ﷺ، ج: ۴، ص: ۲۹۲، ط، دار الكتاب العربی بیروت لبنان)

(۲۴۲) فی السیرۃ النبویۃ: حفصة: وتزوج رسول الله ﷺ حفصة بن عمر بن الخطاب، زوجها اياها أبوها عمر بن الخطاب. (السیرۃ النبویۃ، ذکر أزواجه ﷺ، ج: ۴، ص: ۲۹۳، ط، دار الكتاب العربی بیروت لبنان)

(۲۴۳) فی السیرۃ النبویۃ: أم حبيبة: وتزوج رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم أم حبيبة، واسمها رملة بنت أبي سفيان بن حرب، زوجها اياها خالد بن سعيد بن العاص، وهما بأرض الحبشة، وأصدقها النجاشي عن رسول الله ﷺ أربع مائة دينار، وهو الذي كان خطبها على رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم، وكانت قبله عند عبدة الله بن جحش الأسدي. (السیرۃ النبویۃ، ذکر أزواجه ﷺ، ج: ۴، ص: ۲۹۳، ط، دار الكتاب العربی بیروت لبنان)

(۸) حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا مال غنیمت کے طور پر حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حصہ میں گئی تھیں، تو انہوں نے ان سے بدل کتابت کا معاملہ کیا اور آپ ﷺ سے بدل کتابت کے سلسلہ میں مدد طلب کی، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ کیا میں تم سے اس سے بہتر معاملہ نہ رکھوں؟ پھر ارشاد فرمایا: کہ میں تمہاری بدل کتابت ادا کروں اور تم سے نکاح کر لوں، اس پر انہوں نے رضا مندی ظاہر کی، تو یہ معاملہ ہی عقد نکاح کے قائم مقام ہو گیا (۲۴۴)۔ (البدایہ والنہایہ، دار الفکر ۴/۱۵۹)

(۹) حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو مال غنیمت میں سے آپ نے مال صفی کے طور پر منتخب فرمایا تھا اور انسان کی آزادی کو مہر قرار دے کر ان کو اپنے نکاح میں لے لیا اور یہی ان کا نکاح ہوا، کسی تیسرے نے انکا نکاح نہیں کرایا، یہاں تک کہ صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کو محسوس بھی نہ ہوا کہ آپ ﷺ نے ان کو نکاح میں لیا ہے یا باندی بنایا ہے، بعد میں

(۲۴۴): فی البدایہ: عن عائشةؓ قالت: لما قسم رسول اللہ ﷺ سبايا بنی المصطلق وقعت جویریة بنت الحارث فی السهم لثابت بن قیس ابن شماس أولابن عم له فکاتبته علی نفسها، وکانت امرأة حلوة ملاحه لا یراها أحد الا أخذت بنفسه فأتت رسول اللہ ﷺ لتستعینہ فی کتابتها قالت: فواللہ ما هو الا أن رأيتها علی باب حجرتی فکرهاها وعرفت أنه سیری منها ما رأیت. فدخلت علیه فقالت یا رسول اللہ أنا جویریة بنت الحارث بن أبی ضرار سید قومه وقد أصابنی من البلاء ما لم یخف علیک فوقعت فی السهم لثابت ابن قیس بن شماس أولابن عم له فکاتبته علی نفسی فجئتک أستعینک علی کتابتی. قال: فهل لک فی خیر من ذلک؟ قالت وما هو یا رسول اللہ قال أقضی عنک کتابک وأتزوجک. قالت: نعم یا رسول اللہ قد فعلت. قالت: وخرج الخبر الی الناس أن رسول اللہ ﷺ قد تزوج جویریة بنت الحارث فقال الناس أصهار رسول اللہ ﷺ فارسلوا ما بأيديهم قالت: فلقد أعتق بتزويجه اياها مائة أهل بیت من بنی المصطلق، فما أعلم امرأة أعظم بركة علی قومها منها. (البداية والنهاية، ج: ۴، ص: ۱۵۹، ط، مكتبة المعارف بيروت لبنان)

جب پردہ کا حکم فرمایا تب صحابہ کو نکاح کا علم ہوا (۲۳۵)۔ (بخاری شریف، کتاب المغازی، باب غزوۃ ذات القراح، النسخۃ الہندیۃ ۲/۶۰۶، رقم: ۴۰۶۰، ف: ۲۲۱۳)

(۱۰) حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح قبصہ ابن عمرو نے کیا ہے (۲۳۶)۔ (سیرت ابن ہشام ۴/۵۰۰)

(۲۳۵): عن محمد بن جعفر بن أبی كثير: أخبرني حميد أنه سمع أنساً رضي الله عنه يقول: بين خيبر والمدينة ثلاث ليال بيني عليه بصفية، فدعوت المسلمين الى وليمته وما كان فيها من خبز ولا لحم وما كان فيها الا أن أمر بلالا بالأنطاع فبسطت فألقى عليها التمر والأقط والسمن. فقال المسلمون: احدى أمهات المؤمنين أو ما ملكت يمينه؟ قالوا: ان حجبها فهي احدى أمهات المؤمنين، وان لم يحجبها فهي مما ملكت يمينه ارتحل وطأ لها خلفه ومد الحجاب. (صحيح البخارى، كتاب المغازى، باب غزوة خيبر، ص: ۸۶۹، رقم: ۴۲۱۳، ط، دار السلام رياض)

وفي الجامع لاحكام القرآن: خص الله تعالى رسوله في أحكام الشريعة بمعان لم يشاركه فيها أحد. في باب الفرض والتحريم والتحليل. مزية على الأمة وهيبة له، ومرتبة خص بها، ففرضت عليه أشياء ما فرضت على غيره، وحرمت عليه أفعال لم تحرم عليهم، وحللت له أشياء لم تحلل لهم، منها متفق عليه، ومنها مختلف فيه.... وأما ما أحل له ﷺ فجملته ستة عشر:.... الحادى عشر: أنه أعتق صفية وجعل عتقها صداقها. (الجامع لاحكام القرآن، سورة الأحزاب، الآية: ۵۰، ج: ۱۷، ص: ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ط، مؤسسة الرسالة بيروت لبنان)

(۲۳۶): في السيرة النبوية: زينب بن خزيمة: وتزوج رسول الله ﷺ زينب خزيمة بن الحارث بن عبد الله بن عمرو بن عبد مناف بن هلال بن عامر بن صعصعة، وكانت تسمى أم المساكين، لرحمتها إياهم، ورقتها عليهم، وزوجه إياها قبصة بن عمرو الهلالي. الخ. (السيرة النبوية، ذكر أزواجه صلى الله تعالى عليه وسلم، ج: ۴، ص: ۲۹۵، ط، دار الكتاب العربى بيروت لبنان)

(۱۱) حضرت میمونہ بنت حارث رضی اللہ عنہا کا نکاح آپ ﷺ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کرایا ہے (۲۲۷)۔ (ابن ہشام، ۲/۵۰۰) (فتاویٰ قاسمیہ، ج: ۲، ص: ۹۴ تا ۹۶، ط، مکتبہ اشرفیہ دیوبند)



حضرت مریم و آسیہ علیہما السلام کی حضور ﷺ سے جنت میں شادی

﴿ سوال ﴾:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: فرعون کی بیوی آسیہ اور حضرت عیسیٰ کی والدہ محترمہ بی بی مریم علیہما السلام کیا یہ خاتون سرکار مدینہ کی بیوی جنت میں ہوں گی؟ جیسا کہ تفسیر ابن کثیر میں لکھا ہے، آیا یہ بات کہاں تک از روئے شرع درست ہے؟ جواب عنایت فرمائیں۔

﴿ الجواب وبالله التوفیق ﴾:

حدیث ضعیف اور بعض آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ جنت میں حضور ﷺ کی زوجیت میں آپ کی ازواج مطہرات کے علاوہ مریم بنت عمران و کلثوم اخت موسیٰ اور آسیہ فرعون کی بیوی بھی آئیں گی۔

عن أبی أمامة قال: سمعت رسول الله ﷺ يقول

لعائشة: أشعرت أن الله عز وجل زوجني في الجنة مریم بنت

عمران، و کلثوم أخت موسیٰ، وامرأة فرعون. (المعجم الكبير

(۲۲۷): فی السیرۃ النبویۃ: میمونہ بنت الحارث: وتزوج رسول الله ﷺ

میمونہ بنت الحارث بن حزن بن بجیر بن ہزم بن رویہ بن عبد اللہ بن ہلال بن عامر

بن صعصعہ، زوجہ ایاہا العباس بن عبد المطلب. (السیرۃ النبویۃ، ذکر أزواجه ﷺ، ج: ۴، ص: ۲۹۵، ط، دار الکتاب العربی بیروت لبنان)

للطبرانی، دار احیاء التراث العربی ۸ / ۲۵۸، رقم: ۸۰۰۶،
مجمع الزوائد، دارالکتب العلمیۃ بیروت ۹ / ۲۱۸)
اس روایت میں ایک راوی خالد بن یوسف ضعیف ہیں۔

وجاء فی بعض الآثار: أن مریم وآسیۃ زوجا رسول
اللہ ﷺ فی الجنة. (روح المعانی، سورة التحريم: ۱۲ جز:
۲۸، مکتبہ زکریا ۱۵ / ۱۶۵، تفسیر ابن کثیر / ۳۹۰، سورة
التحریم)

وأخرج الطبرانی عن سعد بن جنادة، قال: قال رسول
اللہ ﷺ: ان الله زوجنی فی الجنة بنت عمران، وامرأة
فرعون، وأخت موسى. (الدر المنثور، سورة التحريم: ۱۲، دار
الکتب العلمیۃ، بیروت ۶ / ۳۷۸، المعجم الكبير للطبرانی، دار
الحیاء التراث العربی ۶ / ۵۲، رقم: ۵۴۸۴) فقط واللہ سبحانہ
وتعالیٰ اعلم (فتاویٰ قاسمیہ، ج: ۲، ص: ۱۰۳، ۱۰۴، ط، مکتبہ
اشرفیہ دیوبند)



حضرت مریم علیہا السلام جنت میں حضور ﷺ کی زوجہ ہونگی

﴿ سوال ﴾:

حضرت مفتی صاحب! بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ امرأة فرعون (حضرت
آسیہؓ) کو جنت میں حضور ﷺ کی زوجہ ہونے کا شرف حاصل ہوگا کیا یہ درست ہے؟ نیز کیا
یہ فضیلت حضرت مریمؓ کو بھی حاصل ہوگی جواب بحوالہ عنایت فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔

﴿ جواب ﴾:

جس طرح فرعون کی بیوی کو جنت میں حضور ﷺ کی زوجہ بننے کا شرف حاصل ہوگا اسی طرح یہ شرف حضرت مریم کو بھی ملے گا۔

لما فی المعجم الكبير للطبرانی (۶/۶۲: طبع احیاء التراث الاسلامی)

عن سعد بن جنادة قال رسول الله ﷺ ان الله زوجني في الجنة مريم بنت عمران وامرأة فرعون وأخت موسى.

ولما فی کنز العمال للہندی (۱۱/۱۹۱: طبع رحمانیہ)

ان الله زوجني في الجنة مريم بنت عمران وامرأة فرعون وأخت موسى.

ولما فی جمع الجوامع (۱/۱۶۹: اللہیۃ المصریہ العامہ للکتاب).

ان الله عزوجل زوجني في الجنة مريم بنت عمران وامرأة فرعون وأخت موسى طب. (فتاویٰ عباد الرحمن، ج: ۱، ص: ۱۱۹، ط، ایجوکیشنل پریس کراچی)

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات اور اولاد کرام کی تفصیل

﴿سوال﴾:

- ۱: آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حرم پاک کتنے تھے؟ اور نام کیا کیا تھے؟
- ۲: آپ کے لڑکے اور لڑکیاں کتنی تھیں اور نام کیا کیا تھے؟

۳: کن کن حرم پاک سے تھے؟ کیا چھوٹی عمر میں فوت ہو گئے یا کہ شادیاں بھی ہوئیں تھیں؟

﴿ الجواب ﴾:

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نکاح میں گیارہ عورتیں آئی تھیں۔ جن میں سے دو حضرت خدیجہ الکبریٰؓ اور حضرت زینب بنت خزیمہؓ آپ کے روبرو انتقال کر گئیں۔ اور ان کے نام یہ ہیں:

- | | |
|-------------------------|--------------------------|
| ۱: حضرت خدیجہ الکبریٰؓ۔ | ۲: حضرت زینب بنت خزیمہؓ۔ |
| ۳: حضرت عائشہ صدیقہؓ۔ | ۴: حضرت حفصہؓ۔ |
| ۵: حضرت ام سلمہؓ۔ | ۶: حضرت زینب بنت جحشؓ۔ |
| ۷: حضرت ام حبیبہؓ۔ | ۸: حضرت جویریہؓ۔ |
| ۹: حضرت میمونہؓ۔ | ۱۰: حضرت صفیہؓ۔ |

۱۱: حضرت سودہؓ۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہن (۲۳۸)۔

۲: آپؐ کی مؤنث اولاد چار لڑکیاں تھیں۔ حضرت زینب، حضرت رقیہ، حضرت کلثوم، حضرت فاطمہ الزہراء رضوان اللہ تعالیٰ علیہن اجمعین۔ اور تین یا چار یا پانچ

(۲۳۸): فی السیرۃ النبویۃ: وکان جمیع من تزوج رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وسلم ثلاث عشرة: خدیجۃ بنت خویلد.... سودہ.... زینب بنت جحش.....
 ام سلمہ... حفصہ... أم حبیبہ... جویریۃ بنت الحارث... صفیۃ بنت حی...
 میمونۃ بنت الحارث... زینب بنت خزیمہ... فہؤلاء اللاتی بنی بہن رسول اللہ
 صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم احدی عشرة، فمات قبلہ منہن ثنتان: خدیجۃ بنت
 خویلد، وزینب بنت خزیمہ. وتوفی عن تسع قد ذکرنا فی أول هذا
 الحدیث. (السیرۃ النبویۃ لابن ہشام، ج: ۴، ص: ۲۹۱ تا ۲۹۵، ط، دار الکتاب العربی
 بیروت لبنان)

لڑکے تھے۔ حضرت قاسم، حضرت عبداللہ، حضرت طیب، حضرت طاہر اور حضرت ابراہیم (۲۳۹)۔ [رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین]

۳: چار اول حضرت خدیجہؓ سے تھے اور حضرت ابراہیمؓ حضرت ماریہ قبطیہؓ سے تھے جو آپ کی لونڈی تھیں۔ اور جو حضرات کہتے ہیں کہ آپ کے چار لڑکے تھے وہ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ کا دوسرا نام طیب تھا۔ الگ لڑکا نہیں تھا۔ اور جو لوگ تین کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ ہی کا تیسرا نام طاہر تھا۔ یہ تمام صاحبزادہ گان بچپن میں فوت ہو گئے تھے۔ تمام صاحبزادیاں جوان ہوئیں اور ان کی شادیاں بھی ہوئیں۔ حضرت زینبؓ کا نکاح حضرت ابوالعاص بن الربیع سے ہوا۔ حضرت رقیہؓ اور حضرت ام کلثومؓ کا عقد یکے بعد دیگرے حضرت عثمانؓ سے ہوا۔ اور حضرت فاطمہ الزہراءؓ کا نکاح حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ہوا۔ فقط والسلام۔ (خیر الفتاوی، ج: ۱، ص: ۴۶۲، ۴۶۳، ط، مکتبہ امدادیہ ملتان)



(۲۳۹): فی اسد الغابۃ: وولد له من الولد بناته کلھن، وأولاده الذکور کلھم من خدیجۃ الابرہیم، فأما البنات فزینب ورقیۃ وأم کلثوم وفاطمۃ. رضی اللہ تعالیٰ عنھن. وأما الذکور فالقاسم، وبہ کان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یکنی، والطاہر والطیب وقیل: القاسم والطاہر، وعبداللہ وهو الطیب، لأنه ولد فی الاسلام، وقیل: القاسم وعبداللہ وهو الطاہر والطیب، فمات القاسم بمکۃ وهو أول من مات من ولده. (اسد الغابۃ، ذکر تزوج رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، ج: ۱، ص: ۱۲۴، ط، دار الکتب العلمیۃ بیروت لبنان)

وفی طبقات الکبیر: وولد ماریۃ لرسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، غلاماً فسماه ابراہیم. (کتاب الطبقات الکبیر، ذکر ابراہیم ابن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تسلیماً، ج: ۱، ص: ۱۱۲)

حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ کیسے ہوا جبکہ آپ مکہ میں ہی تھیں؟

﴿ سوال ﴾:

کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح عمرۃ القضاء کے سفر میں ہوا تو ان کا نکاح کس نے پڑھایا اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پیغام نکاح لے کر کس کو بھیجا تھا یہ نکاح حدود حرم سے دس کلومیٹر اور مسجد حرام سے ۱۶ کلومیٹر کے فاصلہ پر ہوا۔ حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ نہیں تھیں، بلکہ وہ مکہ ہی میں تھیں، اس وقت انہوں نے ہجرت نہیں کی تھی اور مکہ ہی ان کے شوہر کا انتقال ہو گیا تھا، انہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا، تو جب وہ مکہ ہی میں تھیں، تو مقام سرف میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مکہ میں داخل ہونے سے پہلے ان کا نکاح کیسے ہوا؟

﴿ الجواب وبالله التوفیق ﴾:

حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پڑھایا، اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پیغام نکاح لیکر حضرت میمونہ کے پاس مکہ میں حضرت جعفر بن ابی طالب کو بھیجا تھا، اور حضرت میمونہ نے اپنے نکاح کا معاملہ اپنی بہن ام الفضل کے سپرد کر دیا تھا، پھر ام الفضل نے اپنے شوہر حضرت عباس کو یہ معاملہ نکاح سپرد کر دیا تھا، اس کے بعد حضرت عباس نے مقام سرف تشریف لے کر حضرت میمونہ کا نکاح آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ کر دیا تھا، جبکہ حضرت میمونہ مکہ ہی میں مقیم تھیں۔

وتزوجها رسول اللہ فی ذی القعدة سنة سبع لما

اعتمر عمرۃ القضاء فیقال: أرسل جعفر بن أبی طالب

یخطبها فأذنت للعباس فزوجها منه ویقال ان العباس وصفها

له فقال قد تأيمت من أبى دهم فتزوجها. (الاصابة، دار الكتب العلمية بيروت ٢٦٣٩ / ٤)

تزوجها رسول الله [صلى الله تعالى عليه وسلم] بعد زوجها سنة سبع في عمرة القضاء في ذى القعدة فأرسل رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم جعفر بن أبى طالب اليها فخطبها فجعلت أمرها الى العباس بن عبدالمطلب فتزوجها من رسول الله وقيل: بل العباس قال: لرسول الله ان ميمونة بنت الحارث قد تأيمت من أبى دهم بن عبدالعزى هل أن تزوجها؟ فتزوجها رسول الله. (اسد الغابه، دار الفكر ٢٧٣ / ٦)

عن ابن عباس أن رسول الله تزوج ميمونة بنت الحارث في سفره ذلك وهو حرام وكان الذى زوجها اياها العباس بن عبدالمطلب، قال ابن هشام: كانت جعلت أمرها الى أختها أم الفضل فجعلت ام الفضل أمرها الى زوجها العباس فتزوجها رسول الله وأصدقها عنه أربع مئة درهم. (البداية والنهاية، دار الفكر ٧٦ / ٤، ومثله فى الاستيعاب رقم الترجمة ٣٥٣٣ باب النساء وكناهن ٤ / ٤٦٨) فقط والله تعالى اعلم. (فتاوى قاسميه، ج: ٢، ص: ٣٦٢، ٣٦٣، ط، مكتبه اشرفيه ديوبند الهند)



﴿ سوال ﴾ :

(جواب):

بہر حال آپ کے دوست گرامی چند اصولی باتیں ذہن میں رکھیں تو مجھے توقع ہے کہ ان کے خدشات زائل ہو جائیں گے۔

۱۔۔۔ سب سے پہلے یہ عرض کر دینا ضروری ہے کہ دین کے مسائل کو خوش طبعی اور انہی مذاق کا موضوع بنانا نہایت ہی خطرناک مرض ہے۔ آدمی کو شدت کے ساتھ ان سے پرہیز

کرنا چاہئے، خصوصاً آنحضرت ﷺ کی ذات گرامی (جو اہل ایمان کا مرجع عقیدت ہی نہیں، مدار ایمان بھی ہے)، آپ کے بارے میں لب کشائی تو کسی مسلمان کے لئے کسی طرح بھی روا نہیں۔ قرآن کریم میں ان منافقوں کا واقعہ ذکر کیا گیا ہے جو اپنی نجی محفلوں میں رسول اقدس ﷺ کو، قرآن کی آیات شریفہ کو طنز و مذاق کا نشانہ بناتے تھے، جب ان سے باز پرس کی جاتی تو کہہ دیتے: ”اجی! ہم تو بس یونہی دل لگی اور خوش طبعی کی باتیں کر رہے تھے۔“ ان کے اس ”عذر گناہ، بدتر از گناہ“ کے جواب میں ارشاد ہے: ”کیا تم اللہ تعالیٰ سے، اس کی آیات سے اور اس کے ساتھ دل لگی کرتے تھے؟ بہانہ نہ بناؤ، تم نے دعویٰ ایمان کے بعد کفر کیا ہے!“ (التوبہ: ۶۵، ۶۶)۔

اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ آیات الہیہ کو اور آنحضرت ﷺ کی ذات عالی کو دل لگی اور خوش طبعی کا موضوع بنانا کتنا خطرناک ہے، جسے قرآن کریم کفر قرار دیتا ہے! اس لئے ہر مسلمان سے، جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان ہو، میری ملتجیانہ درخواست ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے کسی قول و فعل کو اپنے ظریفانہ تبصروں کو موضوع بنانے سے مکمل پرہیز کریں، ایسا نہ ہو کہ غفلت میں کوئی غیر محتاط لفظ زبان سے نکل جائے اور متاع ایمان برباد ہو کر رہ جائے، نعوذ باللہ من ذلک!

۲.... ایک بنیادی غلطی یہ ہے کہ بہت سے لوگ آنحضرت ﷺ کی بلند و بالا ہستی کو اپنی سطح پر غور و فکر کرتے ہیں اور جب آنحضرت ﷺ کی کوئی بات اپنی ذہنی سطح سے اونچی دیکھتے ہیں تو ان کا ذہن اسے قبول کرنے پر آمادہ نہیں ہوتا، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو جو مقام و مرتبہ عطا فرمایا ہے اور جن کمالات و خصوصیات سے آپ کو نوازا ہے وہ ہمارے فہم و ادراک کی حد سے ماورا ہے، وہاں تک کسی جن و ملک کی رسائی ہے، نہ کسی

(۲۵۰): قال اللہ تبارک و تعالیٰ: ولئن سالتہم ليقولن انما کنا نخوض ونلعب

قل اباللہ وایثہ ورسولہ کنتم تستہزءون. لاتعتذروا قد کفرتم بعد ایمانکم. (سورۃ

نبی مرسل کی، جہاں جبریل امین کے پر جلتے ہوں، وہاں ماوشما کی عقلی تگ و دو کی کیا مجال ہے! آپ کے دوست بھی اسی بنیادی غلطی میں مبتلا نظر آتے ہیں۔ اگر وہ آپ ﷺ کے معاملات سے نا پتے تو انہیں کوئی حیرت نہ ہوتی کہ آنحضرت ﷺ اپنی بے پناہ مصروفیات کے باوجود اتنی بیویوں کے حقوق کیسے ادا فرماتے تھے۔ اہل نظر جانتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کی ہر ادا اپنے اندر اعجاز کا پہلو رکھتی ہے، آنحضرت ﷺ نے ایک مختصر سے قلیل عرصے میں بتوفیق خداوندی انسانی زندگیوں میں جو انقلاب برپا کیا اور امت کو روحانی و مادی کمالات کی جس اوج ثریا پر پہنچا دیا، کیا ساری امت مل کر بھی اس کارنامہ کو انجام دے سکتی ہے؟ آنحضرت ﷺ کی کوئی بات ایسی ہے جو اپنے اندر حیرت انگیز اعجاز نہیں رکھتی، ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہما کے الفاظ میں: ”آپ کا کون سا معاملہ عجیب نہیں تھا“ (۲۵۱)!

۳:.... آپ کے دوست کو یہ نکتہ بھی فراموش نہیں کرنا چاہئے کہ محض عقلی احتمالات یا حیرت و تعجب کے اظہار سے کسی حقیقت یا واقعے کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔ مثلاً: ایک شخص سر کی

(۲۵۱): أخرج عبد بن حميد، وابن أبي الدنيا في التفكير، وابن المنذر، وابن حبان في صحيحه وابن مردويه، والأصبهاني في الرغيب، وابن عساكر، عن عطاء قال: قلت لعائشة: أخبريني بأعجب ما رأيت من رسول الله ﷺ. قالت: وأى شأنه لم يكن عجباً! إنه أتاني ليلة فدخل معي في لحافى، ثم قال: ذرينى أتعبد لربى. فقام فتوضأ، ثم قال يصلى، فبكى حتى سالت دموعه على صدره، ثم ركع فبكى، ثم سجد فبكى، ثم رفع رأسه فبكى، فلم يزل كذلك حتى جاء بلال فأذنه بالصلاة، فقلت: يا رسول الله، ما يبكيك وقد غفر الله لك ما تقدم من ذنبك وما تأخر؟ قال أفلا أكون عبداً شكوراً، ولم لا أفعل وقد أنزل على هذه الليلة: ﴿ان في خلق السماوات والارض واختلاف الليل والنهار آيات لأولى الالباب﴾ الى قوله: ﴿سبحانك فقنا عذاب النار﴾. ثم قال: ويل لمن قرأها ولم يتفكر فيها. (الدر المنثور في التفسير بالمأثور، سورة آل عمران، الآية: ۱۹۱، ط، ج: ۴، ص: ۱۸۱)

آنکھوں سے سورج نکلا ہوا دیکھ رہا ہے، اس کے برعکس ایک ”حافظ جی“ محض عقلی احتمالات کے ذریعہ اس کھلی حقیقت کا انکار اور اس پر حیرت و تعجب کر رہا ہے۔ اہل عقل اس ”حافظ جی“ کی عقل و فہم کی داد نہیں دیں گے بلکہ اسے اندھا ہونے کے ساتھ ساتھ ضدی اور ہٹ دھرم بھی قرار دیں گے۔ ٹھیک اسی طرح سمجھئے کہ آنحضرت ﷺ کا ازواج مطہرات کے حقوق نہایت عدل و انصاف کے ساتھ ادا کرنا ایک حقیقت واقعہ ہے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ: آنحضرت ﷺ جب دنیا سے تشریف لے گئے اس وقت آپ کے یہاں نو بیویاں تھیں، ان میں آٹھ کے یہاں باری باری شب باشی فرماتے تھے (حضرت سودہؓ نے اپنی باری حضرت عائشہؓ کو دے رکھی تھی، اس لئے ان کے یہاں شب باشی نہیں فرماتے تھے) (صحیح بخاری و مسلم، مشکوٰۃ ص: ۲۷۹) (۲۵۲)۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: آنحضرت ﷺ نہایت عدل و انصاف کے ساتھ ازواج کے حقوق ادا فرماتے تھے اور پھر یہ دعا کرتے تھے: ”یا اللہ! جو بات میرے اختیار میں ہے اس میں تو پورا عدل و انصاف سے برتاؤ کرتا ہوں، اور جو چیز آپ کے اختیار میں ہے، میرے اختیار میں نہیں (یعنی کسی بی بی کی طرف دل کا زیادہ میلان) اس میں مجھے ملامت نہ کیجئے!“ (ترمذی، ابوداؤد، انسائی، ابن ماجہ، داری، مشکوٰۃ ص: ۲۷۹) (۲۵۳)۔

(۲۵۲): عن ابن عباسؓ ان رسول اللہ ﷺ قبض عن تسع نسوة وکان یقسم

منهن لثمان. متفق علیہ.

وعن عائشةؓ ان سودةؓ کما کبرت قالت: یا رسول اللہ! قد جعلت یومی منک

لعائشةؓ، فکان رسول اللہ یقسم لعائشةؓ یومین، یومها ویوم سودة. متفق علیہ. (مشکوٰۃ

المصابیح، کتاب النکاح، باب القسم، الفصل الاول، ص: ۲۷۹، ط، قدیمی کتب خانہ

کراچی)

(۲۵۳): عن عائشةؓ ان النبی ﷺ کان یقسم بین نسائه فیعدل ویقول: اللہم

هذا قسمی فیما أملك فلا تلمنی فیما تملك ولا أملک. رواه الترمذی وأبو داؤد

اس قسم کی بہت سی احادیث صحابہ کرام اور خود امہات المؤمنین رضوان اللہ علیہم اجمعین سے مروی ہیں، گویہ یہ ایک طے شدہ حقیقت ہے کہ آنحضرت ﷺ نہ صرف ازواج مطہرات کے حقوق ادا فرماتے تھے، بلکہ اس میں آپ نے عدل و انصاف کا اعلیٰ ترین معیار قائم کر کے دکھایا، خود ارشاد فرماتے تھے:

”تم میں سب سے بہتر وہ شخص ہے جو اپنے گھر والوں کے لئے سب سے بہتر ہو، اور میں اپنے گھر والوں کے لئے تم سب سے بہتر ہوں!“ (ترمذی، داری، ابن ماجہ، مشکوٰۃ ص: (۲۸۱) (۲۵۴)۔

اب اس ثابت شدہ حقیقت پر حیرت و تعجب کا اظہار کرنا اور اس سے انکار کی کوشش کرنا اس پر وہی ”حافظ جی“ کی مثال صادق آتی ہے جو آنکھیں بند کر کے محض عقلی احتمالات کے ذریعہ طلوع آفتاب کی نفی کی کوشش کر رہا ہے۔

۴:۔۔۔ اور اگر آپ کے دوست کو اس بات کا شبہ ہے کہ امت کے لئے چار تک شادیوں کی اجازت ہے تو آنحضرت ﷺ کے لئے چار سے زائد شادیاں کیسے جائز تھیں؟ تو ان کو معلوم ہونا چاہئے کہ آنحضرت ﷺ کے لئے اللہ تعالیٰ نے بہت سے خصوصی احکام دیئے تھے، جن کو اہل علم کی اصطلاح میں ”خصائص نبوی“ کہا جاتا ہے۔ حافظ سیوطی نے ”الخصائص الکبریٰ“ میں، حافظ ابو نعیم نے ”دلائل النبوة“ میں اور علامہ قسطلانی

والنسائی وابن ماجہ والدارمی. (مشکاة المصابیح، کتاب النکاح، باب القسم، الفصل الثانی، ص: ۲۷۹، ط، قدیمی کتب خانہ کراچی)

(۲۵۴): وعنہا (أی عائشةؓ) قالت: قال رسول اللہ ﷺ: خیرکم خیرکم

لأہلہ، وأنا خیرکم لأہلی. رواہ الترمذی والدارمی ورواہ ابن ماجہ عن ابن عباسؓ.

(مشکاة المصابیح، کتاب النکاح، باب عشرة النساء، الفصل الثانی، ص: ۲۸۱، ط،

قدیمی کتب خانہ کراچی)

نے ”مواہب لدنیہ“ میں ان ”خصائص“ کا اچھا خاصا ذخیرہ جمع کر دیا ہے (۲۵۵)۔ نکاح کے معاملے میں بھی آنحضرت ﷺ کی متعدد خصوصیات تھیں جن کو سورۃ احزاب کے چھٹے

(۲۵۵): فی الجامع لاحکام القرآن: خص الله تعالى رسوله في أحكام الشريعة بمعان لم يشاركه فيها أحد. في باب القرض والتحريم والتحليل. مزية على الأمة وهيبة له، ومرتبة خص بها، ففرضت عليه أشياء ما فرضت على غيره، وحرمت عليه أفعال لم تحرم عليهم، وحللت له أشياء لم تحلل لهم، منها متفق عليه، ومنها مختلف فيه.

فاما ما فرض عليه فتسعة: الأول التهجّد بالليل، يقال: ان قيام الليل كان واجبا عليه الى أن مات، لقوله تعالى: ﴿ياايها المزمّل. قم آلّيل﴾ الآية [المزمّل: ۲، ۱]. والمنصوص أنه كان واجباً عليه ثم نسخ بقوله تعالى: ﴿ومن آلّيل فتتجد به نافلة لك﴾ [الاسراء: ۷۹] وسيأتى: الثانی: الضحی. الثالث: الأضحی. الرابع: الوتر، وهو يدخل فی قسم التهجّد. الخامس: السواک. السادس: قضاء دين من مات معسراً. السابع: مشاورۃ ذوی الأحلام فی غیر الشرائع. الثامن: تخيير النساء. التاسع: اذا عمل عملاً أثبتته. زاد غيره: وكان يجب عليه اذا رأى منكراً أنكره وأظهره، لأن اقراره لغيره على ذلك يدل على جوازه، ذكر صاحب البيان.

وأما ما حرم عليه فجملته عشرة: الأول: تحريم الزكاة عليه وعلى آله. الثاني صدقة التطوع عليه، وفي آله تفصيل باختلاف. الثالث: خائنة الأعين، وهو أن يظهر خلاف ما يضمّر، أو ينخدع عما يجب. وقد ذم بعض الكفار عند اذنه، ثم ألان له القول عند دخوله. الرابع: حرم عليه اذا ليس لأمته أن يخلعها عنه، أو يحكم الله بينه وبين محاربه. الخامس: الأكل متكئاً. السادس: أكل الأطعمة الكريهة الزائحة. السابع: التبدل بأزواجه، وسيأتى. الثامن نكاح امرأة تكره صحبتها. التاسع نكاح الحرة الكابية. العاشر: نكاح الأمة.

وحرم الله عليه أشياء لم يحرمها على غيره تنزيهاً له وتطهيراً. فحرم عليه الكتابة وقول الشعر وتعليمه، تأكيداً لحجته وبياناً لمعجزته، قال الله تعالى: ﴿وما

رکوع میں اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے۔ ان میں سے ایک خصوصیت یہ تھی کہ آپ کے لئے چار سے زائد شادیوں کی اجازت تھی۔

ایک یہ کہ آپ ﷺ کے لئے اپنے پدری و مادری خاندان کی خواتین میں سے صرف اس سے نکاح کرنا جائز تھا جنہوں نے مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ ہجرت کی ہو، آپ ﷺ کے خاندان کی جن عورتوں نے ہجرت نہیں کی تھی ان سے آپ ﷺ کا نکاح

کنت تتلوا من قبله من کتاب ولا یخطه بيمينک ﴿[العنکبوت: ۲۸]﴾. وذكر النقاش أن النبی ﷺ ما مات حتی کتب، والأول هو المشهور. وحرم علیه أن یمد عينیه الى ما متع به الناس، قال الله تعالى: ﴿ولا تمدن عينیک الى ما متعنا به أزواجاً منهم﴾ الآية [طه: ۱۳۱].

وأما ما أحل له ﷺ فجملته ستة عشر: الأول صفی المغنم. الثاني: الاستبداد بخمس الخمس أو الخمس. الثالث: الوصال. الرابع: الزيادة على أربع نسوة. الخامس: النکاح بلفظ الهبة. السادس: النکاح بغير ولی. السابع: النکاح بغير صداق. الثامن: نکاحه فی حالة الاحرام. التاسع: سقوط القسم بين الأزواج عنه، وسيأتی. العاشر: اذا وقع بصره على امرأة وحب على زوجها طلاقها، وحل له نکاحها، قال ابن العربی: هكذا قال امام الحرمین، وقد مضى ما للعلماء فی قصة زيد من هذا المعنى. الحادى عشر: أنه أعتق صفيه وجعل عتقها صداقها. الثاني عشر: دخوله مكة بغير احرام. وفي حقنا فيه اختلاف. الثالث عشر: القتال بمكة. الرابع عشر: أنه لا یورث. وانما ذکر هذا فی قسم التحلیل لأن الرجل اذا قارب الموت بالمرض زال عنه أكثر ملکه، ولم یبق له الا الثلث خالصاً وبقي ملک رسول الله ﷺ بعد موته، على ما تقرّر بیانه فی آية الموارث، وفي سورة مريم بیانه أيضاً. الخامس عشر: بقاء زوجيته من بعد الموت. السادس عشر: اذا طلق امرأة تبقى حرمتہ علیها فلا تنکح. (الجامع لاحکام القرآن، سورة الأحزاب، الآية: ۵۰، ج: ۱۷،

جائز نہیں تھا۔ ایک خصوصیت یہ تھی کہ اگر کوئی خاتون مہر کے بغیر آپ کے عقد میں آنے کی پیشکش کرے اور آپ اس کو قبول فرمائیں تو بغیر مہر کے آپ کا عقد صحیح تھا (۲۵۶)، جبکہ امت کے لئے نکاح میں مہر کا ہونا ضروری ہے۔ اگر زوجین نے یہ شرط کر لی ہو کہ مہر نہیں ہوگا، تب بھی ”مہر مثل“ لازم آئے گا۔

(۲۵۶): قال اللہ تبارک وتعالیٰ: یا ایہا النبی انا أحللنا لك أزواجک التي اتیت اجورهن وماملکت یمینک مما آفأ اللہ علیک وبنّت عمک وبنّت عمّتک وبنّت خالک وبنّت خلّتک التي هاجر ن معک وامرأة مؤمنة ان وهبت نفسها للنبی ان اراد النبی ان یستکحها خالصة لك من دون المؤمنین قد علمنا ما فرضنا علیهم فی ازواجهم وما ملکت ایمانهم لکیلا یكون علیک حرج وکان اللہ غفورا رحيما. (سورة الاحزاب: ۵۰)

وفی تفسیر ابن کثیر: قال الشافعی: وقد دلت سنة رسول اللہ ﷺ المبینة عن اللہ أنه لا یجوز لأحد غیر رسول اللہ ﷺ أن یجمع بین أكثر من أربع نسوة. وهذا الذی قاله الشافعی رحمه اللہ، مجمع علیه بین العلماء، الا ما حکى عن طائفة من الشیعة أنه یجوز الجمع بین أكثر من أربع الی تسع. وقال بعضهم: بالاحصر. وقد یتمسک بعضهم بفعل النبی ﷺ فی جمعه بین أكثر من أربع الی تسع كما ثبت فی الصحیحین، وأما احدى عشرة كما جاء فی بعض ألفاظ البخاری. وقد علقه البخاری، وقد روينا عن أنس رسول اللہ ﷺ تزوج بخمس عشرة امرأة، ودخل منهن بثلاث عشر، واجتمع عنده احدى عشرة ومات عن تسع. وهذا عند العلماء من خصائص رسول اللہ ﷺ دون غیره من الأمة. (تفسیر ابن کثیر، سورة النساء، الآية: ۳، ج: ۲، ص: ۲۰۹، ط، دار طيبة)

وفی الجامع لاحکام القرآن: اعلم أن هذه العدد: مثنی وثلاث، ورباع، لا یدل علی اباحة تسع، كما قاله من بعد فهمه للکتاب والسنة... وأما ما أبیح من ذلك للنبی ﷺ، فذلك من خصوصياته، علی ما یأتی بیانه فی الاحزاب. (الجامع لاحکام القرآن، سورة النساء: ۳، ج: ۶، ص: ۳۳، ۳۴، ط، مؤسسة الرسالة بیروت لبنان)

آپ ﷺ کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ بیویوں کے درمیان برابری کرنا آپ کے ذمہ ضروری نہیں تھا (اس کے باوجود آپ ازواج مطہرات کے درمیان برابری اور عدل و انصاف کی پوری رعایت فرماتے تھے، جیسا کہ اوپر عرض کر چکا ہوں) (۲۵۷)۔

وفی الدر المنثور: وأخرج ابن المنذر عن الشعبي في الآية قال: رخص له في بنات عمه، وبنات عماته، وبنات خاله، وبنات خالاته، اللاتي هاجرن معه، أن يتزوج منهن، ولا يتزوج من غيرهن، ورخص له في امرأة مؤمنة أن وهبت نفسها للنبي ﷺ. (الدر المنثور في التفسير بالمأثور، سورة الأحزاب، الآية: ۵۰، ج: ۱۲، ص: ۸۴)

وفی الجامع لأحكام القرآن: لا يحل لك منهن الا من هاجر الى المدينة، لقوله تعالى: ﴿والذين آمنوا ولم يهاجروا مالكم من وليتهم من شيء حتى يهاجروا﴾ [الأنفال: ۷۲] ومن لم يهاجر لم يكمل، ومن يكمل لم يصلح للنبي ﷺ الذي كمل وشرف وعظم ﷺ. (الجامع لأحكام القرآن، سورة الأحزاب، الآية: ۵۰، ج: ۱۷، ص: ۱۸۱، ط، مؤسسة الرسالة بيروت لبنان)

وفی الدر المنثور: وأخرج عبد الرزاق، وعبد بن حميد وعن ابن شهاب قال: لا يحل لرجل أن يهب ابنته بغير صداق، قد جعل الله ذلك للنبي صلى الله تعالى عليه وسلم خاصة دون المؤمنين. (الدر المنثور في التفسير بالمأثور، سورة الأحزاب، الآية: ۵۰، ج: ۱۲، ص: ۸۸)

وفی التفسير المأمون: قال قتادة: ليس لامرأة أن تهب نفسها بغير أمر ولي ولا مهر، الا للنبي، كانت له خالصة من دون الناس. (التفسير المأمون، سورة الأحزاب، الآية: ۵۰، ج: ۶، ص: ۱۹۵)

(۲۵۷): قال الله تبارك وتعالى: ترجى من تشاء منهن وتؤى اليك من تشاء ومن ابتغيت ممن عزلت فلا جناح عليك ذلك ادنى ان تقر اعينهن ولا يحزن ويرضين بما آتيتهن كلهن والله يعلم ما فى قلوبكم وكان الله عليما حلما. (سورة الاحزاب: ۵۱)

وفی الجامع لأحكام القرآن: واختلف العلماء في تأويل هذه الآية، وأصح ما

جبکہ امت کے وہ افراد جن کے عقد میں دو یا زیادہ بیویاں ہوں، ان کے ذمہ بیویوں کے درمیان برابری رکھنا فرض ہے، چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ:

”جس کی دو بیویاں ہوں اور وہ ان کے درمیان عدل اور برابری نہ کرے وہ قیامت کے دن ایسی حالت میں آئے گا کہ اس کا ایک پہلو مفلوج ہوگا۔“ (ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، دارمی، مشکوٰۃ ص: ۲۷۹) (۲۵۸)۔

الغرض! نکاح کے معاملے میں بھی آپ ﷺ کی بہت سے خصوصیات تھیں، اور بیک وقت چار سے زائد بیویوں کا جمع کرنا بھی آپ کی انہی خصوصیات میں شامل ہے، جس

قيل فيها: التوسعة على النبي ﷺ في ترك القسم، فكان لا يجب عليه القسم بين زوجاته. وهذه القول هو الذي يناسب ما مضى، وهو الذي ثبت معناه في الصحيح عن عائشة رضي الله عنها، قالت: كنت أغار على اللاتي وهبن أنفسهن لرسول الله ﷺ وأقول: أوتهب المرأة نفسها لرجل؟ فلما أنزل الله عز وجل: ﴿ترجى من تشاء منهم وتؤى اليك من تشاء ومن ابتغيت ممن عزلت﴾ قالت: قلت: والله ما أرى ربك الا يسارع في هواك. قال ابن العربي: هذا الذي ثبت في الصحيح هو الذي ينبغي أن يعول عليه. والمعنى المراد: هو أن النبي ﷺ كان مخيراً في أزواجه، ان شاء أن يقسم قسم، وان شاء أن يترك القسم ترك. فخص النبي ﷺ بأن جعل الأمر اليه فيه، لكنه كان يقسم من قبل نفسه دون فرض ذلك عليه، تطيباً لنفوسهن، وصونا لهن عن أقوال الغيرة التي ترقى الى ما لا ينبغي. (الجامع لاحكام القرآن، سورة الأحزاب، الآية: ۵۱، ج: ۱۷، ص: ۱۹۰، ط، مؤسسة الرسالة بيروت لبنان)

(۲۵۸): عن أبي هريرة عن النبي ﷺ قال اذا كانت عند الرجل امرأتان فلم يعدل بينهما جاء يوم القيامة وشقه ساقط رواه الترمذی وأبوداؤد والنسائی وابن ماجة والدارمی. (مشكاة المصابيح، كتاب النكاح، باب القسم، الفصل الثاني، ص: ۲۷۹، ط، قديمی کتب خانہ کراچی)

کی تصریح خود قرآن مجید میں موجود ہے۔

حافظ سیوطیؒ ”خصائص کبریٰ“ میں لکھتے ہیں کہ: شریعت میں غلام کو صرف دو شادیوں کی اجازت ہے، اور اس کے مقابلے میں آزاد آدمی کو چار شادیوں کی اجازت ہے، جب آزاد کو بمقابلہ غلام کے زیادہ شادیوں کی اجازت ہے، تو پھر آنحضرت ﷺ کو عام افراد امت سے زیادہ شادیوں کی کیوں اجازت نہ ہوتی (۲۵۹)؟

متعدد انبیاء کرام علیہم السلام ایسے ہوئے ہیں جن کی چار سے زیادہ شادیاں تھیں، چنانچہ حضرت داؤد علیہ السلام کے بارے میں منقول ہے کہ ان کی سو بیویاں تھیں (۲۶۰)، اور صحیح بخاری (ج: ۱ ص: ۳۹۵) میں ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی سو یا ننانوے بیویاں تھیں۔ بعض روایات میں کم و بیش تعداد آئی ہے۔ فتح الباری میں حافظ ابن حجرؒ نے ان روایات میں تطبیق کی ہے اور وہب بن منبہ کا قول نقل کیا ہے کہ سلیمان علیہ السلام کے یہاں تین سو بیویاں اور سات سو کنیریں تھیں۔ (فتح الباری ج: ۶ ص: ۲۶۰) (۲۶۱)۔

(۲۵۹): فی الخصائص الکبری: قال العلماء: لما کان الحر لفضله علی العبد یتبیح من النسوة أكثر مما یتبیحه العبد وجب أن یکون النبی ﷺ لفضله علی جمیع الأمة یتبیح من النساء أكثر مما یتبیحه الأمة. (الخصائص الکبری، باب اختصاصه ﷺ بنکاح أكثر من أربع نسوة وهو اجماع، ج: ۳، ص: ۲۹۸، ط، دار الکتب الخدیثة)

(۲۶۰): فی البدایة: ما أتى الله سلیمان ابن داود كانت له الف امرأة سبع مائة مہریة وثلاث مائة سریة وكانت لداود علیہ السلام مائة امرأة. (البدایة والنهاية، ج: ۲، ص: ۱۵، ط، مكتبة المعارف بیروت لبنان)

وفی روح المعانی: ذکر أنه کان لسلیمان علیہ السلام ثلاث مائة امرأة مہریة وسبع مائة وأنه کان لداود علیہ السلام مائة امرأة. (روح المعانی، سورة الرعد، الآية: ۳۸، ج: ۱۳، ص: ۱۶۸، ط، دار احیاء التراث العربی بیروت لبنان)

(۲۶۱): عن عبد الرحمن بن هرم قال: سمعت أبا هريرة رضي الله عنه، عن

بائبل میں اس کے برعکس ذکر کیا ہے کہ سلیمان علیہ السلام کی سات سو بیویاں اور تین سو کنیریں تھیں (سلاطین، ۱۱-۳) ظاہر ہے کہ یہ حضرات ان تمام بیویوں کے حقوق ادا کرتے ہوں گے، اس لئے آنحضرت ﷺ کا نواز واج مطہرات کے حقوق ادا کرنا ذرا بھی محل تعجب نہیں!

رسول اللہ ﷺ قال: سليمان بن داود عليهما السلام: لأطوفن الليلة على مائة امرأة أو تسع وتسعين، كلهن يأتي بفارس يجاهد في سبيل الله. فقال له صاحبه: قل: ان شاء الله، فلم يقل: ان شاء الله، فلم تحمل منهن الا امرأة جاءت بشق رجل. والذي نفس محمد بيده لو قال: ان شاء الله، لجاهدوا في سبيل الله فرساناً أجمعون. (صحيح البخاري، كتاب الجهاد والسير، باب من طلب الولد للجهاد، ص: ۵۷۳، رقم: ۲۸۱۹، ط، دار السلام رياض)

عن الأعرج عن أبي هريرة عن النبي ﷺ قال: قال سليمان بن داود: لأطوفن الليلة على سبعين امرأة تحمل كل امرأة فارساً يجاهد في سبيل الله. فقال له صاحبه: ان شاء الله. فلم يقل، فلم تحمل شيئاً الا واحداً ساقطاً أحد شقيه. فقال النبي ﷺ: لو قالها لجاهدوا في سبيل الله. قال شعيب وابن أبي الزناد: تسعين، وهو أصح. وفي الفتح تحت هذا الحديث: قوله (على سبعين امرأة) كذا هنا من رواية مغيرة، وفي رواية شعيب كما سيأتي في الأيمان والندور "فقال تسعين" وقد ذكر المصنف ذلك عقب هذا الحديث ورجح تسعين بتقديم المثناة على سبعين وذكر أن ابن أبي الزناد رواه كذلك. قلت: وقد رواه سفيان بن عيينة عن أبي الزناد فقال: "سبعين" وسيأتي في كفارة الأيمان من طريقه. ولكن رواه مسلم عن ابن أبي عمر عن سفيان فقال "سبعين" بتقديم السين، وكذا هو في مسند الحميدي، عن سفيان، وكذا أخرجه مسلم من رواية ورقاء عن أبي الزناد، وأخرجه الاسماعيلي والنسائي وابن حبان من طريق هشام بن عروة عن أبي الزناد قال "مائة امرأة" وكذا قال طاؤس عن أبي هريرة كما سيأتي في الايمان والندور، من رواية معمر، وكذا قال أحمد عن عبد الرزاق من رواية هشام بن حجير عن طاؤس "تسعين" وسيأتي

۵: ... آنحضرت ﷺ کی خصوصیات کے بارے میں یہ نکتہ بھی فراموش نہیں کرنا چاہئے کہ متعدد احادیث سے ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ کو چالیس جنتی مردوں کی طاقت عطا کی گئی تھی، اور ہر جنتی کو سو آدمیوں کی طاقت عطا کی جائے گی۔ اس حساب سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں چار ہزار مردوں کی طاقت تھی۔ (فتح الباری ج: ۱ ص: ۳۷۸) (۲۶۲)۔

فی کفارة الأيمان، ورواه مسلم عن عبد بن حميد عن عبد الرزاق فقال "سبعين" و
سيأتي في التوحيد من رواية أيوب عن ابن سيرين عن أبي هريرة "كان لسليمان
ستون امرأة" ورواه أحمد وأبو عوانة من طريق هشام عن ابن سيرين فقال "مائة
امرأة وكذا قال عمران بن خالد عن ابن سيرين عند ابن مردويه، وتقدم في الجهاد من
طريق جعفر بن ربيعة عن الأعرج فقال "مائة امرأة أو تسع وتسعون على الشك
فمحصل الروايات ستون وسبعون وتسعون وتسع وتسعون ومائة، والجمع بينها أن
الستين كن حرائر وما زاد عليهن كن سراري أو بالعكس، وأما السبعون فللمبالغة،
وأما التسعون والمائة فكن دون المائة وفوق التسعين فمن قال تسعون ألغى الكسر
ومن قال مائة جبره ومن ثم وقع التردد في رواية جعفر، وأما قول بعض الشراح: ليس
في ذكر القليل نفى الكثير وهو من مفهوم العدد وليس بحجة عند الجمهور فليس
بكاف في هذا المقام، وذلك أن مفهوم العدد معتبر عند كثيرين. والله أعلم. وقد
حكى وهب بن منبه في المبتداء أنه كان لسليمان ألف امرأة ثلاثمائة مهرة وسبعمائة
سرية، ونحوه مما أخرج الحاكم في المستدرک من طريق أبي معشر عن محمد بن
كعب قال: بلغنا أنه كان لسليمان ألف بيت من قوارير على الخشب فيها ثلاثمائة
صريحة وسبعمائة سرية. (فتح الباری بشرح صحيح البخاری، کتاب الأنبياء، باب قوله
عز وجل: ﴿ووهبنا لداود سليمان نعم العبد انه أواب﴾، ج: ۶، ص: ۵۳۱، رقم: ۳۴۲۴)
(۲۶۲): عن أنس بن مالك قال: كان النبي ﷺ يدور على نسائه في الساعة
الواحدة من الليل والنهار وهن إحدى عشرة. قلت لأنس: أو كان يطيقه؟ قال كنا

جب امت کے ہر مریل سے مریل آدمی کو چار تک شادیاں کرنے کی اجازت ہے تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے جن میں چار ہزار مردوں کی طاقت ودیعت کی گئی تھی، کم از کم سولہ ہزار شادیوں کی اجازت ہونی چاہئے تھی.....!

۶:.... اس مسئلہ پر ایک دوسرے پہلو سے بھی غور کرنا چاہئے، ایک داعی اپنی دعوت مردوں کے حلقے میں بلا تکلیف پھیلا سکتا ہے لیکن خواتین کے حلقے میں براہ راست دعوت نہیں پھیلا سکتا، حق تعالیٰ شانہ نے اس کا یہ انتظام فرمایا کہ ہر شخص کو چار بیویاں رکھنے کی اجازت ہے، جو جدید اصطلاح میں اس کی ”پرائیوٹ سیکریٹری“ کا کام دے سکیں اور خواتین کے حلقے میں اس کی دعوت کو پھیلا سکیں۔ جب ایک امتی کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت بالغہ سے یہ انتظام فرمایا ہے تو آنحضرت ﷺ جو قیامت تک تمام انسانیت کے نبی اور ہادی و مرشد تھے، قیامت تک پوری انسانیت کی سعادت جن کے قدموں سے وابستہ کر دی گئی تھی، اگر اللہ تعالیٰ نے اپنی عنایت و رحمت سے امت کی خواتین کی اصلاح و تربیت کے لئے خصوصی انتظام فرمایا ہو تو اس پر ذرا بھی تعجب نہیں ہونا چاہئے، کیونکہ حکمت و ہدایت

تحدث أنه أعطى قوة ثلاثين. وقال سعيد عن قتادة أن أنساً حدثهم: تسع نساء. وفي الفتح تحت هذا الحديث: قوله: (أو كان) بفتح الواو هو مقول قتادة والهمزة للاستفهام ومميز ثلاثين محذوف أى ثلاثين رجلاً، ووقع فى رواية الاسماعيلي من طريق أبى موسى عن معاذ بن هشام ”أربعين“ بدل ثلاثين، وهى شاذة من هذا الوجه، لكن فى مراسيل طاوس مثل ذلك، وزاد ”فى الجماع“، وفى صفة الجنة لأبى نعيم من طريق مجاهد مثله وزاد ”من رجال أهل الجنة“، ومن حديث عبد الله بن عمر ورفع ”أعطيت قوة أربعين فى البطش والجماع“ وعند أحمد والنسائي وصححه الحاكم من حديث زيد بن أرقم رفعه ”ان الرجل من أهل الجنة ليعطى قوة مائة فى الأكل والشرب والجماع والشهوة“ فعلى هذا يكون حساب قوة نبينا أربعة آلاف. (فتح الباری، کتاب الغسل، باب اذا جامع ثم عاد۔ ومن دار على نسائه فى غسل واحد،

کا یہی تقاضا تھا۔

۷:۔۔۔ اسی کے ساتھ یہ بات پیش نظر رہنی چاہئے کہ آنحضرت ﷺ کی خلوت و جلوت کی پوری زندگی کتاب ہدایت تھی، آپ کی جلوت کے افعال و اقوال کو نقل کرنے والے ہزاروں صحابہ کرامؓ موجود تھے، لیکن آپ کی خلوت و تنہائی کے حالات امہات المؤمنینؓ کے سوا اور کون نقل کر سکتا تھا؟ حق تعالیٰ شانہ نے آنحضرت ﷺ کی زندگی کے ان خفی اور پوشیدہ گوشوں کو نقل کرنے کے لئے متعدد ازواج مطہرات کا انتظام فرما دیا، جن کی بدولت سیرت طیبہ کے خفی سے خفی گوشے بھی امت کے سامنے آ گئے، اور آپ ﷺ کی خلوت و جلوت کی پوری زندگی ایک کھلی کتاب بن گئی جس کو ہر شخص، ہر وقت ملاحظہ کر سکتا ہے۔

۸:۔۔۔ اگر غور کیا جائے تو کثرت ازواج اس لحاظ سے بھی معجزہ نبوت ہے کہ مختلف مزاج اور مختلف قبائل کی متعدد خواتین آپ ﷺ کی نجی سے نجی زندگی کا شب و روز مشاہدہ کرتی ہیں، اور وہ بیک زبان آپ کے تقدس و طہارت، آپ کی خشیت و تقویٰ، آپ کے خلوص و للہیت اور آپ کے پیغمبرانی اخلاقی و اعمال کی شہادت دیتی ہیں۔ اگر خدا نخواستہ آپ ﷺ کی نجی زندگی میں کوئی معمولی سا جھول اور کوئی ذرا سی بھی کجی ہوتی تو اتنی کثیر تعداد ازواج مطہراتؓ کی موجودگی میں وہ کبھی بھی مخفی نہیں رہ سکتی تھی۔ آپ ﷺ کی نجی زندگی کی پاکیزگی کی یہ ایسی شہادت ہے خود دلیل صداقت اور معجزہ نبوت ہے۔ یہاں بطور نمونہ ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا ایک فقرہ نقل کرتا ہوں جس سے نجی زندگی میں آنحضرت ﷺ کے تقدس و طہارت اور پاکیزگی کا کچھ اندازہ ہو سکے گا۔ وہ فرماتی ہیں: ”میں نے کبھی آنحضرت ﷺ کا ستر نہیں دیکھا، اور نہ آنحضرت ﷺ نے کبھی میرا ستر دیکھا (۲۶۳)۔“ کیا دنیا میں کوئی بیوی اپنے شوہر کے بارے میں یہ شہادت دے سکتی ہے

(۲۶۳): عن عائشةؓ قال ما نظرت أو ما رأيت فرج رسول الله ﷺ قط قال

ابوبکر قال أبو نعیم عن مولاة لعائشة. قال البوصیری: هذا اسناد ضعيف لجهالة تابعیه. رواه ابن ماجه فی کتاب الطهارة بهذا الاسناد وقد تقدم. ورواه ابن أبی شیبہ

کہ مدۃ العمر انہوں نے ایک دوسرے کا ستر نہیں دیکھا؟ اور کیا اس اعلیٰ ترین اخلاق اور شرم و حیا کا نبی کی ذات کے سوا کوئی نمونہ مل سکتا ہے؟ کہ آنحضرت ﷺ کی نجی کے ان ”خفی محاسن“ کو ازواج مطہرات کے سوا کون نقل کر سکتا تھا....؟ (آپ کے مسائل اور ان کا حل، ج: ۱، ص: ۱۷۹ تا ۱۸۵، ط، مکتبہ لدھیانوی کراچی/ خیر الفتاویٰ، ج: ۱، ص: ۱۴۱، ط، مکتبہ امدادیہ ملتان)



حضرت سودہؓ کو طلاق دینے کے ارادے کی حکمت

﴿سوال﴾:

ایک آدمی اپنی بیوی کو اس لئے طلاق دے دے کہ وہ بوڑھی ہوگئی اور اس کے قابل نہیں رہی، اس بات کو کوئی بھی بنظر استحسان نہیں دیکھتا۔ ایک روایت میں ہے کہ حضور علیہ

فی مسندہ ہکذا۔ ورواہ الترمذی فی الشمائل عن محمود بن غیلان، عن وکیع، بہ۔ ورواہ الحاکم من طریق عبدالرحمن بن مہدی عن سفیان فذکرہ باسنادہ ومنتہ سواء۔ ورواہ البیہقی فی الکبریٰ عن الحاکم بالسند۔ ورواہ الطبرانی فی المعجم الصغیر عن أحمد بن زکریا شاذان، عن برکة بن محمد الحلبي، عن یوسف بن أسباط، عن سفیان الثوری، عن محمد بن جحادة، عن قتادة، عن أنس، عن عائشة قالت: ما رأیت عورة رسول اللہ ﷺ قط۔

قال الطبرانی: تفرد بہ برکة بن محمد۔

قال الدارقطني: برکة بن محمد کذاب يضع الحديث، وقال الحاکم: یروی

أحاديث موضوعة۔

وقال ابن عدی: سائر أحادیثہ باطلۃ۔ (مصباح الزجاجة فی زوائد ابن ماجه

ومعه کفاية الحاجة، کتاب النکاح، باب التستر عند الجماع، ص: ۷۵۸، رقم: ۱۹۲۲،

ط، بیت الأفكار الدولية السعودية)

السلام نے حضرت سودہؓ کو ان کے بڑھاپے کی وجہ سے طلاق دینا چاہی، پھر جب حضرت سودہؓ نے اپنی باری حضرت عائشہؓ کو دے دی تو آپ نے طلاق کا ارادہ بدل لیا۔ یہ بات حضور ﷺ کی ذات اقدس سے بعید معلوم ہوتی ہے اور مخالفوں کے اس اعتراض کو کہ نعوذ باللہ! تعدد ازواج کی غرض شہوت رانی تھی، تقویت ملتی ہے، حالانکہ حضور ﷺ کو یتیموں اور بیواؤں کا ملجا و ماویٰ قرار دیا جاتا ہے۔

﴿ جواب ﴾:

عرب میں طلاق معیوب نہیں سمجھی جاتی، جتنی کہ ہمارے ماحول میں اس کو قیامت سمجھا جاتا ہے۔ علاوہ ازیں آنحضرت ﷺ کے بارے میں ”تُرْجِیْ مَنْ تَشَاءُ مِنْهُمْ وَتُؤْوِیْ اِلَیْكَ مَنْ تَشَاءُ“ (۲۶۴) فرما کر آپ کو رکھنے نہ رکھنے کا اختیار دے دیا گیا تھا، اس لئے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کسی کی علیحدگی کا فیصلہ کر لینا کسی طرح بھی محل اعتراض نہیں۔ اور ازدواجی زندگی صرف شہوت رانی کے لئے نہیں ہوتی، موانست اور موافقت اس کے اہم مقاصد میں سے ہے۔ بہت ممکن ہے کسی وقت کسی بی بی سے موانست نہ رہے اور طلاق کا فیصلہ کر لیا جائے اور حضرت عائشہؓ کو اپنی باری دے دینا اور اپنے تمام حقوق سے دستبردار ہو جانا حضرت ام المؤمنین سودہؓ کا وہ ایثار تھا (۲۶۵) جس پر آنحضرت ﷺ نے فیصلہ تبدیل فرمایا، اس سے زیادہ گفتگو کرتا لیکن یہاں اشارہ کافی ہے۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل، ج: ۱، ص: ۱۹۲، ط، مکتبہ لدھیانوی کراچی)



(۲۶۴): (سورة الاحزاب: ۵۱)

(۲۶۵): وعن عائشة ان سودةؓ کما کبرت قالت: یا رسول اللہ! قد جعلت یومی منک لعائشةؓ، فکان رسول اللہ یقسم لعائشة یومین، یومها ویوم سودة. متفق علیہ. (مشکاة المصابیح، کتاب النکاح، باب القسم، الفصل الاول، ص: ۲۷۹، ط، قدیمی کتب خانہ کراچی)

آنحضرت علیہ الصلاۃ والسلام کے چچے کتنے تھے؟

﴿سوال﴾:

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چچا کتنے تھے اور ان کے نام کیا تھے؟ اور ان میں کون کون اسلام لائے تھے؟

﴿الجواب﴾:

بمطابق ابن ہشام وابن سعد، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نوچچے تھے۔ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ابوطالب اسمہ عبدمناف، زبیر، حارث، حجل، المقوم، ضرار، ابولہب اسمہ عبدالعزی (۲۶۶)۔ [سیرت ابن ہشام، ص: ۶۱]

زاد المعاد اور ابن سعد نے حجل کی بجائے غیداق کو ذکر کیا ہے۔ [طبقات الکبریٰ، ج: ۱، ص: ۸۸]

حجل اور غیداق ایک ہی شخص کے دو نام ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ (خیر الفتاویٰ، ج: ۱، ص: ۴۶۶، ط، مکتبہ امدادیہ ملتان)



(۲۶۶): فی العقد الثمین: أما أعمامه: فهم: حمزة والعباس رضي الله تعالى عنهما: أسلما والحارث وأبو طالب والزبير، وعبدالكعبة، والمقوم، ويقال: هما واحد، وحجل واسمه: المغيرة والفيضان، ويقال: هما واحد وقثم، ومن أسقطه، وضرار، وأبو لهب، واسمه: عبدالعزی، وكنی بذلك لجماله، وصار في الآخرة لماله. (العقد الثمین فی تاریخ البلد الأمين، فصل فی أعمامه وعماته صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، ج: ۱، ص: ۴۱۵، ط، دار الکتب العلمیة بیروت لبنان)

آنحضرت علیہ الصلاۃ والسلام کی پھوپھیاں کتنی تھیں؟

﴿ سوال ﴾:

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پھوپھیاں کتنی تھیں اور ان میں سے کون سی اسلام لائیں۔ ان کا نام کیا تھا؟

﴿ الجواب ﴾:

چھ تھیں۔ ۱: صفیہ، ۲: اروی، ۳: عاتکہ، ۴: ام حکیم البیضاء، ۵: برّہ، ۶: امیمہ ان میں سے حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ایمان لائیں۔ اور کہا جاتا ہے اروی اور عاتکہ بھی ایمان لائیں اور ہجرت مدینہ کی (۲۶۷)۔ [سیرت ابن ہشام، ص: ۶۱] واللہ تعالیٰ اعلم۔ (خیر الفتاویٰ، ج: ۱، ص: ۴۶۵، ۴۶۶، ط، مکتبہ امدادیہ ملتان)



آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اجداد کے عرب مستعربہ میں سے ہونے کی تحقیق

﴿ سوال ﴾:

کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ سبحانہ کے بارے میں آنحضور کا تسلی بخش جواب دست یاب ہوا کافی خوشی ہوئی ایک اور بات دریافت طلب یہ ہے کہ تقریر حاوی ص: ۱۵ پر لکھا ہے کہ قحطان عرب عاربہ اور عدنان عرب مستعربہ میں سے

(۲۶۷): فی العقد الثمین: أما أعمامہ... و عماتہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم:

صفیہ و عاتکہ، و اروی: أسلمن. وفي ذلك خلاف الاصفیة و أمیمہ، و برّہ، و أم حکیم البیضاء. (العقد الثمین فی تاریخ البلد الامین، فصل فی أعمامہ و عماتہ صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وسلم، ج: ۱، ص: ۴۱۵، ط، دار الکتب العلمیۃ بیروت لبنان)

ہیں اور جامع اللغات ص: ۵۲۲، اردو میں لکھا ہے کہ قحطان نوح علیہ السلام کے پڑپوتے کا نام ہے اور عدنان آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اجداد میں سے ایک فصیح و بلیغ شخص کا نام ہے، [ص: ۴۷۳] دریافت طلب بات یہ ہے کہ عدنان جب نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اجداد میں سے ہیں تو انہیں عرب عاربہ یعنی پیدائشی عرب ہونے چاہئے اور قحطان پڑپوتے نوح علیہ السلام کو عرب مستعربہ میں سے یعنی باہر سے آکر مقیم ہونے والوں میں سے ہونے چاہئے، براہ کرم مع حوالہ تسلی بخش جواب سے نوازیں کرم ہوگا۔

نیز ایک کتاب عالمی تاریخ کے صفحہ ۲۲ پر ہے کہ عدنان اکیسویں پشت پر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اجداد میں سے ہیں۔

نوٹ: سابق خط سے متعدد استاذوں کو تسلی ہوئی۔

﴿ الجواب وبالله التوفیق ﴾

تقریر حاوی اور جامع اللغات دونوں میں صحیح لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اجداد عرب مستعربہ ہیں کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اصلی عربی نہیں ہیں بلکہ باہر سے تشریف لائے تھے اس لئے قبیلہ عدنان عرب مستعربہ ہیں، اور قحطان حضرت نوح علیہ السلام کا پڑپوتا ہے، سب سے پہلے طوفان نوح علیہ السلام کے بعد عرب کی آبادی اولاد قحطان سے ہوئی ہے اس لئے قبیلہ قحطان عرب العرباء ہوا ہے تو کوئی اشکال کی بات نہیں اب دونوں کو کمال فصاحت و بلاغت کے لئے بولتے ہیں۔ [شیخ زادہ ۵/۱] فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔ (فتاویٰ قاسمیہ، ج: ۲، ص: ۳۳۹، ۳۵۰، ط، مکتبہ اشرفیہ دیوبند الہند)



حضور ﷺ کے پیشاب، خون اور دیگر فضلات کا حکم

﴿سوال﴾:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: حضور ﷺ کا پیشاب پاک تھا یا پاک؟ اہل سنت والجماعت کا اس بارے میں کیا عقیدہ ہے؟ حضرت مولانا عبدالشکور صاحب دین پوریؒ کی کتاب ”خطبات دین پوری“ (ناشر مکتبہ نعیمہ دیوبند) میں ایک واقعہ لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرات ام ایمن رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ یہ پیشاب پھینک دو، ام ایمن رضی اللہ عنہا نے پیشاب پھینکا نہیں؛ بلکہ پی لیا۔ حضور ﷺ کے پوچھنے پر ام ایمن رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ میں نے پیشاب پھینکا نہیں بلکہ پی لیا، تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ اگر نہ پیتی تو اچھا تھا۔ اور اگر تو نے پی لیا تو جب تک زندہ رہے گی، تیرے پیٹ میں کوئی بیماری نہیں ہوگی، تو حضور ﷺ کے پیشاب کے پاک ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں کس حدیث میں ہے؟

﴿الجواب وبالله التوفیق﴾:

حضور ﷺ کا پیشاب خون اور دیگر تمام فضلات پاک ہیں، یہی حضرت امام ابو حنیفہؒ اور جمہور امت کا مسلک ہے۔ ام ایمن جو آپ ﷺ کی خدمت میں رہا کرتے تھیں، انہوں نے آپ ﷺ کا پیشاب پی لیا تھا، پینے کے بعد آپ ﷺ سے ذکر کیا، تو آپ ﷺ نے تبسم فرمایا اور کہا کہ اب تمہیں کبھی پیٹ میں درد لاحق نہ ہوگا۔ (الاصابہ فی تمییز الصحابہ، دار لکتب العلمیۃ بیروت ۸/ ۳۰۷، مجمع الزوائد، دار لکتب العلمیۃ بیروت ۸/ ۲۷۱، اسد الغابہ، دار لفکر ۶/ ۳۰۳، مدارج النبوة ۱/ ۵۱، حیاة الصحابہ ۲/ ۵۸۱)

عن أم أيمن رضي الله عنها قالت: قام النبي ﷺ من

الليل الى فخارة من جانب البيت، فبال فيها، فقامت من الليل

وأنا عطشى، فشربت من في الفخارة، وأنا لا أشعر، فلما

أصبح النبي ﷺ قال: يا أم أيمن! قومي الى تلك الفخارة؟
فاهريقى ما فيها، قلت: قد والله شربت ما فيها، قال:
فضحك رسول الله ﷺ حتى بدت نواجذه، ثم قال: أما
انك لا يفجع بطنك بعده أبدا. (المستدرک، کتاب معرفة

الصحابة، مکتبه نزار مصطفى الباز ۷/ ۲۴۷۰، رقم: ۶۹۱۲)

لہذا سوال نامہ میں جس واقعہ کا ذکر ہے وہ صحیح ہے، اسی طرح حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے کچھنے کا خون پی لیا تھا، اس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ تمہیں دوزخ کی آگ نہیں چھوئے گی، نیز ایسے ہی حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے والد حضرت مالک بن سنان رضی اللہ عنہ نے غزوہ احد کے دن آپ ﷺ کے زخموں کے خون کو اپنے منہ سے چوس کر زبان سے صاف کیا تھا، اس پر حضور ﷺ نے فرمایا: جو شخص خواہش رکھتا ہے کہ وہ کسی جنتی شخص کو دیکھے تو وہ انہیں دیکھ لے۔ (مجمع الزوائد، دارالکتب العلمیۃ بیروت ۸/ ۲۷۱، مدارج النبوة ۱/ ۵۱، حیاة الصحابة ۲/ ۵۸۱)

اسی وجہ سے حضور اکرم ﷺ کا پیشاب، خون اور دیگر تمام فضلات حضرت امام اعظم ابوحنیفہ اور حضرات جمہور امت کے نزدیک پاک ہیں۔

فأبو حنيفة... وهو يقول: بطهارة بوله وسائر فضلاته. (عمدة القاری، کتاب الطهارة، باب فضل وضوء الناس، مکتبه دار احیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۷۹، زکریا ۲/ ۵۴۳)

صحح بعض أئمة الشافعية طهارة بوله ﷺ وسائر فضلاته، وبه قال أبو حنيفة. (شامی، کتاب الطهارة، باب الأنجاس، مطلب فی طهارة بوله ﷺ کراچی ۱/ ۲۱۸، زکریا ۵۲۲/ ۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم (فتاویٰ قاسمیہ، ج:

۲، ص: ۱۲۷ تا ۱۲۹، ط، مکتبہ اشرفیہ دیوبند / کفایۃ المفتی،
ج: ۱، ص: ۹۰، ۹۱، ط، دار الاشاعت کراچی / فتاویٰ دار
العلوم دیوبند، ج: ۱۸، ص: ۲۲۹ تا ۲۳۱، ط، مکتبہ دار العلوم
دیوبند / حبیب الفتاویٰ، ج: ۷، ص: ۵۱، ط، مکتبہ طیبہ دیوبند
یوپی الہند / ارشاد المفتین، ج: ۱، ص: ۲۸۵، ط، مکتبہ الحسن
لاہور / خیر الفتاویٰ، ج: ۱، ص: ۳۲۸، ۳۲۹، ط، مکتبہ امدادیہ
ملتان / فتاویٰ فریدیہ، ج: ۱، ص: ۴۶۳، ۴۶۴ / محمود الفتاویٰ،
ج: ۲، ص: ۱۲۵، ۱۲۶، ط، مکتبہ محمودیہ محمود نگر
گجرات الہند / نجم الفتاویٰ، ج: ۱، ص: ۲۴۲، ۲۴۳



انبیاء کرام کے فضلات کی پاکی کا مسئلہ

﴿سوال﴾:

ہماری مسجد میں گزشتہ جمعہ میں ایک خطیب صاحب نے اپنے وعظ میں یہ فرمایا تھا کہ:
ایک مرتبہ حضور ﷺ نے ایک برتن میں پیشاب کر کے ایک صحابی کو دیا کہ اس کو باہر پھینک
آؤ، ان صحابی نے باہر جا کر حضور ﷺ سے بے پناہ محبت کے جذبے میں وہ پیشاب پی لیا،
اس کے بعد تمام زندگی ان کے جسم سے خوشبو آتی رہی۔ اس کے بعد خطیب صاحب نے
فرمایا: چونکہ حضور ﷺ کا بول و براز پاک تھا، اس میں عام انسانوں کی طرح ناپاکی یا بدبو نہ
تھی، لہذا صحابی کے اس عمل پر اعتراض نہیں کیا جاسکتا۔

خطیب صاحب کے اس بیان پر مسجد میں ایک ہنگامہ برپا ہو گیا، اکثر لوگوں نے اس
پر اعتراض کیا کہ یہ واقعہ سند سے خالی ہے ایسے خطیب کی امامت جائز نہیں جو خلاف سند
واقعات بیان کر کے غیر مسلموں کو اسلام پر تنقید کا موقع دے۔ لوگوں کے اعتراضات

مندرجہ ذیل تھے:

۱:۔۔۔ ایسا کوئی واقعہ مستند کتب میں نہیں ملتا۔

۲:۔۔۔ اگر ایسا ہوا بھی تو حضور ﷺ میں بشریت کی کوئی خصوصیت نہ تھی اور وہ مکمل نوری تھے۔

۳:۔۔۔ اگر حضور ﷺ نے صحابی کو پیشاب پھینکنے کا حکم دیا تھا تو صحابی کے لئے حکم زیادہ اہمیت رکھتا تھا یا محبت کے جذبات؟

۴:۔۔۔ دوسرے مذاہب کے لوگوں پر پیشاب پینے کا اعتراض کیونکر کیا جاسکتا ہے؟ جبکہ وہ بھی عقیدہ رکھتے ہوں کہ ان کے اوتاروں میں بھی ایسے ہی کچھ صفات تھے، وغیرہ وغیرہ۔

مولانا صاحب! آپ اس مسئلہ پر کچھ روشنی ڈالنا گوارا کریں گے، تاکہ لوگوں کو تسلی ہو سکے۔ کیونکہ مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ اسلام فطرت کے مطابق ہے، اور پیشاب والا معاملہ انسان کی نظر میں خلاف فطرت ہے۔ ہم اپنے مذہب کی اشاعت میں غیر مسلموں کو کیسے قائل کر سکتے ہیں؟

﴿ جواب ﴾:

لوگوں کے چار اعتراض جو آپ نے نقل کئے ہیں، ان میں پہلا اعتراض اصل ہے، یعنی یہ کہ یہ واقعہ مستند ہے یا نہیں؟ دوسرے سوالات سب اس کی فرع ہیں، کیونکہ اگر کوئی واقعہ ہی ایسا نہ ہو تو پھر یہ سوالات متوجہ نہیں ہوتے۔

اس واقعے کو تسلیم کرنے کے بعد مسلمانوں کے ذہن میں سوالات کا پیدا ہونا ضعف ایمان، ضعف محبت اور ضعف علم کی وجہ سے ہے۔ کیونکہ محبت میں سوالات پیدا نہیں ہوا کرتے، اور اگر صحیح علم ہوتا تو یہ توجیہ کر سکتے تھے کہ ممکن ہے یہ حضور ﷺ کی خصوصیت ہو کہ آپ کے فضائل کا نجس نہ ہونا عام انسانوں سے آپ کی امتیازی خصوصیت کی دلیل ہے۔ یہ دوسرے سوال کی توجیہ ہو سکتی تھی۔

تیسرے سوال کی توجیہ یہ ہو سکتی تھی کہ کبھی کبھی جذبہ محبت غالب آ جاتا ہے، اور آدمی اس میں معذور سمجھا جاتا ہے، جیسے صلح نامہ حدیبیہ کے موقع پر آنحضرت ﷺ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے فرمایا تھا کہ: ”محمد رسول اللہ“ کے لفظ کو مٹا دو! انہوں نے عرض کر دیا کہ: میں آپ کے نام پاک نہیں مٹا سکتا! یہ بات انہوں نے حکم صریح کے مقابلے میں غلبہ محبت کی وجہ سے فرمائی تھی، اس لئے اس پر ان کو کوئی عتاب نہیں فرمایا گیا۔

چوتھے سوال کی یہ توجیہ ہو سکتی تھی کہ آنحضرت ﷺ نے نہ پیشاب نوشی کا حکم فرمایا، نہ اس کا قانون بنایا، البتہ ایک مغلوب المحبت کو معذور سمجھا، اب عام لوگوں کے پیشاب پینے کا جواز اس سے کیسے نکل آیا؟

الغرض ضرورت اس بات کی تھی کہ پہلے یہ معلوم کیا جاتا کہ یہ واقعہ ہے بھی یا نہیں؟ پھر یہ معلوم کیا جاتا کہ کیا آنحضرت ﷺ کے فضلات کا بھی وہی حکم ہے جو ہم ایسے ناپاک لوگوں کے بول و براز کا ہے؟ یا اس سلسلے میں آپ کی کچھ خصوصیات بھی ہیں؟ اس بارے میں علمائے ربانی کی تحقیق کیا ہے؟ اور امام ابو حنیفہؒ شافعیؒ اور ان کے اکابر متبعین کیا فرماتے ہیں؟ پھر یہ معلوم کیا جاتا ہے کہ ایک حکم سب کے لئے یکساں ہوتا ہے؟ یا بعض اوقات موقع و محل کی خصوصیت سے حکم مختلف بھی ہو سکتا ہے؟

جن مولانا صاحب نے ناواقف اور بے سمجھ عوام کے سامنے بغیر تشریح کے یہ واقعہ بیان کر دیا، انہوں نے بھی غیر ذمہ داری کا ثبوت دیا، اور جنہوں نے یہ واقعہ سنتے ہی اعتراضات کی بوچھاڑ کر دی اور مسئلے کی نوعیت معلوم کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی، انہوں نے بھی کچھ فہم و دانش کا ثبوت نہیں دیا، واللہ اعلم!

سائل کا دوسرا خط:

محترم! میرے مکتوب کا جواب تو موصول ہو گیا لیکن نامکمل سا ظاہر ہو رہا ہے۔ اصل سوال کا جواب اپنی جگہ قائم ہے۔ یعنی جو واقعہ محترم خطیب صاحب نے بیان کیا تھا، اس کا حوالہ کسی مستند راوی یا کتاب کا درکار تھا۔ میں نے چند معترضین کو آپ کا جواب دکھایا تو وہی

سوال کیا گیا کہ اس کتاب اور مصنف کا نام بتایا جائے جس میں اس کا ذکر کیا گیا ہے، بلکہ ایک صاحب نے تو یہ بھی فرمایا کہ: ایک مرتبہ کسی جلسے میں مولانا محمد شفیع اوکاڑوی نے بھی اس واقعے کا ذکر کیا تھا، لیکن جب ان سے اس کی سند مانگی گئی تو وہ بھی نہ دے سکے، بلکہ سند مانگنے والے پر ایمان کی کمزوری کا فتویٰ صادر کر کے لعنت و ملامت کرنے لگے، جیسا کہ آپ نے اپنے جواب میں فرمایا، یعنی: ”اس واقعے کو تسلیم کرنے کے بعد مسلمانوں کے ذہن میں سوالات کا پیدا ہونا ضعف ایمان، ضعف محبت اور ضعف علم کی وجہ سے ہے۔“

اس کے معنی تو یہ ہوئے کہ جو عالم یا خطیب کوئی بھی واقعہ حضور ﷺ سے منسوب کر کے بغیر کسی حوالے کے بیان کر دے، اس کو صدق دل سے تسلیم کر لیا جائے، ایمان کا فتویٰ لگ جائے گا۔ اس طرح تو کچھ علماء... جن کو ہم علماء سوء کہہ سکتے ہیں.... بہت سے اپنے مطلب کے واقعات بیان کر کے لوگوں کو گمراہ کر سکتے ہیں اور آپ اس کو بھی تسلیم کریں گے کہ علماء سوء.... جو بظاہر عالم ہی ہوتے ہیں... کو عام آدمی شناخت نہیں کر سکتا، اس کی پکڑ تو اسی وقت ہو سکتی ہے جب وہ واقعات کے ساتھ حوالہ بھی دے۔

ہمیں یہ تسلیم ہے بلکہ ہمارا ایمان ہے کہ حضور ﷺ تمام انبیاء اور بشر میں افضل تر ہیں، ان کے ساتھ خصوصیات بھی تسلیم کرنا ایمان کا تقاضا ہے، لیکن اس کا کیا جائے کہ آج کا دور ماڈیت اور سائنس کا دور ہے، عوام کی اکثریت خاص طور پر مغربی افکار سے متاثر ہے، ان کو مطمئن کرنے کے لئے جہاں تک ممکن ہو سکے کچھ نہ کچھ تو کرنا چاہئے، لہذا اگر مندرجہ ذیل سوالات کے جواب دے سکیں تو لوگوں کی تسلی ہو سکتی ہے:

۱.... اس واقعے کا ذکر جس کتاب میں ہے اس کا اور اس کے مصنف کا نام۔

۲.... صحابی مذکور کے عمل پر حضور ﷺ کے ارشادات۔

۳.... دوسرے صحابہ کرامؓ پر واقعے کے اثرات... جبکہ یہ معلوم ہو گیا کہ حضور ﷺ

کے بول و براز نہ صرف پاک ہیں بلکہ خوشبو کے حامل ہیں... اور یہ بھی معلوم ہے کہ صحابہ کرامؓ حضور ﷺ کی ہر چیز سے اپنی جانوں سے زیادہ محبت کرتے تھے، یہاں تک کہ حضور ﷺ

کے لعاب دہن اور وضو کے پانی کو بھی اپنے چہروں پر مل لیا کرتے تھے۔“

﴿ جواب ﴾:

میری گزشتہ تحریر کا خلاصہ یہ تھا کہ اوّل تو معلوم کیا جائے کہ یہ واقعہ کسی مستند کتاب میں موجود ہے یا نہیں؟ دوم یہ کہ آنحضرت ﷺ کے فضلات کے بارے میں اہل علم و اکابر ائمہ دین کی تحقیق کیا ہے؟ ان دو باتوں کی تحقیق کے بعد جو شبہات پیش آسکتے ہیں، ان کی توجیہ ہو سکتی ہے۔ اب ان دونوں نکتوں کی وضاحت کرتا ہوں۔

امر اوّل:.... یہ ہے کہ یہ واقعہ کسی مستند کتاب میں ہے یا نہیں؟ حافظ جلال الدین سیوطیؒ کی کتاب ”خصائص کبریٰ“ میں آنحضرت ﷺ کی امتیازی خصوصیات جمع کی گئی ہیں۔ اس کی دوسری جلد کے صفحہ ۲۵۲ کا فوٹو آپ کو بھیج رہا ہوں، جس کا عنوان ہے: ”آنحضرت ﷺ کی یہ خصوصیات کہ آپ ﷺ کا بول و براز پاک تھا“، اس عنوان کے تحت انہوں نے احادیث نقل کی ہیں، ان میں سے دو احادیث.... جن کو میں نے نشان زد کر دیا ہے.... کو مع ترجمہ نقل کرتا ہوں:

ا:.... ”واخرج ابو يعلى والحاكم والدارقطني والطبراني وابو نعيم عن ام ايمن قالت قام النبي ﷺ من الليل الى فخارة فبال فيها، فقامت من الليل وانا عطشانة فشربت ما فيها، فلما اصبح اخبرته، فضحك وقال: اما انك لا يتجعن بطنك ابدا! ولفظ ابى يعلى: انك لن تشتكي بطنك بعد يومك هذا ابدا!“

ترجمہ:.... ”ابو يعلى، حاکم، دارقطنی، طبرانی اور ابو نعیم رحمہم اللہ تعالیٰ نے سند کے ساتھ حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے رات کے وقت مٹی کے پکے ہوئے ایک برتن میں پیشاب کیا، پس میں رات کو اٹھی، مجھے پیاس تھی، میں نے وہ

پیالہ پی لیا۔ صبح ہوئی تو میں نے آپ ﷺ کو بتایا، پس آنحضرت ﷺ مسکرائے اور فرمایا: تجھے پیٹ کی تکلیف کبھی نہ ہوگی! اور ابو یعلیٰ کی روایت میں ہے کہ: آج کے بعد تم پیٹ کی تکلیف کی شکایت نہ کرو گی!“

۲:.... ”واخرج الطبرانی والبیہقی بسند صحیح عن حکیمۃ بنت امیمۃ عن امہا قالت: کان للنبی ﷺ قدح من عیدان، یبول فیہ، ویضعہ تحت سریرہ، فقام فطلبہ فلم یجدہ، فسال عنہ، فقال: این القدح؟ قالوا: شربتہ برة خادمة ام سلمۃ التی قدمت معها من ارض الحبشة. فقال النبی ﷺ لقد احتظرت من النار بحظارا!“

ترجمہ:.... ”طبرانی اور بیہقی نے بہ سند صحیح حکیمہ بنت امیمہ سے اور انہوں نے اپنی والدہ حضرت امیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی ہے کہ: آنحضرت ﷺ کے یہاں لکڑی کا ایک پیالہ رکھا رہتا تھا، جس میں شب کو گاہ و بے گاہ پیشاب کر لیا کرتے تھے، اور اسے اپنی چار پائی کے نیچے رکھ دیتے تھے، آپ ایک مرتبہ (صبح) اٹھے، اس کو تلاش کیا تو وہاں نہیں ملا، اس کے بارے میں دریافت فرمایا، تو بتایا گیا کہ اس کو برہ نامی حضرت ام سلمہؓ کی خادمہ نے نوش کر لیا، آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ: اس نے آگ سے بچاؤ کے لئے حصار بنالیا۔“

یہ دونوں روایتیں مستند ہیں، اور محدثین کی ایک بڑی جماعت نے ان کی تخریج کی ہے، اور اکابر امت نے ان واقعات کو بلا تکلیف نقل کیا ہے، اور انہیں خصائص نبوی میں شمار کیا ہے۔

امردوم:.... آنحضرت ﷺ کے فضائل کے بارے میں اکابر امت کی تحقیق:

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ ”فتح الباری“ باب الماء الذی یغسل بہ شعر

الانسان (ج: ۱ ص: ۲۷۲ مطبوعہ لاہور) میں لکھتے ہیں:

”وقد تكاثرت الأدلة على طهارة فضلاته، وعد
الأئمة ذالك من خصائصه، فلا يلتفت الى ما وقع في كتب
كثير من الشافعية مما يخالف ذالك، فقد استقر الأمر بين
ائمتهم على القول بالطهارة.“

ترجمہ:..... ”آنحضرت ﷺ کے فضلات کے پاک ہونے کے
دلائل حد کثرت کو پہنچے ہوئے ہیں، اور ائمہ نے اس کو آپ ﷺ کی
خصوصیات میں شمار کیا ہے۔ پس بہت سے شافعیہ کی کتابوں میں جو اس کے
خلاف پایا جاتا ہے، وہ لائق التفات نہیں، کیونکہ ان کے ائمہ کے درمیان
طہارت کے قول ہی پر معاملہ آن ٹھہرا ہے۔“

۱:.... حافظ بدر الدین عینی رحمہ اللہ نے عمدۃ القاری (ج: ۲ ص: ۳۵ مطبوعہ دار الفکر
بیروت) میں آنحضرت ﷺ کے فضلات کی طہارت کو دلائل سے ثابت کیا ہے، اور شافعیہ
میں سے جو لوگ اس کے خلاف کے قائل ہیں ان پر بلیغ رد کیا ہے (۲۶۸)، اور ج: ۲

(۲۶۸): فی عمدۃ القاری: وذكر القاضي حسين في العذرة وجهين، وأنكر
بعضهم على الغزالي حكايتهما فيها، وزعم نجاستها بالاتفاق، قلت: يا للغزالي من
هفوات حتى في تعلقات النبي عليه الصلاة والسلام، وقد وردت أحاديث كثيرة أن
جماعة شربوا دم النبي عليه الصلاة والسلام، منهم أبو طيبة الحجام، غلام من قريش
حجم النبي عليه الصلاة والسلام، عبد الله بن الزبير شرب دم النبي عليه الصلاة
والسلام، رواه البزار والطبراني والحاكم والبيهقي وأبو نعيم في الحلية. ويروى عن
علي رضي الله عنه، أنه شرب دم النبي عليه الصلاة والسلام، وروى أيضاً أن أم أيمن
شربت بول النبي ﷺ، رواه الحاكم والدارقطني والطبراني وأبو نعيم. (عمدة
القاری، کتاب الوضوء، باب الماء الذي يغسل به شعر الانسان، ج: ۳، ص: ۵۲، ط، دار
الكتب العلمية بيروت لبنان)

صفحہ: ۹۷ میں حضرت امام ابوحنیفہؒ کا آنحضرت ﷺ کے بول اور باقی فضلات کی طہارت کا قول نقل کیا ہے۔

۲:.... امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ نے شرح مہذب (ج: ۱ ص: ۲۳۳) میں بول اور دیگر فضلات کے بارے میں شافعیہ کے دونوں قول نقل کر کے طہارت کے قول کو مرجح قرار دیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

”حدیث شربالمراۃ البول صحیح، رواہ الدار قطنی، وقال: هو حدیث صحیح وهو کان فی الاحتجاج لكل الفضلات قیاساً“.

ترجمہ:.... ”عورت کے پیشاب کا واقعہ صحیح ہے، امام دارقطنی نے اس کو روایت کر کے صحیح کہا ہے، اور یہ حدیث تمام فضلات کی طہارت کے استدلال کے لئے کافی ہے۔“
۳:.... علامہ ابن عابدین شامیؒ لکھتے ہیں:

”صحیح بعض ائمة الشافعية طهارة بوله ﷺ وسائر فضلاته، وبه قال ابوحنيفة كما نقله في المواهب اللدنية عن شرح البخاري للعيني.“ (ردالمحتار، ج: ۱ ص: ۳۱۸ مطبوعہ کراچی)

ترجمہ:.... ”بعض ائمہ شافعیہ نے آپ ﷺ کے بول اور باقی فضلات کی طہارت کو صحیح قرار دیا ہے۔ امام ابوحنیفہؒ بھی اسی کے قائل ہیں، جیسا کہ مواہب لدنیہ میں علامہ عینیؒ کی شرح بخاری سے نقل کیا ہے۔“

۴:.... ملا علی قاری جمع الوسائل شرح الشماک (ج: ۲ ص: ۲ مطبوعہ مصر ۱۳۱ھ) میں اس پر طویل کلام کے بعد لکھتے ہیں:

”قال ابن حجر: وبهذا استدلل جمع من ائمتنا

المتقدمین وغیرہم علی طہارۃ فضلاتہ ﷺ، وهو المختار،
وفاقاً لجمع من المتأخرین، فقد تكاثرت الأدلة علیہ، وعده
الأئمة من خصائصہ ﷺ۔“

ترجمہ:...”ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ: ہمارے ائمہ متقدمین کی
ایک جماعت اور دیگر حضرات نے احادیث سے آنحضرت ﷺ کے
فضلات کی طہارت پر استدلال کیا ہے، متأخرین کی جماعت کی موافقت
میں بھی یہی مختار ہے، کیونکہ اس پر دلائل بکثرت ہیں اور ائمہ نے اس کو
آنحضرت ﷺ کے خصائص میں شمار کیا ہے۔“

امام العصر مولانا محمد انور شاہ کشمیری نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں:

”ثم مسألة طهارة فضلات الأنبياء توجد في كتب
المذاهب الأربعة“. (فيض الباری ج: ۱ ص: ۲۵۰)
ترجمہ:...”فضلات انبیاء کی طہارت کا مسئلہ مذاہب اربعہ کی
کتابوں میں موجود ہے۔“

محدث العصر حضرت مولانا محمد یوسف بنوری نور اللہ مرقدہ لکھتے ہیں:

”وقد صرح اهل المذاهب الأربعة بطهارة فضلات
الأنبياء.... الخ“. (معارف السنن ج: ۱ ص: ۹۸)
ترجمہ:...”مذاہب اربعہ کے حضرات نے فضلات انبیاء کے
پاک ہونے کی تصریح کی ہے۔“

الحمد للہ! ان دونوں نکتوں کی وضاحت تو بقدر ضرورت ہو چکی۔ یہ واقعہ مستند ہے اور
مذاہب اربعہ کے ائمہ فقہاء نے ان احادیث کو تسلیم کرتے ہوئے فضلات انبیاء علیہم السلام
کی طہارت کا قول نقل کیا ہے۔ اس کے بعد اگر اعتراض کیا جائے تو اس کو ضعف ایمان ہی
کہا جاسکتا ہے!

اب ایک نکتہ محض تبرعاً لکھتا ہوں، جس سے یہ مسئلہ قریب الفہم ہو جائے گا۔ حق تعالیٰ شانہ کے اپنی مخلوق میں عجائبات ہیں، جن کا ادراک بھی ہم لوگوں کے لئے مشکل ہے، اس نے اپنی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ سے بعض اجسام میں ایسی مجیر العقول خصوصیات رکھی ہیں جو وہ دوسرے اجسام میں نہیں پائی جاتیں۔ وہ ایک کیڑے کے لعاب سے ریشم پیدا کرتا ہے، شہد کی مکھی کے فضلات سے شہد جیسی نعمت ایجاد کرتا ہے، اور پہاڑی بکرے کے خون کو نافہ میں جمع کر کے مشک بنا دیتا ہے۔ اگر اس نے اپنی قدرت سے حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کے اجسام مقدسہ میں بھی ایسی خصوصیات رکھی ہوں کہ غذا ان کے ابدان طیبہ میں تحلیل ہونے کے بعد بھی نجس نہ ہو، بلکہ اس سے جو فضلات ان کے ابدان میں پیدا ہوں وہ پاک ہوں تو کچھ جائے تعجب نہیں۔ اہل جنت کے بارے میں سبھی جانتے ہیں کہ کھانے پینے کے بعد ان کو بول و براز کی ضرورت نہ ہوگی، خوشبودار ڈکار سے سب کا کھایا پیا ہضم ہو جائے گا (۲۶۹)، اور بدن کے فضلات خوشبودار پسینے میں تحلیل ہو جائیں گے۔ جو خصوصیت کہ اہل جنت کے اجسام کو وہاں حاصل ہوگی، اگر حق تعالیٰ شانہ حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کے پاک اجسام کو وہ خاصیت دنیا ہی میں عطا کر دیں تو بجا ہے، پھر جبکہ احادیث میں اس کے دلائل بکثرت موجود ہیں، جیسا کہ اوپر حافظ ابن حجرؒ کے کلام میں گزر چکا ہے، تو انبیاء علیہم السلام کے اجسام کو اپنے اوپر قیاس کر کے ان کا انکار کر دینا، یا ان کے تسلیم کرنے میں تاثر کرنا صحیح نہیں، مولانا رومیؒ فرماتے ہیں:

ایں خورد گردد پلیدی زو جدا

(۲۶۹): عن جابر رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ ﷺ: ان أهل الجنة

يأكلون فيها ويشربون ولا يتفلون ولا يبولون ولا يتغوطون ولا يمتخطون، قالوا: فما بال الطعام؟ قال: جشاء ورشح كرشح المسك يلهمون التسبيح والتحميد كما تلهمون النفس. رواه مسلم. (مشكاة المصابيح، باب صفة الجنة وأهلها، الفصل

وال خورد گردد همه نور خدا

آخر میں حضرات علمائے کرام اور خطبائے عظام سے بھی گزارش کرتا ہوں کہ عوام کے سامنے ایسے امور نہ بیان کریں جو ان کے فہم سے بالاتر ہوں، وللّٰہ الحمد اولاً و آخراً۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل، ج: ۱، ص: ۱۷۱ تا ۱۷۷، ط، مکتبہ لدھیانوی کراچی)



عالم بیداری میں نبی کریم ﷺ کی زیارت کا حکم

﴿سوال﴾:

کیا عالم بیداری میں نبی کریم ﷺ کی زیارت ممکن ہے اگر ممکن ہے تو اس کی دلیل کیا ہے؟

﴿الجواب﴾:

جی ہاں عالم بیداری میں نبی کریم ﷺ کی زیارت ممکن ہے، چنانچہ علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے اپنے رسالہ ”تنویر الحلک فی امکان رؤیۃ النبی والملك“ میں اس پر تفصیل سے بحث کی ہے اور اس کو ثابت کیا ہے نیز روایات کے ساتھ واقعات بھی تحریر فرمائے ہیں۔

مختصر ذکر کیا جاتا ہے ملاحظہ ہو:

أخرج البخاری، ومسلم، وأبو داؤد عن أبي هريرة
قال: قال رسول الله ﷺ ”من رآني في المنام فسيراني في
اليقظة ولا يمثل الشيطان بي“ وأخرج الطبراني مثله من
حديث مالك بن عبد الله الخثعمي ومن حديث أبي بكره،
وأخرج الدارمي مثله من حيث أبي قتادة الأنصاري.

قال العلماء: اختلفوا فى معنى قوله: "فسيرانى فى اليقظة" فقليل معناه فسيرانى فى القيامة، وتعقب بأنه لا فائدة فى هذا التخصيص لأن كل أمته يرونها يوم القيامة من رآه منهم ومن لم يره، وقيل المراد من آمن به فى حياته ولم ير لكونه حينئذ غائبا عنه فيكون مبشرا له أنه لابد أن يراه فى اليقظة قبل موته، وقال قوم: هو على ظاهره فمن رآه فى النوم فلا بد أن يراه فى اليقظة يعنى يعنى رأسه. وقيل بعين فى قلبه حكاهما القاضى أبوبكر بن العربى وقال الامام أبو محمد بن أبى جمرة فى تعليقه على الأحاديث التى انتقاها من البخارى: هذا الحديث يدل على أنه من رآه فى النوم فسيراه فى اليقظة، وهل هذا على عمومه فى حياته وبعد مماته أو هذا كان فى حياته؟ وهل ذلك لكل من رآه مطلقا أو خاص بمن فيه الأهلية والاتباع لسنته عليه؟ اللفظ يعطى العموم ومن يدعى الخصوص فيه بغير مخصص منه صلى الله تعالى عليه وسلم فمتعسف، قال: وقد وقع من بعض الناس عدم التصديق بعمومه وقال: على ما أعطاه عقله وكيف يكون من قدمات يراه الحى فى عالم الشاهد؟ قال: وفى هذا القول من المحذور وجهان خطران: أحدهما: عدم التصديق لقول الصادق عليه السلام الذى لا ينطق عن الهوى والثانى: الجهل بقدرة القادر وتعجزها كانه لم يسمع فى سورة البقرة قصة البقرة وكيف قال الله تعالى ﴿اضربوه ببعضها كذلك يحيى الله الموتى﴾ وقصة ابراهيم فى الأربع من الطير،.... وقد ذكر

عن بعض السلف والخلف وهلم جراً عن جماعة ممن كانوا
 رأوه ﷺ في النوم وكانوا ممن يصدقون بهذا الحديث
 فرأوه بعد ذلك في اليقظة وسألوه عن أشياء كانوا منها
 متشوشين فأخبرهم بتفريجها ونص لهم على الوجوه التي
 منها يكون فرجها فجاء الأمر كذلك بلا زياده ولا نقص....
 وقال القاضي أبو بكر بن العربي أحد أئمة المالكية
 في كتاب قانون التأويل: ذهبت الصوفية الى أنه اذا حصل
 للانسان طهارة النفس في تزكية القلب وقطع العلائق وحسم
 مواد أسباب الدنيا من الجاه والمال والخلطة بالجنس
 والاقبال على الله تعالى بالكلية علماً دائماً وعملاً مستمراً
 كشفت له القلوب ورأى الملائكة وسمع أقوالهم واطلع على
 أرواح الأنبياء وسمع كلامهم ثم قال ابن العربي من عنده:
 ورؤية الأنبياء والملائكة وسماع كلامهم ممكن للمؤمنين
 كرامة وللکافر عقوبة انتهى. (الحاوی للفتاوی: ۳۱۰/۲،
 فاروقی کتب خانہ)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عالم بیداری میں آپ ﷺ کی زیارت نہ صرف ممکن ہے
 بلکہ روایات و واقعات سے ثابت ہے نیز حدیث ”من رآنی فی المنام فسیرانی فی
 اليقظة“ کو علماء نے ظاہر پر چھوڑا ہے اور مذکورہ واقعات سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔
 مزید کے لئے ملاحظہ ہو: تنویر الحلق فی امکان رؤية النبی والملك“
 ص ۳۰۷ تا ۳۲۲۔ والفتاویٰ الحدیثیۃ لابن حجر الہیتمی المکی، ص
 ۲۱۲-۲۱۳، هل تمكن رؤية النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فی اليقظة،
 دار الکفر۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔ (فتاویٰ دار العلوم زکریا، ج: ۱، ص:



عالم بیداری کی زیارت پر ایک شبہ کا ازالہ

﴿سوال﴾:

اگر رسول اللہ ﷺ کی رویت حالت یقظہ میں ہو سکتی ہے تو پھر بریلوی لوگ جو آپ ﷺ کے لئے کرسی خالی رکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آپ ﷺ اس پر تشریف لاتے ہیں تو ہمارے اکابر اس کی تردید کیوں کرتے ہیں؟

﴿الجواب﴾:

وہ لوگ آپ ﷺ کی تشریف آوری کا دعویٰ بغیر کسی دلیل کے کرتے ہیں۔ آپ ﷺ کو کوئی نہیں دیکھتا اور وہ خواہ مخواہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ تشریف لا رہے ہیں۔ ان کا کہنا ”من کذب علی متعمدا فلیتبوا مقعده من النار“ (رواہ البخاری: ۲۱/۱) میں داخل ہے۔

اور ہم ان اکابر کی بات کو تسلیم کرتے ہیں جنہوں نے آپ ﷺ کی زیارت کی تھی۔ یہ زیارت یا روح کے مشکل ہونے کے یا روح مبارک جسد مثالی میں آ جاتی ہے۔ اس قسم کے بہت سارے واقعات کتابوں میں مذکور ہیں۔ علامہ سعد الدین تفتازانی عالم بیداری میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ ملاحظہ ہو:

قد ذکر ابن العماد فی شذرات الذهب (۳۲۱) عند

ابتدائه فی طلب العلم، فقال: وحکی بعض الأفاضل أن سعد

الدین کان فی ابتداء طلبه للعلم بعید الفہم جداً ولم یکن فی

جماعة العضد أبلد منه ومع ذلك فکان کثیر الاجتهاد لکنہ

لم یؤیسہ جمود فہمہ من الطلب وکان العضد یضرب بہ

المثل بین جماعته فی البلادۃ، فاتفق أن أتاه فی خلوته رجل لا یعرفه له: قم یا سعد الدین لنذهب الی السیر فقال: ما للسیر خلقت أنا لا أفهم شیئاً مع المطالعة فکیف اذا ذهبت الی السیر ولم أطلع فذهب وعاد وقال له: قم بنا الی السیر فأجابه بالجواب الأول ولم یذهب معه، فذهب الرجل وعاد وقال له مثل ما قال أولاً فقال: مارأیت أبعد منک ألم أقل لک ما للسیر خلقت، فقال له: رسول اللہ ﷺ یدعوک فقام منزعجاً ولم ینتعل بل خرج حافياً حتی وصل به الی مکان خارج البلدیہ شجیرات فرأى النبی ﷺ فی نفر من أصحابه تحت تلك الشجیرات فتبسم له وقال له: نرسل الیک المرۃ بعد المرۃ ولم تأت فقال: یا رسول اللہ ما علمت أنك المرسل وأنت أعلم بما اعتذرت به من سوء فهمی وقلة حفظی وأشکو الیک ذلك، فقال له رسول اللہ ﷺ: افتح فمک وتفل له فیہ ودعأله ثم أمره بالعود الی منزله وبشره بالفتح فعاد وقد تضلع علماً ونوراً... (شذرات الذهب فی اخبار من ذهب: ۳۲۰/۶، دارالکتب العلمیۃ).

نیز ہمارے اکابر نے بعض بزرگوں کی زیارت حالت یقظہ کی تھی۔ مثلاً شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ نے فرمایا: شاہ عبدالرحیم صاحب دہلویؒ طالب علمی کے زمانہ میں اکبر آباد میں میرزا ہد سے منطق و فلسفہ اور معقولات وغیرہ پڑھا کرتے تھے۔ ایک روز سبق پڑھ کر آرہے تھے اور ایک لمبے کوچے سے گذرتے ہوئے شیخ سعدیؒ کے اشعار پڑھتے جارہے تھے:

جزیاد دوست ہرچہ کئی عمر ضائع است
جز سر عشق ہرچہ بخوانی بطالت است

سعدی بشوئی لوح دل از نقش غیر حق
علمی کہ رہ بہ حق نہ نماید جہالت است
پہلے تین مصرعے تو پڑھ لئے مگر چوتھا مصرعہ یاد نہیں آ رہا تھا، اچانک ایک بزرگ
سفید سامنے آئے اور چوتھا مصرعہ پڑھانے

علمی کہ رہ بہ حق نہ نماید جہالت است۔

اس سے بہت خوشی ہوئی، ان کا شکریہ ادا کیا اور پان کی ڈبیا پیش کی۔ انہوں نے کہا
یہ اجرت ہے؟ کہا نہیں شکریہ کے طور پر پیش کرتا ہوں، فرمایا ہم نہیں کھاتے۔ پوچھا کیا ناجائز
ہے؟ فرمایا یہ بات تو نہیں ہم ویسے ہی نہیں کھایا کرتے۔ پھر انہوں نے فرمایا مجھے جلدی جانا
ہے اور ایک قدم اٹھایا اور کوچے کے آخری کونے میں رکھا۔ شاہ صاحب سمجھ گئے کہ کسی
بزرگ کی روح ہے، جلدی سے آواز دی کہ حضرت یہ تو بتاتے جائیں کہ آپ کون ہیں؟
فرمایا: سعدی ہمیں فقیر است۔

فرمایا: یہ روح مجتہد اور مشتمل ہوگئی جیسا کہ آخرت میں سب اعراض جو اہر بن
جائیں گے۔ (نفحات طیبہ تلخیص حیات طیبہ ص ۱۴۸، حالات وارشادات حضرت مولانا شاہ
عبدالقادر رائے پوری)

نیز آپ ﷺ نے لیلۃ المعراج میں انبیائے کرام کی امامت فرمائی تھی یا تو ان کی
ارواح متشکل ہوگئی تھیں یا ارواح جسد مثالی میں آگئی تھیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے علاوہ
کہ وہ آسمان پر حیات ہیں۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔ (فتاویٰ دارالعلوم زکریا، ج: ۱، ص: ۸۱،
ط، زمزم پبلشرز کراچی)



آنحضرت ﷺ کے پاس کچھ رہتا نہیں تھا

﴿سوال﴾:

ایک طرف تو آنحضرت ﷺ کے فقر و فاقے کے متعلق سینکڑوں واقعات اور احادیث شریف کا ذخیرہ ہے اور دوسری طرف انہیں کتابوں میں اچھا خاصا سامان مثلاً تمیں غلام، سو بکریاں، گھوڑے، خچر، اونٹنیاں وغیرہ کی ملکیت آپ کی طرف منسوب کی گئی ہے، ابن قیم کی زاد المعاد اور مولانا تھانوی کی نشر الطیب میں اس کی پوری تفصیل ہے، یہ تضاد کیسے رفع ہو؟

﴿جواب﴾:

آنحضرت ﷺ کے پاس کوئی چیز رہتی نہیں تھی، آتا تھا اور بہت کچھ آتا تھا مگر چلا جاتا تھا، زاد المعاد یا نشر الطیب میں ان چیزوں کی فہرست ہے جو وقتاً فوقتاً آپ کے پاس رہیں، یہ نہیں کہ ہمہ وقت رہیں۔

﴿سوال﴾:

طبقات ابن سعد میں ہے کہ حضور علیہ السلام ایک مینڈھا تمام امت کی طرف سے اور ایک اپنی آل اولاد کی طرف سے قربانی کیا کرتے تھے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر شخص قربانی نہیں کرتا تھا۔

﴿جواب﴾:

”قربانی کیا کرتے تھے“ کے الفاظ تو مجھے یاد نہیں، جہاں تک مجھے یاد ہے ایک مینڈھا آپ نے قربان کیا اور فرمایا کہ: یہ میری امت کے ان لوگوں کی طرف سے ہے جو قربانی نہ کر سکیں۔ مشکوٰۃ شریف ص: ۱۲۷ میں بروایت مسلم حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے مینڈھا ذبح فرمایا اور دعا کی: یا اللہ! قبول فرما محمد کی طرف سے اور آل

محمد سے اور امت محمدیہ کی طرف سے (۲۷۰)۔ ایک مینڈھے میں تو دو آدمی بھی شریک نہیں ہو سکتے (۲۷۱)، اس لئے یہ نتیجہ اخذ کرنا کہ ہر شخص قربانی نہیں کرتا تھا، صحیح نہیں۔ فقط واللہ اعلم۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل، ج: ۱، ص: ۱۸۵، ط، مکتبہ لدھیانوی کراچی)



(۲۷۰): عن عائشة أن رسول الله ﷺ أمر بكبش اقرن يطأ في سواد ويرك في سواد وينظر في سواد فأتى به ليضحى به قال يا عائشة هلمى المديّة ثم قال اشحذيهما بحجر ففعلت ثم اخذها واخذ الكبش فأضجعه ثم ذبحه ثم قال بسم الله تقبل من محمد وآل محمد ومن أمة محمد ثم ضحى به رواه مسلم. (مشكاة المصابيح، باب في الاضحية، الفصل الأول، ص: ۱۲۷، ط، قديمی کتب خانہ کراچی)

(۲۷۱): في الهندية: يجب أن يعلم أن الشاة لا تجزى الا عن واحد وان كانت عظيمة. (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الاضحية، وفيه تسعة ابواب، الباب الثامن فيما يتعلق بالشركة في الضحايا، ج: ۵، ص: ۳۰۴)

وفي اعلاء السنن: فالحق هو ما ذهب اليه أبو حنيفة وأصحابه أنه لا تجوز الشاة الواحدة الا عن واحد، وهو القياس، لأن الشاة أدنى ما تجوز به الأضحية، فلو اشترك فيه الاثنان أو الأكثر كان المضحى به عن كل واحد النصف أو الثلث أو الربع أو أقل من ذلك، فلا يكون الشاة أدنى ما تجوز به الأضحية، ولم يكن لتخصيص أهل البيت معنى، اذ لما جاز التضحية بأقل من الشاة فأهل البيت الواحد والبيوت الكثيرة سواء. قال العبد الضعيف: ولو كان كذلك لم يكن لقوله ﷺ: "من وجد سعة ولم يضح فلا يقربن مصلانا" معنى، فأى حاجة الى وجدان السعة اذ جاز للمسلمين أن يشتركوا في الشاة الواحدة ولو كانوا مائة أو أكثر، فان هذا القدر مما لا يعجز عنه مسلم قط، كما هو ظاهر مشاهد، فتأمل.

وفي البناية للعيني: اعلم أن الشاة لا تجزى الا عن واحد، وأنها أقل ما تجب وذكر الانزاري أن هذا اجماع، ثم ذكر حديث تضحيتہ ﷺ بكبشين وقوله في أحدهما: اللهم هذا عن محمد وأهل بيته وفي الآخر: ان هذا منك واليك عمن

رسول اللہ ﷺ کا سیاہ چادر اوڑھنا

﴿سوال﴾:

رسول اللہ ﷺ کو ”کالی کملی والا“ کہا جاتا ہے، آپ نے جو کالی کملی استعمال فرمائی، کیا وہ سورۃ مزمل کے نزول کے وقت آپ نے اوڑھی ہوئی تھی یا کسی اور موقع پر؟ بینوا تو جردا۔

﴿الجواب باسم ملہم الصواب﴾:

رسول اللہ ﷺ کا سیاہ بالوں کی چادر استعمال فرمانا ثابت ہے۔ مگر اس پر مداومت ثابت

وحد من امتی۔ وعن ابی ہریرۃ لما ضحی بالشاة جاءت ابنة تقول: وعنی، فقال: وعنک۔

وأجاب بأن هذا لا يدل على وقوعه من اثنين بل هذا هبة ثوابها، وقد روى عن ابن عمر رضي الله تعالى عنهما أنه قال: الشاة عن واحد، انتهى. (۲: ۱۷۱)

وفی التهذیب لابن جریر الطبری ما ملخصه: ظن أهل الغباوة أن ذلك - أي قوله ﷺ: ”هذا عن محمد وعمن وحد من امتی“ - كان باشراکه لهم فی ملک أضحیتہ، فزعم أن للجماعة أن يشترکوا فی الشاة، ويجزئهم عن التضحية، ولو كان كذلك لم یحتج أحد من هذه الأمة الی التضحية، ولما كان لقوله علیه السلام: ”من وجد سعة فلم یضح“ وجه وكيف یقول ذلك وقد ضحی هو عنهم وذبحه أفضل؟ من الجوهر النقی. (۳: ۲۱۹)

وبالجملة فأبو حنیفة ومن وافقه انما یقولون بعدم وقوع شاة عن اثنين فصاعداً ولا یقولون بعدم جواز هبة ثوابها لأكثر من واحد، فقول الشوکانی: والحديثان یردان علیهم رد علیہ، لأن الحديث انما يدل علی هبة ثوابها لأكثر من واحد لا علی وقوعها من اثنين فصاعداً، فافهم. (اعلاء السنن، کتاب الاضحية، باب التضحية بالشاة وتشریک الغیر فی الثواب أو ایتارہ له به، ج: ۱۷، ص: ۲۱۰، ۲۱۱، ط، ادارة القرآن والعلوم الاسلامیہ کراتشی)

نہیں، بوقت نزول سورہ مزمل آپ ﷺ کا سیاہ چادر اوڑھے ہوئے ہونا ثابت نہیں۔

قالت عائشة رضی اللہ عنہا خرج النبی ﷺ غداً

وعلیہ مرط مرحل من شعر اسود فجاء الحسن بن علی

فادخله ثم جاء الحسين فدخل معه، ثم جاءت فاطمة

فادخلها ثم جاء علی فأدخله ثم قال انما يريد اللہ لیذهب

عنکم الرجس اهل البيت ویطہرکم تطہیراً (صحیح مسلم

ص ۲۸۳ ج ۲) (۲۷۲)۔

اس آیت کی تفسیر رسالہ ”عمدة التفسیر لایة التطہیر“ مندرجہ ”احسن

الفتاویٰ“ جلد اول میں ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔ (احسن الفتاویٰ، ج: ۹، ص: ۵۱، ط، ایم

ایچ سعید کراچی)



کیا آپ ﷺ کے گھر میں سال بھر کی جوتھی؟

﴿سوال﴾:

بعد از سلام آپ کی خدمت میں عرض ہے کہ کیا حضور ﷺ کے گھر میں پورے سال

کی جو بھری ہوئی تھی یا نہیں؟ ایک شخص نے یوں بیان کیا تھا کہ حضور ﷺ کے گھر میں کسی

وقت پورے سال کا اناج بھرا ہوا تھا؛ لہذا اس کا جواب مرحمت فرمائیں۔ اس شخص نے

حدیث بیان کی ہے۔

﴿الجواب حامداً ومصلیاً﴾:

رسول اللہ ﷺ کے مبارک گھر میں سال کا نہیں، مہینہ کا نہیں، ہفتہ کا بھی نہیں، حتیٰ

کہ شام کے کھانے کے لیے اناج نہیں ہوتا تھا (۲۷۳)۔ وقت پر اللہ تعالیٰ جو دیتے، کھا کر اللہ کا شکر ادا کرتے تھے، یا فاقہ کشی کرتے؛ البتہ ازواج مطہرات کا خرچ آپ ﷺ کے ذمہ کے فرض تھا؛ اس لیے ہر بیوی کو ان کا سال بھر کا نان و نفقہ دے دیتے تھے؛ لیکن وہ بھی آپ ﷺ کی ذات مقدس کی برکت سے سارا مال صدقہ و خیرات کر دیتی تھیں۔ معلوم ہوا کہ آپ ﷺ نے کبھی اسٹاک نہیں کیا، بل کہ جو کچھ آجاتا، اسے بھی آپ ﷺ صدقہ و خیرات کر دیتے تھے (۲۷۴)۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔ (فتاویٰ فلاحیہ، ج: ۱، ص: ۱۶۸، ۱۶۹)



(۲۷۳): عن أنس رضي الله عنه: أنه مشى الى النبي ﷺ بخبز شعير واهالة سنخة، ولقد رهن النبي ﷺ درعاً له بالمدينة عند يهودى وأخذ منه شعيراً لأهله. ولقد سمعته يقول: ما أمسى عند آل محمد ﷺ صاع بر ولا صاع حب، وإن عنده لتسع نسوة. (صحيح البخارى، كتاب البيوع، باب شراء النبي ﷺ بالنسيئة، ص: ۴۰۸، رقم: ۲۰۶۹، ط، دار السلام رياض)

(۲۷۴): عن عمرؓ قال: كانت أموال بنى النضير مما أفاء الله على رسوله. مما لم يوجف عليه المسلمون بخيل ولا ركاب. فكانت للنبي ﷺ خاصة. فكان ينفق عليه اهله نفقة سنة. وما بقى يجعله فى الكراع والسلاح. عدة فى سبيل الله. وفى الفتح تحت هذا الحديث: قوله: (فكان ينفق على أهله نفقة سنة) قال القاضى عياض: "فيه جواز ادخار قوت سنة، ولم يكن ﷺ يدخر لنفسه شيئاً، وإنما يدخر لغيره. وفيه أن الأدخار لا يقدح فى التوكل. ولا خلاف فى جواز ادخار ما يرفع الانسان من أرضه. كذا فى شرح الأبي والنووى.

ثم ان أزواج رسول الله ﷺ كن ينفقن منه على الفقراء، حتى لا يبقى فى بيوت النبي ﷺ الا شئ يسير، ولذلك توفى النبي ﷺ ودرعه مرهونة عند يهودى بشعير. (تكملة فتح الملهم، كتاب الجهاد والسير، باب حكم الفىء، ج: ۳،

حضور ﷺ کتنے وقت کھایا کرتے تھے؟

﴿سوال﴾:

حضور اکرم ﷺ کتنے وقت کھانا تناول فرماتے تھے؟

﴿جواب﴾:

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ میں عام معمول دو وقت کے کھانے کا تھا، ایک دن چڑھے، جس کو ”غدا“ کہا جاتا ہے (۲۷۵)، دوسرے مغرب کے بعد جس کو ”عشاء“ کہا جاتا ہے (۲۷۶)، البتہ خود ﷺ کا عمری معمول ایک ہی وقت کھانا تناول فرمانے کا تھا (۲۷۷)۔ (کتاب الفتاویٰ، ج: ۱، ص: ۵۳۲، ط، زمزم پبلشرز کراچی)



ص: ۶۶، ۶۷، رقم: ۴۵۵۰، ط، دار احیاء التراث العربی بیروت لبنان)

(۲۷۵): فی مجمع بحار الأنوار: الغداء المبارك، هو طعام يؤكل أول

النهار. (مجمع بحار الأنوار فی غرائب التنزیل ولطائف الأخبار، ج: ۴، ص: ۱۳، ط،

مجلس دائرة المعارف العثمانیة بحیدر آباد الدکن الهند)

(۲۷۶): فی مجمع بحار الأنوار: والعشاء: فابدؤا بالعشاء، هو بالفتح طعام

يؤكل عند العشاء، وأراد بالعشاء صلاة المغرب لأنها وقت الإفطار. (مجمع بحار

الأنوار فی غرائب التنزیل ولطائف الأخبار، ج: ۳، ص: ۶۰۱، ط، مجلس دائرة المعارف

العثمانیة بحیدر آباد الدکن الهند)

(۲۷۷): فی كنز العمال: كان اذا تغدى لم يتعش، واذا تعشى لم يتغد. (كنز

العمال فی سنن الأقوال والأفعال، شمائل تتعلق بالعبادات والمعيشة، ص: ۸۷۰، رقم:

۱۸۱۷۷، ط، بیت الأفكار الدولية)

کیا حضور ﷺ کو بت خانوں میں جا کر تبلیغ کرنے کا حکم ہوا تھا؟

سوال:

محترم المقام جناب مفتی صاحب! ایک شخص جو کہ امام مسجد ہے اور اپنے آپ کو قطب زمان، ولی اللہ اور بہت بڑا عالم دین بھی کہتا ہے۔ ایک دن مسجد میں ظہر کی سنت ادا کرنے کے بعد کہنے لگا کہ آج کل جو آدمی جد ہر لگ گیا بس ادھر ہی لگا ہوا ہے، دوسری طرف دھیان ہی نہیں، جو نماز پڑھتا ہے وہ صرف نماز ہی میں مشغول ہے اسے دنیا کی کوئی خبر نہیں۔ کوئی روزے رکھے جا رہا ہے اسے اور کسی چیز کا پتہ نہیں، کوئی نوکری کر رہا ہے اور وہ اپنے ہی حال میں مست ہے، اسے باقی دنیا کی فکر نہیں۔ چاہئے تو یہ کہ ہم مندروں، گردواروں اور گرجا گھروں میں جا کر ہر چیز کی تہہ کو تلاش کریں، اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا تھا کہ آپ گردواروں، مندروں اور بت خانوں میں جایا کریں۔ مسجد میں چند نمازی موجود تھے، ان میں سے ایک نے پوچھا کہ کیا آپ اللہ تعالیٰ کا یہ حکم جو اس نے رسول کریم ﷺ کو دیا تھا قرآن حکیم سے ثابت کر سکتے ہیں؟ تو اس پر امام صاحب بڑے ناراض ہوئے دوسرے دن اپنی اس بات پر پردہ ڈالنے اور چھپانے کے لیے لوگوں کے سامنے کہنے لگے کہ یہ راز و نیاز کی باتیں ہیں ہر ایک آدمی ان کو نہیں سمجھ سکتا، میری کل کی گفتگو کا مطلب یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر ﷺ کو بت خانوں میں جا کر بتوں کو توڑنے کا حکم دیا تھا جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بت خانے میں جا کر بت توڑے تھے، اور رسول کریم ﷺ نے کعبہ میں بتوں کو نام لے لے کر توڑا تھا۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ:-

(۱) کیا اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو بت خانوں میں جانے کا حکم دیا تھا؟

(۲) کیا اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو بت خانوں میں جا کر بت توڑنے کا

حکم دیا تھا؟ اگر اللہ تعالیٰ نے ایسا کوئی دیا ہو تو قرآن کریم کی سورۃ، رکوع اور آیت کا حوالہ

قلمبند کریں؟

(۳) کیا ایسے امام مفتری جو اللہ تعالیٰ (امام مذکور کو توبہ واستغفار کے لئے بھی کہا گیا لیکن اس نے اس طرف کوئی دھیان نہیں دیا اور نہ توبہ کی) اور اس کے رسول ﷺ پر افتراء باندھے، کے پیچھے بغیر توبہ کیے نماز پڑھنے سے نماز ہو جاتی ہے یا نہیں؟

مزید تشریح: (۱) مذکورہ امام مسجد اور بھی کئی من گھڑت قصے کہانیاں مسجد میں بیٹھ کر سناتے ہیں، ایک دفعہ انہوں نے اپنا ایک ذاتی قصہ سنایا کہ ایک دفعہ میں ایک صاحب کشف کے پاس گیا اور کہا کہ میری تمنا ہے کہ میں بھی آپ جیسا ہو جاؤں، انہوں نے کہا کہ میاں اس میں بڑی مشکلات ہیں اور کئی چیزوں کی قربانی بھی دینی پڑتی ہے، جواباً میں نے ہر قسم کی مشکلات کا مقابلہ کرنے اور قربانی دینے کا اقرار کیا، انہوں نے کہا کہ اچھا تو سب سے پہلے تمہیں داڑھی صاف کرنی اور نماز چھوڑنی پڑے گی، بادل نخو استہ میں نے ہاں کر دی، نماز تو اسی وقت چھوڑ دی اور ماتھے پر تلک بھی لگا لیا اور حجام کو بلا کر داڑھی صاف کرانے کے لیے اس کے سامنے بیٹھ گیا، جو نبی حجام نے استرا میرے منہ پر رکھا تو مجھے تمام باطنی چیزیں آنکھوں کے سامنے نظر آنے لگیں۔ میں گھر سے بہت دور اور گھر والوں سے چوری گیا تھا اور کسی کو میرا پتہ تک نہیں تھا کہ زندہ ہے یا مر گیا ہے اور گھر والے مجھے تلاش کر رہے تھے۔ میں نے دیکھا میرا بھائی اور ایک دوسرا آدمی مجھے تلاش کرتے کرتے تھک ہار کر ایک ہوٹل میں بیٹھ گئے ہیں۔

(۲) ایک دوسرے موقع پر مسجد میں بیٹھے مولانا رومؒ کا ذکر کرنے لگے کہ مولانا رومؒ ایک دفعہ حضرت شاہ شمس تبریزؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگے کہ اے صاحب باکرامت مجھے آپ اپنے رنگ میں رنگ دیں، یعنی اپنے جیسا بنادیں، حضرت شمس تبریزؒ نے کہا کہ میاں تیری منزل دوسری ہے، اسے چھوڑنا پڑے گا، مولانا رومؒ نے منظور کیا تو انہوں نے اور باتوں کے علاوہ نماز چھوڑنے کو بھی کہا۔ مولانا رومؒ گھر آئے اور سوچنا شروع کیا کہ ایک طرف تو اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اور دوسری طرف پیرومرشد کا حکم ہے، آخر یہ فیصلہ کیا کہ چلو

فرض پڑھ لیتا ہوں جو خدا کا حکم ہے اور سنتیں چھوڑ دیتا ہوں، اور ایسے ہی صرف فرض ادا کر کے سو گئے، خواب میں دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور بہت سخت ناراض ہو کر فرمایا کہ تو نے خدا کے فرض تو پڑھ لیے اور میری سنتیں چھوڑ دیں؟ صبح مولانا روم اٹھے اور مرشد کی خدمت میں حاضر ہو کر سارا ماجرا بیان کیا، مرشد نے پوچھا کہ اس سے پہلے بھی تجھے رسول اللہ ﷺ کی خواب میں زیارت ہوئی ہے؟ مولانا نے جواب نفی میں دیا، اس پر مرشد کہنے لگے کہ بے شک رسول خدا ﷺ غصے میں تھے لیکن زیارت ہو گئی، اگر تو فرض بھی نہ پڑھتا تو خدا کا دیدار بھی ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد مذکورہ امام صاحب نے مولانا روم کا یہ شعر پڑھا ہے۔

مولوی ہرگز نہ شد مولائے روم
تا غلام شمس تبریزی نہ شد

اس کے بعد امام کہنے لگے کہ نماز میں کیا رکھا ہے، خدا نماز پڑھنے سے نہیں ملتا، خدا کے ملنے کے اور طریقے ہیں۔ اس قسم کے اور بھی کئی قصے اکثر سناتے رہتے ہیں جن میں سے ۲ دو بطور تمثیل پیش کر دیئے ہیں۔

(۳) علاوہ ازیں امام مذکورہ خود صبح کی نماز پڑھنے کبھی مسجد میں تشریف نہیں لاتے، گھر پر پڑھ لیتے ہوں تو اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ اگر ان سے کہا جائے کہ صبح مسجد میں آ کر نماز پڑھایا کریں تو کہتے ہیں کہ تم لوگوں کو کیا پتہ! اگر میں صبح کی نماز پڑھانے کے لیے سویرے اٹھوں تو نہ معلوم میرے اوپر کیا کیا آفت آتی ہے۔

(۴) مذکورہ امام صاحب بینجو (جو کہ ساز بجانے کا ایک آلہ ہے) بڑے شوق سے بجاتے ہیں اور جب اس کی دھن میں مست ہو جاتے ہیں تو پاس بیٹھے ہوئے آدمیوں سے کہتے ہیں کہ اگر کسی نے کچھ مانگنا ہے تو مانگ لے۔ راقم الحروف کی رائے میں گویا وہ صبح کی نماز کو نحوست اور یہاں (نعوذ باللہ) خدائی دعویٰ کر کے پاس بیٹھے ہوئے لوگوں کو منہ مانگی مرادیں دیتے ہیں۔

مندرجہ بالا قصے کہانیوں کی روشنی میں علمائے کرام اس امام کے بارے میں کیا فتویٰ دیتے ہیں؟ نیز ایسے امام کے پیچھے نماز ہو جاتی ہے یا نہیں؟ اور جو نمازیں اس کی اقتداء میں پڑھی گئی ہیں ان کا لوٹانا ضروری ہے یا نہیں؟

﴿ الجواب ﴾:

جامعہ اشرفیہ لاہور کا جواب (۱) جو خود کہا کرتا ہے وہ ہوتا نہیں، جو ایسا ہوتا ہے وہ کبھی کہا نہیں کرتا بلکہ خود کو حقیر سمجھا کرتا ہے، کہنا ہی دلیل ہے کہ کچھ نہیں ہے غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔

(۲) نہیں! نہ تلاش کرنے کا اس کو حکم ہو سکتا ہے، جس کو بتائی نہ گئی ہو۔

(۳) شریعت میں ہر گناہ و کفر کو مٹانے کا حکم ہے، اس میں بت بھی ہیں، جس قدر قدرت ہو، وہاں جانے کا نہیں۔ مگر امام کی کم علمی پر اس قدر چراغ پا ہونے کی ضرورت نہیں سمجھانے کی ضرورت ہے، یہ زیادہ مفید ہوگا۔

(۴) مندروں وغیرہ میں ہر چیز کی تہہ تلاش کرنا کئی وجہ سے ہو سکتا ہے، اس لیے یہ کلمہ کفریہ بننے سے نکل سکتا ہے، اس سے ترغیب کفریہ باتوں کی ہوتی ہے، اس لیے گناہ ضروری اور اگلے روز کی تاویل گویا مثل رجوع کے ہے۔ مگر صاف لفظوں میں تو بہ کرنی چاہئے اس کو بار بار، ان سے کہا جائے ورنہ اس کو بھی کافی قرار دیں اگر اور باتیں ان میں نہ ہوں، دوسرے کاغذ سے معلوم ہوا کہ خطرناک اور لوگوں کو گمراہ کرنے والے ہیں، فاسق ہیں، ان کی امامت مکروہ ہے، ان کو فوراً امامت سے الگ کر دینا چاہئے بشرطیکہ مذکورہ باتیں صحیح ہوں۔

کتبہ: جمیل احمد تھانوی مفتی جامعہ اشرفیہ نیلا گنبد لاہور، ۱۲/۱۲/۱۳۸۴ھ۔

دارالعلوم کراچی کا جواب: جواب صحیح: یہ شخص پر لے درجے کا فاسق مفتری کذاب ہے، جھوٹی روایات اور قصے بیان کرتا ہے جو لوگوں کو بددین اور گمراہ کرنے والے ہیں، اس کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے، اس کو امام بنانا درست نہیں اور اس کے پیچھے نمازیں نہ

پڑھیں، فوراً اس کو امامت سے علیحدہ کر کے اس کی بجائے کسی متقی صحیح العقیدہ، مسائلِ امامت و نماز کے واقف کار شخص کو امام مقرر کریں، اور جو نمازیں اس امام کے پیچھے پڑھ لیں ان کو لوٹانے کی ضرورت نہیں۔ واللہ اعلم

کتبہ: احقر العباد محمد صابر نائب مفتی دارالعلوم کراچی ۱/۱۱/۱۳۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد تقی عثمانی دارالعلوم کراچی ۲/۱۱/۱۳۸۵ھ۔

دارالعلوم حقانیہ کا جواب: الجواب صحیح: واقعی یہ شخص انتہائی دروغ گو کہانیاں بیان کرتا ہے جس کا اثر سادہ لوح مسلمانوں پر زیادہ ہوتا ہے مگر حقیقت اس کی کچھ نہیں اور شرعی احکام کے سراسر خلاف ہیں، ایسے مفتری کو ہرگز امام نہ بنایا جائے، اس کو معزول کر کے اس کی جگہ ایک صالح مرد عالم دین کو منصبِ امامت پر مقرر کیا جائے۔ فقط واللہ اعلم (فتاویٰ حقانیہ، ج: ۱، ص: ۳۱۸ تا ۳۲۲، ط، مکتبہ سید احمد شہید اکوڑہ خٹک)



کیا حضور ﷺ کے سر میں جوئیں پڑتی تھیں

﴿سوال﴾:

- (۱) حضور ﷺ کا پیشاب، پاخانہ پاک تھا یا نجس؟
- (۲) حضور ﷺ کے سر مبارک میں جوئیں پڑتی تھیں یا نہیں؟ اگر نہیں پڑتی تھیں تو اس حدیث کا کیا مطلب ہے جو ابوداؤد میں اس طرح ہے ”تفلی راسه“ اور اس کے حاشیے کا کیا مطلب ہے جو اس طرح ہے ای تفتش القمل من راسه وتخرج وتقتله۔ بینواتو جروا۔

﴿جواب﴾:

شوافع میں بعض علمائے محققین نے آنحضرت ﷺ کے بول و براز کی طہارت کا حکم کیا ہے، اور علمائے حنفیہ نے اس کو نقل کر کے اس کے ساتھ اپنی موافقت بیان کی ہے۔ اور

بعض صحابہ رضی اللہ عنہم و صحابیات کے اس واقعہ سے کہ انہوں نے حضور ﷺ کا پیشاب نادانستگی میں پی لیا تھا مگر حضور ﷺ نے خبر پا کر ان کو دعادی اور انکار نہیں فرمایا، طہارت پر استدلال کیا ہے (۲۷۸)۔

(۲۷۸): فی الخصائص الكبرى: وأخرج أبو يعلى والحاكم والدارقطني والطبراني وأبو نعيم عن أم أيمن: قالت قام النبي ﷺ من الليل الى فخارة فبال فيها فقمتم من الليل وأنا عطشانة فشربت ما فيها فلما أصبح أخبرته فضحك وقال "أما انك لاتتجعن بطنك أبدا". ولفظ أبي يعلى "انك لن تشتكي بطنك بعد يومك هذا أبداً".

وأخرج الطبراني والبيهقي بسند صحيح عن حكيمة بنت أميمة عن أمها قالت: كان للنبي ﷺ قدح من عيدان يبول فيه ويضعه تحت سريره فقام فطلبه فلم يجده فسأل عنه فقال أن القدح؟ قالوا شربته برة خادم أم سلمة التي قدمت معها من أرض الحبشة فقال النبي ﷺ لقد احتظرت من النار بحظار. (الخصائص الكبرى، باب اختصاصه ﷺ بطهارة دمه وبوله وغائطه، ج: ۳، ص: ۳۲۱، ط، دار الكتب الحديثية)

وفى عمدة القارى: وذكر القاضى حسين فى العذرة وجهين، وأنكر بعضهم على الغزالي حكايتهما فيها، وزعم نجاستها بالاتفاق، قلت: يا للغزالي من هفوات حتى فى تعلقات النبي عليه الصلاة والسلام، وقد وردت أحاديث كثيرة أن جماعة شربوا دم النبي عليه الصلاة والسلام، منهم أبو طيبة الحجام، غلام من قريش حجم النبي عليه الصلاة والسلام، عبدالله بن الزبير شرب دم النبي عليه الصلاة والسلام، رواه البزار والطبراني والحاكم والبيهقي وأبو نعيم فى الحلية. ويروى عن على رضى الله عنه، أنه شرب دم النبي عليه الصلاة والسلام، وروى أيضاً أن أم أيمن شربت بول النبي ﷺ، رواه الحاكم والدارقطني والطبراني وأبو نعيم. (عمدة القارى، كتاب الوضوء، باب الماء الذى يغسل به شعر الانسان، ج: ۳، ص: ۵۲، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

اکثر علمائے سیر نے تصریح کی ہے کہ حضور ﷺ کے سر مبارک میں جوں نہیں پڑتی تھی، اور اس میں کوئی تعجب اور انکار کی وجہ بھی نہیں۔ حضرت ام حرام رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث اس کے خلاف پر دلالت بھی نہیں کرتی۔ کیونکہ یہ ممکن ہے کہ گو حضور ﷺ کے سر میں جوں پیدا نہیں ہوتی تھی مگر دوسروں کے بدن یا کپڑے کی جوں ریگ کر چڑھ جاتی ہوں اور وہ حضرت ام حرام رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہاتھ لگ جاتی تھی اور وہ پکڑ کر مار ڈالتی تھی۔ اس کے علاوہ حدیث کے الفاظ صرف تفلیٰ اسہ ہیں جس کے معنی صرف جوں کو تلاش کرنے کے ہیں اور محشی کا قول و تخریج و تفتلہ محتاج دلیل ہے۔ (کفایۃ المفتی، ج: ۱، ص: ۹۰، ۹۱، ط، دار الاشاعت کراچی)



سینہ نبوی کی آواز

﴿ سوال ﴾:

ایک روایت میں ہے کہ بوقت نماز آنحضرت ﷺ کے سینہ مبارک سے بہ جوش و خروش ہانڈی کے ابلنے کی سی آواز بہت زور شور سے آتی تھی، اور ایک جگہ میں نے یہ بھی پڑھا کہ یہ آواز ایک میل تک مسموع ہوتی تھی، یہ حدیث بظاہر درایت کے خلاف معلوم ہوتی ہے، کیونکہ حضور ﷺ تو رات کو گھر میں داخل ہوتے وقت سلام بھی ایسی آواز میں فرماتے

وفی ردالمحتار: صحیح بعض أئمة الشافعية طهارة بوله ﷺ وسائر فضلاته، به قال أبو حنيفة كما نقله في المواهب اللدنية عن شرح البخاري للعيني، وصرح به البيهقي في شرح الأشباه. وقال الحافظ ابن حجر: تضافرت الأدلة لملا على القاري أنه قال: اختاره كثير من أصحابنا: وأطال في تحقيقه في شرحه على الشمايل في باب ماجاء في تعطره عليه الصلاة والسلام. (ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الطهارة، باب الأنجاس، مطلب في طهارة بوله ﷺ، ج: ۱، ص: ۵۲۲، ۵۲۳، ط، دار عالم الكتب رياض)

تھے کہ سونے والا جاگے نہیں اور جاگنے والے سن لے، جو آواز ایک میل تک مسموع ہو تو آس پاس والوں کا کیا حال ہوگا؟ بچوں کے تو کان بھی پھٹ سکتے ہیں اور نیند کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

﴿جواب﴾:

ایک میل سے مسموع ہونے کی بات تو پہلی دفعہ آپ کی تحریر میں پڑھی ہے، میں نے ایسی کوئی روایت نہیں دیکھی، سند کے بارے میں کیا عرض کروں؟ (آپ کے مسائل اور ان کا حل، ج: ۱، ص: ۱۸۶، ط، مکتبہ لدھیانوی کراچی)



نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ناموں کی تحقیق

﴿سوال﴾:

اللہ تعالیٰ کے ۹۹ ناموں کی کا پیاں تقسیم کی جاتی ہیں اور پڑھی جاتی ہیں اسی طرح نبی کریم ﷺ کے ۹۹ ناموں کی کا پیاں تقسیم کی جاتی ہیں اور پڑھی جاتی ہیں کیا ۱۹۹ اسماء نبوی ﷺ کی کوئی اصل ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو کچھ صفات تو صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہیں اور اب یہ نبی کریم ﷺ کے لئے بھی استعمال ہونے لگی ہیں، مثلاً الاول، الآخر وغیرہ، میری ناقص رائے میں یہ صحیح نہیں ہونا چاہئے یہ خاص اللہ کی صفات ہیں۔ وضاحت فرمائیں؟

﴿الجواب﴾:

بخاری شریف میں ہے:

وقول اللہ تعالیٰ: ﴿ماکان محمد ابا احد من

رجالکم ولكن رسول اللہ وخاتم النبیین﴾ وقوله

تعالیٰ ﴿محمد رسول اللہ والذین معه أشداء.....﴾ وقوله

تعالیٰ: ﴿من بعدی اسمه احمد﴾ حدثنا ابراهيم بن المنذر... قال: قال رسول الله ﷺ: لي خمسة اسماء انا محمد واحمد وانا الماحي الذي يمحو الله بي الكفر وانا الحاشر الذي يحشر الناس على قدمي وانا العاقب. (صحيح بخاری شریف: ۱/ ۵۰۰، باب ماجاء في اسماء رسول الله عليه وسلم، ط: فيصل).

واخرج الا مام البيهقي في "دلائل النبوة" بسنده عن ابي موسى قال: كان رسول الله ﷺ سمي لنا نفسه، فقال: انا محمد واحمد والحاشر والمقفى ونبي التوبة والملحمة، لفظ حديث الاعمش. وفي رواية له عن ابي صالح، قال: قال رسول الله عليه وسلم: ايها الناس: "انما انا رحمة مهددة" هذا منقطع. وروى موصولا. (دلائل النبوة: ۱/ ۱۵۶، ۱۵۷، باب ذكر اسماء رسول الله ﷺ، دارالكتب العمية).

قال الا مام البيهقي: وزاد غيره من اهل العلم فقال: اسماء الله تعالى في القرآن: رسولا، نبيا، اميا، وسماه: شاهدا، مبشرا، نذيرا، وداعيا الى الله باذنه، سراجا منيرا، وسماه: رؤوفا رحيماء، وسماه: مذكرا، وجعله رحمة، ونعمة، وهاديا، وسماه: عبدا. صلى الله عليه وعلى آله وسلم كثيرا. (دلائل النبوة: ۱/ ۱۶۰، ذكر اسماء رسول الله ﷺ، ارالكتب العمية).

عمدة القاری میں ہے:

قال ابو زكريا العنبري: لبنينا محمد ﷺ خمسة

اسماء في القرآن العظيم، قال الله عز وجل: ﴿محمد رسول الله﴾ [الفتح: ٢٩]. وقال: ﴿مبشرا برسول ياتى من بعدى اسمه احمد﴾ [الصف: ٦]. وقال: ﴿وانه لما قام عبد الله﴾ وقال ﴿طه﴾ وقال: ﴿يس﴾... وعن كعب، قال الله عز وجل محمد ﷺ عبدى المتوكل المختار، وعن حذيفة بسند صحيح يرفعه: "انا المقفى ونبي الرحمة"، وعن مجاهد قال ﷺ "انا رسول الرحمة، انا رسول الله الملحمة بعثت بالحصاد ولم ابعث بالزراع" وفي "كتاب الشفاء" وانا رسول الراحة ورسول الملاحم وانا قثم، والقثم الكامل، وفي القرآن: المزمّل، والمدثر والنور والمنذر والبشير والشاهد والشهيد والحق والحق والمبين والأمين وقدم الصدق ونعمة الله والعروة الوثقى والصراط المستقيم والنجم الثاقب والكريم وداعى الله المصطفى والمجتبى والحبیب ورسول رب العالمين والشفيع والمشفع المتقى والمصلح والظاهر والصادق والمصدق والهادى وسيد ولد آدم سيد المرسلين وامام المتقين وقائد الغر المحجلين وحبیب الله وخليل الرحمن وصاحب الحوض المورود والشفاعة والمقام المحمود وصاحب الوسيلة والفضيلة والدرجة الرفيعة وصاحب التاج والمعراج واللواء والقضيب وراكب الراق والناقة والنجيب وصاحب الحجة والسلطان والعلامة ولبرهان وصاحب الهراوة والنعلين والمختار ومقيم السنة والمقدس وروح القدس وروح الحق وهو معنى البار قليط فى

الانجيل. وقال ثعلب: البار قليط الذي يفرق بين الحق والباطل،... وقال ثعلب: الخاتم الذي ختم الانبياء والخاتم احسن الانبياء خلقا وخلقاً ويسمى بالسريانية: مشفح والمنحمناء، وفي التوراة: احيد، معناه احيد امتي عن النار. وقيل: معناه الواحد، وقال عياض: معناه صاحب القضية، اى السيف وفي "الدر المنظم" للعراقي: من اسمائه المصدق المسلم الا امام المهاجر العامل اذن خير الامر والناهي المحلل والمحرم الواضح الرافح المجير، وقال ابن دحية: اسماءه وصفاته اذا بحث عنها تزيد على الثلاث مائة، وقد ذكرنا عن ابن العربي: أن أسماؤه بلغت الفا كأسماء الله تعالى. (عمدة القارى: ۱۱/۲۸۳، باب ماجاء فى اسماء النبى ﷺ، ط: متان)

”القول البديع فى الصلوة على الحبيب الشفيح“ (ص ۱۷۴) میں بعض صوفیاء سے ایک ہزار تک ناموں کا ہونا منقول ہے اور بعض نے تین سو تک تعداد ذکر کی ہے، اور مصنفؒ نے حروف تہجی کی ترتیب سے مرتب فرمایا ہے اور اس کے بعد بالترتیب ۱۴۲۸ اسماء گرامی ترجمہ کے ساتھ ذکر فرمائے ہیں (طوالت کی وجہ سے ترک کیا جاتا ہے) اس میں الا خر کے معنی تمام انبیاء سے اخیر میں تشریف لانے والے اور الاول سب سے پہلے نجات کا پیغام لانے والے مذکور ہے، پھر فرمایا اسماء گرامی کی تعداد ایک قول کے مطابق ۴۳۰ بتائی گئی ہے لیکن علماء کرام نے صرف انہیں اسماء کو لیا ہے جن کے بارے میں احادیث وارد ہوئی ہیں اور وہ ۹۹ ہیں۔

خلاصہ یہ کہ نبی کریم ﷺ کے اسماء گرامی صرف ۹۹ میں منحصر نہیں ہیں بلکہ ۴۰۰ سے زائد شمار کئے ہیں اور ایک ہزار تک بیان کئے گئے ہیں البتہ صرف ۹۹ اس لئے لیے گئے

ہیں تاکہ اسماء حسنی کے ساتھ نسبت رہے، اور ان میں اکثر باعتبار اوصاف کے قرآن مجید سے حاصل شدہ ہیں اور بعض اسماء احادیث میں وارد ہوئے ہیں۔ رہی یہ بات کہ الاول اور الاخر یہ خاص اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ دونوں نسبتوں کے اعتبار سے ان کا معنی جدا ہے، اللہ کی طرف منسوب ہو تو خاص صفات مراد ہیں اور نبی علیہ سلام کی طرف منسوب ہو تو اس کا معنی علیحدہ ہے چنانچہ الاول سے مراد آپ ﷺ کی روح مبارک کو سب سے پہلے پیدا کیا گیا تھا یا اولیت اس اعتبار سے ہے کہ آپ کی نبوت کا اعلان تمام انبیاء کی نبوت سے پہلے کیا گیا اور الآخر کے معنی سب سے آخر میں مبعوث ہونے والے۔ (الاول اور الاخر کی مزید تفصیل ”ابواب الحدیث“ کے تحت ملاحظہ فرمائیں)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

(فتاویٰ دارالعلوم زکریا، ج: ۱، ص: ۸۳ تا ۸۶، ط، زمزم پبلشرز کراچی)



نبی کریم ﷺ کے مردہ کو زندہ کرنے کی تحقیق

﴿ سوال ﴾:

کیا نبی کریم ﷺ سے اپنی حیات طیبہ میں کسی صحیح روایت سے یہ ثابت ہے کہ مردہ کو زندہ کیا ہو جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ثابت ہے؟

﴿ الجواب ﴾:

تتبع کثیر کے باوجود کتب حدیث میں صحیح اور معتمد روایت میں یہ نہیں ملا کہ آنحضرت ﷺ نے اپنی حیات طیبہ میں کسی مردہ کو زندہ کیا ہوا البتہ دو ضعیف روایتیں ایسی ہیں جس میں مردہ کو زندہ کرنے کا تذکرہ ہے۔

(۱) آنحضرت ﷺ کا اپنے والدین کو زندہ کرنا اور ان کا آپ ﷺ پر ایمان لانا

لیکن محدثین کے نزدیک یہ روایت نہایت کمزور اور ضعیف ہے زیادہ قابل اعتماد نہیں۔

(۲) آپ ﷺ نے ایک شخص کو اسلام کی دعوت دی تو اس نے انکار کر دیا شرط لگائی کہ

اس کی لڑکی کو زندہ کر دے تو آپ ﷺ نے زندہ فرمایا یہ روایت قاضی عیاض کی کتاب الشفاء میں مذکور ہے نیز مواہب لدنیہ میں بھی درج ہے لیکن سند معلوم نہیں کہ اس کا کیا حال ہے اور حدیث کی کیا حیثیت ہے صرف اتنا مذکور ہے کہ علامہ سیوطیؒ نے اس کی تخریج نہیں کی اور بظاہر یہ بھی زیادہ قابل اعتماد نہیں اور سند کا کوئی پتہ نہیں۔

دلائل وحوالہ جات حسب ذیل درج ہیں۔

شرح زرقانی میں مذکور ہے:

و كذا روى ن حديث عائشة أيضاً أحياء أبويه رضى الله عنه حتى آمنأ به جميعاً أوردہ السهيلي في الروض و كذا الخطيب في كتاب السابق واللاحق، وقال السهيلي: ان في اسناده مجاهيل، وقال ابن كثير: انه منكر أى ضعيف جداً لا موضوع فالمنكر من أقسام الضعيف. (شرح الزرقانى: ۱۸۳/۵، دار لمعرفة، بيروت).

كشف الخفاء میں مرقوم ہے:

أحيا أبوى النبى ﷺ حتى آمنأ به أوردہ العسكرى عن عائشة رضى الله تعالى عنها و كذا السهيلي عن عائشة رضى الله تعالى عنها وقال: فى اسناده مجاهيل وقال ابن كثير: انه منكر جداً.... الى قوله وهذا الحديث ضعيف باتفاق الحفاظ بل قيل: انه موضوع لكن الصواب ضعفه. (كشف الخفاء: ۱/۵۹-۶۱).

لسان الميزان میں ہے:

على بن أحمد العكى بصرى متهم روى عن أبى غزوة عن عبد الوهاب ابن موسى عن مالك عن أبى الزناد عن

ہشام بن عروہ عن أبيه عن عائشة رضي الله تعالى عنها
 حديثين أحدهما: أنا النبي ﷺ لما حج مربقبر أمه آمنة فسأل
 الله عز وجل فأحيها الخ... قال الدارقطني: الاسناد والمتن
 باطلان ولا يصح لأبي الزناد عن هشام عن أبيه عن عائشة
 رضي الله تعالى عنها شيء وهذا كذب على مالك والحمل
 فيه على أبي غزية والتمتهم بوضعه هو أو من حدث به عنه
 وعبد الوهاب بن موسى ليس به بأس. (لسان الميزان ١٩٢/٤)
 مطبعة ادارة تاليفات اشرفيه ملتان)

شرح الشفاء میں مذکور ہے:

وأما ما ذكره عنه عليه الصلاة والسلام من احياء أبويه وإيمانهما به
 على ما رواه الطبراني وغيره عن عائشة رضي الله تعالى عنها فاتفق
 الحفاظ على ضعفه كما صرح به السيوطي وقال ابن دحية: هو موضوع
 مخالف للكتاب والسنة. (شرح الشفاء: ٩٩/٣، دار المعرفة).

وللاستزادة انظر: (المقاصد الحسنة للعلامة السخاوي، ص ٤٨، رقم:
 ٣٧، و التذكرة في الاحاديث المشتهرة، ص ١٧٤، للشيخ بدر الدين
 الزركشي (م ٧٩٤ هـ)، وتذكرة الموضوعات، ص ٨٧، للشيخ الفتني، والا
 سرار المرفوعة لملا علي القاري (م ١٠١٤ هـ)، ص ٥١، رقم: ١٥٩،
 والموضوعات لابن الجوزي: ٢٨٤/١، واللالی المصنوعة: ٢٤٦/١، والدرر
 المشرقة في الاحاديث المشتهرة، للامام السيوطي، ص ٢٣، والفوائد
 الموضوعية في الاحاديث الموضوعية، ص ٩١).

نسیم الریاض میں ہے:

الحسن البصري وقد منا ترجمته هذا الحديث لم

یخرجه السیوطی. (أتی رجل النبی ﷺ فذكره أنه طرح بنية له في وادي كذا فانطلق معه الى الوادي وناداهما باسمها يافلانة أحيى باذن الله فخرجت حية من قبرها وهي تقول: لبيك وسعديك، الخ وبهامشه: والحديث عن الحسن لم نعلم من رواه. (نسيم الرياض: ۳/۹۹، وكذا في اعلام النبوة لابی الحسن الماوردي، ۱۱۱، الباب التاسع، ط: بيروت).
شرح الزرقانی میں ہے:

روی البیهقی فی دلائل النبوة: أنه دعا رجلاً الى الاسلام فقال: لا أومن یک حتی تحیی لی ابنتی، فقال النبی ﷺ: أرني قبرها فأراه اياه، فقال النبی ﷺ: يا فلانة... الى قوله ولم يذكر مخرجه السیوطی من رواه. (شرح الزرقانی: ۵/۱۸۲)

وللاستزاده انظر: (سبل الهدى والرشاد: ۱۰/۱۴- ۱۶، ط: بيروت، والبيهقي في دلائل النبوة: ۶/۵۰، ط: بيروت، والمواهب اللدنية بالمنح المحمدية: ۲/۵۷۷، المقصد الرابع في المعجزات، ط: المكتب الاسلامي، والبداية والنهاية: ۶/۵۴۰، ط: الرياض، موسوعة الامام ابن ابي الدنيا: ۶/۲۶۵- ۳۱۰، كتاب من عاش بعد الموت، ط: بيروت) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔ (فتاویٰ دارالعلوم زکریا، ج: ۱، ص: ۹۳ تا ۹۵، ط، زمزم پبلشرز کراچی)



حضور ﷺ کے معجزات سے متعلق چند سوال و جواب

﴿ سوال ﴾:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں:
(الف) جو شخص آپ کا صرف ایک معجزہ، معجزہ قرآن کو مانے اور باقی سب معجزات کا انکار کرے، ایسا شخص شرعاً کیسا ہے، فاسق، فاجر، بدعتی؟

(ب) معجزات کا اعتقاد رکھنا حق ہے، ضروری ہے، اس کی کیا دلیل ہے؟ قرآن کی کوئی آیت یا حدیث نبوی یا اجماع امت؟

(ج) معجزات کو ماننا، تسلیم کرنا شرعاً فرض ہے یا واجب یا سنت؟ کیا واقعہ معراج بھی حضور ﷺ کا معجزہ ہے؟ دوران تحریر اگر کوئی خطا ہوئی ہو تو معاف فرمادیں۔

﴿ الجواب وبالله التوفیق ﴾:

قرآن کریم کے علاوہ آپ ﷺ سے بے شمار معجزات صادر ہوئے ہیں، جو صحیح ترین احادیث صحیحہ سے ثابت ہیں، جیسا کہ بخاری و مسلم کی متعدد روایات میں آپ ﷺ کی انگلیوں کے پوروں سے پانی کا چشمہ جاری ہونا اور صحابہ کی جم غفیر کا اس پانی سے اپنی ضرورت پوری کرنا ثابت ہے، اس طرح کے معجزہ کا انکار کرنا سخت ترین گمراہی اور ضلالت کا باعث ہے۔ حدیث شریف ملاحظہ فرمائیے:

عطش الناس يوم الحديبية، والنبي ﷺ بين يديه

ركوة، فتوضأ، فجهش الناس نحوه قال: مالكم؟ قالوا: ليس

عندنا ماء نتوضأ ولا نشرب الا ما بين يديك، فوضع يده في

الركوة، فجعل الماء يثور بين أصابعه كأمثال العيون، فشربنا

وتوضأنا، قلت: كم كنتم؟ قال: لو كنا مائة ألف لكفانا، كنا

خمس عشرة مائة. (بخاری شریف، کتاب المناقب، باب

علامات النبوة فی الاسلام، النسخة الهندیة ۱/۵۰۵، رقم:
 ۳۴۵۱، ف: ۳۵۷۶، مسلم شریف، کتاب الفضائل، باب فی
 معجزات النبی ﷺ، النسخة الهندیة ۲/۲۴۶، بیت الأفكار، رقم:
 (۲۲۷۹)

(۲) معجزات نبوی کا انکار کرنا بڑی جسارت کی بات ہے، جن معجزات کا ثبوت قرآن
 مقدس سے اور احادیث متواترہ سے ہے، ان کا انکار موجب کفر ہے، ایسے لوگوں کو اپنے
 ایمان کی خیر منائی چاہئے۔

وخبر المعراج، أى بجسد المصطفى يقظة الى
 السماء، ثم الى ما شاء الله تعالى فى المقامات العلى حق، أى
 حديثه ثابت بطرق متعددة، فمن رده أى ذلك الخبر ولم
 يؤمن بمقتضى ذلك الأثر فهو ضال مبتدع، أى جامع بين
 الضلالة والبدعة، وفى كتاب الخلاصة: من أنكر
 المعراج..... الى قوله..... فهو كافر. (شرح فقه أكبر، مكتبه
 اشرفی دیوبند ۱۳۵)

(۳) معجزات کا ثبوت برحق ہے اور اس کا اعتقاد رکھنا ہر مسلمان کے ذمہ واجب

ہے۔

قد ظهر على يديه ﷺ بعض المعجزات ثابت
 بالتواتر المعنوى فلا بد من اعتقاد ثبوت معجزات النبی ﷺ
 فى الجملة. (تكملة فتح المهلم، كتاب الفضائل، باب فى
 المعجزات، مكتبه اشرفیه دیوبند ۴/۴۷۴)

والمعراج حق، وقد أسرى بالنبی ﷺ وعرج
 بشخصه فى اليقظة الى السماء، ثم الى حيث ما شاء الله

العلاء، وأكرمه الله بما شاء، وأوحى إليه ما أوحى ما كذب
الفؤاد ما رأى، فصلی اللہ علیہ وسلم فی الآخرة والأولی.

(شرح العقیدة الطحاویة، المكتبة الاسلامی، بیروت / ۲۲۳)

(۴) واقعہ معراج کا ثبوت احادیث صحیحہ اور سنت متواترہ سے ہے، اس کا ذکر مختلف
احادیث اور سیر کی کتابوں میں موجود ہے۔ اور اس کا انکار کرنا کفر اور گمراہی ہے۔

والمعراج لرسول اللہ علیہ السلام فی یقظة
بشخصه الی السماء، ثم الی ما شاء اللہ تعالیٰ من العلی حق،
أی ثابت بالخبر المشهور حتی أن منکره یكون مبتدعا
(وتحتہ فی هامشہ) أی خارجا عن السنة یضلل، ولا یکفر فی
انکار المعراج علی التفصیل المذكور، وأما انکار نفس
المعراج فهو کفر بلا شبهة. (شرح عقائد مع هامشہ، مکتبہ
نعیمیہ ۱۴۳، شرح فقہ اکبر، مکتبہ اشرفی دیوبند ۱۳۵) فقط
واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔ (فتاویٰ قاسمیہ، ج: ۲، ص: ۱۲۰ تا
۱۲۲، ط، مکتبہ اشرفیہ دیوبند)



آنحضرت ﷺ کا قبر میں تشریف لانا ثابت نہیں اور

ما تقول فی هذا الرجل کا جواب

﴿ سوال ﴾:

کیا فرماتے ہیں مفتیان شرع متین دریں مسئلہ کہ حضور اقدس ﷺ قبر میں تشریف
لاتے ہیں یا نہیں؟ اگر تشریف لاتے ہیں تو اس حدیث کا کیا مطلب الذی بعث فیکم
اور اگر نہیں لاتے تو اس کا کیا مطلب ہے ما تقول فی هذا الرجل پوری تحقیق و تدقیق

سے جواب عنایت فرمائیں۔

﴿ الجواب ﴾:

آنحضرت ﷺ کا قبر میں تشریف لانا روایات صحیحہ سے ثابت نہیں۔ بعض لوگ ”ما تقول فی هذا الرجل“ جیسے الفاظ کی بناء پر اس کے قائل ہو گئے ہیں حالانکہ ان الفاظ سے یہی مراد ہونا محل کلام ہے۔ کیونکہ اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ ”ہذا“ کا مشار الیہ آنحضرت ﷺ کا وہ مبارک تصور ہو جو ہر مسلمان کے ذہن میں موجود ہوتا ہے۔ ولہ نظائر كثيرة۔ یا روضہ اطہر اور میت کے درمیان حجاب اٹھا دیئے جاتے ہوں اور مردہ زیادت سے مشرف ہو جاتا ہو۔ (پس سوال میں مذکور شق ثانی کی بناء پر اسم اشارہ کی توجیہ اس سے خوب ظاہر ہے)۔

والدلیل علیہ ما فی حاشیة المشکوۃ عن القسطلانی
قل یکشف للمیت حتی یری النبی ﷺ وہی بشری عظیمہ
للمؤمن ان صح ذلک ولانعلم حدیثا صحیحا مرویا فی
ذلک والقائل بہ انما استند لمجرد ان الاشارة لاتكون الا
للحاضر لکن یحتمل ان تكون الاشارة لما فی الذهن فیکون
مجازاً الخ۔

کشف کے بارے میں بھی علامہ قسطلانی کے نزدیک کوئی صحیح حدیث مروی نہیں۔
اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری قبر میں یہ تو بعد کی بات ہے۔ فقط واللہ اعلم
(خیر الفتاویٰ، ج: ۱، ص: ۱۴۲، ۱۴۳، ط، مکتبہ امدادیہ ملتان)



آنحضرت ﷺ کی توصیف میں غلو کرنا

﴿ سوال ﴾:

زید نے آنحضرت ﷺ کی توصیف میں یہ کہا کہ ملکوت السموات والارض (آسمان اور زمین کی بادشاہت) حضرت ﷺ کے زیر فرمان ہے، دست حق پرست میں ارم (۲۷۹) جہنم کی کنجیاں دے دی گئی ہیں، رزق و خیر اور تمام اقسام نعمتیں حضور ہی کے دربار سے تقسیم ہوتی ہیں، عمر نے تردیداً یہ کہا کہ حقیقت امر یہ ہے کہ اگر ہمارا خدا تمہارے رسول کو رزق نہ دیتا تو وہ بھوکے مر جاتے، اس میں عمر کے لیے کیا حکم ہے۔

﴿ الجواب ﴾:

یہ صفات جو زید نے آنحضرت ﷺ کی شان میں بیان کیں یہ اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں، ملکوت سموات وارض سب اللہ کے قبضہ قدرت و تصرف میں ہے، اور رزق اور خیر کے خزانے اسی کے قبضہ و تصرف میں ہیں، اور دوزخ و جنت کا وہی خالق و مالک ہے، اس میں کوئی نبی اور ولی اس کا شریک نہیں ہے، قرآن شریف میں جگہ جگہ یہی مضامین بیان کیے گئے ہیں۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿فَسُبْحٰنَ الَّذِیْ بَیْدَہٗ مَلٰکُوتٌ کُلُّ شَیْءٍ وَّ اِلَیْہٖ تُرْجَعُوْنَ﴾ (سورہ یس، آیت: ۸۳) اور بہت سی آیات میں یہ مضمون بیان کیا گیا ہے اور احادیث میں جو دعائیں وارد ہیں ان میں یہ بھی ہے: ﴿بَیْدَکَ الْخَیْرُ اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ﴾ (۲۸۰) لہذا معلوم ہوا کہ یہ قول زید کا صحیح نہیں ہے اور عمر نے جو اس کی تردید

(۲۷۹): ارم: شداد کی بنائی ہوئی بہشت کا نام، مجازاً بہشت، جنت۔ (فیروز اللغات)

(۲۸۰): عن معاذ بن جبل ان رسول اللہ ﷺ افتقده يوم الجمعة فلما صلی رسول اللہ ﷺ اُتی معاذاً فقال له: یا معاذ مالی لم أُرک؟ قال: یا رسول اللہ لیہودی علی أوقیة من تبر، فخرجت الیک فحبسنی عنک، فقال له رسول اللہ ﷺ: یا معاذ ألا أعلمک دعاء تدعو بہ، فلو کان علیک من الدین مثل جبل صبر أداه اللہ عنک

کی یہ موافق قرآن وحدیث کے ہے۔ قال اللہ تعالیٰ: ﴿إِنَّ اللَّهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِينُ﴾ (سورہ ذاریات، آیت: ۵۸) لیکن عمر کو مضمون مذکور کو اس طرح ادا کرنا نہ چاہئے، اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ سے یہاں تک فرمایا کہ اگر آپ چاہیں تو میں آپ کے لیے پہاڑ کو سونے کا کردوں، مگر آپ ﷺ نے اس کو اختیار نہ فرمایا اور فقر کو اختیار فرمایا (۲۸۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، ج: ۱۸، ص: ۲۴۱ تا ۲۴۳، ط، مکتبہ دارالعلوم دیوبند)



– وصبر جبل باليمن۔ فادع به يا معاذ قل اللهم مالک الملک تؤتی الملک من تشاء وتنزع الملک من تشاء وتعز من تشاء وتذل من تشاء بيدک الخير انک علی کل شیء قدير تولج اللیل فی النهار وتولج النهار فی اللیل وتخرج الحی من المیت وتخرج المیت من الحی وترزق من تشاء بغير حساب رحمن الدنيا والآخرة ورحیمهما تعطی من تشاء منهما وتعطی من تشاء ارحمنی رحمة تغنینی بها عن رحمة من سواک۔ (المعجم الکبیر للطبرانی، ج: ۲۰، ص: ۱۵۵، رقم: ۳۲۳، ط، مکتبہ ابن تیمیہ القاہرہ)

(۲۸۱): عن أبی امامة عن النبی ﷺ قال: عرض علی ربی لیجعل لی بطحاء مكة ذهباً. قلت: لا، یارب، ولكن أشبع يوماً وأجوع يوماً، أو قال ثلاثاً، أو نحو هذا، فاذا جعت تضرعت الیک و ذکر ُکرتک، فاذا شبع ُت شکر ُکرتک و حمد ُکرتک۔ (جامع الترمذی، أبواب الزهد، باب ما جاء فی الکفاف والصبر علیہ، ص: ۵۳۶، رقم: ۲۳۴۷، ط، دار السلام ریاض)

آنحضرت علیہ الصلاۃ والسلام سے صرف عمامہ اور صرف ٹوپی پہننا بھی ثابت ہے

﴿ سوال ﴾:

حضور پر نور ﷺ نے اپنی مبارک زندگی میں بغیر گپڑی کے ٹوپی پہنی ہے یا کہ نہیں؟
اور بغیر ٹوپی کے گپڑی پہنی ہے کہ نہیں۔ بحوالہ تحریر فرمادیں۔ بینواتو جروا۔

﴿ الجواب ﴾:

آنحضرت ﷺ نے صرف ٹوپی یا صرف گپڑی بھی پہنی ہے۔ زاد المعاد: ج ۱ ص ۳۴
میں ہے:

وكان يلبس القلنسوة بغير عمامة ويلبس العمامة
بغير قلنسوة اه ولا بأس بلبس القلانس وقد صح انه ﷺ كان
يلبسها (كذا في عالمگیری) (۲۸۲)

(۲۸۲): وقال ابن القيم في زاد المعاد: وكان يلبسها يعني العمامة ويلبس تحتها
القلنسوة وكان يلبس القلنسوة بغير عمامة ويلبس العمامة بغير قلنسوة. انتهى. وفي
الجامع الصغير برواية طبرانی عن ابن عمر قال كان يلبس قلنسوة بيضاء. قال
العزیزی: اسناده حسن وفيه برواية الروياني وابن عساكر عن ابن عباس: كان يلبس
القلانس تحت العمامة و بغير العمامة ويلبس العمامة بغير قلانس وكان يلبس
القلانس اليمانية وهن البيض المضربة ويلبس القلانس ذوات الاذان في الحرب
وكان ربما نزع قلنسوته فجعلها سترة بين يديه وهو يصلي. الحديث. (تحفة
الاحوذی، کتاب اللباس، باب بلا ترجمه، ص: ۴۸۳، ج: ۵، ط، دار الکفر)

ولا بأس بلبس القلانس وقد صح انه ﷺ كان يلبسها، كذا في الوجيز
لكردری. (فتاویٰ عالمگیری، کتاب الكراهية، الباب التاسع في اللبس مايكره من ذلك

وفى الترمذى كانت كمام اصحاب رسول الله عليه
وسلم بطحاً (٢٨٣). فقط والله اعلم (خير الفتاوى، ج: ١،
ص: ٣٣٠، ط، مكتبة امداديه ملتان)



وما لا يكره، ص: ٣٣٠، ج: ٥)

ولا بأس بلبس القلانص وقد صح انه عليه السلام كان يلبسها. (فتاوى بزازيه
على هامش فتاوى عالمغيره، كتاب الكراهية، الفصل السابع فى اللبس، ص: ٣٦٨،
ج: ٦)

(ولا بأس بلبس القلانص) لما روى ان النبى صلى الله عليه وسلم كان له
قلانص يلبسها وقد صح ذلك، ذكره فى الذخير. (تبيين الحقائق، مسائل شتى، ص:
٢٢٨، ج: ٦)

قال رحمه الله (ولا بأس بلبس القلانص) لما روى ان النبى صلى الله عليه
وسلم كان له قلانص يلبسها وقد صح ذلك، ذكره فى الذخير. (تكملة البحر الرائق،
كتاب الخنثى، ص: ٣٦٢، ج: ٩، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

وذكر فيه ايضاً: انه لا بأس بلبس القلانص، فقد صح انه كان لرسول الله
صلى الله عليه وسلم قلانص يلبسها. (فتاوى تاتارخانيه، كتاب الكراهية، الفصل العاشر
فى اللبس ما يكره من ذلك وما لا يكره، ص: ١٠٦، ج: ١٨)

(٢٨٣): (اخرج الترمذى فى جامعه وقال: هذا حديث منكر وعبد الله بن بسر هو
ضعيف عند أهل الحديث ضعفه يحيى بن سعيد وغيره، كتاب اللباس، باب كيف كانت
كمام الصحابة، ص: ٤٢٢، رقم: ١٧٨٢، ط، دار السلام رياض)

حضور ﷺ سے ٹوپی پہننا ثابت ہے

﴿ سوال ﴾:

کیا رسول اللہ ﷺ نے کبھی ٹوپی پہنی ہے؟ اگر پہنی ہے، تو اس کی تفصیل مطلوب ہے۔

﴿ الجواب حامداً ومصلیاً ﴾:

حضور پاک ﷺ کی طبیعت مبارکہ میں انتہائی درجہ لطافت تھی، آپ ﷺ اپنے سر مبارک میں تیل لگایا کرتے تھے، پھر اس پر مثل پٹی کے ایک کپڑا باندھ دیتے، پھر اس کپڑے کے اوپر ٹوپی اور اس پر عمامہ پہنتے تھے، محدثین نے لکھا ہے کہ چوں کہ آپ ﷺ بہ کثرت تیل لگایا کرتے تھے، اس لیے بال مبارک پر اولاً کپڑا باندھ لیا کرتے تھے، تاکہ ٹوپی اور عمامے پر تیل نہ لگ جائے (۲۸۴)۔

ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ٹوپی پہنتے تھے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب (فتاویٰ فلاحیہ، ج: ۱، ص: ۱۴۸)



(۲۸۴): عن أنس قال: كان رسول الله ﷺ يكثر دهن رأسه، وتسريح لحيته ويكثر القناع، كأن ثوبه ثوب زيات. وفي المرقاة تحت هذا الحديث (القناع) خرقة تلقى على الرأس تحت العمامة بعد استعمال الدهن وقاية للعمامة من أثر الدهن واتساخها به. (مرقات المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، كتاب اللباس، باب الترجل، الفصل الثاني، ج: ۸، ص: ۲۸۸، رقم: ۴۴۴۵، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

کیا نماز میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا خیال آنا مفسد صلوٰۃ ہے؟

﴿سوال﴾:

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر نماز میں حضور اکرم ﷺ کا خیال آجائے تو کیا نماز فاسد ہو جاتی ہے؟

﴿الجواب وبالله التوفیق﴾:

سرور دو عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نماز کے دوران محض خیال آجانا نماز کے لئے مفسد نہیں ہے، اور یہ خیال آخر کیسے مفسد ہو سکتا ہے؟ جب کہ التحیات اور درود شریف پڑھتے ہوئے پیغمبر علیہ السلام کا ذکر لازم ہے جو نماز کے واجبات و سنن میں شامل ہے، البتہ اگر اس طرح کا تصور نمازی کے ذہن میں جم جائے کہ وہ نعوذ باللہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی عبادت نہ کر کے پیغمبر علیہ السلام کی عبادت اور ان کے سامنے رکوع اور سجدہ کر رہا ہے، تو اس خاص صورت میں شرک فی العبادۃ کی وجہ سے نہ صرف یہ کہ نماز فاسد ہوگی، بلکہ نمازی کا ایمان بھی خطرہ میں پڑ جائے گا، کیوں کہ غیر اللہ کی عبادت کا تصور بھی حرام ہے۔ (کفایت المفتی ۱۵۹/۱، فتاویٰ محمودیہ ڈابھیل ۳۷۹/۱، ۶/۲۲۸)

عن أبي هريرة رضي الله عنه عن النبي ﷺ قال: ولو كنت أمر أحداً أن يسجد لأحد لأمرت المرأة أن تسجد لزوجها. (سنن الترمذی، أبواب الرضاع / باب فی حق الزوج علی المرأة ۲۱۹/۱)

قال الملا علی القاری: فان السجدة لا تحل لغير الله.

(مرقاۃ المفاتیح ۲۷۲/۶)

السجود لغير الله علی وجه التکرمة والتحية

منسوخ. (أحكام القرآن الکریم للجصاص ۳۲/۱)

يجب حضور القلب عند التحريمة فلو اشتغل قلبه
بتفكر مسألة مثلاً في أثناء الأركان فلا تستحب الاعادة،
وقال البقالی: لم ينقص أجره الا اذا قصر. (شامی زکریا
۹۴/۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (کتاب النوازل، ج: ۱، ص:
۲۷۷، ط، المركز العلمی للنشر والتحقیق لال باغ مراد آباد
الهند/ فتاویٰ قاسمیہ، ج: ۲، ص: ۱۵۷، ۱۵۸، ط، مکتبہ
اشرفیہ دیوبند/ فتاویٰ محمودیہ، ج: ۱، ص: ۳۸۰، ۳۸۱)



تشہد میں حضرت محمد ﷺ کا تصور

﴿سوال﴾:

التحیات میں ”السلام علیک ایہا النبی“ سے صوفیاء حضرات استدلال کرتے
ہیں کہ نماز پڑھتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کا تصور ضروری ہے، کیا یہ صحیح ہے؟ ان الفاظ کی
وجہ اور شان نزول کیا ہے؟

﴿الجواب حامداً ومصلیاً﴾:

نماز کے معنی پردھیان رکھ کر اور سمجھ کر پڑھنا چاہئے اس لئے تصور بھی آئے
گا (۲۸۵)۔

(۲۸۵): فی تفسیر المظہری: الخشوع فی الصلوة ہو جمع الہمة لہا
والاعراض عما سواہ والتدبر فیما یجرى علی لسانہ من القراءة والذکر. (تفسیر
المظہری، سورة المؤمنین، الآیة: ۲، ج: ۶، ط، ۲۷۳، ط، دار احیاء التراث العربی بیروت
لبنان)

وفی تفسیر الخازن: الخشوع فی الصلوة ہو جمع الہمة والاعراض عما سوی

معراج میں تین چیزیں: ”التحيات، الصلوات، الطيبات“ بارگاہ خداوندی میں پیش کئے تو وہاں سے جواب میں تین چیزیں: ”السلام، رحمة، بركات“ عطا ہوئیں (۲۸۶)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (فتاویٰ محمودیہ، ج: ۱، ص: ۳۸۲)



اللہ والتدبر فيما يجرى على لسانه من القراءة والذكر. (تفسير الخازن، سورة المؤمنين، الآية: ۲، ج: ۳، ص: ۲۶۷، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

(۲۸۶): فی مجمع الأنهر: (والطيبات) أى العبادات المالية لله تعالى (السلام عليك أيها النبي ورحمة الله وبركاته) قيل: لما أثنى النبي عليه الصلاة والسلام ليلة المعراج بهذه الأشياء رد الله عليه عليه الصلاة والسلام، بمقابلة التحيات السلام والرحمة بمقابلة الصلوات. (مجمع الأنهر فى شرح ملتقى الأبحر، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، ج: ۱، ص: ۱۵۱، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

وفي البناية: (السلام عليك أيها النبي ورحمة الله وبركاته الى آخره) ش: هذا من الله تعالى على نبيه - عليه السلام - ليلة المعراج فانه - عليه السلام - لما قال التحيات لله والصلوات والطيبات، رد الله تعالى من مقابلته بقوله السلام عليك أيها النبي ورحمة الله وبركاته والزيادة، ولما زاد - عليه السلام - بهذه الألفاظ أشرك النبي - عليه السلام - أمته فيه بقوله السلام علينا وعلى عباد الله الصالحين، ثم لما سمعت الملائكة بذلك فرحوا وقالوا أشهد أن لا اله الا الله وأشهد أن محمداً عبده ورسوله. (البناية شرح الهداية، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، ج: ۲، ص: ۲۶۵، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

کیا حضور ﷺ کی تمام دعائیں قبول ہوتی تھیں؟

﴿ سوال ﴾:

زید کہتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائیں قبول بھی ہوتی تھیں اور بعض دعائیں ہوتی تھیں۔

﴿ جواب ﴾:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض دعائیں قبول نہیں کی گئیں۔ مثلاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعاء فرمائی تھی کہ میری امت آپس میں جنگ و جدال اور قتل و قمار سے باز رہے۔ یہ دعا قبول نہیں ہوئی (۲۸۷)۔ (کفایۃ المفتی، ج: ۱، ص: ۸۵، ط، دارالاشاعت کراچی)



(۲۸۷): عن ثوبان قال: قال رسول الله ﷺ: ان الله زوى لى الأرض، فرأيت مشارقها ومغاربها، وان أمتى سيبلى ملكها ما زوى لى منها، وأعطيت الكنزين الأحمر والأبيض، وانى سألت ربى لأمتى أن لا يهلكها بسنة عامة، وأن لا يسلط عليهم عدواً من سوى أنفسهم - فيستبيح بيضتهم، وان ربى قال: يا محمد! انى اذا قضيت قضاء فانه لا يرد، وانى اعطيتك لأمتك أن لا أهلكهم بسنة عامة، ولا أسلط عليهم عدواً من سوى أنفسهم، يستبيح بيضتهم ولو اجتمع عليهم من بأقطارها - أو قال: من بين أقطارها - حتى يكون بعضهم يهلك بعضاً، ويسبى بعضهم بعضاً. (صحيح مسلم، كتاب الفتن وأشرط الساعة، باب هلاك هذه الأمة بعضهم ببعض، ص: ۱۲۵۰، رقم:

آنحضرت ﷺ کو یا صاحب الزمان کہنا

﴿ سوال ﴾:

کیا نبی اکرم ﷺ کو ”السلام علیک یا صاحب الزمان“ کہنا درست ہے؟

﴿ الجواب ﴾:

اس لفظ میں شرک یا شبہ شرک ہے کہ آپ زمانہ کے مالک ہے اور اس میں آپ متصرف ہے اس لئے یہ نہیں کہنا چاہئے۔
ابوداؤد شریف میں ہے:

عن أبي هريرة رضي الله عنه عن النبي ﷺ يقول الله عز وجل يؤذيني ابن آدم يسب الدهر وأنا الدهر بيدى الأمر أقلب الليل والنهار. (رواه أبو داود: ٧١٥/٢، فيصل پبلشرز)
”بذل المجهود“ میں ہے:

أنا الدهر: أى أنا خالق الدهر ومقلبه...
والحاصل: أن فى تاويله ثلاثة أوجه:
أحدها: أن المراد بقوله ان الله هو الدهر أى المدبر
للأمور.

ثانيها: أنه على حذف أى صاحب الدهر.
ثالثها: التقدير مقلب الدهر ولذلك عقبه بقوله
بيدى الليل والنهار.

قال المحققون: من نسب شيئاً من الأفعال الى الدهر
حقيقة كفر ومن جرى هذا اللفظ على لسانه غير معتقد
لذلك فليس بكافر يكره له ذلك لشبهه بأهل الكفر فى

الاطلاق وهو نحو التفصیل الماضي فی قولهم: مطرنا بكذا.

(بذل المجهود فی حل أبی داؤد: ۱۳/۶۶۲، ط: دار البشائر

الاسلامیة)

خلاصہ یہ ہے کہ آپ ﷺ کے لئے ایسے الفاظ استعمال کرنا درست نہیں جس میں شرک کا شبہ ہو، لہذا ”السلام علیک یا صاحب الزمان“ کہنے سے احتراز کرنا چاہئے۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم (فتاویٰ دارالعلوم زکریا، ج: ۱، ص: ۹۰، ۹۱، ط: زمزم پبلشرز کراچی)



کیا حضور ﷺ نے ابولہب کے لڑکے کو بددعا دی تھی؟

﴿سوال﴾:

ہمارے شہداد پور میں ایک مقرر نے حضور ﷺ کے بارے میں بتایا کہ نبی کریم کو اپنی پوری زندگی میں ایک صدمہ ہوا جس پر آپ نے بددعا کر دی تھی۔ مسئلہ یہ تھا کہ ابولہب کا لڑکا جس نے نئی کی لڑکی کو طلاق دی تھی اور حضور نے بددعا کر دی کہ خدا اس کو جانوروں کی خوراک بنا دے اور خدا نے شیر کو حکم دیا کہ اس کو پھاڑ دو۔ یہ مسئلہ بڑا پیچیدہ ہو گیا ہے، ایک گروپ کا کہنا ہے کہ حضور تو رحمت للعالمین بن کر آئے، انہوں نے زندگی میں کسی کو بددعا نہیں دی، مگر ایک گروپ کہتا ہے کہ مقرر صاحب نے خطبہ عام میں یہ بات بتائی ہے تو صحیح ہے۔ مہربانی کر کے کتاب کا حوالہ دے کر تفصیل سے جواب دیں، تاکہ مسلمان اپنے بھٹکے ہوئے راستے سے صحیح راستے پر آجائیں، ہم لوگ آپ کے لئے دعا کریں گے۔

﴿جواب﴾:

ابولہب کے لڑکے کے لئے بددعا کرنے کا واقعہ سیرت کی کتابوں میں آتا

ہے (۲۸۸)، اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا متعدد لوگوں کے لئے بدوعا کرنا بھی منقول ہے (۲۸۹)، اس لئے یہ خیال صحیح نہیں کہ آنحضرت ﷺ نے کبھی کسی کے لئے بدوعا

(۲۸۸): عن قتادة بن دعامة قال: تزوج أم كلثوم بنت رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم عتية بن أبي لهب فلم يبين بها حتى بعث النبي صلى الله تعالى عليه وسلم وكانت رقية عند أخيه عتبة بن أبي لهب فلما أنزل الله عز وجل (تبت يدا أبي لهب) قال أبو لهب لابنيه عتية وعتبة: رأسي من رأسكما حرام ان لم تطلقا ابنتي محمد، وقالت أمهما بنت حرب بن أمية وهي حمالة الحطب: طلقاهما يا بني فانهما قد حبتا، فطلقاهما ولما طلق عتية أم كلثوم جاء الى النبي صلى الله تعالى عليه وسلم حيث فارق أم كلثوم فقال: كفرت بدينك وفارقت ابنتك لا تحبني ولا أحبك. ثم سطا عليه فشق قميص النبي صلى الله تعالى عليه وسلم وهو خارج نحو الشام تاجراً، فقال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: أما اني أسأل الله ان يسلط عليك كلبه، فخرج في حجر من قریش حتى نزلوا بمكان من الشام يقال له الزرقاء ليلا فأطاف بهم الأسد في تلك الليلة، فجعل عتية يقول: يا ويل أمي هو والله آكلي كما دعا علي محمد فأبكي ابن أبي كبشة وهو بمكة وأنا بالشام، فعدا عليه الاسد من بين القوم فأخذ برأسه فضغمه ضغمة فقتله. (المعجم الكبير للطبراني، ج: ۲۲، ص: ۴۳۵، ۴۳۶، رقم: ۱۰۶۰، ط، مكتبة ابن تيمية القاهرة)

(۲۸۹): عن أنس بن مالك رضى الله عنه: أن رجلاً وذكوان وعصية وبني لحیان استمدوا رسول الله ﷺ على عدو فامدهم بسبعين من الأنصار كنا نسميهم القراء في زمانهم، كانوا يحتطبون بالنهار، ويصلون بالليل، حتى كانوا يبثر معونة قتلوهم وغدروا بهم. فبلغ النبي ﷺ ذلك ففقت شهراً يدعو في الصباح على أحياء من أحياء العرب، على رجل وذكوان وعصية وبني لحیان. قال أنس: فقرأنا فيهم قرآنًا ثم ان ذلك رفع: بلغوا عنا قومنا أنا قد لقينا ربنا فرضى عنا وأرضانا. (صحيح البخارى، كتاب المغازى، باب غزوة الرجيع، ورجل، وذكوان الخ، ص: ۸۴۲، رقم:

نہیں کی۔ اور کسی کے لئے بددعا کرنا آپ ﷺ کے رحمۃ للعالمین ہونے کے خلاف نہیں، کیونکہ کسی موذی جانور مثلاً: سانپ کو مارنا بھی رحمت کے زمرے میں آتا ہے، اسی طرح کسی موذی شخص کے لئے بددعا کرنا بھی گو اس شخص کے لئے رحمت نہ ہو مگر دوسروں کے لئے عین رحمت ہے۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل، ج: ۲، ص: ۵۹۳، ط، مکتبہ لدھیانوی کراچی)



عن علی رضی اللہ عنہ قال: لما کان یوم الأحزاب قال رسول اللہ ﷺ: ملائکۃ اللہ بیوتہم وقبورہم ناراً، شغلونا عن صلاۃ الوسطی حتی غابت الشمس.
عن اسماعیل بن أبی خالد أنه سمع عبد اللہ بن أبی أوفی رضی اللہ عنہما یقول: دعا رسول اللہ ﷺ یوم الأحزاب علی المشرکین فقال: اللہم منزل الكتاب، سریع الحساب. اللہم اہزمہم وزلزلہم.

عن عبد اللہ رضی اللہ عنہ قال: کان النبی ﷺ یصلی فی ظل الکعبۃ فقال أبو جہل وناس من قریش، ونحرت جزور بناحیۃ مکۃ، فأرسلوا فجاءوا من سلاھا وطرحوا علیہ. فجاءت فاطمۃ فألقته عنہ، فقال: اللہم علیک بقریش، اللہم علیک بقریش، اللہم علیک بقریش: لأبى جہل بن ہشام، وعتبۃ بن ربیعۃ، وشیبۃ بن ربیعۃ، والولید بن عتبۃ، وأبى بن خلف وعتبۃ بن أبی معیط. قال عبد اللہ: فلقد رأیتہم فی قلیب بدر قتلی. قال أبو اسحاق: ونسیت السابع. قال أبو عبد اللہ، قال یوسف بن أبی اسحاق، عن أبی اسحاق: امیۃ بن خلف. وقال شعبۃ: امیۃ أو أبی، والصحیح امیۃ. (اخرجہم البخاری فی صحیحہ، کتاب الجہاد والسریر، باب الدعاء

علی المشرکین بالہزیمۃ والزلزلۃ، ص: ۵۹۴، ط، دار السلام ریاض)

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کن کن صحابہ کی

نماز جنازہ نہیں پڑھائی؟

﴿ سوال ﴾:

کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں بغیر نماز جنازہ کن کن صحابہ کرام کو دفن کیا ہے؟ جواب سے نوازیں عنایت ہوگی۔

﴿ الجواب وبالله التوفیق ﴾:

احقر کو معلوم نہیں، ہاں البتہ حدیث شریف میں اتنی بات وارد ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایسے قرض دار کی نماز جنازہ نہیں پڑھاتے تھے جس کے قرض کی ادائیگی کے لئے متروکہ مال نہیں ہوتا تھا، باقی بلاوجہ کسی کی نماز جنازہ کا بالقصد نہ پڑھانا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہے۔

عبداللہ بن ابی قتادہ یحدث عن أبیه أن رسول اللہ

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم أتى برجل من الأنصار لیصلی

علیه فقال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: صلوا علی

صاحبکم فان علیہ دینا قال أبو قتادة: هو علی قال النبی صلی

اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: بالوفاء قال: بالوفاء فصلی علیہ. [سنن

نسائی، النسخة الهندیة ۲/ ۲۷۸، رقم: ۱۹۶۲، کتاب الجنائز،

باب الصلوة علی من علیہ دین] فقط سبحانه وتعالیٰ

اعلم۔ (فتاویٰ قاسمیہ، ج: ۲، ص: ۳۷۷، ۳۷۸، ط، مکتبہ

اشرفیہ دیوبند)



رسول اللہ ﷺ کے گائے کا گوشت تناول فرمانے کا ثبوت

﴿ سوال ﴾:

رسول اللہ ﷺ کبھی گائے کا گوشت کھائے یا نہیں؟ اگر کھائے تو کون کتاب میں آگاہ فرما کر سرفراز فرماویں؟

﴿ الجواب ﴾:

عن أبي الزبير عن جابر قال ذبح رسول الله ﷺ عن عائشة بقرۃ يوم النحر. (صحيح مسلم كتاب الحج ج ۱ ص ۴۲۴) (۲۹۰)۔

وعن الأسود عن عائشة واتي النبي ﷺ بلحم بقرۃ فقبل هذا ما تصدق به علي بريرة فقال هولها صدقة ولنا هدية. (صحيح مسلم كتاب الزكوة ج ۱ ص ۳۴۵) (۲۹۱)۔

حدیث اول میں ذبح بقرہ اور حدیث ثانی سے دسترخوان پر لحم بقرہ کا حاضر ہونا اور مانع عن الاكل کا جواب دینا جس کا لازم عادی ہے نوش فرمانا یہ سب تصریحاً حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ (امداد الفتاویٰ، ج: ۱۳، ص: ۳۸۹، ط، زکریا بک ڈپو الہند)



(۲۹۰): (صحيح مسلم كتاب الحج، باب جواز الاشتراك في الهدى، ص:، رقم:

۳۱۹۱، ط، دار السلام رياض)

(۲۹۱): (صحيح مسلم كتاب الزكاة، باب اباحة الهدية للنبي ﷺ ولبنی هاشم،

ص:، رقم: ۲۴۸۶، ط، دار السلام رياض)

حضور ﷺ کو امی کہنا

﴿ سوال ﴾:

حضور ﷺ کو علوم شرايع ملنے کے باوجود امی کہنا کیسا ہے؟

﴿ الجواب وبالله التوفيق ﴾:

امی کے معنی انپڑھ کے نہیں ہیں، بلکہ امی اس کو کہتے ہیں جس نے کسی شخص سے لکھنا پڑھنا نہ سیکھا ہو، رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے بذات خود علم عطاء فرمایا، آپ ﷺ نے کسی سے لکھنا پڑھنا نہیں سیکھا، اس لئے آپ ﷺ کو امی کہنا درست ہے (۲۹۲)۔ البتہ

(۲۹۲): قال الله تبارك وتعالى: الذين يتبعون الرسول النبي الأمي الذي يجدونه مكتوبا عندهم في التوراة والانجيل يأمرهم بالمعروف وينههم عن المنكر ويحل لهم الطيبات ويحرم عليهم الخبث ويضع عنهم اصرهم والاغلال التي كانت عليهم فالذين امنوا به وعزروه ونصروه واتبعوا النور الذي أنزل معه أولئك هم المفلحون. (سورة الاعراف: ۱۵۷)

وفى التفسير المأمون: وأما لفظ ﴿الأمي﴾: فهو من النسبة الى الأمة الأمية، التي هي على أصل ولادتها، لم تتعلم الكتابة ولا قراءتها - ذكره ابن عزيز أحد علماء المالكية. وقال ابن عباس رضى الله عنه: "كان نبيكم ﷺ أمياً لا يكتب ولا يقرأ ولا يحسب"، قال الله تعالى: ﴿وما كنت تتلوا من قبله من كتاب ولا تخطه بيمينك﴾ [العنكبوت: ۳۸]. (التفسير المأمون على منهج التنزيل والصحيح المسنون، سورة الاعراف، الآية: ۱۵۷، ج: ۳، ص: ۲۵۸)

وفى المهند على المفند: نقول باللسان ونعتقد بالجنان ان سيدنا رسول الله ﷺ اعلم الخلق قاطبة بالعلوم المتعلقة بالذات والصفات والتشريعات من الاحكام العملية والحكم النظرية والحقائق الحققة والاسرار الخفية وغيرها من العلوم ما لم يصل الى سرادقات ساحته احد من الخلائق لا ملك مقرب ولا نبي

اگر کسی جگہ پر لوگ اس کا مفہوم نہ جانتے ہوں اور اس کے معنی ان پڑھ اور جاہل کے سمجھتے ہوں یا یہ کلمہ استخفاف کے طور پر بولا جاتا ہو تو وہاں آپ ﷺ کے لئے یہ لفظ استعمال نہیں کرنا چاہئے۔ (فتاویٰ دارالعلوم وقف دیوبند، ج: ۱، ص: ۱۹۴، ط، حجة الاسلام اکیڈمی)



”امی“ کے معنی کیا ہیں اور کیا آپ ﷺ امی تھے؟

﴿ سوال ﴾:

امی کسے کہتے ہیں؟ کیا آپ ﷺ امی تھے؟ اور کیا آپ ﷺ کو امی کہنے میں آپ ﷺ کی توہین نہیں ہے؟

﴿ الجواب ﴾:

امی ایسے شخص کو کہتے ہیں جو لکھی ہوئی چیز کو پڑھ نہ سکتا ہو اور نہ لکھ سکتا ہو (۲۹۳) رسول اللہ ﷺ امی تھے، قرآن مجید نے خود ایک سے زیادہ مواقع پر اس کی صراحت کی ہے ﴿هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِنْهُمْ﴾ (۲۹۴) آپ ﷺ کا امی ہونا باعث اہانت نہیں، بلکہ باعث اعزاز ہے (۲۹۵)، کہ آپ ﷺ علم کے حاصل کرنے اور اس

مرسل ولقد اعطى علم الاولين والآخرين وكان فضل الله عليه عظيما. (المهند عني المفند، ص: ۴۵، ط، الميزان ناشرون وتاجرون كتب لاهور)

(۲۹۳): فی الجامع لأحكام القرآن: ﴿الأمی﴾ هو منسوب الى الأمة الأمية، التي هي على أصل ولادتها، لم تتعلم الكتابة ولا قراءتها، قاله ابن عزيز. (الجامع لأحكام القرآن، سورة الاعراف، الآية: ۱۵۷، ج: ۹، ص: ۳۵۳، ط، مؤسسة الرسالة بيروت لبنان)

(۲۹۴): (سورة الجمعة: ۲)

(۲۹۵): فی التفسیر المأمون: قلت: وهذه الصفة لنبیاء ﷺ هي من کمال نبوته وصدق ما جاء به، فقد سد الله تعالى بهذه الصفة الباب على من حاول اتهامه

کے پہونچانے میں قلم اور کاغذ کے محتاج نہیں تھے، بلکہ اللہ تعالیٰ نے نظام غیبی کے تحت آپ ﷺ کو سب سے مستند اور بلند علم ”وحی“ سے سرفراز فرمایا، اور آپ ﷺ کے ذریعہ سے ایسا علمی فیضان جاری ہوا جو ان شاء اللہ قیامت تک جاری و ساری اور زندہ پائندہ رہے گا، آپ ﷺ کے امی ہونے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے بڑی مصلحت ہے کہ کسی شخص کے لئے آپ ﷺ کی نبوت پر شک و شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہی، اگر آپ ﷺ خود تحریر کو پڑھتے، آپ ﷺ نے کسی استاد سے لکھنا اور پڑھنا سیکھا ہوتا تو کج فطرت لوگوں کو یہ کہنے کا موقع ملتا کہ شاید آپ نے یہ علوم و معارف پہلی کتابوں سے نقل کر لیا ہے، یا اپنے استاد سے سیکھ لیا ہے، آپ ﷺ کے امی ہونے کی وجہ سے اس شبہ اور اعتراض کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہی۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ (کتاب الفتاویٰ، ج: ۱، ص: ۵۳۲، ط، زمزم پبلشرز کراچی)



آنحضرت ﷺ کو تین چیزیں محبوب ہیں ان کی تفصیل

﴿ سوال ﴾:

رسول خدا ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے۔ مجھے دنیا کی تین چیزیں محبوب ہیں۔ خوشبو، عورت، نماز، اس کی تفصیل فرمائیں۔ بینوا تو جروا۔

﴿ الحواب ﴾:

خوشبودل و دماغ کو معطر کرتی ہے۔ اور عقل میں اضافہ کرتی ہے اور عقل دین کو قائم

بكتابة القرآن من عنده اذ كان عبقرياً، وهذا لا يعنى أن لاتتعلم أمته القراءة و الكتابة، فقد كان يأمر بالعلم و القراءة و الكتابة، ففي التنزيل: ﴿اقرأ وربك الأكرم. الذي علم بالقلم. علم الانسان ما لم يعلم﴾. (التفسير المأمون على منهج التنزيل و الصحيح

رکھ سکتی ہے اس لئے خوشبو محبوب ہے۔ اور عورتیں مردوں کے لئے عفت و پاک دامنہ اور امت میں اضافہ کرنے کا ذریعہ ہیں۔ اس لئے عورتیں محبوب ہیں۔ اور نماز اسلامی رکن اور دین کی بنیاد ہے۔ اور نماز کے وقت دربار خداوندی میں حاضری ہوتی ہے۔ اس لئے نماز محبوب ہے (۲۹۶)۔ فقط واللہ اعلم بالصواب (فتاویٰ رحیمیہ، ج: ۳، ص: ۱۲۳، ط، دار الاشاعت کراچی)



حضور ﷺ فتح مکہ کے بعد مکہ کو وطن کیوں نہیں بنایا؟

﴿ سوال ﴾:

آنحضرت ﷺ نے ہجرت مدینہ کی طرف فرمائی، لیکن جب فاتح کی حیثیت سے مکہ میں داخل ہوئے تو وہاں مستقل رہائش کیوں اختیار نہیں کیا؟

﴿ جواب ﴾:

(۲۹۶): عن أنس قال قال رسول الله ﷺ: حُبُّ الی من الذنیا: النساء، والطیب، وجعل قرۃ عینی فی الصلاة. وفی ذخیرۃ العقبیٰ تحت هذا الحدیث: قال السندی: قیل: انما حُبُّ الیہ النساء لینقلن عنہ ما لا یطلع علیہ الرجال من أحوالہ، ویستحیا من ذکرہ. وقیل: حُبُّ الیہ زیادۃ فی الابتلاء فی حقہ حتی لا یلہو بما حُبُّ الیہ من النساء عما کلف بہ أداء الرسالة، فیکون ذلک أكثر لمشاقہ، وأعظم لأجرہ. وقیل: غیر ذلک. وأما الطیب، فکانہ یحبہ لکونہ یناجی الملائکۃ، وهم یحبون الطیب، وأيضاً هذه المحبة تنشأ من اعتدال المزاج، وکمال الخلقة، وهو ﷺ أشد اعتدالاً من حیث المزاج، وأکمل خلقة.... والصلاة لکونها مناجاة اللہ تعالیٰ علی ما قال ﷺ المصلیٰ یناجی ربہ نتیجۃ التعظیم علی ما یلوح من أركانها، ووظائفها... الخ. (ذخیرۃ العقبیٰ فی شرح المجتبیٰ، کتاب عشرۃ النساء، باب حُب النساء، ج: ۲۸، ص: ۱۷۰ تا ۱۷۲، ط، دار آل بروم للنشر والتحقیق)

مہاجر کے لئے اپنے پہلے وطن کا اختیار کرنا جائز نہیں، ورنہ ہجرت باطل ہو جاتی ہے۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل، ج: ۲، ص: ۵۹۷، ط، مکتبہ لدھیانوی کراچی)



نبی ﷺ کی ذات مبارک سے متعلق چند سوالات کے جوابات

﴿سوال﴾:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: احقر کو مندرجہ ذیل عنوانات سے متعلق احادیث کی ضرورت ہے؛ اس لئے آپ سے درخواست ہے کہ باحوالہ تحریر فرما کر شکر یہ کا موقع دیں۔

(۱) جناب نبی کریم ﷺ کی زندگی میں یا آپ ﷺ کے بعد نبوت کا دعویٰ کرنے والا واجب القتل ہے؟

(۲) انبیائے کرام معصوم ہوتے ہیں۔

(۳) جناب نبی کریم ﷺ عالم الغیب نہیں ہیں۔

(۴) جناب نبی کریم ﷺ حاضر و ناظر نہیں ہیں۔

﴿الجواب وبالله التوفیق﴾:

(۱) نبی کریم ﷺ کی زندگی میں اور آپ کے بعد جو بھی نبوت کا دعویٰ کرنے والا ہے، وہ واجب القتل ہے؛ لیکن اس قتل کا انجام اسلامی حکومت اپنے زیر انتظام دے سکتی ہے۔ اسود عتسی نے نبوت کا جھوٹا دعویٰ کیا، حضرت فیروز دیلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے قتل کیا۔ حدیث شریف ملاحظہ فرمائیے:

قال ابن عباس: ذکر لی ان رسول الله ﷺ، قال: بینا

انا نائم اريت أنه وضع فی یدی سواران من ذهب، فنفظتهما

و کرهتهما، فاذن لی ففختهما فطارا، فاولتهما کذا بین

یخرجان، قال عبید اللہ: احدهما العنسی الذی قتله فیروز
بالیمن، والآخر مسیلمة. (بخاری شریف، کتاب المغازی،
باب قصة الأسود العنسی ۶۲۹/۲، رقم: ۴۲۰۲، ف: ۴۳۷۸)
وتحتہ فی فتح الباری: وکان الا سود قد خرج
بصنعاء، وادعی النبوة. (فتح الباری، کتاب المغازی، باب قصة
الا سود العنسی، بیروت ۶۹۵/۷)

مسیلمہ کذاب نے بھی نبوت کا دعویٰ، اس کو جنگ یمامہ میں حضرت وحشیؓ نے قتل
کیا۔

قوله: ولئن ادبرت ليعقرنک اللہ: أى ان ادبرت عن
طاعتی ليقتلنک اللہ.... و قتله اللہ تعالیٰ يوم الیمامة، وهذا
من معجزات النبوة. (تکملہ فتح الملہم، کتاب الروایا، باب
رؤیا النبی ﷺ، مکتبہ اشرفیہ ۴/۴۶۶)

(۲) انبیاء کرام کا معصوم ہونا سب کے نزدیک مسلم ہے، مگر اس سلسلہ میں صاف
الفاظ کے ساتھ کوئی صریح حدیث احقر کو دستیاب نہیں ہو سکی؛ البتہ بعض تفسیر کی کتابوں میں
انبیاء علیہم السلام کے معصوم ہونے کی صراحت موجود ہے۔

قال انی جاعلک للناس اماما قال ومن ذریتی قال
لا ینال عہدی الظالمین. [سورة البقرة: ۱۲۴]

وفیہ دلالة علی عصمة الأنبیاء عن الكبائر قبل البعثة،
ثم قال بعده: فالحق ان المراد بالظلم خلاف العدل، فکل نبی
معصوم عن الكبائر من الذنوب. (أحكام القرآن ۱/۴۷)
اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ایک قول بھی موجود ہے:

قال ابوبکر الصديق رضى الله عنه: ان كان

لمعصوما من الشيطان، وان كان لينزل عليه الوحي من

السماء. (مسند امام احمد بن حنبل ۱/ ۴۴، رقم: ۸۰)

(۳-۴) عالم الغیب اور حاضر و ناظر کا مسئلہ دونوں ایک ہی ہیں؛ اس لئے ایک ہی

حدیث شریف سے دونوں مسئلوں پر استدلال کیا جاتا ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ: وہ شخص جھوٹا اور کذاب ہے جو حضرت سید الکونین علیہ الصلاۃ والسلام کے عالم الغیب ہونے کا دعویٰ کرتا ہو۔ ملاحظہ فرمائیے:

عن عائشة -رضی اللہ عنہا- قالت: من حدثك ان

محمد ا راى ربه فقد كذب، وهو يقول: لا تدركه الابصار،

ومن حدثك انه يعلم الغيب فقد كذب، وهو يقول: لا يعلم

الغيب الا الله. (بخاری شریف، کتاب التوحید، باب قول للہ

عالم الغیب فلا یشہر علی غیبہ احدا ۲/ ۱۰۹۸، رقم: ۷۰۸۳،

ف: ۷۳۸۰)

قالت: ومن زعم انه يخبر بما يكون في غد فقد اعظم

على الله الفرية، والله يقول: قل لا يعلم من في السماوات

والارض الغيب الا الله. (مسلم شریف، کتاب الایمان، باب

معنى قول الله تعالى: ولقد راہ نزلة اخرى ۱/ ۹۸) فقط واللہ

سبحانہ وتعالیٰ اعلم (فتاویٰ قاسمیہ، ج: ۲، ص: ۱۶۳ تا ۱۶۵،

ط، مکتبہ اشرفیہ دیوبند)



آپ ﷺ کے سایہ کی تحقیق

﴿ سوال ﴾:

آپ ﷺ کا سایہ تھا یا نہیں اس سلسلہ میں احادیث میں کیا وضاحت ہے؟

﴿ الجواب ﴾:

صحیح روایات سے پتہ چلتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کا سایہ تھا البتہ صرف دو ضعیف روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ سایہ نہ تھا حالانکہ اگر یہ معجزہ ہوتا تو تمام صحابہ پر مخفی نہ رہتا اور کثیر تعداد میں روایتیں موجود ہوتیں باوجود یہ کہ صحابہ دن رات خدمت نبوی میں رہا کرتے تھے تو کیسے مخفی رہا اس بناء پر یہ روایات قابل قبول نہیں اور صحیح بات یہ ہے کہ سایہ تھا۔ صرف دو روایتیں ایسی ملتی ہیں جن میں سایہ کی نفی ہے۔ (۱) ذکوان کی روایت ہے جو ضعیف اور مرسل ہے۔ ملاحظہ ”الخصائص الکبریٰ“ میں ہے:

اخرج الحکم الترمذی من طریق عبدالرحمن بن قیس الزعفرانی عن عبدالملک بن عبد اللہ بن الولید عن ذکوان ان رسول اللہ ﷺ لم یکن یری له ظل فی شمس ولا قمر ولا اثر قضاء حاجة. (الخصائص الکبریٰ للسیوطی: ۶۸/۱، باب الآیة فی انه ﷺ یکن یری له ظل، وص ۷۱، باب المعجزة فی بوله غائطه ﷺ، دار الکتب العلمیة)

یہ حدیث ضعیف اور مرسل ہے اس میں ایک راوی عبدالرحمن بن قیس ضعیف اور منکر ہے۔ ملاحظہ ہو: تہذیب التہذیب میں ہے:

قال احمد حدیثه ضعیف، ولم یکن بشیء، متروک الحدیث، وقال النسائی متروک الحدیث، وقال زکریا الساجی: ضعیف، وقال صالح بن محمد: کان یضع

الحديث. (تهذيب التهذيب: ۶/۲۳۱، وميزان الاعتدال: ۳/۲۹۷)

قال ابن حجر في "التقريب": متروك، كذبه

ابوزرعة، وغيره. (تقريب التهذيب ص ۲۰۸)

اور دوسرا راوی عبدالملک بن عبداللہ مجہول ہے لہذا یہ روایت معتبر نہیں۔

(۲) دوسری روایت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی طرف منسوب ہے۔

”سبل الہدی والرشاد“ میں ابن الجوزی کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو:

ویروی عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما، قال:

لم یکن لرسول اللہ ﷺ ظل ولم یقم مع شمس الا غلب

ضوؤه ضوء الشمس ولم یقم مع سراج الا غلب ضوؤه ضوء

السراج. رواہ ابن الجوزی. (سبل الہدی والرشاد فی سیرۃ

خیر العباد: ۲/۴۰، الباب العاشر فی صفة وجہہ ﷺ، ط:

بیروت)

ابن جوزی کی کتاب دستیاب نہیں ہوئی لہذا سند کا حال معلوم نہیں ہو سکا، البتہ تقی

الدین احمد بن علی المقریزی (م ۸۴۵ھ) نے اپنی کتاب ”امتاع الاسماع بما للنبی

من الأحوال والأموال والحفدة والمتاع“ (۲/۱۷۰، فصل فی ذکر صفة

رسول اللہ علیہ وسلم) میں سند کے ساتھ ذکر کیا ہے، ملاحظہ ہو:

قال: قال احمد بن عبد اللہ العدافی، اخبرنا عمرو بن

ابی عمرو عن محمد بن السائب عن ابی صالح عن ابن

عباس ﷺ لم یکن لرسول اللہ ﷺ ظل ... الخ.

لیکن یہ سند بھی صحیح نہیں ہے (۱) محمد بن سائب پر بہت سخت کلام ہے۔

قال ابن الجوزی فی ”الضعفاء“ (۳/۶۲/۲۹۹۸):

قال زائدة، وليث، وسليمان التيمي: هو كذاب.

قال السعدي: كذاب ساقط، وقال يحيى بن معين:
ليس بشيء، كذاب، ساقط، وقال النسائي والدارقطني:
متروك الحديث، وقال ابن حبان: وضوح الكذب فيه اظهر
من ان يحتاج الى الاغراق في وصفه، روى عن ابي صالح عن
ابن عباس رضي الله عنهما و ابو صالح لم ير ابن عباس رضي
الله عنهما ولا سمع منه، لا يحل الاحتجاج به.

(۲) عمرو بن ابي عمرو "ميسرة" قال ابن الجوزي
في "الضعفاء" (۲/۲۳۰): قال يحيى: لا يحتج بحديثه،
وقال مرة: ليس بالقوي، وليس بحجة، وقال احمد: لا باس
به.

قال المزي في "تهذيب الكمال" (۱۷۰/۲۲): قال
النسائي: ليس بالقوي، وقال ابو حاتم: لا باس به.
قلت: هذا المتن ليس له اصل مرفوعا، وانما يذكره
المتوسعون في كتب السيرة والخصائص المتاخرة التي
يجمع مؤلفوها بين الثابت وما لا يثبت والموضوع وما
لا اصل له!

وہ روایات ملاحظہ ہو جن میں سایہ کا ذکر ہے اور بعض ان میں سے صحیح ہیں۔
(۱) مستدرک حاکم میں ہے:

عن انس بن مالك رضي الله عنه قال بينما
النبي ﷺ يصلي ذات ليلة صلاة اذ مد يده ثم اخرها فقلنا
يا رسول الله رايناك صنعت في هذه الصلاة شيئا لم تكن

تصنعه فيما قبله، قال اجل انه عرضت على الجنة فرايت فيها دالية قطوفها دانية فأردت ان أتناول منها شيئاً فأوحى الى ان استأخر فاستأخرت، وعرضت على النار فيما بينى وبينكم حتى رأيت ظلى وظلكم فيما فأوصيت اليكم ان استأخروا فأوحى الى ان اقرهم فانك اسلمت واسلموا وهاجرت وهاجروا وجاهدت وجاهدوا فلم ار لك فضلاً عليهم الا بالنبوة فأولت ذلك ما يلقي امتى بعدى من الفتن، هذا حديث صحيح الاسناد ولم يخرجاه، ووافقه الذهبى التلخيص. (المستدرک للحاكم: ٤/٤٥٦، ط: مكة المكرمة). وأخرجه ابن خزيمة فى "صحيحه" (١/٤٤٨/٤٩٦) قال الاعظمى: "اسناده صحيح".

(٢) مجمع الزوائد میں ہے:

وعن عبد الله بن جبير الخزاعى ان رسول الله ﷺ كان يمشى فى اناس من اصحابه فتستر بثوب فلما رأى ظله رفع رأسه فاذا هو بملاءمة قد ستر بها، فقال له: مه واخذ الثوب فوضعه فقال: انما انا بشر مثلكم. رواه الطبرانى ورجاله الصحيح. (مجمع الزوائد: ٩/٢١، باب فى تواضعه ﷺ، دار الفكر)

قلت: لكن الخزاعى ليس من رجال الصحيح، فقد اختلف فى صحبته، قال الذهبى فى "الميزان" (٣/١١٤/٤٢٣): عداؤه فى التابعين، مجهول. قال ابن حجر فى "التقريب" (س ١٦٩): ارسل حديثاً، مجهول. قال

المزى فى "تهذيب الكمال" (۳۵۸/۱۳): تابعى، قال ابو حاتم: شيخ مجهول.
(۳) مجمع الزوائد میں ہے:

وعن صفية بن حبي ان النبى ﷺ حج بنسائه ... فلما كان شهر ربيع الاول دخل عليها فرات ظله فقالت: ان هذا لظل رجل وما يدخل على النبى ﷺ فدخل النبى ﷺ ...
(رواه احمد وفيه سمية روى لها ابو داؤد وغيره ولم يضعفها احد وبقيّة رجاله ثقات. (مجمع الزوائد ۴/۳۲۰، و ۳۲۱، باب غيرة النساء، دار الفكر)

قال الشيخ شعيب الارنؤوط فى "تعليقاته على مسند احمد" (۴۱/۴۶۳/۲۵۰۰۲): "اسناده ضعيف" لجهالة شميصة [فقد اضطرب حماد بن سلمة فى تسميتها] ولتردد حماد بين وصله وارساله.

وللمزيد من البحث انظر: (تعليق الشيخ شعيب

الارنؤوط على مسند احمد: ۴۱/۱۸۴/۲۳۶۴۰)

مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: (کفایت المفتی ۱/۸۶ جواب ۶۷، و حواہر الفقہ ۲:

/۱۳۷-۱۵۱)۔

مذکورہ بالا عبارات سے معلوم ہو گیا کہ صرف دو ضعیف روایتوں سے آپ ﷺ کا سایہ نہ ہونے کا پتہ چلتا ہے، اور اس کے برخلاف آپ ﷺ کا سایہ ہونا کافی روایات میں مذکور ہے، اور یہ بات بھی قابل غور ہے کہ اگر یہ آپ ﷺ کا معجزہ ہوتا تو کثیر تعداد میں صحابہ کرام کی روایات اس سلسلہ میں موجود ہوتیں، اور یہ بات یقیناً صحابہ کرام سے قطعاً مخفی نہ رہتی جو کہ دن رات خدمت نبوی میں رہا کرتے تھے، اس لئے ان تمام وجوہات و روایات کی

بنا پر صحیح اور محقق بات یہ ہے کہ آپ ﷺ کا سایہ تھا۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم (فتاویٰ دار
العلوم زکریا، ج: ۱، ص: ۷۳ تا ۷۷، ط، زمزم پبلشرز کراچی / فتاویٰ رشیدیہ،
ص: ۱۱۹، ط، دار الاشاعت کراچی / فتاویٰ دار العلوم دیوبند، ج: ۱۸، ص:
۲۵۹، ۲۶۰، ط، مکتبہ دار العلوم دیوبند / فتاویٰ دار العلوم وقف دیوبند، ج:
۱، ص: ۲۱۱، ۲۱۲، ط، حجة الاسلام اکیڈمی / کفایۃ المفتی، ج: ۱، ص:
۸۶، ۸۷، ط، دار الاشاعت کراچی / امداد الفتاویٰ، ج: ۱۲، ص: ۲۱، ۲۲،
ط، زکریا بُک ڈپو الہند / امداد الاحکام، ج: ۱، ص: ۳۳۹، ۳۴۰، ط، مکتبہ
دار العلوم کراچی / فتاویٰ محمودیہ، ج: ۴، ص: ۴۸۰ تا ۴۸۲ / خیر الفتاویٰ،
ج: ۱، ص: ۳۳۳ تا ۳۳۶، ط، مکتبہ امدادیہ ملتان / فتاویٰ بینات، ج: ۱، ص:
۵۳۸ تا ۵۴۲، ط، مکتبہ بینات کراچی / محمود الفتاویٰ، ج: ۱، ص: ۳۷۱،
ط، مکتبہ محمودیہ محمود نگر گجرات الہند / فتاویٰ فریدیہ، ج: ۱، ص:
۴۷۱، ۴۷۲ / فتاویٰ فلاحیہ، ج: ۱، ص: ۱۶۴ / منتخبات نظام الفتاویٰ، ج:
۱، ص: ۶۴، ۶۵، ط، ایفا پبلیکیشنز نئی دہلی / فتاویٰ قاسمیہ، ج: ۲، ص:
۱۳۰، ط، مکتبہ اشرفیہ دیوبند / فتاویٰ حقانیہ، ج: ۱، ص: ۱۹۹ تا ۲۰۲، ط،
مکتبہ سید احمد شہید اکوڑہ خٹک)



حضور ﷺ کا مرض الموت میں دو روز قبل اپنی وفات کی خبر دینا

﴿ سوال ﴾:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص نے دوران وعظ مسجد میں یہ بات بیان کی کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جب مرض الموت میں بیمار ہوئے تو آپ ﷺ نے وفات سے دو دن قبل فرمایا: کہ میں دو دن اور زندہ رہوں گا، کیا واقعی آپ ﷺ نے دو دن پہلے وفات کی اطلاع دی ہے؟ اگر یہ صحیح ہے؟ تو براہ کرم اس کا حوالہ تحریر فرمادیں۔ اور اگر ایسا نہیں ہے، تو ایسا کہنے والے کے لئے شریعت کا کیا حکم ہے؟

﴿ الجواب وبالله التوفیق ﴾:

اس کا حوالہ کسی معتبر کتاب میں احقر کی نظر سے نہیں گذرا، ایسا کہنے والے کے لئے اس وقت کوئی حکم لگایا جاسکتا ہے، جب کہ اس سے اس بات کا حوالہ معلوم کر لیا جائے، کہ وہ بات کہاں ہے، بعض واعظین وعظ کی کتابوں میں اس طرح کی باتیں لکھتے ہیں، جو معتبر نہیں ہیں، ہاں البتہ وفات سے پہلے مرض الوفا میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے کان میں سرگوشی کے دوران یہ فرمایا ہے کہ اسی مرض میں دنیا سے رحلت فرما جاؤں گا۔ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے بتلایا کہ میرے اہل و عیال میں سے سب سے پہلے تم ہی مجھ سے ملاقات کرو گی۔ حدیث شریف ملاحظہ فرمائیے:

عن عائشة قالت: دعا النبی ﷺ فاطمة ابنتہ فی شکواہ التی قبض فیہا، فسارھا بشیء، فبکت، ثم دعاھا فسارھا، فضحکت، قالت: فسألته عن ذلک، فقالت: سارنی النبی ﷺ فاخبرنی انه یقبض فی وجعہ الذی توفی فیہ، فبکیت، ثم سارنی فاخبرنی انی اول اہل بیتہ اتبعہ فضحکت۔ (صحیح البخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ مناقب فاطمة رضی اللہ

عنہا، النسخة الهندية ۳۲/۱، رقم: ۲۶۳۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔ (فتاویٰ قاسمیہ، ج: ۲، ص: ۱۴۲، ۱۴۳، ط، مکتبہ اشرفیہ دیوبند)



کیا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مرض الوفات میں تکلیف ہوئی تھی؟

﴿سوال﴾:

کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ کیا کسی حدیث میں اس بات کا ذکر ہے کہ جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مرض الوفات میں تھے، تو آپ کے دنیا سے پردہ فرمانے کے وقت آپ کو بہت تکلیف ہوئی تھی؟ ایسی کوئی حدیث ہو تو بحوالہ تحریر فرماویں نوازش ہوگی؟

﴿الجواب وباللہ التوفیق﴾:

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مرض الوفات میں بہت زیادہ تکلیف ہوئی تھی، آپ نے خود سے کچھ پہلے حضرت عائشہؓ سے فرمایا کہ خیبر کے زہر آلود بکرے میں سے ایک لقمہ جو کھایا تھا، اس کا زہر اس وقت ستا رہا ہے، اور اس قدر تکلیف ہو رہی ہے، اور ایسا لگ رہا ہے کہ میری گردن کی شہ رگ کو کاٹ دیا گیا ہے، زندہ آدمی کی شہ رگ کو کاٹنے سے جو تکلیف ہوتی ہے، وہی اور اسی طرح کی تکلیف ہو رہی ہے، اس سے متعلق حدیث شریف ملاحظہ فرمائیے:

عن الزہری قال عروۃ قالت: عائشة رضی اللہ تعالیٰ

عنہا کان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یقول فی مرضہ

الذی مات فیہ یا عائشة ما أزال أجد الم الطعام الذی أکلت

بخیر فهذا أو ان وجدت انقطاع أبهرى من ذلك السم.
(صحيح البخارى، كتاب المغازى، باب مرض النبی صلی اللہ
تعالیٰ علیہ وسلم ووفاته، النسخة الهندية ۲ / ۶۳۷، رقم: ۴۲۵۰،
ف: ۴۴۲۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔ (فتاویٰ قاسمیہ، ج:
۲، ص: ۳۴۸، ۳۴۹، ط، مکتبہ اشرفیہ دیوبند الہند)



حضور ﷺ کی وفات طبعی ہوئی

﴿ سوال ﴾:

کیا آپ ﷺ طبعی موت سے وفات پا گئے؟

﴿ جواب ﴾:

حضور ﷺ نے اپنی عمر پوری کر کے وفات پائی اور آپ کی وفات گو موت سے تعبیر
کرنا صحیح ہے۔ قرآن مجید میں ہے ”افان مات او قتل“ (۲۹۷) اور ”انک میت
وانہم میتون“ (۲۹۸)۔

اللہ کے نور سے پیدا ہونے کا یہ مطلب تو کسی کے نزدیک بھی صحیح نہیں کہ آپ کی
بشریت مع اپنے لوازم جسمانیات وغیرہ کے نور سے پیدا ہوئی تھی۔ اور نہ آپ کی حیات کا یہ
مطلب ہے کہ آپ پر موت طبعی وارد نہیں ہوئی ہے اور جیسے آپ ﷺ زندہ تھے اسی طرح
اب بھی زندہ ہیں۔ کہ یہ بات صریح البطلان ہے۔ واللہ اعلم (کفایۃ المفتی، ج: ۱، ص: ۸۵،
ط، دارالاشاعت کراچی)



آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نبوت و وفات کس مہینے میں ہوئی؟

﴿سوال﴾:

کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نبوت کب ملی اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ہجرت اور وفات کس مہینے میں ہوئی؟

﴿الجواب وبالله التوفیق﴾:

سید الکونین علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ماہ رمضان میں ۲۱ رمضان المبارک بروز پیر کو نبوت سے سرفراز کیا گیا۔ [رحمۃ للعالمین ۶۲/۱]

بارہ ربیع الاول بروز پیر غار ثور سے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہجرت کا سفر شروع کیا۔ [انوار نبوت ۱۰۳]

بارہ ربیع الاول گیارہ ہجری بروز پیر آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام چاشت کے وقت رفیق الاعلیٰ سے جا ملے۔

قال ابو عمر: بعثه الله عز وجل نبياً يوم الاثنين لثمان

من ربيع الأول. (اسد الغابہ، دار الفکر ۱ / ۲۵)

وكان قدوم رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم

الى المدينة في قول ابن اسحاق يوم الاثنين عشرة خلت من

ربيع الأول. (اسد الغاب، ۱ / ۲۸، مكتبة دار الفکر بیروت)

عن عروبة عن عائشة رضى الله تعالى عنها قالت:

توفي رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم يوم الاثنين لثنتي

عشرة ليلة خلت من ربيع الأول. (البداية والنهاية دار الفکر ۵ / ۲۵۶)

تاریخ طبری بیروت ۲ / ۲۴۱

وقبض يوم الاثنين ضحی فی الوقت الذى دخل فيه

المدينة لاثنتی عشرة خلت من ربيع الأول. (اسد الغابہ، ۱)

۴۱، مکتبہ دار الفکر بیروت)

عن عائشة رضی اللہ عنہا قالت: توفي رسول الله صلى الله تعالى

عليه وسلم: يوم الاثنين لاثنتی عشرة خلت من ربيع الأول.

(الطبقات الكبرى لابن سعد دار الكتب العلمية، ذكر كم مرض

رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم واليوم الذي توفي فيه ۲/

۲۰۹) فقط والله سبحانه وتعالى اعلم۔ (فتاویٰ قاسمیه، ج: ۲،

ص: ۳۴۶، ۳۴۷، ط، مکتبہ اشرفیہ دیوبند الہند)



وفات کے بعد حضور ﷺ کو کس طرح غسل دیا گیا؟

﴿ سوال ﴾:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں:
حضور ﷺ کو غسل کس نے دیا تھا؟ کپڑا لباس سمیت یا لباس کے علاوہ اور کفن کی کیا
نوعیت ہوئی؟ یعنی کس طرح لباس مبارک اتارا تھا، تر لباس مبارک پر کفن کو زیب تن فرمایا
تھا؟ تفصیل کے ساتھ جواب سے مطلع فرمائیں۔

﴿ الجواب وبالله التوفیق ﴾:

وفات کے بعد حضور ﷺ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ اور عباس رضی اللہ عنہ نے غسل
دیا اور فضل بن عباس، قثم بن عباس، اسامہ بن زید اور شقران ان کے ساتھ کھڑے ہوئے اور
پانی دینے کی خدمت انجام دے رہے تھے۔ آپ ﷺ کو اسی لباس اطہر میں غسل دیا گیا
جس میں آپ ﷺ کی وفات ہوئی، اس کے بعد اس لباس کو اتار کر تین کفن کے کپڑے
زیب تن کئے گئے۔

ان علی بن ابی طالب والعباس بن عبد المطلب،
والفضل بن العباس، وقثم بن العباس وأسامة بن زيد وشقران
مولی رسول اللہ ﷺ ہذا الذین ولو اغسلہ۔ الی قولہ۔ قالت
عائشة: فقالوا: الی رسول اللہ ﷺ فغسلوه وعلیہ قمیصہ
یصبون الماء فوق القميص ويدلکونه والقميص دون أيدهم،
قال ابن اسحاق: فلما فرغ من غسل رسول اللہ ﷺ کفن فی
ثلاثة أثواب. (سيرة ابن هشام / ۶۶۲، أصح السير / ۵۴۱، سيرة
المصطفى / ۲ / ۳۴۶) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔ (فتاویٰ
قاسمیہ، ج: ۲، ص: ۹۷، ۹۸، ط، مکتبہ اشرفیہ دیوبند)



حضور ﷺ کی نماز جنازہ اور تدفین کس طرح ہوئی اور خلافت کیسے طے ہوئی

﴿ سوال ﴾:

نبی اکرم ﷺ کی وفات کے بعد ان کی نماز جنازہ کس نے پڑھائی؟ اور آپ کے
تدفین اور غسل میں کن کن حضرات نے حصہ لیا؟ اور آپ کے بعد خلافت کے منصب پر کس
کو فائز کیا گیا اور کیا اس میں بالاتفاق فیصلہ کیا گیا؟

﴿ جواب ﴾:

۳۰ صفر (آخری بدھ) کو آنحضرت ﷺ کے مرض الوصال کی ابتدا ہوئی (۲۹۹)،

(۲۹۹): فی الفتح: قوله: باب مرض النبی ﷺ ووفاته..... وأما ابتداءه فكان

فی بیت میمونة کما سیأتی. ووقع فی السيرة لأبی معشر فی بیت زینب بن جحش
وفی السيرة لسليمان التيمي فی بیت ريحانة، والأول المعتمد. وذكر الخطابي أنه

٨ ربيع الأول کو بروز پنجشنبه منبر پر بیٹھ کر خطبہ ارشاد فرمایا، جس میں بہت سے امور کے بارے میں تاکید و نصیحت فرمائی (۳۰۰)۔ ۹ ربيع الأول شب جمعہ کو مرض نے شدت اختیار

ابتدأ به يوم الاثنين. وقيل يوم السبت، وقال الحاكم أبو أحمد: يوم الأربعاء. (فتح الباری بشرح صحيح البخاری، کتاب المغازی، باب مرض النبی ﷺ ووفاته، ج: ۷، ص: ۷۳۵، ۷۳۶)

(۳۰۰): فی البدایة: وقد خطب عليه الصلاة والسلام في يوم الخميس قبل أن يقبض عليه السلام بخمس أيام خطبة عظيمة بين فيها فضل الصديق من سائر الصحابة مع ما كان قد نص عليه أن يؤم الصحابة أجمعين كما سيأتي.... والمقصود أنه عليه السلام اغتسل ثم خرج فصلى بالناس ثم خطبهم كما تقدم في حديث عائشة رضي الله عنها.

ذكر الأحاديث الواردة في ذلك. قال: البيهقي أنبأنا الحاكم أنبأنا الأصم عن أحمد بن عبد الجبار عن يونس بن بكير عن محمد بن اسحاق عن الزهري عن أيوب بن بشير. أن رسول الله ﷺ قال في مرضه: أفيضوا علي من سبع قرب من سبع آبار شتى حتى أخرج فأعهد إلي الناس. ففعلوا فخرج فجلس على المنبر فكان أول ما ذكر بعد حمد الله والثناء عليه ذكر أصحاب أحد فاستغفر لهم ودعا لهم. ثم قال: يا معشر المهاجرين انكم أصبحتم تزيدون والأنصار على هيئتها لا تزيد وانهم عيبتي التي أويت إليها، فأكرموا كريمهم وتجاوزوا عن مسيئهم. ثم قال عليه السلام: أيها الناس ان عبداً من عباد الله قد خيره الله بين الدنيا وبين ما عند الله فاختار ما عند الله، ففهمها أبو بكر رضي الله عنه من بين الناس فبكي. وقال: بل نحن نفديك بأنفسنا وأبنائنا وأموالنا. فقال رسول الله ﷺ علي رسلك يا أبا بكر انظروا إلى هذه الأبواب الشارعة في المسجد فسدوها إلا ما كان من بيت أبي بكر فاني لا أعلم أحداً عندي أفضل في الصحبة منه. هذا مرسل له شواهد كثيرة. (البدایة والنهاية، ج: ۵، ص: ۲۲۸، ۲۲۹، ط، مكتبة المعارف بيروت لبنان/ السيرة النبوية، ج: ۴، ص: ۲۹۸، ۲۹۹، ط، دار الكتاب العربي بيروت لبنان)

کی، اور تین بار غشی کی نوبت آئی، اس لئے مسجد تشریف نہیں لے جاسکے، اور تین بار فرمایا کہ: ”ابوبکر کو کہو کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں!“ چنانچہ یہ نماز حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پڑھائی اور باقی تین روز بھی وہی امام رہے، چنانچہ آنحضرت ﷺ کی حیات طیبہ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سترہ نمازیں پڑھائیں، جن کا سلسلہ شب جمعہ کی نماز عشاء سے شروع ہو کر ۱۲ ربیع الاول ووشنبہ کی نماز فجر پر ختم ہوتا ہے (۳۰۱)۔

(۳۰۱) فی السیرۃ النبویۃ: قال الزہری: وحدثنی حمزۃ بن عبد اللہ بن عمر، أن عائشۃؓ قالت: لما استعز برسول اللہ ﷺ قال: مروا أبابکر فلیصل بالناس. قالت: قلت: یانبی اللہ، ان ابابکر رجل رقیق، ضعیف الصوت، کثیر البکاء اذا قرأ القرآن. قال: مروہ فلیصل بالناس. قالت: فعدت بمثل قولی، فقال: انکن صواحب یوسف، فمروہ فلیصل بالناس، قالت: فواللہ ما أقول ذلک الا انی کنت أحب أن یصرف ذلک عن أبی بکر، وعرفت أن الناس لا یحبون رجلاً قام مقامہ أبداً، وأن الناس سیتشاء مون بہ فی کل حدث کان، فکنت أحب أن یصرف ذلک عن أبی بکر. (السیرۃ النبویۃ، تمریض رسول اللہ ﷺ فی بیت عائشۃ، ج: ۴، ص: ۳۰۲، ط، دار الکتاب العربی بیروت لبنان)

وفی بذل القوۃ: وفيها لما اشتد علیہ صلی اللہ علیہ وسلم المرض لیلۃ الجمعة التی هی التاسعة من شهر ربیع الأول، فاغمی علیہ صلی اللہ علیہ وسلم ثلاث مرات، ولم یستطع الخروج الی صلاة العشاء، قال ثلاث: مروا أبابکر فلیصل بالناس، فصلی أبوبکر رضی اللہ عنہ مقام النبی ﷺ تلک العشاء، ثم لم یزل یصلی بہم الصلاة الخمیس فی تلک الأيام الثلاثة الباقیۃ، حتی كانت صلاة أبی بکر رضی اللہ عنہ التی صلاھا بہم فی حیاتہ صلی اللہ علیہ وسلم سبع عشرة صلاة، مبدأھا صلاة العشاء من لیلۃ الجمعة، ومنتھاھا صلاة الفجر من یوم الاثنين عشر من شهر ربیع الأول. (بذل القوۃ فی حوادث سنی النبوة، ص: ۳۰۰، طبع جامعة السند، حیدر آباد پاکستان بحوالہ حاشیہ آپ کے مسائل)

علامت کے ایام میں ایک دن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں (جو بعد میں آپ ﷺ کی آخری آرام گاہ بنی) اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کو وصیت فرمائی:

”انتقال کے بعد مجھے غسل دو اور کفن پہناؤ اور میری چار پائی میری قبر کے کنارے (جو اسی مکان میں ہوگی) رکھ کر تھوڑی دیر کے لئے نکل جاؤ، میرا جنازہ سب سے پہلے جبریل پڑھیں گے، پھر میکائیل، پھر اسرافیل، پھر عزرائیل، ہر ایک کے ہمراہ فرشتوں کے عظیم لشکر ہوں گے، پھر میرے اہل بیت کے مرد، پھر عورتیں بغیر امام کے (تنہا تنہا) پڑھیں، پھر تم لوگ گروہ درگروہ آکر (تنہا تنہا) نماز پڑھو۔“

چنانچہ اسی کے مطابق عمل ہوا، اول ملائکہ نے آپ ﷺ کی نماز پڑھی، پھر اہل بیت کے مردوں نے، پھر عورتوں نے، پھر مہاجرین نے، پھر انصار نے، پھر عورتوں نے، پھر بچوں نے، سب نے اکیلے اکیلے نماز پڑھی، کوئی شخص امام نہیں تھا (۳۰۲)۔

(۳۰۲): فی السیرۃ النبویۃ: فلما فرغ من جہاز رسول اللہ ﷺ یوم الثلاثاء، وضع فی سریرۃ فی بیتہ، وقد کان المسلمون اختلفوا فی دفنہ. فقال قائل: ندفنہ فی مسجدہ، وقال قائل: بل ندفنہ مع أصحابہ، فقال أبوبکر: انی سمعت رسول اللہ ﷺ یقول: ما قبض نبی الا دفن حیث یقبض، فرفع فراش رسول اللہ ﷺ الذی توفی علیہ، فحفر لہ تحتہ، ثم دخل الناس علی رسول اللہ ﷺ یصلون علیہ أرسالاً، دخل الرجال، حتی اذا فرغوا أدخل النساء، حتی اذا فرغ النساء أدخل الصبیان، ولم یؤم الناس علی رسول اللہ ﷺ أحد. (السیرۃ النبویۃ، الصلوٰۃ علیہ ودفنہ، ج: ۴، ص: ۳۱۴، ۳۱۵، ط، دار الکتب العربی بیروت لبنان/ تاریخ الطبری، ذکر جہاز رسول اللہ ﷺ ودفنہ، ج: ۳، ص: ۲۱۳، ط، دار المعارف مصر)

وفی بذل القوۃ: وفيہا فی أيام مرضہ صلی اللہ علیہ وسلم وكونہ صلی اللہ علیہ وسلم فی بیت عائشۃ رضی اللہ عنہا، أوصی لأصحابہ فقال: اذا أنا مت فاغسلونی وکفونی واجعلونی علی سریری هذا، علی شفیر قبری فی بیتی هذا ثم

آنحضرت ﷺ کو غسل حضرت علی کریم اللہ وجہہ نے دیا، حضرت عباس اور ان کے صاحبزادے فضل اور قثم رضی اللہ تعالیٰ عنہم ان کی مدد کر رہے تھے، نیز آنحضرت ﷺ کے دو موالی حضرت اسامہ بن زید اور حضرت شقران رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی غسل میں شریک تھے، آنحضرت ﷺ کو تین سحلی (موضع سحول کے بنے ہوئے) سفید کپڑوں میں کفن دیا گیا (۳۰۳)۔

أخرجوا عني ساعة فأول من يصلي علي جبريل، ثم ميكائيل، ثم اسرافيل، ثم ملك الموت، كل واحد منهم بجنوده، ثم يصلي علي رجال أهل بيتي، ثم نسائهم، ثم ادخلوا أنتم فوجاً فوجاً فصلوا علي، فوقع كما قال صلى الله عليه وسلم، فصلي عليه صلى الله عليه وسلم أولاً الملائكة عليهم السلام، ثم رجال أهل بيته، ثم نسائهم، ثم رجال المهاجرين، ثم الأنصار، ثم النساء، ثم الغلمان، فصلوا كلهم اذا منفردين لا يؤمهم أحد. (بذل القوة، ص: ۲۹۹، وأيضاً الروض الأنف، ج: ۲، ص: ۳۷۷ بحواله حاشيه آپ کے مسائل)

(۳۰۳): فی تاریخ الطبری: عن عبد اللہ بن ابی بکر، وکثیر بن عبد اللہ و غیرہما من أصحابہ، عن یحذثہ، عن عبد اللہ بن عباس، أن علی بن أبی طالب والعباس بن عبد المطلب والفضل ابن العباس وقثم بن العباس وأسامة بن زید وشقران مولى رسول الله ﷺ هم الذين ولوا غسله، وان أوس بن خولى أحد بنی عوف ابن الخزرج، قال لعلی بن أبی طالب: أنشدک اللہ یا علی، وحظنا من رسول اللہ! وكان أوس من أصحاب بدر، وقال: ادخل، فدخل فحضر غسل رسول اللہ ﷺ، فأسنده علی بن أبی طالب الی صدره، وكان العباس والفضل وقثم هم الذين یقلبونه معه، وكان أسامة بن زید وشقران مولىاه هما اللذان یصبان الماء، وعلی یغسله قد أسنده الی صدره، وعلیه قميصه یدلکھ من ورائه، لا یفضی یدہ الی رسول اللہ ﷺ وعلی یقول: بأبی أنت وأمی! ما أطیبک حیا ومیتاً! ولم یر من رسول اللہ شیء مما یری من المیت. (تاریخ الطبری، ذکر جہاز رسول اللہ ﷺ ودفنہ،

آنحضرت ﷺ کے وصال کے روز (۱۲ ربیع الاول) کو سقیفہ بنی ساعدہ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر بیعت خلافت ہوئی، اول اول مسئلہ خلافت پر مختلف آراء پیش ہوئیں۔ لیکن معمولی بحث و تمحیص کے بعد بالآخر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے انتخاب پر اتفاق ہو گیا اور تمام اہل حل و عقد نے ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی (۳۰۴)۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل، ج: ۱، ص: ۱۹۰ تا ۱۹۲، ط، مکتبہ لدھیانوی کراچی)



ج: ۳، ص: ۲۱۱، ۲۱۲، ط، دار المعارف بمصر

وفی أسد الغابة: وغسله علی، والفضل بن العباس، والعباس، وصالح مولاہ وهو شقران، وأوس بن خولی الأنصاری وفی رواية أسامة بن زید، وعبدالرحمن بن عوف، وكان علی یلی غسله والعباس والفضل وقثم، وأسامه وصالح یصبون علیہ۔ قال علی: فما کنا نرید أن نرفع منه عضوا لنغسله الا رفع لنا ولم ینزعوا عنه ثیابه، وكفن فی ثلاثة أثواب بیض سحولیة لیس فیها قمیص ولا عمامة، ونزل فی قبره علی، والعباس، والفضل، وقثم، وشقران، وأسامه، وأوس بن خولی۔ (أسد الغابة فی معرفة الصحابة، ذکر وفاته ومبلغ عمره ﷺ، ج: ۱، ص: ۱۴۴، ط، دار الکتب العلمیة بیروت لبنان)

(۳۰۴): فی البداية: فلما مات (صلی اللہ علیہ وسلم)..... فجاء الصدیق من منزله حین بلغه الخبر فدخل علی رسول اللہ ﷺ منزله وكشف الغطاء عن وجهه وقبله وتحقق أنه مات..... ورجع الناس کلهم الیہ وبايعه فی المسجد جماعة من الصحابة ووقعت شبهة لبعض الأنصار، حتی بین لهم الصدیق أن الخلافة لا تكون الا فی قریش، فرجعوا الیہ وأجمعوا علیہ کما سنینہ وتنبیہ علیہ۔ (البداية والنهاية، ج: ۵، ص: ۲۴۴، مکتبة المعارف بیروت لبنان)

تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: (البداية والنهاية، قصة سقیفة بنی ساعدة، ج: ۵، ص:

آپ ﷺ کی نماز جنازہ کس طرح ادا کی گئی؟

سوال:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: نبی کریم سرور دو عالم ﷺ کی نماز کس نے پڑھائی اور کتنے آدمی شریک جماعت تھے؟ اور جنازہ کی نماز کہاں کس جگہ پڑھائی گئی؟ کیا مرد عورتیں سب نے مل کر پڑھی یا صرف مردوں نے؟ نماز جنازہ کیا ایک مرتبہ ہوئی یا کئی بار ہوئی؟ اور کس سن اور کس دن کہاں جنازہ رکھ کر نماز پڑھائی گئی؟ اور جس نے پڑھائی ہے اس کا نام تحریر فرمائیں۔

الجواب وبالله التوفیق:

آپ ﷺ کی وفات ۱۲ ربیع الاول بروز پیر کو ہوئی۔ اور آپ ﷺ پر تمام صحابہ و صحابیات بچے اور غلام سبھوں نے نماز جنازہ انفراداً حجرہ شریفہ میں ادا فرمائی، چنانچہ ایک جماعت حجرہ شریفہ میں داخل ہوتی اور جب یہ فارغ ہو کر نکلتی تو دوسری جماعت داخل ہوتی اور یہ سلسلہ منگل سے لے بدھ کی رات تک جاری رہا، اس کے بعد تدفین عمل میں آئی، لیکن کسی نے کسی کی امامت نہیں کی، ہاں البتہ نماز جنازہ اس طرح سے پڑھی گئی کہ پہلے اہل بیت، پھر مہاجرین، پھر انصار، پھر عورتیں، پھر بچے، پھر غلاموں نے نماز جنازہ ادا فرمائی۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۴/۲۱۷، سیرۃ المصطفیٰ ۳/۱۸۷)

عن ابن عباس رضی اللہ عنہ فلما فرغ من جہازہ یوم

الثلاثاء وضع علی سریرہ فی بیتہ، ثم دخل الناس علی رسول

اللہ ﷺ ارسالا یصلون علیہ حتی اذا فرغوا ادخلوا النساء

۲۴۵ تا ۲۵۰، ط، مکتبۃ المعارف بیروت لبنان/ تاریخ الطبری، ذکر الخبر عما جرى بين

المهاجرين والأنصار في أمر الامارة في سقيفة بني ساعدة، ج: ۳، ص: ۲۱۸ تا ۲۲۳، ط،

دار المعارف مصر

حتى اذا فرغوا ادخلوا الصبيان، ولم يؤم الناس على رسول الله ﷺ أحد..... ثم دفن رسول الله ﷺ وسط الليل من ليلة الأربعاء. الحديث (ابن ماجة، باب ذكر وفاته ودفنه ﷺ ۱/۱۱۸، دارالسلام، رقم: ۱۶۲۸، شمائل ترمذی، النسخة الهندية ۲۷، تاریخ الطبری ۲/۲۳۹، مجمع الزوائد، دارالکتب العلمیة بیروت ۲/۳۷، أسد الغابة، دارالفکر ۱/۴۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ علم۔ (فتاویٰ قاسمیہ، ج: ۲، ص: ۱۰۰، ۱۰۱، ط، مکتبہ اشرفیہ دیوبند/ آپ کے مسائل اور ان کا حل، ج: ۱، ص: ۱۸۸، ۱۸۹، ط، مکتبہ لدھیانوی کراچی)



حضور ﷺ کی نماز جنازہ کس نے پڑھائی تھی؟

﴿ سوال ﴾:

نبی اکرم ﷺ کی نماز جنازہ ہوئی تھی یا نہیں؟ اور آپ ﷺ کی نماز جنازہ کس نے پڑھائی تھی؟ براہ کرم جواب عنایت فرمائیں، کیونکہ آج کل یہ مسئلہ ہمارے درمیان کافی بحث کا باعث بنا ہوا ہے۔

﴿ الجواب ﴾:

آنحضرت ﷺ کی نماز جنازہ عام دستور کے مطابق جماعت کے ساتھ نہیں ہوئی، اور نہ اس میں کوئی امام بنا۔ ابن اسحاق وغیرہ اہل سیر نے نقل کیا ہے کہ تجہیز و تکفین کے بعد آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا جنازہ مبارک حجرہ شریف میں رکھا گیا، پہلے مردوں نے گروہ درگروہ نماز پڑھی، پھر عورتوں نے، پھر بچوں نے (۳۰۵)۔

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نشر لطیب میں لکھتے ہیں:

”اور ابن ماجہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: جب آپ کا جنازہ تیار کر کے رکھا گیا تو اوّل مردوں نے گروہ درگروہ ہو کر نماز پڑھی، پھر عورتیں آئیں، پھر بچے آئے، اور اس نماز میں کوئی امام نہیں ہوا (۳۰۶)۔“ (نشر الطیب ص: ۲۴۴ مطبوعہ تاج کمپنی)

علامہ سہیلیؒ ”الروض الانف“ (ج: ۲ ص: ۳۷۷ مطبوعہ ملتان) میں لکھتے ہیں:

”یہ آنحضرت ﷺ کی خصوصیت تھی، اور ایسا آنحضرت ﷺ

عبید اللہ بن عباس عن عکرمۃ عن ابن عباسؓ قال: لما مات رسول اللہ ﷺ أدخل الرجال فصلوا عليه بغير امام أرسالاً حتى فرغوا، ثم أدخل النساء فصلين عليه، ثم أدخل الصبيان فصلوا عليه، ثم أدخل العبيد فصلوا عليه أرسالاً، لم يأمرهم على رسول اللہ ﷺ أحد.

وقال الواقدي حدثني أبي بن عياش بن سهل بن سعد عن أبيه عن جده قال: لما أدرج رسول اللہ ﷺ في أكفانه وضع على سريره، ثم وضع على شفير حفرة، ثم كان الناس يدخلون عليه رفقاء رفقاء لا يؤمهم عليه أحد. (البداية والنهاية، كيفية الصلاة عليه ﷺ، ج: ۵، ص: ۲۶۵، ط، مكتبة المعارف بيروت لبنان)

(۳۰۶): عن ابن عباسؓ قال لما أرادوا أن يحفروا لرسول اللہ ﷺ بعثوا الى أبي عبيدة بن الجراح وكان يضرح كضريح أهل مكة وبعثوا الى أبي طلحة وكان هو الذي يحفر لأهل المدينة وكان يلحد فبعثوا اليهما رسولين وقالوا اللهم خر لرسولك فوجدوا أبا طلحة فجيء به ولم يوجد أبو عبيدة فلحد لرسول اللہ ﷺ قال فلما فرغوا من جهازه يوم الثلاثاء وضع على سريره في بيته ثم دخل الناس على رسول اللہ ﷺ أرسالاً يصلون عليه حتى اذا فرغوا أدخلوا الصبيان ولم يؤم الناس على رسول اللہ ﷺ أحد. الخ. (سنن ابن ماجه، كتاب الجنائز، باب ذكر وفاته ودفنه ﷺ، ص: ۱۱۷، ط، قديمي كتب خانہ کراچی)

کے حکم ہی سے ہو سکتا تھا، ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس کی وصیت فرمائی تھی۔

علامہ سہلیؒ نے یہ روایت طبرانی بزار کے حوالے سے، حافظ نور الدین ہاشمیؒ نے مجمع الزوائد (ج: ۸ ص: ۴۲۷) میں بزار اور طبرانی کے حوالے سے (۳۰۷) اور حضرت تھانویؒ

(۳۰۷): عن عبد الله بن مسعود قال نعى الينا حبيينا ونبينا بأبى هو ونفسى له الفداء قبل موته بست فلما دنا الفراق جمعنا فى بيت أمتنا عائشة فنظر الينا فدمعت عيناه ثم قال مرحبا بكم وحياكم وحفظكم الله آواكم الله ونصركم الله رفعكم الله هداكم الله رزقكم الله وفقكم الله سلمكم الله قبلكم الله أوصيكم بتقوى الله وأوصى الله بكم وأستخلفه عليكم انى لكم نذير مبين أن لاتعلوا على الله فى عباده وبلاده فان الله قال لى ولكم تلك الدار الآخرة نجعلها للذين لا يريدون علوا فى الأرض ولا فساداً والعاقبة للمتقين وقال أليس فى جهنم للمتكبرين ثم قال قد دنا الأجل والمنقلب الى الله والى سدرة المنتهى والى جنة المأوى والكأس الأوفى والرفيق الأعلى أحسبه قال فقلنا يا رسول الله ﷺ فمن يغسلك اذا قال رجال أهل بيتى الأدنى فالأدنى قلنا ففيم نكفئك قال فى ثيابى هذه ان شئت أو فى حله يمينه أو فى بياض مضر قال فقلنا فمن يصلى عليك منا فبكينا وبكى وقال مهلا غفر الله لكم وجازاكم عن نبيكم خيراً اذا غسلتمونى ووضعتمونى على سريرى فى بيتى هذا على شفير قبرى فاخرجوا عن ساعة فان أول من يصلى على خليلى وجليسى جبريل صلى الله عليه وسلم ثم ميكائيل ثم اسرافيل ثم ملك الموت مع جنوده ثم الملائكة صلى الله عليهم بأجمعها ثم ادخلوا على فوجاً فوجاً فصلوا على وسلموا تسليماً ولا تؤذونى بباكية أحسبه قال ولا ضارخة ولا رانة وليبدأ بالصلاة على رجال أهل بيتى ثم أنتم بعد وأقرأوا أنفسكم منى السلام ومن غاب من اخوانى فأقرؤهم منى السلام ومن دخل معكم فى دينكم بعدى فانى أشهدكم أنى أقرأ السلام أحسبه قال عليه وعلى كل من تابعنى على دينى من يومى هذا الى يوم القيامة قلنا يا رسول الله

نے نشر الطیب میں واحدی کے حوالے سے یہ روایت نقل کی ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں:

”ہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ پر نماز کون پڑھے گا؟ فرمایا:

جب غسل کفن سے فارغ ہوں، میرا جنازہ قبر کے قریب رکھ کر ہٹ جانا،

اول ملائکہ نماز پڑھیں گے، پھر تم گروہ درگروہ آتے جانا اور نماز پڑھتے جانا،

اول اہل بیت کے مرد نماز پڑھیں، پھر ان کی عورتیں، پھر تم لوگ۔“

(نشر الطیب ص: ۲۰۲ طبع سہارنپور)

سیرۃ المصطفیٰ ﷺ میں طبقات ابن سعد کے حوالے سے حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ

تعالیٰ عنہما کا ایک گروہ کے ساتھ نماز پڑھنا نقل کیا ہے (۳۰۸)۔ (آپ کے مسائل اور ان کا

حل، ج: ۱، ص: ۱۸۹، ۱۹۰، ط، مکتبہ لدھیانوی کراچی)



فمن یدخلک قبرک منا قال رجال اهل بيتی مع ملائكة كثيرة يرونکم من حيث

لاترونهم۔ رواه البزار وقال روى هذا عن مرة عبد الله من غير وجه والاسانيد عن

مرة متقاربة وعبد الرحمن لم يسمع هذا من مرة انما أخبره عن مرة ولا نعلم رواه عن

عبد الله غير مرة، قلت رجاله رجال الصحيح غير محمد بن اسماعيل بن سمرة

الأحمسي وهو ثقة، ورواه الطبراني في الأوسط بنحوه الا أنه قال قبل موته بشهر،

وذكر في اسناده ضعفاء منهم أشعث بن طابق قال الأزدي لا يصح حديثه. والله

اعلم. (مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، كتاب علامات النبوة، باب في وداعه ﷺ، ج: ۹،

ص: ۲۴، ۲۵، ط، دار الكتاب العربي بيروت لبنان)

(۳۰۸): فی البدایة: قال الواقدي حدثني موسى بن محمد بن ابراهيم قال

وجدت كتاباً بخط أبي فيه انه لما كفن رسول الله ﷺ ووضع سريره، دخل أبو بكر

وعمر رضي الله عنهما ومعهما نفر من المهاجرين والأنصار كما سلم أبو بكر وعمر

ثم صفوا صفوفاً لا يؤمهم أحد فقال أبو بكر وعمر وهما في الصف الأول حيال

رسول الله ﷺ اللهم انا نشهد أنه قد بلغ ما انزل عليه، ونصح لأمته، وجاهد في

حضور ﷺ کی نماز جنازہ کس نے پڑھائی؟

سوال:

کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہم میں سے جب کسی کا انتقال ہو جاتا ہے تو باقی مسلمان اس کی جنازہ پڑھتے ہیں، اس کے لئے دعاء مغفرت کرتے ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا حضور ﷺ کی بھی نماز جنازہ پڑھی گئی؟ اگر آپ کی نماز جنازہ پڑھی گئی تو آپ کی نماز کس نے پڑھائی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حضور ﷺ کی نماز جنازہ ہوئی تھی لیکن مستقل امامت کسی نے نہیں کی بلکہ جنازہ حجرہ شریفہ میں رکھ دیا گیا تھا اور لوگ باری باری حجرہ شریفہ میں آتے اور انفرادی طور پر نماز پڑھ کر چلے جاتے۔

لما فی شمائل الترمذی (ص ۲۷): عن سالم بن عبید

وكانت له صحبة رواية..... قالوا يا صاحب رسول الله ﷺ

أتصلي على رسول الله ﷺ قال نعم قالوا وكيف قال يدخل

قوم فيكبرون ويدعون ويصلون ثم يخرجون ثم يدخل قوم

فيكبرون ويصلون ويدعون ثم يخرجون حتى يدخل

سبيل الله حتى اعز الله دينه وتمت كلمته، وأومن به وحده لا شريك له، فاجعلنا

الهناء ممن يتبع القول الذي انزل معه، وأجمع بيننا وبينه حتى تعرفه بنا وتعرفنا به فإنه

كان بالمؤمنين رؤفاً رحيمًا، لانبغى بالايمن به بديلًا ولا نشترى به ثمنًا أبدًا فيقول

الناس: آمين آمين ويخرجون ويدخل آخرون حتى صلى الرجال، ثم

الصبيان. (البداية والنهاية، كيفية الصلاة عليه ﷺ، ج: ۵، ص: ۲۶۵، ط، مكتبة المعارف

الناس.....

فی سنن ابن ماجہ (ص ۱۱۷) : عن ابن عباس
روایۃ..... ثم دخل الناس علی رسول اللہ ﷺ ارسالا یصلون
علیہ حتی اذا فرغوا ادخلوا النساء حتی اذا فرغوا ادخلوا
الصبيان ولم یؤم الناس علی رسول اللہ ﷺ احد.

وفی حاشیۃ النورۃ علی الصحیح لمسلم (۱ /
۳۱۲) : والصحیح الذی علیہ الجمهور انہم صلوا علیہ
فرادی فکان یدخل فوج یصلون فرادی ثم یمرجون ثم
یدخل فوج اخر فیصلون كذلك ثم دخلت النساء بعد
الرجال ثم الصبيان. (نجم الفتاوی، ج: ۱، ص: ۲۵۹)



حضور ﷺ کے جنازہ میں کتنی تاخیر ہوئی؟

﴿ سوال ﴾:

مختلف کتب میں لکھا ہے کہ حضور ﷺ کی نماز جنازہ تین دن تک پڑھی جاتی رہی۔
کیونکہ جگہ تنگ تھی اس لئے لوگ باری باری پڑھتے تھے۔ یہاں چند سوال پیدا ہوتے ہیں۔
۱: جنازہ کو جلد دفن کرنے کا حکم ہے تو پھر جنازہ کو تین دن تک کیوں روکا گیا؟
۲: نماز جنازہ مکان کے اندر نہیں بلکہ کھلے میدان میں پڑھنے کا حکم ہے۔ پھر تنگ جگہ
میں کیوں پڑھی گئی؟

۳: نماز جنازہ فرض کفایہ ہے اگر ایک شخص بھی ادا کر دے تو سب کے ذمہ سے ادا
ہو جاتا ہے پھر تمام مسلمانوں کا انتظار کرتے کرتے تین دن تک جنازہ مبارک کو روکے رکھنا
کیا بے حرمتی نہیں ہے؟

﴿ الجواب ﴾:

آنحضرت ﷺ کی وفات شریفہ دوشنبہ کے دن قریب دوپہر یا بعد زوال ہوئی۔

(کما فی البدایہ: ج ۵: ص ۲۴۴)

وتوفی رسول اللہ ﷺ حین اشتد الضحی من ذلک

اليوم (ای یوم الاثنين. ناقل) وقيل عند زوال الشمس.

چند صفحوں کے بعد پھر مصنف تحریر فرماتے ہیں۔ ص ۲۵۵ پر:

وهذا الحديث في الصحيح وهو يدل على ان الوفاة

وقعت بعد الزوال.

آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد اہم ترین مسئلہ یہ تھا کہ کسی اختلاف و انتشار سے پہلے امامت کی وحدت کو محفوظ رکھنے کی موثر تدبیر کی جائے۔ کیونکہ لامرکزیت مذہب و ملت کے لئے سم قاتل ہے۔ چنانچہ جنگ جمل و صفین کے واقعات اس پر شاہد ہیں کہ معمولی اختلاف کو فتنہ پردازوں نے کن مہیب نتائج سے دوچار کرادیا۔

بہر حال انتخاب خلیفہ کی فکر ہوئی اور حضرات صحابہ کرامؓ نے کچھ بحث و تمحیص کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خلیفہ منتخب کر لیا۔ اہل حل و عقد کے اجتماع، بحث و تمحیص، تمام صحابہؓ کی بیعت میں دوشنبہ کا باقی ماندہ حصہ (جو تقریباً چند گھنٹے ہوگا) اور سہ شنبہ کی رات گزر گئی اور سہ شنبہ کے دن میں آنحضرت ﷺ کی نماز جنازہ انفرادی طور پر پڑھی جاتی رہی اور یہ سلسلہ سہ شنبہ کی شام تک اور آئندہ متصل رات تک جاری رہا۔ اور سہ شنبہ اور چہار شنبہ کی درمیانی رات جو کہ شرعاً چہار شنبہ کی رات ہے میں آنحضرت ﷺ دفن فرمادیئے گئے۔

عن عائشة رضي الله تعالى عنها ان رسول الله ﷺ

توفي يوم الاثنين ودفن ليلة الاربعاء. (البدایہ والنہار: ج ۵: ص

(۲۶۰)

اسی کے بارے میں ج ۵: ص ۲۷۱۔ پر تحریر فرماتے ہیں:

وهو الذى نص عليه غير واحد من الائمة سلفا
وخلفا منهم سليمان طرخان التيمى وجعفر بن محمد الصادق
وأبن أسحق وموسى بن عقبة وغيرهم.

ان روایات سے ظاہر ہے کہ دفن میں تین دن کی تاخیر واقع نہیں ہوئی۔ بلکہ وفات شریفہ سے صرف تقریباً چھتیس (۳۶) گھنٹوں کے اندر اندر دفن مبارک سے فراغت ہوگئی تھی۔ تین دن کی تاخیر والی روایت معتمد نہیں۔ ابن کثیر فرماتے ہیں۔

فقوله مكث ثلاثة ايام لا يدفن غريب والصحيح انه
مكث بقية يوم الاثنين ويوم الثلاثاء بكمالہ ودفن ليلة الاربعاء
كما قدمناه والله اعلم. (البداية: ج ۵: ص ۲۷۱)
تفصیل بالا کے پیش نظر آپ کے سوالات کا بالترتیب جواب یہ ہے۔

۱: تین دن تک تاخیر واقع نہیں ہوئی۔ لہذا جنازہ کو تین دن تک روکے رکھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

۲: نماز جنازہ چونکہ انفرادی طور پر پڑھی گئی لہذا اس کے لئے حجرہ شریفہ جیسے متبرک مقام کو چھوڑ کر وسیع جگہ کی تلاش بے سود تھی۔ کیوں کہ وسیع جگہ میں بھی نماز انفرادی طور پر ہی پڑھی جاتی۔

اس لئے کہ آنحضرت ﷺ کی نماز جنازہ کے لئے یہی (انفرادی) طریقہ متعین تھا۔
۳: تین دن تک روکے رکھنا ہی غلط ہے پس اس سے العیاذ باللہ بے حرمتی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ایک روایت کی رو سے جنازہ کا یہ طریقہ خود آنحضرت ﷺ کا تجویز فرمودہ تھا (۳۰۹) کما رواه البيهقي عن ابن مسعود رضى الله عنه وان نظرفي

(۳۰۹): عن عبد الله بن مسعود قال نعى الينا حبيينا ونبينا بأبى هو ونفسى له
الفداء قبل موته بست فلما دنا الفراق جمعنا فى بيت أمنا عائشة فنظر الينا فدمعت
عيناه ثم قال مرحبا بكم وحياكم وحفظكم الله آواكم الله ونصركم الله رفعكم الله

صحته ابن كثير والله اعلم پس شبهہ نہ کیا جاوے۔ فقط اللہ اعلم۔ (خیر الفتاوی، ج: ۱، ص: ۳۱۸ تا ۳۲۰، ط، مکتبہ امدادیہ ملتان)



هداكم الله رزقكم الله وفقكم الله سلمكم الله قبلكم الله أوصيكم بتقوى الله وأوصى الله بكم وأستخلفه عليكم انى لكم نذير مبين أن لاتعلوا على الله فى عباده وبلاده فان الله قال لى ولكم تلك الدار الآخرة نجعلها للذين لا يريدون علوا فى الأرض ولا فساداً والعاقبة للمتقين وقال أليس فى جهنم للمتكبرين ثم قال قد دنا الأجل والمنقلب الى الله والى سدرة المنتهى والى جنة المأوى والكأس الأوفى والرفيق الأعلى أحسبه قال فقلنا يارسول الله ﷺ فمن يغسلك اذا قال رجال أهل بيتى الأدنى فالأدنى قلنا فقيم نكفك قال فى ثيابى هذه ان شئت أو فى حله يمينه أو فى بياض مضر قال فقلنا فمن يصلى عليك منا فبكينا وبكى وقال مهلاً غفر الله لكم وجازاكم عن نبيكم خيراً اذا غسلتمونى ووضعتمونى على سريرى فى بيتى هذا على شفير قبرى فاخرجوا عن ساعة فان أول من يصلى على خليلى وجليسى جبريل صلى الله عليه وسلم ثم ميكائيل ثم اسرافيل ثم ملك الموت مع جنوده ثم الملائكة صلى الله عليهم بأجمعها ثم ادخلوا على فوجاً فوجاً فصلوا على وسلموا تسليماً ولا تؤذونى بباكية أحسبه قال ولا ضارخة ولا رانة وليبدأ بالصلاة على رجال أهل بيتى ثم أنتم بعد وأقرأوا أنفسكم منى السلام ومن غاب من اخوانى فأقرؤهُ منى السلام ومن دخل معكم فى دينكم بعدى فانى أشهدكم أنى أقرأ السلام أحسبه قال عليه وعلى كل من تابعنى على دينى من يومى هذا الى يوم القيامة قلنا يارسول الله فمن يدخلك قبرك منا قال رجال أهل بيتى مع ملائكة كثيرة يرونكم من حيث لاترونهم. رواه البزار وقال روى هذا عن مرة عبد الله من غير وجه والأسانيد عن مرة متقاربة وعبد الرحمن لم يسمع هذا من مرة انما أخبره عن مرة ولانعلم رواه عن عبد الله غير مرة، قلت رجاله رجال الصحيح غير محمد بن اسماعيل بن سمرة الأحمسي وهو ثقة، ورواه الطبراني فى الأوسط بنحوه الا أنه قال قبل موته بشهر،

آپ ﷺ کے مرض الموت کا ایک واقعہ

﴿ سوال ﴾:

کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مرض الموت میں قلم اور کاغذ منگوا لیا لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تلوار اٹھا کر کہا کہ (العیاذ باللہ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بکواس کر رہے ہیں۔ کیا واقعی مرض الموت میں یہ واقعہ پیش آیا تھا۔ مدلل جواب عنایت فرمائیں۔

﴿ الجواب حامداً ومصلیاً ﴾:

اصل جواب سے پہلے ضروری ہے کہ اس واقعہ کے پس منظر کو سمجھ لیا جائے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو نبی کریم ﷺ سے حد درجہ محبت تھی جس کا اندازہ اسی سے ہو سکتا ہے کہ جب تک آپ کو دیکھ لیتے اس وقت تک ان کو سکون و چین نہیں آتا تھا۔ اب کافی عرصہ اسی طرح گزر گیا یہاں تک کہ یہ محبت ان کو مکہ سے مدینہ لے گئی اور صحابہ نے آپ کے لئے اپنا گھر بار اور آل و اولاد تک کو چھوڑ دیا، نہ صرف چھوڑ دیا بلکہ اگر وہ مسلمان نہ ہوئے اور بعض غزوات میں مقابلے پر اتر آئے تو انہوں نے اپنی اولاد یا قرابت کسی چیز کی پروہ نہ کی۔ اتنی شدید محبت میں کافی عرصہ گزرنے کے بعد جب آپ ﷺ کا آخری وقت قریب آ گیا اور مرض کی شدت میں اضافہ ہو گیا تو ایک طرف آپ کی تکلیف صحابہ سے دیکھی نہ جاتی تھی اور دوسری طرف آپ کے اس دنیا سے تشریف لے جانے کا غم انہیں کھائے جا رہا تھا۔

اسی دوران جبکہ آپ کے مرض نے شدت اختیار کر لی تو آپ نے فرمایا کہ ”قلم اور

و ذکر فی اسنادہ ضعفاء منهم أشعث بن طابق قال الأزدي لا يصح حديثه. واللہ

اعلم. (مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، کتاب علامات النبوة، باب فی وداعہ ﷺ، ج: ۹،

ص: ۲۴، ۲۵، ط، دار الکتاب العربی بیروت لبنان)

دوات لاؤ تا کہ میں تمہارے لئے لکھوادوں۔“ اب اس موقع پر اختلاف ہو گیا، بعض صحابہ قلم دوات لانا چاہتے تھے اور بعض نہیں لانا چاہتے تھے۔ جو لانا چاہتے تھے اسکی وجہ آپ کے ارشاد کی تعمیل تھی اور جو نہیں لانا چاہتے تھے اسکی وجہ یہ تھی کہ آپ کو شدید تکلیف میں آرام کی ضرورت ہے ایسے موقع پر آپ کو لکھواتے ہوئے زیادہ تکلیف ہوگی اس لئے انہوں نے قلم دوات نہ لانے میں بھلائی سمجھی۔

ایسے موقع پر یہ جملہ بولا گیا ”اھجر استفہموہ“ جس کے مطلب میں علماء نے فرمایا:

۱..... یہ جملہ ان صحابہ نے بولا جو قلم دوات لانا چاہتے تھے۔ تو مطلب یہ ہوگا کہ قلم دوات لے آؤ اگرچہ شدت بیماری کی وجہ سے بتقاضائے بشریت آپ شدید تکلیف میں ہیں لیکن ایسی حالت نہیں ہے کہ آپ کی بات نہ سمجھی جاسکے۔

۲..... جب صحابہ نے آپ کو شدت تکلیف میں دیکھا اور آپ نے قلم دوات بھی منگوانا چاہی گویا آخری وصیت لکھی جا رہی ہے تو شدت غم میں صحابہ نے کہا کہ آپ سے پوچھ لو کیا آپ ہمیں چھوڑ کر جا رہے ہیں۔ اور اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف اس جملہ کی نسبت کی جائے تو آپ نے اس وجہ سے فرمایا تا کہ آپ ﷺ کو تکلیف نہ ہو چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی دوسری روایت اس کی مؤید ہے جس میں فرمایا کہ ہمارے پاس کتاب اللہ موجود جو ہمارے لئے کافی ہے لہذا آپ کو تکلیف نہ دی جائے۔

یہ تھا اصل معاملہ، لیکن شریعت مطہرہ کو جس طرح دنیا سے مٹانے کی کوششیں کی گئیں اسی طرح ان کوششوں اور طریقوں میں سے ایک طریقہ یہ اختیار کیا گیا کہ نبی کریم ﷺ کے براہ راست شاگرد اور دنیا کے اسلام کو اسلام کی اصل روح پہنچانے والی جماعت پر اعترافات کر کے ان کی عدالت کو مجروح کر دیا گیا تا کہ لوگوں کا ان پر اعتماد ختم ہو جائے اور جب ان پر اعتماد ختم ہو جائے گا تو اسلام بھی مٹ جائے گا کیونکہ اگر انہیں ہٹا دیا جائے تو قرآن کی تشریح جو سنت نبوی سے کی گئی اور آپ کے عملی نمونوں کی شکل میں موجود ہے ختم

لما في الصحيح البخارى (٢/٦٣٩): حدثنا عبد الله بن يوسف عن عائشة قالت مات النبي صلى الله عليه وسلم وانه لبين حاقنتى وذاقنتى فلا اكره شدة الموت لاحد بعد النبي ^{صلى الله عليه وسلم}.

وفيها ايضا (٢/٢٣٨): حدثنا قتيبة قال... قال ابن عباس يوم الخميس وما يوم الخميس اشتد برسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم وجعه فقال ائتوني اكتب لكم كتابا لن تضلوا بعده ابدا فتنازعوا ولا ينبغي عند نبى تنازع فقالوا ما شأنه أهجر استفهموه فذهبوا يردون عنه فقال دعوني..... وفى رواية عن ابن عباس قال: لما حضر رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم وفى البيت رجال فقال النبى صلى الله تعالى عليه وسلم هلموا اكتب لكم كتابا لا تضلوا بعده قال بعضهم ان رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم قد غلبه الوجع وعندكم القرآن حسبنا كتاب الله فاختلف اهل البيت فاختلفوا فمنهم من يقول قربوا يكتب كتابا لا تضلوا بعده ومنهم من يقول غير ذلك فلما اكثروا اللغوا والاختلاف

قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم قوموا (وهكذا
نقل فى الصحيح (٢٢٩ / ١) فى باب جوائز الوفد والفاظها
فقالو أهر رسول الله ا قال دعونى.....)

وفى عمدة القارى (٢٩٨ / ٢): أهر بهمزة
الاستفهام الانكارى اى انكروا على من قال لا تكتبوا اى
لا تجعلوه كامر من هذى فى كلامه.

وفىها ايضا (١٤١ / ٢): قال البيهقى قصد عمر رضى
الله عنه تخفيف على النبى ﷺ حين غلبه الوجد ولو كان
مراده عليه الصلوة والسلام ان يكتب ما لا يستغنون عنه لم
يتركهم لاختلافهم.

وعلى هامش البخارى (٦٣٨ / ٢): وان صح بدون
الهمزة فهو انه لما اصابه الحيرة والدهشة يعظم ماشاهده من
هذه الحالة الدالة على وفاته وعظم المصيبة.... او هو الهجر
ضد الوصل اى يهجر من الدنيا. (نجم الفتاوى، ج: ١، ص:
٢٥٧، ٢٥٨)



حضور ﷺ کا پردہ فرمانے کے بعد دنیا میں کسی سے

ملاقات کے لئے آنا

﴿ سوال ﴾:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں (الف) حضور پاک ﷺ کیا بعد وفات اپنی قبر سے اٹھ کر دنیا میں تشریف لا کر کسی اللہ کے نیک بندے کو پانی پلا جائیں یہ ممکن ہے؟ ایسا عقیدہ رکھنا شرک تو نہیں؟
(ب): ایسے جبرئیل علیہ السلام کسی غیر نبی حضور اکرم ﷺ کے امتی کو پانی پلا جائیں یا کچھ اور کام کر جائیں، کیا ایسا ہو سکتا ہے؟ اگر ہاں تو فہماور نہ ایسا عقیدہ رکھنے والا گنہگار ہوگا یا نہیں؟

﴿ الجواب وبالله التوفیق ﴾:

حضور ﷺ کا بعد الوفات دنیا میں تشریف لا کر کسی کی ضرورت پوری کرنے کے سلسلے میں بندہ کو کوئی صریح روایت نہیں مل سکی، اس لئے بندہ اس سلسلے میں کچھ لکھنے سے قاصر ہے، البتہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کا دنیا میں تشریف لانا حدیث صحیح سے ثابت ہے، چنانچہ بحکم خدا کسی خاص شخص کی اعانت و مدد کر سکتے ہیں۔

عن أنس بن مالك - رضي الله عنه - قال: قال رسول الله ﷺ: إذا كان ليلة القدر نزل جبرئيل عليه السلام في كعبة من الملائكة. (شعب الإيمان، باب في الصيام: في ليلة العيدن ويومهما، دار الكتب العلمية بيروت ۳/۳۴۳، رقم: ۳۱۷۱۷، مشکوة شریف ۱/۱۸۴) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔ (فتاویٰ قاسمیہ، ج: ۲، ص: ۱۴۶، ط، مکتبہ اشرفیہ دیوبند)



آپ ﷺ کے دست اقدس کو حضرت رفاعیؒ نے بوسہ دیا

﴿ سوال ﴾:

حضرت سید احمد کبیر رفاعیؒ مدینہ تشریف لے گئے اور آنحضرت ﷺ کے روضہ مبارک کی زیارت کی تو سرور کائنات ﷺ کا دست مبارک نمودار ہوا اور حضرت سید احمد کبیر رفاعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے دست مبارک کو بوسہ دیا۔ یہ حقیقت کہاں تک سچی ہے۔ بحوالہ کتب جواب عنایت فرمائیں بنیوا تو جروا۔

﴿ الصواب ﴾:

حضرت امام جلال الدین سیوطیؒ نے اپنے رسالہ ”شرف ختم“ میں سلسلہ وار سند سے لکھا ہے کہ وہ روایت کرتے ہیں کہ شیخ کمال الدینؒ سے اور وہ شیخ شمس الدین جزریؒ سے اور وہ شیخ مراغیؒ سے اور وہ شیخ عز الدین احمد فاروقیؒ کے واسطے اور وہ اپنے والد شیخ ابواسحاق ابراہیمؒ سے اور وہ اپنے باپ شیخ عز الدین عمرؒ سے رحمہم اللہ تعالیٰ کہ میں ۵۵۵ھ میں سید احمد رفاعیؒ کے ساتھ سفر حج میں تھا۔ جب وہ مدینہ طیبہ پہنچے اور روضہ شریف پر حاضر ہوئے تو انہوں نے ان الفاظ سے سلام عرض کیا۔ السلام علیکم یا جدی (اے نانا جان! آپ پر سلام) وہاں سے جواب عطا ہوا وعلیک السلام یا ولدی (تجھ پر سلام اے میرے بیٹے) کہ اس کو تمام اہل مسجد نے سنا۔ حضرت سید احمد رفاعیؒ پر وجد شدید نے غلبہ کیا اور بڑی دیر تک رویا کئے اور شدت شوق میں عرض کیا۔ یا جداہ

فی حالة البعد روحی كنت ارسلها

تقبل الارض عنی وهی نائبتی

وهذه دولة الاشیاح قد حضرت

فامدد یمینک کی تحظی بها شفتی

یعنی! اے نانا جان! حالت بعد میں اپنی روح کو حضور ﷺ میں بھیج دیا کرتا تھا وہ

نائب بن کرزمین بوس ہو جاتی تھی۔ اب جسم کی حاضری کی نوبت آئی ہے سو ذرا اپنا دایاں دست مبارک دیتے تھے تاکہ میرالب اس کے بوسہ سے مشرف ہو جائے! پس فوراً آپ ﷺ کا دست مبارک چمک اور مہک کے ساتھ قبر شریف سے ظاہر ہوا اور ہزاروں آدمیوں نے زیارت کی۔ اور سید رفاعیؒ نے اس کا بوسہ لیا۔ (مجمع الجورص ۱۸۲)

اس عظیم الشان واقعہ کی تفصیل بالسند کتب معتبرہ میں نقل کی گئی ہے شک و شبہ کی ضرورت نہیں۔ اولیاء اللہ سے کرامت کا ظاہر ہونا، عقل اور نقل دونوں طریقہ سے ثابت ہے۔ قرآن اور حدیث سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ اصل فعل باری تعالیٰ کا ہوتا ہے۔ بندہ کو اس کے ظہور کا ذریعہ بنایا جاتا ہے اور اس طرح بارگاہ رب العزت میں اس کے تقرب اور اس کی مقبولیت کی شہادت مہیا کی جاتی ہے (۳۱۰)۔

(۳۱۰): فی شرح العقیۃ الطحاوی: ونؤمن بما جاء فی کرامة الأولیاء، لأنه قد ورد فی القرآن قصة عرش بلقیس، وقول ذلک الولی وهو آصف بن برخیا، وهو رجل من أصحاب سلیمان علیه السلام لم یکن نبیاً علی ما حکى الله تعالى بقوله: ﴿قال الذی عنده علم من الکتاب أنا ائیک به قبل أن یرتد الیک طرفک فلما راه مستقرا عنده قال هذا من فضل ربی﴾ [النمل: ۲۰]

وقصة مریم وما ظهر لها من خوارق من رزق الشتاء فی الصیف، ورزق الصیف فی الشتاء، وظهور النخلة فی الصخر وتساقط الرطب علیها من أعظم الکرامات لمریم علی ما حکى الله بقوله: ﴿کلما دخل علیها زکریا المحراب وجد عندها رزقا﴾ [آل عمران: ۳۷]، وبقوله: ﴿وهزی الیک بجذع النخلة تساقط علیک رطبا جنیا﴾ [مریم: ۲۵]

والآثار والأخبار فی کرامات الأخیار مستفیضة.

وکل کرامة ظهرت علی یدی ولی فہی معجزة لنبی، لأنه انما أکرم الله الولی بتلک الکرامات ببركة متابعة النبی، فکل ما یظهر فی یده یكون دلیلاً علی صدق النبی، فلا تكون الکرامة قط قاذحة فی المعجزة بل هی مؤیدة لها دالة علیها

مرغی کا بیضہ چاروں طرف سے قلعہ کی طرح بند ہوتا ہے۔ اس میں ذرا بھی سوراخ نہیں ہوتا مگر پھر ایسا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے اسی بند قلعہ سے اچانک ایک بچہ نکل آتا ہے جو بہت کمزور ہوتا ہے۔ اگر قادر ذوالجلال کی یہی قدرت کارفرما ہو اور نبی کریم ﷺ کا دست مبارک (جن کی حیات مسلمہ حقیقت ہے) قبر شریف سے باہر نکلے تو اس میں خلاف عقل کیا بات ہے؟ البتہ خلاف عادت ضرور ہے۔ اسی لئے اس کو کرامت کہا جاتا ہے۔ اولیائے کرام رحمہم اللہ سے جو باتیں ظاہر ہوں وہ کرامت کہلاتی ہیں۔ مگر ولی کی کرامت درحقیقت اس نبی کا معجزہ ہوتا جس کا یہ امتی ہے اور جن کی اتباع اور پیروی کے صلہ میں اس کو یہ کمال حاصل ہوا ہے۔ اس طرح پانی پر چلنا، ہوا پر اڑنا وغیرہ بھی کرامتیں ہیں جن کو حسی کرامت کہا جاتا ہے (یعنی جو آنکھوں سے نظر آئیں) یہاں یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ عموماً کرامتوں ہی کو کمال سمجھا جاتا ہے۔ مگر اہل کمال کے نزدیک ”کرامت معنوی“ کمال ہے، یعنی شریعت مصطفوی ﷺ پر مضبوطی سے ثابت قدم رہنا زندگی کے ہر شعبہ میں اور ہر ایک موقع پر سنت اور غیر سنت کے فرق کو سمجھ کر سنت رسول ﷺ کی مکمل اتباع اس کا شوق اور اس کی لگن اور دل سے توجہ الی اللہ اور اشتغال باللہ کہ ایک دم اور ایک سانس بھی غفلت میں نہ گزرے۔ حضرت محبوب سبحانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت میں ایک بزرگ چشتیہ حاضر ہو کر عرض کرنے لگے کہ:

مجھ کو کئی سال نسبت حق میں قبض تھا۔ آپ کے حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور قبض کی شکایت کی تو حضرت خواجہ کی توجہ و دعا سے میری حالت قبض بسط سے بدل گئی۔ آپ بھی کچھ توجہ فرمائیں کیونکہ حضرت خواجہ رحمۃ اللہ نے اپنے تمام خلفاء اور مریدین کو آپ کے حوالہ کر دیا ہے تو حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ نے ان کے جواب

خلافاً لما زعمت المعتزلة من حيث انه لا يبقى فرق بين الولي والنبى لو جوزنا ظهور المعجزة في يد الولي. (شرح عقيدة الامام الطحاوى، بيان أن النبوة أفضل من الولاية والایمان بکرامات الأولیاء، ص: ۱۵۷، ۱۵۸)

میں فرمایا کہ میرے پاس تو اتباع سنت کے سوا کچھ بھی نہیں۔ یہ سنتے ہی ان بزرگ پر حال طاری ہوا اور کثرت نسبت اور قوت باطنی کے اثرات سے سرہند شریف کی زمین جنبش کرنے لگی۔ حضرت امام ربائیؒ نے ایک خادم سے فرمایا کہ طاق میں سے مسواک اٹھالاؤ۔ آپ نے مسواک کو زمین پر پٹک دیا اسی وقت زمین ساکن ہو گئی اور ان بزرگ کی کیفیت جذبی بھی جاتی رہی۔ اس کے بعد آپ نے ان بزرگ سے فرمایا کہ تمہاری کرامت سے زمین سرہند جنبش میں آگئی اور اگر فقیر دعا کرے تو ان شاء اللہ سرہند شریف کے مردے زندہ ہو جائیں۔ لیکن میں تمہاری اس کرامت (جنبش زمین سے اور اپنی اس کرامت سے کہ دعا سے سرہند شریف کے تمام مردہ زندہ ہو جائیں) اثناء وضو میں بطریق مسواک کرنا بدرجہا افضل جانتا ہوں۔ (دیباچہ در لا ثانی شاہ محمد ہدایت علی جیپوری ج ۳ ص ۲-۷)

حضرت محبوب سبحانی غوث اعظم سید احمد کبیر رفاعی رحمہ اللہ کامل متقی اور متبع سنت اور بدعت کے سخت دشمن تھے۔ آپ کی بنیادی تعلیم یہ تھی کہ خدا کی تلاش رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ کرو۔ (الہیان المشید ص ۴) اور اس محمدی ﷺ طریقہ کی اساس کو سنت کو زندہ کر کے اور بدعات کو مٹا کر مضبوط کرو۔ (ایضاً ص ۸)

کرامت اتباع سنت کا ثمرہ ہے۔ آنحضرت ﷺ کی اتباع کے بغیر کوئی کمال حاصل نہیں ہو سکتا۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی حمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہر ایک فضیلت اور ہر ایک کمال آنحضرت ﷺ کی پیروی اور آپ کی شریعت کی تابعداری ہی پر موقوف ہے۔ (مکتوبات امام ربانی ج ۱ ص ۱۳۵)

لہذا طریقہ سنت کی اتباع کے بغیر جو کوئی بھی تعجب کی بات دیکھنے میں آئے وہ ہرگز کرامت نہیں استدراج اور شیطانی حرکت ہے۔

سلطان العارفین حضرت بایزید بسطامیؒ فرماتے ہیں کہ اگر تمہاری نظروں میں ایسا کمال والا آدمی ہو جو ہوا پر مر بعا چو کڑی مار کر آٹھی پالٹی لگا کر بیٹھتا ہو اور پانی پر چلتا ہو تو جب تک تم امتحان نہ کر لو کہ احکام اسلام اور شرعی حدود کی پابندی میں کیسا ہے، ہرگز اس کو نظر میں

نہ لاؤ۔

حضرت بسطامیؒ سے کہا گیا کہ فلاں آدمی ایک رات میں مکہ پہنچ جاتا ہے تو آپؒ نے فرمایا کہ شیطان تو ایک جھپک میں مشرق سے مغرب میں پہنچ جاتا ہے حالانکہ وہ لعنۃ اللہ میں گرفتار ہے۔ (بصائر العشائر ص ۶۱۲)

پیشواؒ طریقت حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ واصل الی اللہ ہونے کی بے شمار طریقے اور راستے ہیں مگر مخلوق کے لئے تمام راستے بند ہے۔ اس کے لئے صرف وہی راستہ کھلا ہوا ہے جو اتباع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شاہراہ ہے۔

حضرت ابو حفص کبیر حداد رحمۃ اللہ علیہ جو اہل طریقت میں بڑے بزرگ تھے، فرماتے ہیں کہ جس نے اپنے اقوال، حالات اور امور کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کی میزان میں نہیں تولے اور خواہشات نفس کو برانہ سمجھا تو اس کو بزرگوں کی فہرست میں داخل نہ کرو۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی فرماتے ہیں کہ:- اے فرزند! آنچہ فردا بکار خواہد آمد متابعت صاحب شریعت است علیہ الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ، احوال ومواجید علوم ومعارف و اشارات و رموز اگر باں متابعت جمع شوند فیہا نعمت والا جز خرابی واستدراج ہیج نیست۔

یعنی اے فرزند جو چیز کل کو (قیامت میں) کارآمد ہوگی، وہ صاحب شریعت ﷺ کی متابعت اور پیروی ہے۔ درویشانہ حالات اور عالمانہ وجد، علوم ومعارف، صوفیانہ رموز و اشارات اگر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اتباع اور پیروی کے ساتھ ہوں تو بے شک بہت بہتر ہیں؟ اور اگر یہ باتیں پابندی شریعت اور اتباع سنت کے جوہر کے بغیر ہوں تو خرابی اور استدراج کے سوا ان کی کوئی حقیقت نہیں۔ (مکتوبات امام ربانی ج ۱ ص ۱۸۵ مطبع مرتضوی دہلی)

اور فرمایا باوجود مخالفت شریعت اگرچہ برابر سرموئے باشد اگر بالفرض احوال ومواجید دست دہد داخل استدراج است آخر اورا رسوا خواہند ساخت۔ خلاصی بے اتباع محبوب رب

العالمین علیہ وعلیٰ آلہ من الصلوٰۃ افضلھا ومن التسلیمات اکملھا ممکن نیست۔ (مکتوبات امام ربانی ج ۱ ص ۱۰۰) یعنی شریعت کے خلاف کرنے کے باوجود چاہے وہ بال برابر ہی ہو، اگر مان لو کہ احوال اور کوائف حاصل ہو جاویں تو وہ سب استدراج شمار ہوں گے، کار پردازان قضا و قد آخر کار اس کو شرمندہ اور ذلیل کریں گے۔ محبوب رب العالمین ﷺ کی اتباع کے بغیر خلاصی اور نجات ممکن نہیں۔ (مکتوب امام ربانی ج ۱ ص ۱۰۰)

اس زمانہ میں پیر زادے یا ایسے لوگ جن سے کوئی تعجب خیر بات ظاہر ہوئی ہو، غوث، قطب یا پیر تسلیم کر لئے جاتے ہیں، چاہے ان کے عقائد و اعمال کتنے ہی خلاف شرع ہوں چاہے وہ داڑھی منڈے اور سینما کے ایکٹر ہوں (انا اللہ الخ) یہ کتنی بڑی گمراہی ہے حق تعالیٰ فہم سلیم و توفیق صحیح نصیب فرمائے۔ آمین۔ حضرت شیخ سعدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

خلاف پیغمبر کسے راہ گزید

کہ ہر گز بمنزل نخواہ رسید

جس نے پیغمبر ﷺ کے طریقہ کے خلاف کوئی راستہ اختیار کیا وہ کبھی منزل مقصود

تک نہیں پہنچے گا۔

پسندار سعدی کہ راہ صفا

تو ال رفت جز در پے مصطفیٰ

سعدی! یہ گمان کرنا کہ پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تابعداری کے بغیر راہ راست

حاصل ہو جائے گا فقط۔ واللہ اعلم بالصواب۔ (فتاویٰ رحیمیہ، ج: ۳، ص: ۴۴ تا ۴۷، ط، دار

الاشاعت کراچی)



رسول اللہ ﷺ کے روضہ مبارکہ کی زیارت کا کیا حکم ہے؟

﴿سوال﴾:

کیا غیر مقلدوں کے نزدیک آنحضرت ﷺ کے روضہ اقدس کی زیارت کے لئے مدینہ منورہ کا سفر ناجائز ہے؟ اگر یہ صحیح ہے تو بحوالہ کتب جواب دیجئے؟ اس بارے میں علماء دیوبند کا نظریہ کیا ہے؟ جائز مانتے ہیں یا ناجائز؟

﴿جواب﴾:

ہاں غیر مقلدین آنحضرت ﷺ کے روضہ مبارک کی زیارت کے لئے سفر کرنے کو ناجائز کہتے ہیں ان کے مذہبی مقتدی مولانا نور الحسن خاں صاحب کی کتاب ”عرف الجادی“ میں ہے:

”وجہ منع از سفر زیارت خواہ قبور انبیاء باشد و غیر ایشاں آنست کہ دلیلے بر جواز آن از کتاب یا سنت یا اجماع یا قیاس قائم نیست و از سلف ثابت نشدہ“ (ص ۲۵۷)

علمائے دیوبند کا نظریہ ایسا نہیں ہے، علمائے دیوبند کا اعتقاد یہ ہے کہ سرور کائنات ﷺ کے مزار مبارک کی زیارت افضل المستحبات بلکہ قریب بواجب ہے، اور بڑی فضیلت اور اجر عظیم کا موجب ہے۔ علمائے دیوبند کے جلیل القدر عالم و بزرگ مولانا خلیل احمد صاحب انبھوی ثم المدنی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں کہ:

”ہمارے نزدیک اور ہمارے مشائخ کے نزدیک زیارت قبر سید المرسلین (ہماری جان آپ ﷺ پر قربان) اعلیٰ درجہ کی قرابت اور نہایت ثواب اور سبب حصول درجات ہے بلکہ واجب کے قریب ہے۔“

”عندنا وعند مشائخنا زیارة قبر سید المرسلین

(روحی فداہ) من اعظم القربات و اہم المندوبات و ان حج

لنیل الدرجات بل قریبۃ من الواجبات“۔
اور آگے چل کر فرماتے ہیں:

”وینوی وقت الارتحال زیارتہ علیہ الف الف تحیۃ
وسلام وینوی معها زیارۃ مسجده ﷺ وغیرہ من البقاع
والشاهد الشریفۃ بل الاولی ما قال العلامة الہمام بن الہمام
ان یجرد النیۃ لزیارۃ قبرہ علیہ الصلوٰۃ والسلام ثم یحصل لہ
اذا قدم زیارۃ المسجد لان فی ذلک زیارۃ تعظیمہ
واجلالہ ﷺ ویوافقہ قولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم من
جاءنی زائراً لا تحملہ حاجۃ الا زیارتی کان حقاً علی ان
اکون شفیعاً لہ یوم القیامۃ (۳۱۱)۔

(ترجمہ) اور سفر کے وقت آنحضرت ﷺ کی زیارت کی نیت
کرے اور ساتھ میں مسجد نبوی اور دیگر مقامات و زیارت گاہاں متبرکہ کی بھی
نیت کرے بلکہ بہتر وہ ہے جو علامہ ابن ہمامؒ نے فرمایا کہ خالص قبر شریف کی
زیارت کی نیت کرے جب وہاں حاضر ہوگا تو مسجد نبوی ﷺ کی بھی
زیارت حاصل ہو جائے گی۔ اس صورت میں جناب رسالت مآب ﷺ
کی تعظیم زیادہ ہے اور اس کی موافقت خود حضرت کے ارشاد سے ہو رہی ہے
کہ جو میری زیارت کو آیا کہ میری زیارت کے سوا کوئی حاجت اس کو نہ لائی
ہو تو مجھ پر حق ہے کہ قیامت کے دن اس کا شفیع بنوں۔ (التصدیقات ص
۵)

اور دوسرے جلیل القدر بزرگ و محدث حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ روضہ پاک کی
زیارت کے فضائل بیان کرنے کے بعد ہدایت فرماتے ہیں کہ:

”جب مدینہ کا عزم ہو تو بہتر یہ ہے کہ روضہ اطہر ﷺ کی زیارت کی نیت کر کے جائے۔ (زبدۃ المناسک ”جدید“ ص ۱۱۳) اور تیسرے بزرگ شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی فرماتے ہیں کہ:

”مدینہ منورہ کی حاضری محض سرور کائنات علیہ السلام کی زیارت اور آپ کے توسل کی غرض سے ہونی چاہئے..... اسی وجہ سے میرے نزدیک بہتر یہی ہے کہ حج سے پہلے مدینہ منورہ جانا چاہیے اور آنحضرت ﷺ کے توسل سے نعمت قبولیت حج و عمرہ کے حصول کی کوشش کرنی چاہیے، مسجد کی نیت خواہ وہ تبعاً کر لی جائے مگر اولیٰ یہی ہے کہ صرف جناب رسول اللہ ﷺ کی زیارت کی جائے تاکہ لا تحملہ الا زیارتی والی روایت پر عمل ہو جائے۔

مکتوب نمبر ۴۵ مکتوبات شیخ الاسلام (صفحہ ۱۲۹-۱۳۰ ج ۱) فقط واللہ بالصواب۔

(فتاویٰ رحیمیہ، ج: ۳، ص: ۳۷، ۳۸، ط، دارالاشاعت کراچی)



روضہ رسول اللہ ﷺ خلاف شریعت نہیں ہے

﴿ سوال ﴾:

ایک صاحب کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کا روضہ مبارکہ غلط اور خلاف شریعت بنایا گیا ہے کیونکہ قبروں پر آبادی ممنوع ہے تو ایسے شخص کے قول کے بارے میں کیا حکم ہے۔ بینوا تو جروا۔

﴿ الجواب ﴾:

لایخفی ان النبی ﷺ نہی عن البناء علی القبور کما رواہ مسلم (۳۱۲) وغیرہ وقال ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ

(۳۱۲): عن جابر قال: نهى رسول الله ﷺ أن يخصص القبر، وأن يقعد عليه،

وأن يبنى عليه. (صحيح مسلم، كتاب الجنائز، باب النهي عن تخصيص القبر والبناء

سمعت رسول اللہ ﷺ قال ما قبض اللہ نبیا الا فی الموضع
الذی یحب ان یدفن فیہ ادفنوه فی موضع فراشه رواه
الترمذی (۳۱۳). ولا ریب فی ان النبی ﷺ توفی فی البیت
والبناء فلا بد ان یکون قبره منحصوفا من سائر القبور ویكون
البناء علی قبره المبارک جائزاً ومن تمسک بالحديث
المحرم ولم ينظر الى الحديث العارض فهو مسلم نجدی
ولا حول ولا قوه الا باللہ العلی العظیم. وهو الموفق (فتاویٰ
فریدیہ، ج: ۱، ص: ۴۶۶)



روضہ اقدس ﷺ سے دستِ مبارک کا نکلنا

﴿ سوال ﴾:

سرور کائنات احمد مجتبیٰ ﷺ کا دست مبارک قبر مبارک سے کسی کے مصافحہ کے واسطے
نکلنا صحیح ہے؟ اور از روئے شرع درست ہے یا نہیں؟

﴿ الجواب حامداً ومصلیاً ﴾:

سرور کائنات حضرت رسول مقبول محمد ﷺ کا دست مبارک مزار اقدس سے نکلنا

علیہ، ص: ۳۹۰، رقم: ۲۲۴۵، ط، دار السلام ریاض)

(۳۱۳): عن عائشة رضی اللہ عنہا قالت: لما قبض رسول اللہ ﷺ اختلفوا
فی دفنه، فقال أبوبکر: سمعت من رسول اللہ ﷺ شیئاً ما نسیته، قال: ما قبض اللہ
نبیاً الا فی الموضع الذی یحب أن یدفن فیہ، ادفنوه فی موضع فراشه. (شمائل
ترمذی مع خصائل نبوی، باب ماجاء فی وفاة رسول اللہ ﷺ، ص: ۴۶۱، ۴۶۲، ط،
مکتبة البشیری کراتشی)

بعض اولیاء کے لئے شرعاً ممکن ہے محال نہیں، علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ”الحاوی للفتاویٰ“ میں ایسا واقعہ بھی نقل کیا ہے (۳۱۴)۔ قبر اطہر میں حیات بھی احادیث سے ثابت ہے (۳۱۵)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم (فتاویٰ محمودیہ، ج: ۱، ص: ۳۹۰)



(۳۱۴): فی الحاوی للفتاویٰ: وقال الشيخ تاج الدين عطاء الله في لطائف المنن: قال رجل للشيخ أبي العباس الموصي: يا سيدي! صافحني بكفك هذه، فانك لقيت رجالاً وبلاداً، فقال: والله ما صافحت بكفي هذه الا رسول الله ﷺ. وفي المجاميع: حج سيدي أحمد الرفاعي، فلما وقف تجاه الحجرة الشريفة أنشد:

في حالة البعد روحى كنت أرسلها
تقبل الأرض عنى وهى نائبتى
وهذه دولة الأشباح قد حضرت
فامدد يمينك كى تحظى بها شفتى

فخرجت اليد الشريفة من القبر الشريف فقبلها. (الحاوی للفتاویٰ، کتاب البعث، تنویر الحלק فی امکان رؤیة النبی والملك، ج: ۲، ص: ۳۱۲، ۳۱۴، دار الکفر) (۳۱۵): عن أوس بن أوس عن النبي ﷺ قال: ان من أفضل أيامكم يوم الجمعة فيه خلق آدم عليه السلام، وفيه قبض، وفيه النفخة، وفيه الصعقة، فأكثروا على من الصلاة فان صلاتكم معروضة على، قالوا: يا رسول الله! وكيف تعرض صلاتنا عليك وقد أرمت؟ أى يقولون! قد بليت؟ قال: ان الله عز وجل قد حرم على الأرض أن تأكل أجساد الأنبياء عليهم السلام. (سنن النسائي، كتاب الجمعة، باب اكثار الصلاة على النبي ﷺ يوم الجمعة، ص: ۱۹۴، رقم: ۱۳۷۵، ط، دار السلام رياض) الانبياء احياء فى قبورهم يصلون. (ع) عن أنس. وفي حاشية التنوير: أخرجه أبو يعلى (۳۴۲۵)، قال ابن حجر: فى الفتح (۶/ ۴۸۷): أخرجه البيهقى فى كتاب حياة الأنبياء فى قبورهم وصححه، وصححه الألبانى فى صحيح الجامع (۲۷۹۰).

حضرت عیسیٰؑ کی طرح آنحضرت ﷺ کو آسمان پر کیوں نہ اٹھالیا گیا

﴿ سوال ﴾:

خلاصہ سوال یہ ہے کہ ہمارے رسول اللہ ﷺ کی وفات کیوں ہوئی؟ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح آسمان پر کیوں نہ اٹھائے گئے؟

﴿ الجواب ﴾:

حق تعالیٰ کے معاملات ہر شخص کے ساتھ جدا جدا اگانہ ہیں کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ اللہ تعالیٰ سے یہ سوال کرے کہ جو معاملہ نوح علیہ السلام کے ساتھ کیا وہی موسیٰ علیہ السلام

(التنوير شرح الجامع الصغير، ج: ۴، ص: ۵۰۷، رقم: ۳۰۷۴، ط، مكتبة دار السلام رياض)

وفي المهند: عندنا وعند مشائخنا حضرة الرسالة ﷺ حي في قبره الشريف وحيوته ﷺ دنيوية من غير تكليف وهي مختصة به ﷺ وبجميع الأنبياء صلوات الله عليهم والشهداء لا برزخية كما هي حاصلة لسائر المؤمنين بل لجميع الناس كما نص عليه العلامة السيوطي في رسالته انباء الاذكياء بحيوة الانبياء حيث قال قال الشيخ تقي الدين السبكي "حيوة الانبياء والشهداء في القبر كحيوتهم في الدنيا ويشهد له صلوٰة موسى عليه السلام في قبره فان الصلوٰة تستدعي جسداً حياً" الى اخر ما قال "فثبت بهذا ان حيوته دنيوية برزخية لكونها في عالم البرزخ" ولشيخنا شمس الاسلام والدين محمد قاسم العلوم على المستفيدين قدس الله سره العزيز في هذا المبحث رسالة مستقلة دقيقة الماخذ بديعة المسلك لم ير مثلها قد طبعت وشاعت في الناس واسمها "آب حیات" اي ماء الحيوة. (المهند على المفند، ص:

کے ساتھ کیوں نہ کیا اور جو ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ کیا وہی ہمارے نبی کریم ﷺ کے ساتھ کیوں نہ کیا اور نہ صرف ان معاملات و واقعات سے ایک نبی کو دوسرے نبی پر کوئی ترجیح و تفضیل دی جاسکتی ہے جب تک دوسری صحیح و صریح روایات تفصیل پر دلالت نہ کریں انبیاء علیہ السلام کی تاریخ پڑھنے والوں پر مخفی نہیں کہ بعض انبیاء کو آروں کے ذریعہ دو ٹکڑے کر دیا گیا اور بعض کو آگ میں ڈالا گیا اور بعض کو خندق وغیرہ (۳۱۶) میں پھر کسی پر آفات

(۳۱۶): فی البدایۃ: وقد اختلفت الروایۃ عن وهب بن منبه هل مات زكريا عليه السلام موتاً أو قتل قتلاً علی روایتین فروی عبد المنعم بن ادريس بن سنان عن أبيه عن وهب بن منبه أنه قال هرب من قومه فدخل شجرة فجاؤا فوضعوا المنشار عليهما فلما وصل المنشار الى أضلاعه أن فأوحى الله اليه لئن لم يسكن أئنيك لأقلين الارض ومن عليها فسكن انينه حتى باثنتين. (البدایۃ والنہایۃ، ج: ۲، ص: ۵۲، ط، مکتبۃ المعارف بیروت لبنان)

وفي تفسير الخازن: يروى أن اليهود قتلت سبعين نبياً في أول النهار، وقامت الى سوق بقلها في آخره وقتلوا زكريا ويحيى وشعيا وغيرهم من الأنبياء. (تفسير الخازن المسمى لباب التأويل في معاني التنزيل، سورة البقرة، الآية: ۱، ج: ۱، ص: ۵۰، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

وفي تفسير الثعالبي: روى أن بني اسرائيل كانوا يقتلون في اليوم ثلاثمائة نبى، ثم تقوم سوقهم آخر النهار، وروى سبعين نبياً، ثم تقوم سوق بقلهم آخر النهار. (تفسير الثعالبي المسمى بالجواهر الحسان في تفسير القرآن، سورة البقرة، الآية: ۸۷، ج: ۱، ص: ۲۷۷، ط، دار احياء التراث العربى بيروت لبنان)

وفي الدر المنثور: أخرج أبو داود الطيالسي، وابن أبي حاتم، عن ابن مسعود قال: كانت بنو اسرائيل في اليوم تقتل ثلاثمائة نبى، ثم يقيمون سوق بقلهم في آخر النهار. (الدر المنثور في التفسير بالمأثور، سورة البقرة، الآية: ۶۱، ج: ۱، ص: ۳۸۸ / تفسير ابن كثير، سورة البقرة، الآية: ۶۱، ج: ۱، ص: ۲۸۳، ط، دار طيبة)

و مصائب اول جاری کر دیئے پھر آخر الامر بچا لیا اور کسی کو اول ہی سے محفوظ رکھا اب یہ سوال کرنا کہ جیسے عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھا کر زندہ رکھا گیا ہے ایسے ہی حضرت نبی کریم ﷺ کے ساتھ معاملہ کیوں نہ کیا گیا یہ تو ایسا ہی سوال ہے جیسے کوئی یوں کہے کہ جو معاملہ موسیٰ علیہ السلام اور لشکر فرعون کے ساتھ بنص قرآن کیا گیا وہی معاملہ نبی کریم ﷺ اور کفار مکہ کے ساتھ کیوں نہ ہوا کہ جنگ احد میں حضور ﷺ کا دندان مبارک شہید ہونے اور چہرہ انور زخمی ہونے کی نوبت آئی آپ کو ہجرت کر کے وطن اور مکہ چھوڑنا پڑا غار میں چھپنا پڑا (۳۱۷) سب کفار قریش پر ایک دفعہ ہی آسمانی بجلی کیوں نہ آگئی یا دریا میں غرق کیوں نہ

(۳۱۷): فی السیرۃ النبویۃ: قال ابن اسحاق: وانكشف المسلمون، فأصاب فيهم العدو، وكان يوم بلاء وتمحيص، أكرم الله فيه من أكرم من المسلمين بالشهادة، حتى خلاص العدو الى رسول الله ﷺ. فحدث بالحجارة حتى وقع لشقه، فأصيبت رباعيته، وشج في وجهه، وكلمت شفته، وكان الذي أصابه عتبة بن أبي وقاص.

قال ابن اسحاق: فحدثني حميد الطويل، عن أنس بن مالك، قال: كسرت رباعية النبي ﷺ يوم أحد، وشج في وجهه، فجعل الدم يسيل على وجهه، ويجعل يمسح الدم وهو يقول: كيف يفلح قوم خضبوا وجه نبيهم، وهو يدعوهم الى ربهم؟ فأنزل الله عز وجل في ذلك ﴿ليس لك من الامر شيء أو يتوب عليهم أو يعذبهم فانهم ظالمون﴾. (السيرة النبوية، ج: ۳، ص: ۴۲، ۴۳، ط، دار الكتاب العربي)

وفيه ايضاً: هجرة الرسول ﷺ: وأقام رسول الله ﷺ بمكة بعد أصحابه من المهاجرين ينتظر أن يؤذن له في الهجرة، ولم يتخلف معه بمكة أحد من المهاجرين الا من حبس أو فتن، الا علي بن أبي طالب، وأبو بكر بن أبي قحافة الصديق رضي الله عنهما، وكان أبو بكر كثيراً ما يستأذن رسول الله ﷺ في الهجرة، فيقول له رسول الله ﷺ: لا تعجل لعل الله يجعل لك صاحباً... قال: وخرج عليهم رسول الله ﷺ، فأخذ حفنة من تراب في يده، ثم قال: أنا أقول ذلك، أنت أحدهم. وأخذ

ہو گئے، جیسے یہ سوال حضرت حق تعالیٰ کے معاملات میں بے جا ہیں ایسے ہی یہ بھی بالکل بے جا اور نامعقول سوال ہے کہ جیسے عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ رکھا آپ کو بھی زندہ آسمان پھر رکھنا چاہیے تھا۔ کیونکہ زیادہ دنوں تک زندہ رہنایا آسمان پر رہنا ان سے کوئی فضیلت نبی کریم ﷺ پر ثابت نہیں ہوتی کیونکہ زیادتی عمر فضیلت ہوتی تو بہت سے صحابہ کرامؓ اور عوام امت کی عمریں آپ سے دو گنی چو گنی ہوئی ہیں ان کو بھی افضل کہہ سکیں گے اور اسی طرح اگر آسمان میں رہنایا چڑھنا ہی مدافضیت ہو تو فرشتوں کو حضور ﷺ سے افضل ماننا لازم آئے گا جو نصوص شرعیہ اور اجماع امت کے خلاف ہے۔ (امداد المفتین، ص: ۱۲۸ تا ۱۳۰، ط، دار الاشاعت کراچی)



اللہ تعالیٰ علی أبصارهم عنه، فلا يرونه، فجعل ينشر ذلك التراب على رؤوسهم وهو يتلو هؤلاء الآيات من يس: ﴿يس. والقرآن الحكيم. انك لمن المرسلين على صراط مستقيم. تنزيل العزيز الرحيم﴾.... الى قوله: ﴿فأغشيناهم قهيم لا يبصرون﴾ حتى فرغ رسول الله ﷺ من هؤلاء الآيات، ولم يبق منهم رجل الا قد وضع على رأسه تراباً، ثم انصرف الى حيث أراد أن يذهب، فأتاهم آت ممن لم يكن معهم، فقال: ما تنتظرون هنا؟ قالوا: محمداً. قال: خيبكم الله! قد والله خرج عليكم محمد، ثم ما ترك منكم رجلاً الا وقد وضع على رأسه تراباً.... قال ابن اسحاق: فلما أجمع رسول الله ﷺ الخروج، أتى أبا بكر بن أبي قحافة، فخرجا من خوخة لأبي بكر في ظهر بيته، ثم عمداً الى غار ثور. جبل بأسفل مكة. فدخلا وأمر أبو بكر ابنه عبد الله بن أبي بكر أن يتسمع لهما ما يقول الناس فيهما نهاره، ثم يأتيهما اذا أمسى بما يكون في ذلك اليوم من الخبر، وأمر عامر بن فهيرة مولاہ أن يرعى غنمه نهاره، ثم يريحها عليهما، يأتيهما اذا أمسى في الغار. وكانت أسماء بنت أبي بكر تأتيها من الطعام اذا أمست بما يصلحهما. (السيرة النبوية، هجرة الرسول ﷺ،

کیا حضور ﷺ نے دنیاوی کاموں میں امت کو اختیار دیا ہے؟

سوال:

رسول اللہ ﷺ نے دنیاوی کاموں میں امت کو اختیار دیا ہے۔

جواب:

جو امور کہ خالص دنیوی حیثیت رکھتے ہیں اور شریعت سے کسی طرح ٹکرائے نہیں ان میں امت کو اختیار ہے کہ جو چاہے اپنے لئے پسند کرے (۳۱۸)۔ (کفایۃ المفتی، ج: ۱، ص: ۸۵، ط، دارالاشاعت کراچی)



حضور ﷺ کی خدمت میں سلام بھیجنا اور مدینہ

بلوانے کی درخواست کروانا

سوال:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: سائل چند زائرین مدینہ منورہ سے یا چند ساکنان مدینہ منورہ سے زبانی یا تحریری یہ عرض کرے کہ آپ صاحبان بارگاہ رسالت ﷺ میں میری جانب سے درود و سلام پیش کریں، بعدہ یہ عرض کریں کہ یا رسول اللہ! اللہ سے دعا فرمائیے کہ اللہ رب العالمین عبدالعزیز بن حبیب

(۳۱۸): عن أنس، أن النبي ﷺ مر بقوم يلحقون، فقال: لو لم تفعلوا لصلح

قال: فخرج شيصاً، فمر بهم فقال: ما نخلكم؟ قالوا: قلت: كذا وكذا، قال: أنتم

أعلم بأمر دنياكم. (صحيح مسلم، كتاب الفضائل، باب وجوب امثال ما قاله شرعاً،

دون ما ذكره ﷺ من معاش الدنيا، على سبيل الرأي، ص: ۱۰۳۹، رقم: ۶۱۲۸، ط، دار

السلام رياض)

اللہ مراد آبادی کی تمام جائز دعائیں قبول فرمائے اور تمام جائز تمنائیں قبول فرمائے، کیا یہ شرعاً جائز ہے؟

﴿ الجواب وبالله التوفیق ﴾:

جائز ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ رشیدیہ قدیم ۱۰۲، جدید زکریا: ۷۳، فتاویٰ عزیز ۱/۲۸۹، ۱۰۸)

نسألك ان تسأل الله تعالى أن لا يقطع آثارنا من
زيارة حرمك، وأن يعيدنا سالمين غانمين الى أوطاننا، وأن
يبارك لنا فيما وهب لنا، وأن يرزقنا الشكر على ذلك.
الخ. (وفاء الوفاء ۲/۴۵۲، بحوالہ تسکین الصدور، مطبع نصرۃ
العلوم گوجرانوالہ: ۳۷۵)

السلام عليك يا رسول الله! من فلان بن فلان
يستشفع بك الى ربك. (غنية خاتمة في زيارة قبر الرسول،
جدید ۳۷۹، قدیم ۲۰۴) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔
(فتاویٰ قاسمیہ، ج: ۲، ص: ۱۵۰، ط، مکتبہ اشرفیہ دیوبند)



آنحضرت ﷺ کو ”نبی پاک“ کیوں کہتے ہیں؟

﴿ سوال ﴾:

ایک دفعہ امام صاحب نے دورن تقریر فرمایا کہ: ”نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ
وسلم کو ”نبی پاک“ اس لئے کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا پیشاب
بھی پاک تھا، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا لعابِ دہن بھی پاک تھا، حتیٰ کہ
آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا پاخانہ بھی پاک تھا۔“ بے شک یہ سب کچھ مانتے

ہیں، مگر مسئلہ یہ ہے کہ اگر پاک تھا تو پھر نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم طہارت کیوں فرماتے تھے؟

﴿جواب﴾:

طہارت کے لئے اور نظافت کے لئے۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل، ج: ۱، ص: ۱۹۵ ط، مکتبہ لدھیانوی کراچی)



حضور ﷺ کے قیام کی کیفیت

﴿سوال﴾:

کیا آپ ﷺ کے کھڑے رہنے کے متعلق کچھ تفصیل مروی ہے؟

﴿الجواب حامداً ومصلیاً﴾:

محض کھڑا رہنا کوئی اہم مقصدِ زندگی نہیں ہے، میری نظر سے اس طرح کا کوئی ذکر نہیں گزرا۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔ (فتاویٰ فلاحیہ، ج: ۱، ص: ۱۳۸)



رسول اللہ ﷺ کے نام مبارک کے ساتھ ”سیدنا“ کا استعمال

﴿سوال﴾:

آں حضور ﷺ کے اسم گرامی کے ساتھ سیدنا کا استعمال کرنا کیسا ہے؟

﴿الصواب وبالله التوفیق﴾:

ایک حدیث شریف میں وارد ہے کہ: میں اولادِ آدم کا سردار ہوں اور مجھے کوئی فخر نہیں ہے (۳۱۹)؛ لہذا آپ ﷺ کے لئے لفظ سیدنا کا استعمال کرنا درست ہے۔ فقط واللہ

(۳۱۹): عن أبي هريرة قال: قال رسول الله ﷺ: أنا سيد ولد آدم يوم القيامة.

اعلم۔ (فتاویٰ دارالعلوم وقف دیوبند، ج: ۱، ص: ۱۹۶، ط، حجة الاسلام اکیڈمی/ فتاویٰ رحیمیہ، ج: ۳، ص: ۳۲، ط، دارالاشاعت کراچی)



حضور ﷺ کے خاندان کے حقوق کی تفصیل

﴿سوال﴾:

بعض واعظ حضرات اپنی تقریروں میں حضور ﷺ کے خاندان کی نسبی شرافت کا پرزور انکار کرتے ہیں اور آپ ﷺ کی وجہ سے جو اہل بیت کرام کی تکریم ہے اس کا اعتقاد نہیں رکھتے۔ اگر کسی سید مومن سے معصیت کا ارتکاب ہو جائے تو اس کیلئے عام اجلاس میں کنجر، کتے وغیرہ کے الفاظ مذمومہ خود بھی استعمال کرتے اور سامعین کو بھی مذکورہ الفاظ استعمال کراتے ہیں۔ کہ سادات کرام کو حضور ﷺ کا نسبی تعلق بالکل مفید نہیں ہے۔ تمام تر دار و مدار عمل صالح پر ہے۔ اور حتیٰ کہ صاف کہتے ہیں کہ ہمارا سید و شاہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اور ہم پر ان کا کوئی احترام و تکریم ضروری نہیں ہے۔ ہم تو دین کے ہیں۔ سین (سید) شین (شاہ) کے نہیں۔ اور صاف کہتے ہیں کہ بھائی خاندان نبوی سے تعلق رکھنا کوئی حکم شرعی نہیں۔

خلاصہ ان کی کلام کا یہ ہے کہ سید بحیثیت سید ہونے کے کوئی مستحق تکریم نہیں محض عمل ہی سبب تعظیم ہے۔ غرض اہل بیت کرام کی محبت ان حضرات کی تقریروں سے کم ہوتی جا رہی ہے۔ اور اپنے خیال کے جو مؤیدات پیش فرماتے ہیں بعض حسب ذیل ہیں۔ مثلاً بعض

وَأُولَ مَنْ يَنْشَقُّ عَنْهُ الْقَبْرَ وَأُولَ شَافِعٍ وَأُولَ مَشْفَعٍ. وَفِي تَكْمَلَةِ فَتْحِ الْمُلْهِمِ تَحْتَ هَذَا الْحَدِيثِ: ثُمَّ قَدْ وَرَدَ هَذَا اللَّفْظُ عِنْدَ التِّرْمِذِيِّ وَغَيْرِهِ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ، وَزَادَ فِيهِ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ "وَلَا فَخْرَ" .. الخ. (تكملة فتح الملهم، كتاب الفضائل، باب تفضيل نبينا ﷺ على جميع الخلائق، ج: ۴، ص: ۴۱۴، ۴۱۵، ط،

وقت ابولہب و ابو جہل، کنعان و آذر کے قصص بیان کرتے ہیں کہ جنہوں نے اسلام ہی قبول نہیں کیا۔ اور لوگوں کو کہتے ہیں کہ دیکھو کنعان کو نوح علیہ السلام کے خاندان نبوت سے ہونے نے اور ابولہب وغیرہ کو حضور ﷺ نے اور آذر کو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کوئی فائدہ نہ دیا۔

اور بعض اوقات آیات قرآنیہ پیش کرتے ہیں مثلاً ”سورة والعصر“ پڑھتے ہیں۔ حالانکہ ”خسر“ کا تعلق مجموعہ ایمان و عمل صالح سے ہے۔ تو ہم پوچھتے ہیں کہ جمیع اعمال صالح کے ساتھ ہے یا بعض کے ساتھ اگر بعض کے ساتھ ہے تو خود حضرات واعظین بھی ”خسر“ میں ہیں۔ اور الفاظ کنجر، کتے وغیرہ کے مستحق ہیں تو پھر سیدوں کی تخصیص کیوں۔ اور بھی آیات مثل یا ایہا الناس انا خلقناکم من ذکر و انثی الخ وغیرہ پڑھتے ہیں۔ اور کبھی حدیث ”اعملی“ پیش کرتے ہیں۔ غرض حضور اکرم ﷺ کے خاندانی شرف کے ختم ہونے کے واسطے جو آیات قرآنیہ پیش کرتے ہیں۔ ان کا تعلق مجموعہ ایمان و عمل کے منقشی ہونے سے ہے۔ ایمان کے بعد شرف نسبی منقشی ہونے پر کوئی آیت بطور دلیل نہیں لاتے۔

اب امر طلب یہ ہے کہ خاندان نبوی ﷺ کی نسبی شرافت اسلام لانے کے بعد ہے یا نہیں؟ باتفاق علماء اگر جواب نفی میں ہے تو نفی کے صحیح دلائل کیا ہیں؟ اور پھر جن میں نسبی شرافت کا ثبوت ملتا ہے جو حسب ذیل ہیں ان کا کیا جواب ہے؟

۱: بخاری میں کتاب التفسیر قولہ الا المودة فی القربی عن ابن عباس کے تحت حضرت مولانا احمد سہارنپوری تحریر فرماتے ہیں:

”قربى ال محمد ﷺ فحمل الآية على امر

المخاطبين بان تودوا اقاربه ﷺ وهو عام لجميع المكلفين

الخ“.

۲: حضور ﷺ نے فرمایا کہ لوگوں کے نسب منقطع ہو جائیں گے مگر میرا نسب منقطع

نہیں ہوگا۔ (نقل از مرقات حاشیہ مشکوٰۃ) جس کی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر رشتہ کیا۔

۳: مسنہ زکوٰۃ و کفو میں متقی و فاسق کا کوئی فرق نہیں۔ اس سے فقہاء کرام کا نسبی شرافت کو باقی رکھنا مفہوم ہوتا ہے۔

۴: حضرت ابراہیم بن رسول اللہ ﷺ نابالغی کی حالت میں فوت ہو چکے ہیں عدم شرافت نسبی کے ماتحت عام کلیہ کی بنا پر آجائیں گے کہ اعراف میں ہوں گے یا خدّام میں۔ حالانکہ حدیث سے اس کے خلاف مفہوم ہوتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ الی الدلائل العشرۃ جن میں شرافت نسبی کا ثبوت ملتا ہے

﴿ الجواب ﴾:

اہل بیت کرام کی محبت و اتباع میں اس درجہ غلو کہ شریعت عظمیٰ کا دامن ہاتھ سے چھوٹ جائے رض و تشیع ہے اور ان سے بغض و دشمنی باعث خسران اور علامت خروج ہے پس اعتدال واجب ہے جو کہ اہل السنۃ والجماعت کا مسلک حق ہے۔ لہذا اس کی قدرے تفصیل متنازعہ فیہ امور کے بارے میں کی جاتی ہے۔ امور مذکورہ کی تنقیح یہ ہے۔

۱: اہل بیت کرام کی نسبی شرافت شرعاً معتبر ہے یا کہ نہ؟

۲: اگر معتبر ہے تو اہل اسلام کو اس کی رعایت کے بارے میں شارع علیہ السلام کی طرف سے کیا ہدایت دی گئی ہیں اور اہل بیت کرام کے کیا حقوق ہیں؟

۳: اور معصیت کی وجہ سے ان کے حقوق پر کوئی اثر پڑتا ہے یا کہ نہیں؟

تنقیحات بالا کا جواب نمبر وار درج ذیل ہے۔

۱: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خاندان اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آل کی نسبی شرافت کا بعض احکام میں شرعاً اعتبار کیا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد نبوی ہے۔ نحن اهل بیت لا تحل لنا الصدقة (۳۲۰)۔ بخاری (بحر، ج

(۳۲۰): فی المرقات: روی البخاری عنہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نحن اهل

٢: ص: ٢٦٥) (٣٢١)۔ نیز ارشاد فرمایا ان اللہ حرم علیکم یا بنی ہاشم غسلۃ ایدی الناس (٣٢٢)۔ تمام امت کے لئے زکوٰۃ کا مال لینا درست ہے (بشرط فقر) خواہ وہ کسی خاندان ہی سے تعلق کیوں نہ رکھتا ہو۔ لیکن خاندان نبوت اور آپ کی آل کے لئے یہ

لا تحل لنا الصدقة۔ (مرقات المفاتیح شرح مشکاة المصابیح، کتاب الزکاة، باب من لا تحل له الصدقة، الفصل الاول، ج: ٤، ص: ٢٩٠، ط، دار الکتب العلمیۃ بیروت لبنان) (٣٢١): (البحر الرائق، کتاب الزکاة، باب المصرف، ج: ٢، ص: ٤٢٩، ط، دار الکتب العلمیۃ بیروت لبنان۔ وقال الشيخ زکریا عمیرات فی حاشیۃ البحر: رواه الترمذی فی کتاب الزکاة، باب ٢٢، ٢٣۔ النسائی فی کتاب الزکاة، باب ٨٠، ٩٠۔ ابن ماجه فی کتاب الزکاة، باب ٢٦۔ الموطأ فی کتاب الزکاة حدیث ٢٩۔ أحمد فی مسنده ١/ ١٦٤، ١٩٢)

(٣٢٢): فی نصب الرأیۃ: قال علیہ السلام: یا بنی ہاشم ان اللہ تعالیٰ حرم علیکم غسلۃ الناس، وأوساخهم، وعوضکم منها بخمس۔ (قال الزیلعی) قلت: غریب بهذا اللفظ۔ (نصب الرأیۃ لأحادیث الهدایۃ، کتاب الزکاة، باب من يجوز دفع الصدقة الیه ومن لا يجوز، ج: ٢، ص: ٤٠٣، ط، مؤسسة الریان بیروت لبنان)

وعنه (أی: ابن عباسؓ) قال بعث نوفل ابن الحارث ابنیہ الی رسول اللہ ﷺ فقال لهما انطلقا الی ابن عمکم لعلہ يستعین بکما علی الصدقات لعلکما تصیبان شیئاً فتزوجان فلقیا علیا رضوان اللہ علیہ وسلم بحاجتهما لعائشۃؓ ارخى علیک سجفک أدخل علی ابنی عمی فحدثا النبی ﷺ بحاجتهما فقال نبی اللہ ﷺ لا یحل لکما أهل البیت من الصدقات شیء ولا غسلۃ أیدی الناس ان لکم فی خمس الخمس لما یغنیکم۔ أو یکفیکم۔ رواه الطبرانی فی الکبیر وفيہ حسین بن قیس الملقب بحنش وفيہ کلام کثیر وقد ثقہ ابو محصن۔ (مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، کتاب الزکاة، باب الصدقة لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولآلہ وللموالیہم، ج: ٣، ص: ٩١، ط، دار الکتب العربیۃ بیروت لبنان)

مال حرام قرار دیا گیا ہے۔

مخفی نہیں کہ یہ مسئلہ تمام فقہاء کے نزدیک متفق علیہ ہے۔ پس فقہاء کرام کی کلام سے اس بارے میں اقتباسات نقل کرنا تحصیل حاصل ہے البتہ بطور نمونہ ایک عبارت ”بدائع“ سے نقل کی جاتی ہے۔ تحریم صدقہ کی احادیث نقل کرنے کے بعد اس کی علت کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے مصنف لکھتے ہیں۔

والمعنى ما اشار اليه انها من غسالة الناس فيتمكن
فيها الخبث فصان الله تعالى بني هاشم من ذلك تشریفاً لهم
واكراماً الخ (ج ۲ ص ۴۹) (۳۲۳)۔

مسئلہ کفایت میں بھی شرافت، نسب اور اس کی دنائت کافی الجملہ اعتبار کیا گیا ہے۔ کمالاً تکفلی۔ نیز امامت کے لئے اولیٰ ہونے میں بھی ایک درجہ کے اندر فقہاء نے شرافت نسب کا اعتبار کیا ہے (۳۲۴) کمافی درمختار شامی: ج ۲ ص ۵۲۱)۔ پس معلوم ہوا کہ شرافت نسب کا بعض احکام میں شرعاً اعتبار کیا گیا ہے۔

۲: اہل بیت نبوی کے یہ حقوق ہیں کہ ان کے ساتھ محبت رکھی جائے۔ مشکوٰۃ میں ہے

کہ:

قال رسول الله ﷺ احبوا الله لما يغذوكم من نعمته

(۳۲۳): (البدائع الصنائع في ترتيب الشرائع، كتاب الزكاة، باب فصل وأما الذي

يرجع الى المؤدى اليه، ج: ۲، ص: ۴۹، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

(۳۲۴): في الدر المختار: (والأحق بالامامة) تقديماً بل نصّاً. مجمع الأنهر

(الأعلم بأحكام الصلاة)..... (ثم الأشرف نسباً). (الدر المختار مع الشامى، كتاب

الصلاة، باب الامامة، ج: ۲، ص: ۲۹۴، ۲۹۵، ط، دار عالم الكتب رياض / مجمع الأنهر في

شرح ملتقى الأبحر، كتاب الصلاة، فصل في الامامة، ج: ۱، ص: ۱۶۲، ط، دار الكتب

العلمية بيروت لبنان)

واحبنی لحب اللہ وأحبوا أهل بيتی لحبی (۳۲۵). (رواہ

الترمذی)

عمرت رسول ﷺ سے محبت رکھنے کی ایک دوسری نفسیاتی وجہ بھی ہے جس کی طرف حدیث بالا میں اشارہ موجود ہے۔ وہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی محبت کا مامور بہا ہونا اور آپ کا جمیع امت کے لئے محبوب ہونا اظہر من الشمس ہے۔ تو اس محبت کی وجہ سے آپ کے متعلقین اور آپ کی آل کا محبوب ہونا ایک طبعی تقاضا ہے اور ایک ضروری امر ہے کہ جب کسی سے محبت ہوتی ہے تو اس کے در و دیوار اور گلی کو چوں تک سے انس و محبت کا تعلق ہو جاتا ہے۔ پس جب آنحضرت ﷺ محبوب امت ہیں تو آپ کی آل کا محبوب ہونا بھی لازم ہے یعنی آپ کی آل سے لازمی طور پر محبت ہونی چاہئے۔ تو ایک حق یہ ہوا کہ ان سے محبت رکھی جائے۔

۲: اہل بیت کا دوسرا حق یہ ہے کہ معاشرت میں ان کے ادب و احترام کا خصوصی لحاظ رکھا جائے۔ حدیث میں ہے۔

انی تارک فیکم ما ان تمسکم به لن تضلوا بعدی الخ کی شرح میں ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں۔ والمراد بالاخذ بهم التمسک بمحبتهم ومحافظة حرمتهم الخ وقال ابن المبارک ومعنی التمسک محبتهم والاهتداء بهدیتهم وسیرتہم زاد السید جمال الدین اذالم یکن مخالفا للدين الخ. (مرقاۃ: ج ۵: ص ۶۰۰: طبع قدیم) (۳۲۶)۔

(۳۲۵): (مشکاۃ المصابیح، کتاب المناقب، باب مناقب اہل بیت النبی ﷺ)

رضی اللہ عنہم، الفصل الثالث، ص: ۵۷۳، ط، قدیمی کتب خانہ کراچی)

(۳۲۶): (مرقات المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، کتاب المناقب، باب مناقب

اہل بیت النبی ﷺ ورضی اللہ عنہم، الفصل الثانی، ج: ۱۱، ص: ۳۰۷، ط، دار الکتب

العلمیۃ بیروت لبنان)

۳: شارحین کی مذکورہ بالا عبارت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ محافظتِ احترام کے علاوہ اہل بیت کا تیسرا حق یہ بھی ہے کہ ان کا اتباع بھی کیا جائے جب کہ وہ دین کے مخالف نہ ہوں۔

۴: ان کا چوتھا حق یہ ہے کہ ان کو ایذاء دینے سے خصوصیت کے ساتھ بچا جائے۔ البتہ شرعی ضرورت کی صورتیں اس سے مستثنیٰ ہوں گی۔ اور حدیث اذکرکم اللہ فی اہل بیۃ النخ کی شرح میں ملا علی قاریؒ نقل کرتے ہیں۔ قال الطیبی ای احذرکم اللہ فی شان اہل بیۃ واقول اتقواللہ ولا تؤذوہم واحفظواہم النخ (۳۲۷)۔ اسی طرح اہل بیت کی فضیلت اور ان سے تعلق رکھنے کی ضرورت کو آنحضرت ﷺ نے ایک مثال کے ذریعہ واضح فرمایا ہے۔ ارشاد فرمایا ہے کہ۔

”الا ان مثل اہل بیۃ فیکم مثل سفینۃ نوح من رکبھا

نجا ومن تخلف عنها هلك. (رواہ احمد) (۳۲۸)۔

اس حدیث سے مراد بھی یہی ہے کہ اہل بیت کی محبت اور متابعت کو لازم پکڑا جائے۔ کما فی الشروح پس تفصیل بالا سے معلوم ہوا کہ خانوادہ نبوت بہت سے فضائل کا حامل ہے اور ان کے خصوصی حقوق امت کے ذمہ ثابت ہیں۔

۳: ”کیا ان کی معصیت ان کے حق پر اثر انداز ہوتی ہے؟“ یعنی اگر ان سے کوئی گناہ صادر ہو جائے تو اہل اسلام کے ذمہ نہ تو ان کی محبت کا حکم باقی رہے اور نہ ان کی توقیر و تعظیم وغیرہ کا، کیا ایسا ہوگا؟

(۳۲۷): (مرقات المفاتیح شرح مشکاة المصابیح، کتاب المناقب، باب مناقب

أهل بیت النبی ﷺ ورضی اللہ عنہم، الفصل الاول، ج: ۱۱، ص: ۲۹۵، ط، دار الکتب العلمیۃ بیروت لبنان)

(۳۲۸): (مشکاة المصابیح، کتاب المناقب، باب مناقب أهل بیت النبی ﷺ

رضی اللہ عنہم، الفصل الثالث، ص: ۵۷۳، ط، قدیمی کتب خانہ کراچی)

تو اس کا جواب یہ ہے کہ جہاں تک ہم سمجھتے ہیں وہ یہ ہے کہ ان کی معصیت سے ان کے حقوق امت کے ذمہ سے ساقط نہیں ہوں گے۔ تو اعد شرعیہ اور اکابر کی کلام سے یہ ہی مفہوم ہوتا ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ اگر مطلق معصیت کو مسقط حقوق کہا جائے تو کون سا انسان ہے باستثناء انبیاء علیہم السلام جس سے معصیت کا صدور نہیں ہوتا۔ اور اہل بیت سے نبی کوئی ہوا نہیں تو اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ اہل بیت کا امت کے ذمہ کوئی حق نہیں۔ حالانکہ یہ خلاف منصوص ہے۔ اور اگر معصیت میں کوئی تحدید و تعین کی جائے تو اس کے لئے دلیل کی ضرورت ہے جو اس وقت تک ہمارے علم میں موجود نہیں پس اہل بیت سے محبت اور ان کا اکرام و احترام باوجود معمولی معصیت کے بھی مامور بہ ہوگا۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ نے حکیم ترمذی سے نقل کیا ہے کہ نسبتِ طینی کا احترام باقی رہنا چاہئے اگرچہ نسبتِ دینی میں کمزوری ہو۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ۔
 ”ہر کہ جامع اس دو صفت افتا و نسبتِ دینی را با نسبتِ طینی جمع گردا
 نیدا تم و اکمل شد از غیر خود چنانچہ بعضی از اولیاء کہ جامع اند میان علم و سیادت
 و ولایت و با وجود آں رعایت ادب و تعظیم و تقدیم و ادائے حقوق نسبتِ طینی
 واجب و لازم است ہکذا قال الحکیم۔“ (اشعۃ الممعات: ج ۴: ص ۶۹۶)۔

اور اس کی دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ شریعت نے ہر شخص کو اپنی ذمہ داریوں کا مکلف بنایا ہے ترکِ معصیت ان کی ذمہ داری ہے اور ادائے حقوق امت کے ذمہ واجب ہے۔ تو ان کی تقصیر سے ہماری کوتاہی قابلِ عفو نہیں سمجھی جادے گی۔ تعلیماتِ شرعیہ سے یہی ظاہر ہے۔ چنانچہ اولاد و والدین مصدق و رب المال مولاء و ولی وغیرہ کے لئے باہمی حقوق کی ادائیگی کے سلسلہ میں شارع علیہ السلام نے اس قسم کی ہدایات دی ہیں کہ ہر فریق کو اپنی ذمہ داری پوری کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔ اگرچہ فریقِ ثانی اس کے زعم میں ظلم ہی کر رہا ہو۔ اس صورت میں بغض فی اللہ جو مامور بہ ہے اس پر عمل کرنے کی یہ صورت ہو سکتی ہے کہ قلب میں

ان کے اہل بیت اور مومن ہونے کی وجہ سے محبت و احترام رکھے لیکن اپنے طرز عمل سے ان کے معاصی کا مبغوض ہونا بھی کرتا ہے۔

واضح رہے کہ حکم بالا اس صورت میں ہوگا جب کہ سید پر معصیت اور فسق و فجور کا غلبہ نہ ہو۔ یا اس کی تعظیم و تکریم سے عوام کے دینی ضرر کا اندیشہ نہ ہو۔ یا وہ سید کسی بدعت کا داعی نہ ہو۔ اور مبتدعین کا سرغنہ نہ ہو، ورنہ ایسا کی صورت میں وہ مستحق تعظیم نہیں ہے۔ کیونکہ فرمان نبوی ہے۔

من وقر صاحب بدعة فقد اعان علی ہدم الاسلام او

کما قال۔ (مشکوٰۃ ص ۳۱) (۳۲۹)۔

نیز یہ امر اس ارشاد نبوی سے بھی یہی ثابت ہے۔ احبو اہل بیتی لحبی کیونکہ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اہل بیت سے محبت کرنے کا حکم ان کی ذات کی وجہ سے نہیں بلکہ ان کے محبوب نبوی ہونے کی وجہ سے ہے اور ظاہر ہے کہ ایسا فاسق مجاہر اور مبتدع محبت نبوی کے شرف سے سرفراز ہونے کا ہرگز مستحق نہیں۔ پس وہ قابل محبت اور لائق تعظیم نہیں۔ اس کی طرف اشارہ کیا ہے سید جمال الدین رحمہ اللہ نے ایک حدیث کی تشریح کرتے ہوئے ”اذا لم یکن مخالفا للدين“ کی قید بڑھا کر۔ جیسا کہ پہلے مفصل مذکور ہوا۔

الحاصل ایسی صورت میں وہ سید مستحق تعظیم نہیں لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ مستحق تذلیل و لائق توہین ہے ہرگز نہیں بلکہ ایسے فاسق اور مبتدع کے خیالات و عقائد کی تردید کی جائے لیکن اسے ذلیل نہ کیا جائے۔ سوال میں جو الفاظ تقریر کے درج کئے گئے ہیں ان کا استعمال کرنا ہرگز جائز نہیں ہے۔

نوٹ! مخفی نہ رہے کہ محبت و اکرام اور ہے اور اتباع اور چیز ہے۔ عاصی کی تکریم و تعظیم کی تو گنجائش ہے لیکن دینی احکام کے بارے میں اتباع صرف شریعت مقدسہ ہی کا کیا

جائے گا۔ فقط واللہ اعلم۔ (خیر الفتاویٰ، ج: ۱، ص: ۳۱۳ تا ۳۱۸، ط، مکتبہ امدادیہ ملتان)



حضور ﷺ کی شفاعت کس کے لئے؟ اور حصول کا طریقہ

﴿ سوال ﴾:

ابھی پچھلے دنوں ٹی وی میں صبح کی نشریات میں کسی عالم نے جن کا مجھے نام یاد نہیں، شفاعت کے مسئلے پر تقریر کی تھی، یہی وہ عقیدہ ہے جسے آج کے مسلمان نے عمل سے عاری کر دیا ہے کہ ہم جیسے بھی ہیں، جتنے بھی گنہگار سہی! ہیں تو نبی کی امت میں، ہماری شفاعت تو یقینی ہے۔ مولانا محترم نے بھی اپنی تقریر کا سارا زور اس بات پر ہی لگایا کہ حضور ﷺ نے ساری امت کی شفاعت کا ذمہ لیا ہے۔ بے شک یہ صحیح ہے، لیکن کن لوگوں کے حق میں؟ کس حد تک؟ یہ نہیں بتایا۔ برائے کرم آپ شفاعت کے بارے میں تفصیل سے بتائیے کہ کیا واقعی اب مسلمان کو نیک عمل کرنے کی ضرورت نہیں رہی، کیونکہ ہمارے پیارے رسول ﷺ نے ہماری شفاعت کا ذمہ لیا ہے؟ پلیز آپ اس مسئلے کا حل ضرور دیجئے گا، یہ میرا ہی نہیں اور کتنے ہی لوگوں کا مسئلہ ہے۔

﴿ جواب ﴾:

آنحضرت ﷺ اور دیگر انبیائے کرام علیہم السلام، ملائکہ، صدیقین، شہداء اور صالحین کی شفاعت برحق ہے (۳۳۰)، اور یہ بھی صحیح ہے کہ آنحضرت ﷺ نے تمام امت

(۳۳۰): وعن عثمان بن عفان رضى الله عنه، قال: قال رسول الله ﷺ:

يشفع يوم القيامة ثلاثة: الأنبياء، ثم العلماء، ثم الشهداء. (مشكاة المصابيح كتاب

أحوال القيامة وبدء الخلق، باب الحوض والشفاعة، ص: ۴۹۵، ط، قديمی کتب خانہ

(کراچی)

وفى الصحيح لمسلم فى حديث طويل عن أبى سعيد الخدرى رضى الله

(بلکہ تمام امتوں کی) شفاعت کا وعدہ فرمایا ہے اور ان شاء اللہ یہ وعدہ پورا ہوگا۔ الغرض شفاعت کا عقیدہ صحیح ہے اور یہ اہل حق سنت والجماعت کے قطعی عقائد میں شامل ہے (۳۳۱)۔ رہا آپ کا یہ خیال کہ اسی عقیدے نے مسلمانوں کو عمل سے عاری کر دیا ہے،

عنه: وكان أبو سعيد الخدري يقول: ان لم تصدقوني بهذا الحديث فاقروا ان شئتم: ﴿ان الله لا يظلم مثقال ذرة وان تك حسنة يضاعفها ويؤت من لدنه أجرا عظيما﴾ [النساء: ۴۰] فيقول: الله تعالى: شفعت الملائكة وشفع النبيون وشفع المؤمنون... الخ. (صحيح مسلم، كتاب الايمان، باب معرفة طريق الرؤية، ص: ۹۵، رقم: ۴۵۴، دار السلام رياض)

(۳۳۱): فی بیان السنۃ والجماعۃ: ونقول الشفاعة العظمی لرسول اللہ ﷺ يوم القيامة في كافة الخلق لراحتهم من الموقف، وهي التي ادخرها الله لهم بسؤاله ﷺ ذلك من ربه كما روى ذلك في صحيح الأخبار ففي الجامع الصغير رامزاً للطبراني عن ابن مسعود رضي الله عنه: ان لكل نبي دعوة واني اختبأت دعوتي شفاعة لأمتي يوم القيامة. قال ابن قاضي عجلون في شرح الشيبانية: ان مما خص الله تعالى به نبينا محمد ﷺ الشفاعة في الحشر، ما روى في الصحيحين من طريق: وأنا أول شافع وأول مشفع. وهذه الشفاعة لأهل الجمع في تعجيل الحساب والاراحة من طول الوقوف والغم، وهي الشفاعة العظمی في فصل القضاء يوم القيامة وهي مختصة بنبينا محمد ﷺ ولم ينكرها أحد وهي المقام المحمود في قوله تعالى: ﴿عسى أن يبعثك ربك مقاما محمودا﴾ [الاسراء: ۷۹] وهي المقام الذي يحمده فيه الأولون والآخرون، وقد ورد في الحديث الصحيح الأمر بأن ندعو بذلك عقيب الآذان والحكمة في سؤال ذلك ﷺ مع كونه واجب الوقوع بوعد الله تعالى باظهار شرفه ﷺ وعظيم منزلته وفي شرح الجزائرية للسوسى رحمه الله: لا شك أن مما يجب الايمان به لتواتره ووقوع الاجماع عليه ثبوت الشفاعة لسيدنا محمد ﷺ في اراحة الناس من الموقف واختصاصها به ﷺ أمر مستفيض

یہ خیال صحیح نہیں۔ صحابہ کرامؓ، ائمہ دین اور اکابر امت ہم سے بڑھ کر عقیدہ شفاعت پر ایمان رکھتے تھے، مگر ان کے عمل پر کوئی سستی اور کمزوری نہیں تھی۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو

مشہور فی الصحاح.

وفی شرح الجوہرۃ للمصنف ولہ صلی اللہ علیہ وسلم شفاعات ذکر القاضی والنووی منها خمساً:

أحدها: وهی أعظمها وأعمها شفاعته علیہ الصلاة والسلام بعد أن یکلم الناس الأنبياء حين یعاینون من شدائد الموقف وأحواله، وطول القيام فیہ لرب العالمین وزیادة القلق وتضاعف العرق ما ینذهب الأكباد وینسی الأولاد مدة ثلاثة آلاف سنة فیترا دونها من آدم الی عیسیٰ، فی خمسة آلاف سنة أيضاً، اذ بین کل سؤال نبی وآخر ألف سنة، کما قال ابن حجر والقرطبی وغيرهما، فاذا انتهوا الیه صلی اللہ علیہ وسلم قال: أنا لها أنا لها، أمتی أمتی. وکل من قبله لا یقول: الانفسی، اذهبوا الی غیری. وهذه مختصة به صلی اللہ علیہ وسلم وتسمى الشفاعة العظمی، وهذه مجمع علیها لم ینکرها أحد ممن یقول بالحشر، اذهی للراحة من طول الوقوف حين یتمنون الانصراف من موقفهم، ولو الی النار.

وثانیها: فی ادخال قوم الجنة بغير حساب، وهذه أيضاً خاصة به علی ما قاله القاضی والنووی، وتردد ابن دقیق العید فی الاختصاص وتبعه ابن حجر قائلاً: لادلل علیہ وقد ذکر حدیثها مسلم.

وثالثها: فی قوم استوجبوا النار. فیشفع لهم فلا یدخلونها، وهذه جزم القاضی وابن السبکی اختصاصها به، وتردد النووی.

ورابعها: فیمن دخل النار من المؤمنین المذنبین. وهذه وقع اطباق القوم علی عدم اختصاصها به.

وخامسها: الشفاعة فی رفع الدرجات فی الجنة وهذه لا ینکرها أيضاً المعتزلة کالأولی الی أن قال: وقد بقیت شفاعات آخر وردت بها آثار لا تخلو عن مقال. (شرح العقائد الطحاویة المسماة: بیان السنة والجماعة، ٧٨ تا ٨٠، ط، دار الفکر

آنحضرت ﷺ کی شفاعت نصیب فرمائیں، مگر اس سلسلے میں چند امور پیش نظر رہنے چاہئیں۔

۱:۔۔۔ بعض گستاخانہ عمل ایسے ہیں جن میں مسلمان کثرت سے مبتلا ہیں، اور شفاعت سے محروم کرنے والے ہیں، ان سے توبہ کئے بغیر شفاعت کی توقع رکھنا کارعبث اور شیطان کا دھوکا ہے۔

۲:۔۔۔ جو شخص اس خیال سے سنگین جرائم کا ارتکاب کرتا ہو کہ مجھے فلاں کی شفاعت جیل سے چھڑا لے گی، ایسا شخص احمق خیال کیا جائے گا۔ اسی طرح جو شخص شفاعت کے بھروسے دھڑ دھڑ گناہ کئے جاتا ہے، اس کے احمق ہونے پر بھی کوئی شک نہیں۔

۳:۔۔۔ ایک صحابی سے آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا: ”ما لگو کیا مانگتے ہو؟“ انہوں نے عرض کیا: ”جنت میں آپ کی رفاقت!“ فرمایا: ”بس یہی؟ یا کچھ اور بھی؟“ عرض کیا: ”بس یہی!“ فرمایا: ”بہت اچھا! مگر کثرت سجود کے ساتھ میری مدد کرنا“ (۳۳۲)۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شفاعت حاصل کرنے کے لئے بھی نیک اعمال کا اختیار کرنا ضروری ہے۔ جو شخص آنحضرت ﷺ کی سنت و طریقے سے، آپ کی شکل و شبابت سے نفرت کرتا ہے، آپ ﷺ کے ارشادات سے دیدہ و دانستہ بغاوت کرتا ہے، اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دشمنوں سے دوستی رکھتا ہے، وہ آخر کس منہ سے شفاعت کی توقع رکھتا ہے....؟

(المعاصر بیروت لبنان)

(وکذا فی شرح الفقه الأكبر، بحث فی أن الشفاعة من الانبیاء والصلحین حق،

ص: ۸۳، ۸۴، ط، دار الکتب العربیة الکبریٰ مصر)

(۳۳۲): وعن ربيعة بن كعب قال كنت ابیت مع رسول الله ﷺ فاتیتہ

بوضوئه وحاجته فقال لی سل فقلت اسئلك مرافقتك فی الجنة قال او غیر ذلك قلت هو ذاك فاعنی علی نفسك بكثرة السجود. رواه مسلم. (مشكاة المصابيح،

كتاب الصلاة، باب السجود وفضله، ص: ۸۳، ط، قدیمی کتب خانہ کراچی)

۴:..... بہت سے لوگ ایسے ہوں گے جو نہ جانے کتنی مدت جلنے کے بعد کوئلے ہو جائیں گے، تب کہیں ان کو شفاعت نصیب ہوگی۔ کیا کوئی شخص تحمل رکھتا ہے کہ وہ ایک لمحے کے لئے جہنم کی آگ میں جھلسایا جائے؟ (اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے پناہ میں رکھیں) اب کون ہوگا جو کروڑوں برس جہنم میں جلنے کی اور جنت کی نعمتوں سے محروم رہنے کو پسند کرے.....؟ (آپ کے مسائل اور ان کا حل، ج: ۱، ص: ۱۹۵، ۱۹۶، ط، مکتبہ لدھیانوی کراچی)



رسول اکرم ﷺ سے محبت اور اللہ تعالیٰ کی ناراضی

﴿ سوال ﴾:

ہمارے ہاں ایک صوفی پیر ہیں، ایک دن انہوں نے مجھے اور میرے دوست کو کہا کہ: ایک خوبصورت لڑکی ہو، جس سے ایک لڑکا محبت کرتا ہو، اور آپ بھی اس سے محبت کرنے لگیں تو نتیجہ کیا ہوگا؟ ہم نے کہا: انجام لڑائی اور دشمنی! تو کہنے لگا: ظاہر ہے کہ جو لڑکی سے محبت کرتا ہے وہ کیونکر چاہے گا کہ میری محبوبہ سے کوئی محبت کرے؟ پھر کہنے لگا کہ: ”تم اپنے رسول مقبول ﷺ سے محبت نہ کرنا، کیونکہ اللہ تعالیٰ ان سے محبت فرماتے ہیں اور تم نبی علیہ السلام سے محبت کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہارا دشمن ہو جائے گا، وہ کیسے چاہے کہ میری محبت سے کوئی دوسرا محبت کرے؟ اس کے باوجود بھی اگر بندہ نہ مانے تو اللہ تعالیٰ کافی سزائیں دیتے ہیں، اگر کافی سزائیں سہنے کے بعد بھی بندہ اپنے نبی سے محبت کرے تو اللہ تعالیٰ پھر اپنے بندے کے آگے گھٹنے ٹیک دیتے ہیں، یعنی خدا بندے کے سامنے جھک جاتا ہے۔“ اس کی وضاحت فرمادیں کہ یہ انسان کن عقائد کا مالک ہے؟

﴿ جواب ﴾:

یہ صوفی جی بے علم اور ناواقف ہیں، ان کا یہ کہنا کہ: ”آنحضرت ﷺ سے اگر ہم

محبت کریں تو خدا تعالیٰ دشمن ہو جائے گا اور سزا دے گا“ یہ کلمہ کفر ہے، اور اس کا یہ کہنا کہ: ”خدا بندے کے سامنے گھٹنے ٹیک دیتا ہے“ یہ بھی کلمہ کفر ہے (۳۳۳)۔ ایسے بے دین اور جاہل کے پاس نہیں بیٹھنا چاہئے۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل، ج: ۱، ص: ۱۹۶، ط، مکتبہ لدھیانوی کراچی)



کیا آپ ﷺ کا کسی کو بددعا دینا رحمتہ اللعالمین ہونے کے منافی ہے؟

﴿ سوال ﴾:

کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ: یقیناً حضور ﷺ رحمۃ للعالمین ہیں، اللہ نے بنایا ہے، لیکن بعض مقامات میں حضور اکرم ﷺ سے بدعا بھی منقول ہے (۳۳۳)، مختلف قبائل پر جیسا کہ ترمذی جلد ثانی کے آخر میں مذکور ہے اور بعض مقامات

(۳۳۳): فی مجمع الانهر: اذا وصف الله تعالى بما لا يليق به، أو سخر باسم من أسمائه، أو بأمر من أوامره، وأنكر صفة من صفات الله تعالى، أو انكر وعده، أو وعيده.... يكفر. (مجمع الانهر فی شرح ملتقى الأبحر، كتاب السير والجهاد، باب المرتد، ج: ۲، ص: ۵۰۴، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)
(و كذا في المحيط البرهاني كتاب السير، فصل في مسائل المرتدين و أحكامهم، نوع آخر فيما يقال في ذات الله وصفاته، ج: ۵، ص: ۲۲۷، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

(۳۳۳): عن أنس بن مالك رضي الله عنه: أن رجلاً وذكوان وعصية وبني لحیان استمدوا رسول الله ﷺ على عدو فامدهم بسبعين من الأنصار كنا نسبيهم القراء في زمانهم، كانوا يحتطبون بالنهار، ويصلون بالليل، حتى كانوا يبثرون معونة

میں اپنے نفس کے لئے بھی بددعا کی ہے جیسا کہ بخاری کی روایات سے ثابت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے اپنی بیٹی کی منگنی کے سلسلے میں ابولہب کے بیٹے کو بددعا دی تھی، کہ خدا درندوں اور کتوں سے تم کو پھاڑ ڈالے (۳۳۵)، یہ اپنی ذات کے لئے ہوا ہے، لہذا یہ رحمۃ

قتلوہم وغدروا بہم۔ فبلغ النبی ﷺ ذلک ففقت شہرا یدعو فی الصبح علی أحياء من أحياء العرب، علی رعل و ذکوان وعصیة و بنی لحيان۔ قال أنس: فقرأنا فیہم قرآنًا ثم ان ذلک رفع: بلغوا عنا قومنا أنا قد لقینا ربنا فرضی عنا وأرضانا۔ (صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب غزوة الرجیع، ورعل، و ذکوان الخ، ص: ۸۴۲، رقم: ۴۰۹۰، ط، دار السلام ریاض)

عن علی رضی اللہ عنہ قال: لما کان یوم الأحزاب قال رسول اللہ ﷺ: ملأ اللہ بیوتہم وقبورہم ناراً، شغلونا عن صلاة الوسطی حتی غابت الشمس۔
عن اسماعیل بن أبی خالد أنه سمع عبد اللہ بن أبی أوفی رضی اللہ عنہما یقول: دعا رسول اللہ ﷺ یوم الأحزاب علی المشرکین فقال: اللہم منزل الكتاب، سریع الحساب۔ اللہم اہزمہم وزلزلہم۔

عن عبد اللہ رضی اللہ عنہ قال: کان النبی ﷺ یصلی فی ظل الکعبة فقال أبو جہل وناس من قریش، ونحرت جزور بناحیة مکة، فأرسلوا فجاءوا من سلاھا و طرحوا علیہ۔ فجاءت فاطمة فألقته عنہ، فقال: اللہم علیک بقریش، اللہم علیک بقریش، اللہم علیک بقریش: لأبی جہل بن ہشام، وعتبة بن ربیعة، وشيبة بن ربیعة، والولید بن عتبة، وأبی بن خلف و عقبہ بن أبی معیط۔ قال عبد اللہ: فلقد رأیتہم فی قلب بدر قتلی۔ قال أبو اسحاق: ونسیت السابع۔ قال أبو عبد اللہ، قال یوسف بن أبی اسحاق، عن أبی اسحاق: أمیة بن خلف۔ وقال شعبۃ: أمیة أو أبی، والصحیح أمیة۔ (اخرجہم البخاری فی صحیحہ، کتاب الجہاد والسیر، باب الدعاء علی المشرکین بالہزيمة والزلة، ص: ۵۹۴، ط، دار السلام ریاض)

(۳۳۵) عن قتادة بن دعامة قال: تزوج أم كلثوم بنت رسول اللہ ﷺ عتیبہ

للعالمین کے منافی نظر آرہے ہیں اور عقل اس کو نہیں مانتی کہ رحمت اور رحمت ایک جگہ جمع ہوں۔

﴿ الجواب باسم الملك الوهاب ﴾:

رحمت کا مفہوم خود حضور ﷺ نے جو بیان فرمایا ہے شرعاً وہی معتبر ہوگا، چنانچہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”انارحمة لہدایة برفع قوم وخفض آخرین“ کہ میں اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی رحمت ہوں تاکہ (اللہ تعالیٰ کے حکم ماننے والی) ایک قوم کو سر بلند کروں اور دوسری قوم (جو اللہ تعالیٰ کا حکم ماننے والی نہیں ہے) ان کو پست کروں، اس سے معلوم ہوا کہ کفر و شرک کو مٹانے کے لیے کفار کو پست کرنا اور ان کے مقابلہ میں جہاد کرنا (اور یہ مذکورہ قبائل پر بددعائیں بھی اسی جہاد کا حصہ ہیں) بھی عین رحمت ہے، جس کے ذریعے سرکشوں کو ہوش آکر ایمان اور عمل صالح یا پابند ہو جانے کی امید کی جاسکتی ہے، لہذا یہ جہاد اور قنوت نازلہ وغیرہ پڑھنا رحمت

بن ابی لہب فلم یمن بہا حتی بعث النبی ﷺ وکانت رقیة عند أخیه عتبة بن ابی لہب فلما أنزل اللہ عزوجل (تبت یدا ابی لہب) قال أبو لہب لابنیہ عتیبة وعتبة: رأسی من رأسکما حرام ان لم تطلقا ابنتی محمد، وقالت أمہما بنت حرب بن أمیة وہی حمالة الحطب: طلقاهما یا بنی فانہما قد حبتا، فطلقاهما ولما طلق عتیبة أم کلثوم جاء الی النبی ﷺ حیث فارق أم کلثوم فقال: کفرت بدینک وفارقت ابنتک لا تحبنی ولا أحبک. ثم سطا علیہ فشق قمیص النبی ﷺ وهو خارج نحو الشام تاجراً، فقال رسول اللہ ﷺ: أما انی أسأل اللہ ان یسلط علیک کلبہ، فخرج فی تجر من قریش حتی نزلوا بمکان من الشام یقال له الزرقاء لیلا فأطاف بہم الأسد فی تلك اللیلة، فجعل عتیبة یقول: یا ویل أمی هو واللہ آکلی کما دعا علی محمد فأبکی ابن ابی کبشة وهو بمکة وأنا بالشام، فعدا علیہ الاسد من بین القوم فأخذ برأسه فضغمه ضغمة فقتله. (المعجم الکبیر للطبرانی، ج: ۲۲، ص: ۴۳۵، ۴۳۶، رقم:

کے منافی نہیں ہے، اور یہی حال ابولہب کے قصے کا ہے۔

”وما ارسلناک الا رحمة للعالمین قال سعید بن جبیر
عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال کان محمد صلی اللہ علیہ وسلم رحمة
لجميع الناس فمن آمن به وصدق به سعد ومن لم يؤمن به
سلم مما لحق الامم من الخسف والغرق قال ابن زید اراد
بالعالمین المؤمنین خالصة“... (احکام القرآن القرطبی: ۳۵۰
(۱۱/

”والمعنی ان مابعثت به سبب لاسعادهم وموجب
لصلاح معاشهم ومعادهم فمن لم يستعد به وابی من ان يصیر
مرحوما فهو ظالم علی نفسه وذا لاینافی کونه رحمة وقال
ابن عباس هو رحمة للکافر فی الدنیا بتأخیر العذاب علیهم
ورفع المسح والخسف والاستصال“.... (تفسیر المظہری:
(۴/۱۷۰

”والظاهر ان المراد بالعالمین مايشمل الکفار ووجه
ذلک علیہ انه علیہ الصلوٰۃ والسلام ارسل بما هو سبب
لسعادة الدارين ومصلحة النشأتین الا ان الکافر فوت علی
نفسه الانتفاع بذلک واعرض لفساد استعدادہ عما هنالک
فلا یضر ذلک فی کونه صلی اللہ علیہ وسلم ارسل رحمة بالنسبة الیه ایضا
کما لا یضر فی کون العین العذبة مثلاً نافعة عدم انتفاع
الکسلان بها لکسله وهذا ظاهر“.(روح

المعانی: ۱۰۷/۱۷) واللہ اعلم بالصواب۔ (ارشاد المفتین، ج: ۲،
ص: ۱۴۴، ۱۴۵، ط، مکتبۃ الحسن لاہور)



حضور ﷺ کی دادی کا نام

﴿ سوال ﴾:

حضور ﷺ کی دادی کا نام کیا ہے؟

﴿ الجواب حامداً ومصلیاً ﴾:

سیرت حلبیہ اردو جلد اول صفحہ ۳۰ میں ہے کہ آپ ﷺ کی دادی کا فاطمہ
تھا (۳۳۶)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم بالصواب۔ (فتاویٰ فلاحیہ، ج: ۱، ص: ۵۵۵)



نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عقیقہ کی تحقیق

﴿ سوال ﴾:

کیا آپ ﷺ نے اپنا عقیقہ کیا تھا یا نہیں؟

﴿ الجواب ﴾:

بعض ضعیف روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اپنا عقیقہ فرمایا تھا
لیکن محدثین کے نزدیک یہ روایات ضعیف اور غیر ثابت ہیں اگر صحیح مان لیں تو مطلب یہ ہوگا

(۳۳۶): فی السیرۃ النبویۃ: أولاد عبد المطلب وأمهاتهم: وأم عبد الله،

وأبی طالب والزبیر وجميع النساء غیر صفیة: فاطمة بنت عمرو بن عائذ بن عمران
بن مخزوم بن یقطعة بن مرة بن کعب بن لؤی بن غالب بن فهر بن مالک بن النضر.

(السیرۃ النبویۃ، ج: ۱، ص: ۱۲۶، ط، دار الکتاب العربی بیروت لبنان)

کہ آپ ﷺ کو علم نہیں تھا اس لیے دوبارہ کیا جیسا کہ فتاویٰ محمودیہ میں ہے یا یہ مطلب ہوگا پہلے کو غیر معتبر سمجھ کر فرمایا ورنہ سیرت کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ عبدالمطلب نے آپ کی طرف سے عقیقہ کیا تھا حوالہ جات حسب ذیل ملاحظہ ہوں۔

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

شرح سفر السعادة میں بھی ایسا ہی لکھا ہے کہ حضور ﷺ کو اپنے عقیقہ کا علم نہیں تھا اسلئے اپنا عقیقہ کیا تھا۔ (فتاویٰ محمودیہ ۱۱/۳۳۶)

وحدیث ”ان النبی ﷺ عقی عن نفسه بعد النبوة“.

روی من طریقین عن أنس رضی اللہ عنہ: الأولى: عن عبد اللہ بن المحرر عن قتادة عنہ. أخرجه عبد الرزاق في ”المصنف“ (۷۹۶۰/۳۲۹/۴) والبزار في ”مسندہ“ (۲/۷۲۸۱/۳۴۵) وابن عدی ”الکامل فی ضعفاء الرجال“ (۹۷۳/۱۳۳/۴) وابن حبان فی ”المجروحین“ (۲۳/۲) والبيهقي في ”السنن الكبرى“ (۳۰۰/۹)، وقال: ”منكر“، وقال عبد الرزاق: انما تركوا عبد الله بن محرر لحال هذا الحديث. قال البيهقي: وقد روى من وجه آخر عن قتادة، ومن وجه آخر عن أنس وليس بشيء.

قال ابن حجر في ”التلخيص“ (۳۶۲/۴): قلت: أما لوجه الآخر عن قتادة: فلم أره مرفوعاً، وانما ورد أنه كان يفتى به، كما حكاه ابن عبد البر، بل جزم البزار وغيره بتفرد عبد الله بن محرر به عن قتادة.

أما الآخر عن أنس رضی اللہ عنہ: فأخرجه أبو الشيخ في ”الأضاحي“، وابن أيمن في ”مصنفه“، والخلال من طريق

عبداللہ بن المثنیٰ، عن ثمامۃ بن عبد اللہ بن أنس، عن أبيه.
 قلت: وهى الطريقة الأخرى: عن الهيثم بن جميل:
 حدثنا عبد الله بن المثنى بن أنس عن ثمامة بن أنس عن أنس
 رضى الله عنه به، أخرجه الطبرانى فى "الأوسط"
 (۱/۵۲۹/۹۹۸)، والطحاوى فى "مشكل الآثار" (رقم:
 ۱۰۵۳)، ذكره الهيثمى فى "المجمع" (۴/۵۹)، وقال: رواه
 البزار والطبرانى فى "الأوسط" ورجال الطبرانى رجال
 الصحيح خلا الهيثم بن جميل وهو ثقة، وشيخ الطبرانى
 أحمد بن مسعود الخياط المقدسى ليس هو فى الميزان.
 وقد قال فى "مقدمة المجمع" (۸/۱): "ومن كان
 من مشايخ الطبرانى فى الميزان نهت على ضعفه، ومن لم
 يكن فى الميزان ألحقته بالثقات الذين بعده، والصحابة
 لا يشترط فيهم أن يخرج لهم أهل الصحيح فانهم عدول،
 وكذلك شيوخ الطبرانى الذين ليسوا فى الميزان.
 قال الضياء المقدسى فى "الأحاديث المختارة"
 (۲/۳۵۱/۱۸۳۲): "اسناده [الطبرانى] صحيح".

خلاصہ یہ ہے کہ عبداللہ بن محرر کی وجہ سے یہ روایت ضعیف ہے، لیکن دوسرے طریق
 کو علامہ بیہقیؒ اور ضیاء مقدسیؒ نے ٹھیک قرار دیا ہے، اگرچہ اس طریق میں بھی عبداللہ بن ثنیٰ
 مختلف فیہ راوی ہے، بعض حضرات نے جرح کی ہے، تاہم یہ روایت حسن لغیرہ سے کم درجہ
 نہیں۔

حافظ ابن حجرؒ فتح الباری میں روایت پر تفصیلی کلام کرنے کے بعد فرماتے ہیں:
 ويحتمل أن يقال: ان صح هذا الخبر كان من

خصائصہ صلی اللہ علیہ وسلم كما قالوا في تضحيته عن من لم
يضح من أمته. (فتح الباری: ۵۹۵/۹، باب اماطة الاذى عن

الصبي في العقيقة)

اگر صحیح مان بھی لیا جائے تو یہ آپ ﷺ کی خصوصیت ہوگی (جیسا کہ اوپر کی عبارت
میں مذکور ہوا) نیز حافظ صاحب نے ایک روایت ذکر کی ہے جس کا مفہوم یہ ہے جس کا عقیقہ
نہ ہو تو اس کے لئے اس کی قربانی کفایت کر جائے گی۔ ملاحظہ ہو:

عن عبدالرزاق عن معمر عن قتادة: من لم يعق عنه

أجزأته اضيحتة. (فتح الباری: ۵۹۵/۹، باب اماطة عن الصبي

في العقيقة)

سیرۃ المصطفیٰ میں ہے کہ آنحضرت ﷺ کی طرف سے عبدالمطلب نے عقیقہ کیا تھا۔
(سیرۃ المصطفیٰ ص ۶۱۔ از حضرت مولانا ادریس صاحب کاندھلوی) واللہ سبحانہ وتعالیٰ
اعلم۔ (فتاویٰ دارالعلوم زکریا، ج: ۱، ص: ۷۷ تا ۷۹، ط، زمزم پبلشرز کراچی)



حضور ﷺ کا غصہ

﴿ سوال ﴾:

کیا آپ ﷺ کبھی غضبناک ہوتے تھے؟

﴿ الجواب حامداً ومصلیاً ﴾:

دین کے خلاف کسی بھی کام کو آپ ﷺ دیکھتے، تو لوجہ اللہ غضبناک ہو جاتے،
ورنہ عام احوال میں آپ ﷺ کی بردباری کا یہ عالم تھا کہ روایات میں منقول ہے کہ
آپ ﷺ نے کبھی اپنی ذات کی خاطر کسی سے انتقام نہیں لیا (۳۳۷)۔ کچھ ایسے لوگ جو

(۳۳۷): عن عائشة رضي الله عنها أنها قالت: ما خير رسول الله ﷺ بين

دین سے ناواقف ہیں، غصہ کو مطلقاً معیوب سمجھتے ہیں، یہ غلط ہے، جب دینی امور کی اعلانیہ پردہ دری ہو رہی ہو اور مفاہمت کسی طرح کارآمد ثابت نہ ہو، اس وقت غصے کا اظہار کرنا اور حسب استطاعت اس منکر کو روکنے میں اپنی مقدور بھر طاقت صرف کرنا ایمانی تقاضہ ہے، روایات حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب غضب ناک ہوتے، تو آپ ﷺ کا چہرہ انور ایسا سرخ ہو جاتا گویا ان پر انار کے دانے نچوڑ دیے گئے ہوں (۳۳۸)۔

ایک طویل حدیث میں منقول ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ، آپ ﷺ کے سامنے تورات کا کوئی مضمون پڑھ رہے تھے، جس سے آپ ﷺ غضب ناک ہوئے، حضرت ابوبکرؓ نے فوراً محسوس کر لیا اور حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ اے عمر آپ رسول اللہ ﷺ کے چہرہ انور کو دیکھتے نہیں کہ آپ کے تورات پڑھنے سے آپ ﷺ پر کیا اثر ہو رہا ہے؟ چنانچہ حضرت عمرؓ فوراً متنبہ ہوئے اور پڑھنا بند کر دیا معذرت کے ساتھ یہ عرض کرنے لگے کہ ”رضینا باللہ ربا، وبالا سلام دینا، وبمحمد - ﷺ - نبیا“۔ (یعنی ہم اللہ تعالیٰ کو اپنا رب مان کر، دین اسلام کو اپنا دین مان کر اور حضرت محمد ﷺ کو اپنا نبی مان کر خوش

أمرین الا أخذ أیسرهما ما لم یکن اثماً، فان کان اثماً کان أبعد الناس منه. وما انتقم رسول اللہ ﷺ لنفسه الا أن تنتهک حرمة اللہ فینتقم للہ بها. (صحیح البخاری، کتاب المناقب، باب صفة النبی، ص: ۷۳۰، ط، رقم: ۳۵۶۰، ط، دار السلام ریاض)
(۳۳۸): عن ابی ہریرۃ قال خرج علينا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ونحن نتنازع فی القدر فغضب حتی احمر وجهه حتی کانما فقیء فی وجنتیه حب الرمان فقال ابھذا امرتم ام بھذا ارسلت الیکم انما ہلک من کان قبلکم حین تنازعوا فی هذا الامر عزمتم علیکم ان لاتنازعوا فیہ. رواہ الترمذی وروی ابن ماجہ نحوه عن عمر بن شعیب عن ابیہ عن جدہ. (مشکاة المصابیح، کتاب الایمان، باب الایمان بالقدر، ص: ۲۲، ط، قدیمی کتب خانہ کراچی)

(ہیں) یہ سن کر آپ ﷺ کا غصہ ختم ہوا (۳۳۹)۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب العلم میں اس کے متعلق مستقل باب قائم فرمایا ہے اور اس کے ماتحت تین روایتیں ذکر فرما کر یہ ثابت کیا ہے کہ جب کوئی استاذ درس کے دوران اپنے شاگرد کی کسی ناشائستہ حرکت کو دیکھے، تو اس کے لئے تنبیہ کے خاطر غضب کا اظہار کرنا درست ہے (۳۴۰)۔

(۳۳۹): وعن جابر، أن عمر بن الخطاب رضي الله عنهما أتى رسول الله ﷺ بنسخة من التوراة، فقال: يا رسول الله! هذه نسخة من التوراة، فسكت، فجعل يقرأ ووجه رسول الله ﷺ يتغير. فقال أبو بكر: ثكلتك الثواكل! ما ترى ما بوجه رسول الله ﷺ؟ فنظر عمر إلى وجه رسول الله ﷺ فقال: أعوذ بالله من غضب الله وغضب رسوله، رضينا بالله رباً، وبالإسلام ديناً، وبمحمد نبياً. فقال رسول الله ﷺ: والذي نفس محمد بيده، لو بدا لكم موسى فاتبعتموه وتركتموني لضللتهم عن سواء السبيل، ولو كان حياً وأدرك نبوتى لاتبعتنى. رواه الدارمي. (مشكاة المصابيح، كتاب الايمان، باب الاعتصام بالكتاب والسنة، الفصل الثالث، ص: ۳۲، ط، قديمی کتب خانہ کراچی)

(۳۴۰): في الصحيح البخارى: باب الغضب في الموعظة والتعليم اذا رأى ما يكره: حدثنا محمد بن كثير قال: أخبرنا سفيان عن أبي خالد، عن قيس بن أبي حازم، عن أبي مسعود الأنصاري قال: قال رجل: يا رسول الله، لا أكاد أدرك الصلاة مما يطول بنا فلان، فما رأيت النبي ﷺ في موعظة أشد غضباً من يومئذ، فقال: يا أيها الناس، انكم منفرون، فمن صلى بالناس فليخفف، فان فيهم المريض والضعيف وذا الحاجة.

حدثنا عبد الله بن محمد قال: حدثنا أبو عامر، قال: حدثنا سليمان بن بلال المديني، عن ربيعة بن أبي عبد الرحمن عن يزيد مولى المنبعث عن زيد بن خالد الجهني أن النبي ﷺ سأله رجل عن اللقطة، فقال: اعرف وكاءها - أو قال: وعاءها

اس سے ثابت ہوا کہ دینی امور کے پیش نظر حد و دوس میں رہ کر نیک نیتی کے ساتھ غصہ کرنا جائز ہے، لیکن ساتھ میں یہ بھی ملحوظ رہے کہ آپ ﷺ کا ایسا فعل جو بہ حالت غضب صادر ہوا ہو، وہ بھی اولہ شرعیہ میں شمار ہوگا (۳۴۱)۔ یہ مرتبہ افراد امت میں سے کسی کے لیے نہیں ہے، لہذا فقہاء نے لکھا ہے کہ قاضی کے لیے بہ حالت غضب کوئی فیصلہ کرنا جائز نہیں ہے (۳۴۲)۔ فقط واللہ اعلم بالصواب (فتاویٰ فلاحیہ، ج: ۱، ص: ۱۴۹، ۱۵۰)



- وعفاصها، ثم عرفها سنة ثم استمتع بها، فان جاء ربها فادها اليه، قال: فضالة الابل؟ فغضب حتى احمرت وجنتاه۔ أو قال: أحمر وجهه۔ فقال: ومالك ولها؟ معها سقاؤها وحذاؤها، ترد الماء وترعى الشجر، فذرهما حتى يلقاها ربها، قال: فضالة الغنم؟ قال: لك أو لأخيك أو للذئب.

حدثنا محمد بن العلاء قال: حدثنا أبو أسامة عن بريد، عن أبي بردة، عن أبي موسى قال: سئل النبي ﷺ عن أشياء كرهها، فلما أكثر عليه غضب ثم قال للناس: سلوني عما شئتم، قال رجل: من أبي؟ قال: أبوك حذافة، فقام آخر فقال: من أبي يارسول الله؟ فقال أبوك سالم مولى شيبه، فلما رأى عمر ما في وجهه قال: يا رسول الله، انا نتوب الى الله عروجل. (صحيح البخاري، كتاب العم، باب الغضب في الموعظة والتعليم اذا رأى ما يكره، ص: ۲۵، ۲۶، ط، رقم: ۹۰، ۹۱، ۹۲، ط، دار السلام رياض)

(۲۳۱): عن عبد الله بن عمرو قال: كنت أكتب كل شيء أسمعه من رسول الله ﷺ أريد حفظه، فنهتني قريش وقالوا: أكتب كل شيء تسمعه ورسول الله ﷺ بشر يتكلم في الغضب والرضا، فأمسكت عن الكتاب، فذكرت ذلك الى رسول الله ﷺ، فأومأ بأصبعه الى فيه فقال: اكتب فوالذي نفسي بيده ما يخرج منه الا حق. (سنن أبي داود، كتاب العلم، باب كتابة العلم، ص: ۵۲۳، ۵۲۴، رقم: ۳۶۴۶، ط، دار السلام رياض)

رسول اللہ ﷺ کا اسم گرامی سن کر انگوٹھے چومنا

﴿سوال﴾:

ہمارے یہاں جو شخص آں حضور ﷺ کا نام سن کر انگوٹھے نہیں چومتا اس کو مسلمانوں سے علیحدہ کر دیا جاتا ہے اور لوگ کہتے ہیں کہ یہ مسلمان نہیں ہے جب کہ وہ شخص نمازوں کا پابند اور تلاوت قرآن کا پابند ہے رمضان کے روزے اور زکوٰۃ فطرہ وغیرہ سب ادا کرتا ہے ان کا یہ کہنا کیسا ہے؟

﴿الجواب وبالله التوفیق﴾:

رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نام نامی آئے تو درود پڑھنا ضروری ہے (۳۴۳)۔ انگوٹھے چومنے کا کوئی ثبوت شریعت میں نہیں ہے، جو کوئی انگوٹھے چومتا ہو

(۳۴۲): عن أبي يكره قال: سمعت رسول الله ﷺ يقول: لا يقضين حاكم بين اثنين وهو غضبان، رواه الجماعة، كذا في المنتقى. (نیل: ۸ / ۵۲۳)
وفي اعلاء السنن تحت هذا الحديث: قوله: لا يقضين الخ أقول: قال الشوكاني في النيل: قال المهلب: سبب هذا النهي أن الحكم حالة الغضب قد يتجاوز بالحكم الى غير الحق فمنع، وبذلك قال فقهاء الأمصار... الخ. (اعلاء السنن، كتاب القضاء، باب في القضاء في حالة الغضب، ج: ۱۵، ص: ۱۲۵، ۱۲۶، ط، ادارة القرآن والعلوم الاسلامية كراتشي)

(۳۴۳): عن أبي هريرة قال: قال رسول الله ﷺ: رغم أنف رجل ذكرت عنده فلم يصل على، ورغم أنف رجل دخل عليه رمضان ثم انسلخ قبل أن يغفر له ورغم أنف رجل أدرك عنده أبواه الكبر أو أحدهما فلم يدخلا الجنة. وفي المرقاات تحت هذا الحديث: (أنف رجل ذكرت عنده فلم يصل على) وهو اما خبر أو دعاء أي لحقه ذل مجازاة بترك تعظيمي، وقيل: خاب وخسر من قدر بأن يتفوه بأربع كلمات فيوجب لنفسه عشر صلوات من الله، ويرفع بها عشر درجات،

اور کوئی غلط عقیدہ رکھتا ہو اس پر اس طریقہ کا چھوڑنا اور توبہ کرنا لازم ہے پس صورت مسئلہ میں مذکورہ شخص کو کافر کہنا بالکل غلط ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب (فتاویٰ دارالعلوم وقف دیوبند، ج: ۱، ص: ۱۹۲، ط: حجة الاسلام اکیڈمی)



حضور نبی کریم ﷺ کے اسم کے ساتھ صرف ”م“، لکھنا

﴿سوال﴾:

کچھ عرصہ قبل کسی صاحب نے آپ سے ایک سوال پوچھا تھا کہ کچھ لوگ انگلش میں لفظ ”محمد“ کو Mohammad کے بجائے صرف mohd لکھ دیتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ ہم نے ”محمد“ کو شارٹ کر کے لکھ دیا ہے، اس کے جواب میں آپ نے ارشاد فرمایا تھا کہ انگریزوں کے نزدیک لفظ ”محمد“ کی اہمیت خواہ کتنی ہی کم ہو، ایک مسلمان کے لئے لفظ ”اللہ“ کے بعد تمام ذخیرۃ الفاظ میں سب سے اہم لفظ ”محمد“ ہے، اس لفظ میں تخفیف کا مطلب تو یہ

ويحط عنه عشر خطيآت فلم يفعل. (مرقات المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، كتاب الصلاة، باب الصلاة على النبي ﷺ وفضلها، الفصل الثاني، ج: ۳، ص: ۱۱، ۱۲، رقم: ۹۲۷، ط: دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

وفي الموسوعة الفقهية: تستحب الصلاة عليه ﷺ خارج الصلاة في كل الأوقات، تتأكد في مواطن منها: يوم الجمعة وليلتها، وعند الصباح، وعند المساء، وعند دخول المسجد، والخروج منه، وعند قبره ﷺ وعند اجابة المؤذن، وعند الدعاء، وبعده وعند السعي بين الصفا والمروة، وعند اجتماع القوم، وتفرقهم، وعند ذكر اسمه ﷺ، وعند الفراغ من التلبية، وعند استلام الحجر، وعند القيام من النوم، وعقب ختم القرآن، وعند الهم والشدائد، وطلب المغفرة، وعند تبليغ العلم الى الناس، وعند الوعظ، والقاء الدرس، وعند خطبة الرجل المرأة في النكاح.

(الموسوعة الفقهية، ج: ۲۷، ص: ۲۳۷)

ہوا کہ لکھنے والے کو... نعوذ باللہ... گویا اس لفظ سے نفرت ہے۔ لفظ ”محمد“ کو مخفف کر کے لکھنے کا رواج غالباً فرنگی سازش ہے اور مسلمان اس مسئلے کی سنگینی کو سمجھ نہیں سکے۔ Mohammad کے بجائے mohd (موہڈ) ایک مہمل اور بے معنی لفظ ہے، اور آنحضرت ﷺ کے اسم گرامی کو ایک مہمل اور بے معنی لفظ میں تبدیل کر دینا کسی مسلمان کے لئے ہرگز روا نہیں ہو سکتا۔

اس کے ساتھ ساتھ آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا تھا کہ: چند حضرات صرف ”m“ لکھ دیتے ہیں، یہ بھی انگریزی فیشن ہے۔

محترمی! میں نے اس مسئلے اور آپ کے جواب کو زیادہ سے زیادہ ناواقف لوگوں تک پہنچانے کی کوشش کی، جس کے نتیجے میں کئی طالب علموں نے وعدہ کیا کہ آئندہ ہم ”محمد“ کو Mohd یا صرف M نہیں لکھیں گے، بلکہ پورے حروفِ تنجی Mohammad لکھا کریں گے۔ اب مجھے ٹنڈو آدم سے اپنے ایک طالب علم بھائی کا خط موصول ہوا ہے، جس میں اسکول میں اپنے نام سے پہلے M لکھنے سے گریز کیا، ماسٹر صاحبان نے وجہ پوچھی تو اس طالب علم نے آپ کا جواب دہرایا اور کہا کہ: صرف M لکھنا انگریزی فیشن ہے۔ تو اس کے جواب میں ماسٹر صاحبان نے کہا کہ: اگر ”محمد“ کو انگریزی میں پورا لکھنے کی بجائے صرف M لکھنا غلط ہے تو پھر اخبارات، کتابوں میں ”ﷺ“ پورا لکھنے کی بجائے صرف () لکھ دیا جاتا ہے، کیا یہ درست ہے؟“

﴿ جواب ﴾:

صرف ”م“ کا نشان کافی نہیں، بلکہ پورا درود شریف لکھنا چاہیے اور اس میں کسی بخل سے کام نہیں لینا چاہئے (۳۴۴)۔ ظاہر ہے کہ ہماری تحریر سے درود شریف کی اہمیت زیادہ

(۳۴۴): عن علی بن ابی طالب قال: قال رسول اللہ ﷺ: البخیل الذی من

ذکرت عنده فلم یصل علی. رواہ الترمذی ورواہ احمد عن الحسن بن علی وقال

الترمذی هذا حدیث حسن صحیح غریب. (مشکاة المصابیح، کتاب الصلاة، باب

ہے، اس کو کیوں نہ لکھا جائے؟ میں جب بھی آنحضرت ﷺ کا اسم مقدس لکھتا ہوں پورے اہتمام کے ساتھ ”ﷺ“ لکھتا ہوں، اور اس میں کبھی بخل نہیں کرتا۔ لیکن اخبار کے کاتب ”ﷺ“ کی جگہ صرف ”ؐ“ لکھ دیتے ہیں۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل، ج: ۱، ص: ۱۹۷، مکتبہ لدھیانوی کراچی)



الصلاة على النبي ﷺ، الفصل الثاني، ص: ۸۷، ط، قديمي كتب خانه كراچي)
وفي كتاب علوم الحديث: المعروف بمقدمة ابن الصلاح: التاسع ينبغي له أن يحافظ على كتبه الصلاة والتسليم على رسول الله تعالى صلى الله عليه وآله وسلم عند ذكره ولا يسأم من تكرير ذلك عنده تكرره، فإن ذلك من أكبر الفوائد التي يتعجلها طلبة الحديث وكتبه ومن أغفل ذلك حرم حظاً عظيماً.... ثم ليجتنب في اثباتها نقيضين: أحدهما: أن يكتبها منقوصة صورة رامزاً إليها بحرفين أو نحو ذلك، والثاني: أن يكتبها منقوصة بأن لا يكتب (وسلم).... سمعت حمزة الكتاني يقول: كنت أكتب الحديث وكنت أكتب عند ذكر النبي ﷺ ولا أكتب وسلم فرأيت النبي ﷺ في المنام، فقال لي: مالك لا تتم الصلاة علي؟ قال: فما كتبت بعد ذلك ﷺ إلا كتبت وسلم، قلت: ويكره أيضاً الاقتصار على ”قوله عليه السلام“ والله أعلم بالصواب. (ص: ۷۶، ۷۷، النوع الخامس والعشرون معرفة كتابة الحديث وكيفية ضبط الكتاب وتقييده، مطلب بيان أمور ومعارف مهمة رائدة بحواله المسائل المهمة فيما ابتلت به العامة، ج: ۸، ص: ۲۶)

خطوط میں بسم اللہ نہ لکھنا بہتر ہے اور لفظ ”محمد“ کو

مخفف کرنا جائز نہیں

سوال:

آج کل سرکاری خط اور تمام کاغذوں پر بسم اللہ پوری لکھی ہوتی ہے، یہاں تک کہ ان کاغذوں پر بھی لکھی ہوتی ہے جن پر خط لکھنے سے پہلے مضمون یا خط لکھ کر ماتحت اپنے بڑے سے دریافت کرتا ہے، اس کو ڈرافٹ کا کاغذ کہتے ہیں، خط یا مضمون لکھنے کے بعد پہلے کاغذ کو ہاتھ سے مسل کر ردی ٹوکری میں ڈال دیا جاتا ہے، اس طرح وہ لفظ ”بسم اللہ“ بھی ردی کی ٹوکری میں چلا جاتا ہے، پھر بھنگی لے جاتا ہے، اس طرح لفظ بسم اللہ کا احترام ختم ہو جاتا ہے۔ کیا اس پر کوئی گناہ نہیں ہے، اگر یہ گناہ ہے تو اس کا کیا علاج ہے؟

عام طور پر انگریزی میں لفظ محمد کو ”mohammad“ لکھنے کے بجائے ”mohd“ لکھتے ہیں، اور یہ کہتے ہیں کہ: ہم نے ”محمد“ کو شارٹ لکھ دیا ہے۔ اس سے لفظ ”محمد“ کو بگاڑ کر لکھنے کا گناہ تو نہیں ہوگا؟

جواب:

خطوط پر بسم اللہ شریف لکھنے کا رواج نہیں، کیونکہ خطوط کی عام طور سے حفاظت نہیں کی جاتی، اور اس سے بسم اللہ شریف کی بے حرمتی ہے۔ سرکاری خطوط میں اگر بسم اللہ شریف لکھی جاتی ہے تو یا تو ان خطوط کو ردی کی ٹوکری کی نذر اور بھنگی کے حوالے نہیں کرنا چاہئے، یا حکومت کو بسم اللہ شریف کا رواج بند کر دینا چاہئے۔

لفظ ”محمد“ کو انگریزی میں مخفف لکھنے کا رواج غالباً انگریزوں نے نکالا ہے، اور اہل اسلام اس کی سنگینی کو نہیں سمجھ سکے۔ اول تو کسی لفظ کو مخفف کرنا اس کی اہمیت کے کم ہونے کی علامت ہے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نام نامی کی اہمیت انگریزوں کے نزدیک خواہ

کتنی ہی کم ہو، ایک مسلمان کی نظر میں اللہ تعالیٰ کے نام مبارک کے بعد تمام ذخیرۃ الفاظ میں سب سے اہم لفظ ”محمد“ ہے۔ اس لئے اس کو مخفف کر کے لکھنا ایک مسلمان کے لئے کسی طرح بھی روا نہیں ہو سکتا۔

ثانیا:.... طویل طویل تحریروں میں تخفیف کا نزلہ صرف اس ایک لفظ پر کیوں گرایا جاتا ہے؟ یہ طرز عمل تو اس امر کا غماز ہے کہ..... نعوذ باللہ..... لکھنے والے کو اس لفظ سے گویا نفرت ہے۔

ثالثا:.... تخفیف کے بعد جب اس کا تلفظ ”موہڈ“ ہوگا تو یہ مہمل اور بے معنی لفظ ہوگا۔ آنحضرت ﷺ کے اسم گرامی کو ایک مہمل اور لایعنی لفظ میں تبدیل کر دینا، کسی طرح درست نہیں۔ اس لئے میں تمام اہل اسلام سے درخواست کروں گا کہ اس رواج کو تبدیل کریں، اور آنحضرت ﷺ کے اسم مبارک کے حروف تہجی پورے لکھا کریں۔ جن حضرات کو اس کی طرف التفات نہیں تھا، وہ تو خیر معذور تھے، لیکن اس تنبیہ کے بعد امید ہے کہ اسم مبارک کی بے ادبی کے گناہ اور وبال سے احتراز کریں گے۔ بعض حضرات صرف ”M“ لکھ دیتے ہیں، یہ بھی انگریزی فیشن ہے، اور آنحضرت ﷺ کے نام مبارک سے اعراض کی دلیل ہے، اس سے بچنا چاہئے۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل، ج: ۱، ص: ۱۹۸، ط، مکتبہ لدھیانوی کراچی)



آپ ﷺ کے نام کے ساتھ محض ”صلعم“ لکھنا

مسئلہ:

آپ ﷺ کے نام مبارک کے ساتھ اردو یا عربی میں محض ”صلعم“ یا انگریزی میں (A, S) لکھنا، یا اسی طرح کا کوئی دوسرا مخفف کلمہ لکھنا جو درود کی طرف اشارہ کرے، کنجوسی اور خلاف ادب ہے، اور اس سے درود شریف کا فائدہ بھی حاصل نہیں ہوتا، اس لیے

آپ ﷺ کے نام کے ساتھ پورا درود شریف لکھنے اور پڑھنے کا اہتمام ہونا چاہیے (۳۴۵)۔ (المسائل المهمہ فیما ابتلت بہ العامة، ج: ۸، ص: ۲۶/ آپ کے مسائل اور ان کا حل، ج: ۱، ص: ۱۹۸، ط، مکتبہ لدھیانوی کراچی)



(۳۴۵): عن علی بن ابی طالب قال: قال رسول اللہ ﷺ: البخيل الذي من ذكرت عنده فلم يصل على. رواه الترمذی ورواه احمد عن الحسين بن علي وقال الترمذی هذا حديث حسن صحيح غريب. (مشكاة المصابيح، كتاب الصلاة، باب الصلاة على النبي ﷺ، الفصل الثاني، ص: ۸۷، ط، قديمی کتب خانہ کراچی)

وفی کتاب علوم الحديث: المعروف بمقدمة ابن الصلاح: التاسع ينبغي له أن يحافظ على كتبه الصلاة والتسليم على رسول الله تعالى صلى الله عليه وآله وسلم عند ذكره ولا يسأم من تكرير ذلك عنده تكرره، فإن ذلك من أكبر الفوائد التي يتعجلها طلبة الحديث وكتبته ومن أغفل ذلك حرم حظاً عظيماً.... ثم ليجتنب في إثباتها نقيضين: أحدهما: أن يكتبها منقوصة صورة رامزاً إليها بحرفين أو نحو ذلك، والثاني: أن يكتبها منقوصة بأن لا يكتب (وسلم).... سمعت حمزة الكتاني يقول: كنت أكتب الحديث وكنت أكتب عند ذكر النبي ﷺ ولا أكتب وسلم فرأيت النبي ﷺ في المنام، فقال لي: مالك لا تتم الصلاة على؟ قال: فما كتبت بعد ذلك ﷺ الا كتبت وسلم، قلت: ويكره أيضاً الاقتصار على "قوله عليه السلام" والله اعلم بالصواب. (ص: ۷۶، ۷۷، النوع الخامس والعشرون معرفة كتابة الحديث وكيفية ضبط الكتاب وتقييده، مطلب بيان أمور ومعارف مهمة رائعة بحواله المسائل المهمه فيما ابتلت به العامة، ج: ۸، ص: ۲۶)

حضور اکرم ﷺ اور حضرت آدم علیہ السلام کے ناموں

پر ”و“، ”و“، ”و“ لکھنا

﴿ سوال ﴾:

عام طور پر حضور ﷺ اور حضرت آدم علیہ السلام کے اسماء مبارکہ پر ”و“، ”و“ وغیرہ لگا دیتے ہیں، کیا یہ درست ہے؟

﴿ جواب ﴾:

پورا درود و سلام لکھنا چاہئے۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل، ج: ۱، ص: ۱۹۹، ط، مکتبہ لدھیانوی کراچی)



حضور ﷺ کے نام کے ساتھ کیا ”وآلہ وسلم“ لکھنا ضروری ہے؟

﴿ سوال ﴾:

حضور ﷺ کے نام کے ساتھ ”وآلہ وسلم“ لکھا جائے یا ”صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم“ لکھا جائے؟

﴿ الجواب ﴾:

”وآلہ وسلم“ لکھ دیں تو اور بھی اچھا ہے (۳۴۶)۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل، ج: ۱، ص: ۱۹۹، ط، مکتبہ لدھیانوی کراچی)



(۳۴۶): فی غنیۃ المستملی: (و) فی تسمیۃ رسول اللہ ونبی اللہ ثم اتبع

الصلاة علیہ الصلاة والسلام بالصلاة علی (آلہ) ای اہلہ والمراد من آمن منهم

(اجمعین) تأکید للشمول ورعاية للسجع والصلاة علیہم تبعاً لہ علیہ السلام

”علی احمد“ یا ”محمد علی“ نام لکھتے وقت اوپر ”م“ لکھنا

﴿ سوال ﴾:

اکثر لوگوں کو میں نے اپنا نام اس طرح لکھتے ہوئے دیکھا ہے: ”محمد علی“، ”علی احمد“ کیا اس طرح سے اپنے نام کے ساتھ ”م“ لکھنا صحیح ہے؟

﴿ جواب ﴾:

لفظ ”محمد“ یا ”احمد“ جب کسی کے نام کا جزو ہو تو اس پر ”م“ کی علامت نہیں لکھی جاتی (۳۳۷)۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل، ج: ۱، ص: ۱۹۹، ط، مکتبہ لدھیانوی کراچی)



کلمہ پڑھنے کے بعد ”صلی اللہ علیہ وسلم“ پڑھنا

﴿ سوال ﴾:

جب ہم کلمہ شریف پڑھتے ہیں تو ”لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ“ کے بعد ”صلی اللہ علیہ وسلم“ بھی کہتے ہیں، میں نے سنا ہے کہ ”صلی اللہ علیہ وسلم“ کلمے کا حصہ نہیں ہے، مسئلہ یہ معلوم کرنا ہے کہ اس کے ساتھ ”صلی اللہ علیہ وسلم“ کہنا جائز ہے یا نہیں؟

﴿ جواب ﴾:

کلمے کا حصہ تو نہیں، لیکن عام حالات میں آنحضرت ﷺ کے نام مبارک پر درود شریف پڑھ لینا چاہئے (۳۳۸)۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل، ج: ۱، ص: ۲۰۰، ط، مکتبہ

مشروعیۃ بل مندوبۃ۔ (حلبی کبیر، ص: ۳)

(۳۳۷): فی الموسوعة الفقهية: وقال الجمهور من العلماء: لا يجوز افراد

غير الأنبياء بالصلاة، لأن هذا شعار للأنبياء اذا ذكروا، فلا يلحق بهم غيرهم.

(الموسوعة الفقهية، ج: ۲۷، ص: ۲۳۹)

(۳۳۸): فی الموسوعة الفقهية: تستحب الصلاة عليه ﷺ خارج الصلاة في

لدهیانوی کراچی)



کیا بیت الخلا میں اسم ”محمد“ سن کر درود پڑھنا چاہئے؟

﴿سوال﴾:

اگر کوئی بیت الخلا میں ہو تو ”محمد“ کا نام سن کر وہاں بھی درود پڑھیں یا خاموش رہیں؟

﴿جواب﴾:

بیت الخلا میں کچھ بھی پڑھنے کی اجازت نہیں (۳۳۹)۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل، ج: ۱، ص: ۲۰۰، ط، مکتبہ لدهیانوی کراچی)



كل الأوقات، تتأكد في مواطن منها: يوم الجمعة وليلتها، وعند الصباح، وعند المساء، وعند دخول المسجد، والخروج منه، وعند قبره صلی اللہ علیہ وسلم وعند اجابة المؤذن، وعند الدعاء، وبعده وعند السعي بين الصفا والمروة، وعند اجتماع القوم، وتفرقهم، وعند ذكر اسمه صلی اللہ علیہ وسلم، وعند الفراغ من التلبية، وعند استلام الحجر، وعند القيام من النوم، وعقب ختم القرآن، وعند الهم والشدائد، وطلب المغفرة، وعند تبليغ العلم الى الناس، وعند الوعظ، والقاء الدرس، وعند خطبة الرجل المرأة في النكاح. (الموسوعة الفقهية، ج: ۲۷، ص: ۲۳۷)

(۳۳۹): في الموسوعة الفقهية: وقد صرح الحنفية بأن الكراهة في حال قضاء الحاجة سواء كانت بولا أو غائطاً، وأنه يكره التكلم كذلك في موضع الخلاء ولو في غير حال قضاء الحاجة. (الموسوعة الفقهية، ج: ۳۴، ص: ۱۱۰)

الفتاوى الهندية، قبيل كتاب الصلاة، ج: ۱، ص: ۵۰)

صیغہ خطاب کے ساتھ صلوٰۃ و سلام پڑھنا

﴿ سوال ﴾:

قرآن مجید میں صلوٰۃ علیہ ہے، کیا ”صلی اللہ علیک یا رسول اللہ“ پڑھنے سے درود کا حق ادا ہو جاتا ہے؟

﴿ جواب ﴾:

خطاب کے صیغے کے ساتھ صلوٰۃ و سلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اقدس پر کہنا چاہئے، دوسری جگہ غائب کے صیغے سے کہنا چاہئے، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے درود شریف کے جو صیغے امت کو تعلیم فرمائے ہیں، وہ غائب کے صیغے ہیں (۳۵۰)۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل، ج: ۱، ص: ۲۰۱، ط، مکتبہ لدھیانوی کراچی)



”حضور“ کا لفظ استعمال کرنا

﴿ سوال ﴾:

مودبانہ عرض کی جاتی ہے کہ آپ یہ بتا دیجئے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کے بارے میں ”حضور“ کا لفظ استعمال کرنا کیسا ہے؟ بعض علمائے کرام سے سنا ہے کہ یہ الفاظ استعمال کرنا درست نہیں ہے۔

(۳۵۰): وعن أبي حميد الساعدي قال: قالوا: يا رسول الله! كيف نصلي عليك؟ فقال رسول الله ﷺ: قولوا: اللهم صل على محمد وأزواجه وذريته كما صليت على آل إبراهيم وبارك على محمد وأزواجه وذريته كما باركت على آل إبراهيم انك حميد حميد. متفق عليه. (مشكاة المصابيح، كتاب الصلاة، باب الصلاة على النبي ﷺ، ص: ۸۶، ط، قدیمی کتب خانہ کراچی)

﴿جواب﴾:

”حضور“ ادب واحترام کا لفظ ہے (۳۵۱)، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات عالی کے لئے اس کا استعمال اردو محاورے میں عام ہے، اس کو شرک و کفر کہنا غلط اور نامہنی ہے۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل، ج: ۱، ص: ۲۰۱، ط، مکتبہ لدھیانوی کراچی)



حق تعالیٰ کے آنحضرت ﷺ پر درود بھیجنے کا معنی

﴿سوال﴾:

اللہ تعالیٰ کس طرح نبی اکرم ﷺ پر درود بھیجتے ہیں وہ الفاظ صحیح حدیث سے بیان فرمائیں۔

﴿الجواب﴾:

ہماری طرف سے درود شریف کی حقیقت یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے لئے رحمت خاصہ کے نزول کی اللہ تعالیٰ سے دعا کی جائے۔ اور حق تعالیٰ کی طرف سے درود کے یہ معنی ہیں کہ حق جل شانہ اپنی رحمت خاصہ آنحضرت ﷺ پر نازل فرماتے ہیں (۳۵۲)۔ پس انسانوں کے درود کے لئے الفاظ کی حاجت ہے اور اللہ تعالیٰ کے درود کے لئے الفاظ کی حاجت نہیں۔ لہذا یہ سوال غلط ہے کہ اللہ تعالیٰ کے درود شریف کے الفاظ کون سے ہیں۔ فقط

(۳۵۱): حضرت: اسم مذکر۔ نزدیک، درگاہ، قریب، جناب، حضور، قبلہ،

تعظیم وعزت کا لقب۔ (رابعہ اردو لغت جامع، ص: ۴۹۲)

(۳۵۲): فی الجامع لأحكام القرآن: والصلاة من الله رحمته ورضوانه، ومن

الملائكة الدعاء والاستغفار، ومن الأمة الدعاء والتعظيم لأمره. (الجامع لأحكام

القرآن، سورة الأحزاب، الآية: ۵۶، ج: ۱۷، ص: ۲۱۴، ط، مؤسسة الرسالة بيروت

واللہ اعلم۔ (خیر الفتاویٰ، ج: ۱، ص: ۳۱۲، ۳۱۳، ط، مکتبہ امدادیہ ملتان)



درود شریف میں ”آل محمد“ سے کون لوگ مراد ہیں؟

﴿سوال﴾:

درود شریف میں ”آل محمد علیہ السلام“ سے کیا مراد ہے؟ آج کل کے بعض سید حضرات بھی اپنے آپ کو اس آل میں شامل سمجھتے ہیں۔ پوچھنا یہ ہے کہ اگر ”آل“ سے مراد حضور علیہ السلام کی بیٹیوں کی اولاد ہے تو یہ نسل کہاں پہ ختم ہوتی ہے؟ آج کل بعض ڈوم، ڈنگر، مراٹی حضرات بھی شیعہ بن کر سادات برادری میں داخل ہو رہے ہیں، ان کے لئے کیا حکم ہے؟

﴿جواب﴾:

”آل محمد“ (علیہ السلام) میں آنحضرت ﷺ کی اولاد بھی داخل ہے۔ اور آپ ﷺ کے اہل خانہ اور متبعین بھی (۳۵۳)۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل، ج: ۱، ص: ۲۰۱، ط، مکتبہ لدھیانوی کراچی)



(۳۵۳): فی غنیۃ المستملی: (و) فی تسمیۃ رسول اللہ ونبی اللہ ثم اتبع الصلوٰۃ علیہ الصلوٰۃ والسلام بالصلوٰۃ علی (آلہ) ای اہلہ والمراد من آمن منهم (اجمعین) تأکید للشمول ورعاية للسجع والصلوٰۃ علیہم تبعاً لہ علیہ السلام مشروعیۃ بل مندوبۃ. (حلبی کبیر، ص: ۳)

وفی الشامیۃ: قوله: (وعلی آلہ) اختلف فی المراد بهم فی مثل هذا الموضع: فالأکثرون أنهم قرابۃ ﷺ الذین حرمت علیہم الصدقة علی الاختلاف فیہم. وقیل جمیع أمة الاجابة، والیہ مال مالک، واختارہ الأزہری والنووی فی شرح مسلم. وقیل غیر ذلک. شرح التحریر. وذكر القہستانی أن الثانی مختار المحققین.

عز وجل، علیہ السلام، ﷺ اور رضی اللہ عنہ کا صحیح استعمال کیا ہے؟

﴿سوال﴾:

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ان مسائل کے بارے میں (۱) کیا عز وجل اللہ کے نام کے ساتھ ہی خاص ہے؟

(۲) کیا عز وجل انبیاء علیہم السلام کے نام کے ساتھ بھی کہہ سکتے ہیں؟

(۳) کیا ﷺ حضرت محمد ﷺ کے نام کے ساتھ ہی خاص ہے؟

(۴) حضرت محمد ﷺ کے نام کے ساتھ صرف محمد ﷺ یا علیہ السلام کہہ سکتے ہیں؟

(۵) ﷺ دوسرے انبیاء علیہم السلام کے نام کے ساتھ بھی کہہ سکتے ہیں؟

(۶) علیہ السلام انبیاء علیہم السلام کے نام کے ساتھ ہی خاص ہے؟

(۷) کیا علیہ السلام کا لفظ انبیاء کے علاوہ کسی اور کے نام کے ساتھ کہنا صحیح ہے؟

(۸) حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نام کے ساتھ علیہ السلام کہنا صحیح ہے؟

(۹) رضی اللہ عنہ صرف صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے نام کے ساتھ ہی

خاص ہے؟

(۱۰) کیا رضی اللہ عنہ کا لفظ غیر صحابہ کے نام کے ساتھ لکھنا اور کہنا صحیح ہے؟

﴿الجواب باسم الملك الوهاب﴾:

(۱) عز وجل اللہ تعالیٰ کے نام ہی کے ساتھ کہنا چاہئے۔

”کما ان قولنا عز وجل مخصوص باللہ

تعالیٰ“..... (شامی: ۵/۵۳۱)

”کما ان قولنا عز وجل مخصوص باللہ سبحانہ

تعالیٰ“..... (تفسیر ابن کثیر: ۲۲۸/۵)

(۲) اللہ تعالیٰ کے نام کے علاوہ کسی کے نام کے ساتھ عزوجل کہنا جائز نہیں۔

”فلا يقال محمد عزوجل وان كان عزيزا جليلا“.....

(شامی: ۵/۵۳۱)

”فكما لا يقال محمد عزوجل وان كان عزيزا

جليلا“..... (تفسیر ابن کثیر: ۲۲۸/۵)

(۳) ﷺ حضور کے ساتھ خاص ہے۔

”واميل اليه ما قاله مالك وسفيان واختاره غير

واحد من الفقهاء والمتكلمين انه يجب تخصيص النبي ﷺ

وسائر الانبياء بالصلوة والتسليم كما يختص الله سبحانه

عند ذكره بالتقديس والتزنية“..... (شامی: ۵/۵۳۱)

(۴) حضرت محمد ﷺ کے نام کے ساتھ ﷺ پورا کہنا چاہئے صرف علیہ السلام نہ

کہنا چاہئے۔

”بان يقول اللهم صل على محمد وآله وصحبه وسلم

لان فيه تعظيم النبي ﷺ“..... (شامی: ۵/۵۳۱)

”قال النووي اذا صلى على النبي ﷺ فليجمع بين

الصلوة والتسليم فلا يقتصر على احدهما فلا يقول ﷺ فقط

ولا عليه السلام فقط وهذا الذي قاله منتزع هذه الآية

الكريمة وهي قوله يا ايها الذين آمنوا صلوا عليه وسلموا

تسليما، فالاولى ان يقال ﷺ وسلم تسليما“..... (تفسیر ابن

کثیر: ۲۲۹/۵)

(۵) انبیاء اور ملائکہ کے علاوہ کسی پر صلوٰۃ و درود بطریق استقلال جائز نہیں ہے۔

”وسائر الانبياء بالصلوة والتسليم كما يختص الله سبحانه عند ذكره بالتقديس والتنزيه“..... (شامى: ٥/٥٣١)

”وقال الجمهور من العلماء لا يجوز افراد غير الانبياء بالصلوة لان هذا قد صار شعارا للانبياء اذا ذكروا فلا يلحق بهم غيرهم، وقال آخرون لا يجوز ذلك لان الصلوة على غير الانبياء قد صارت من شعار اهل الاهواء يصلون على من يعتقدون فيهم فلا يقتدى بهم فى ذلك والصحيح الذى عليه الاكثرون انه مكروه كراهة تنزيه لانه شعار اهل البدع وقد نهينا عن شعارهم والمعتمد فى ذلك ان الصلوة صارت مخصوصة فى لسان السلف بالانبياء صلوات الله وسلامه عليهم“. (تفسير ابن كثير: ٢٢٨ / ٥)

”والظاهر ان العلة فى منع الاسلام ما قاله النووى فى علة منع الصلوة ان ذلك شعار اهل البدع ولان ذلك مخصوص فى لسان السلف بالانبياء عليهم الصلوة والسلام كما ان قولنا عز وجل مخصوص بالله تعالى فلا يقال محمد عز وجل وان كان عزيزا جليلا واميل اليه ما قاله مالك وسفيان واختاره غير واحد من الفقهاء والمتكلمين انه يجب تخصيص النبى ﷺ وسائر الانبياء بالصلوة والتسليم كما يختص الله سبحانه عند ذكره بالتقديس والتنزيه واما السلام فنقل اللقانى فى شرح جوهره التوحيد عن الامام الجونى انه فى معنى الصلوة فلا يستعمل فى الغائب ولا يفرد به غير الانبياء“... (شامى: ٥/٥٣١)

”وقال الجمهور من العلماء لا يجوز افراد غير
الانبياء بالصلوة لان هذا قد صار شعارا للانبياء اذا ذكروا فلا
يلحق بهم غيرهم فلا يقال قال ابوبكر رضي الله عنه او قال علي رضي الله عنه
وان كان المعنى صحيحا كما لا يقال قال محمد عز وجل.“
(تفسير ابن كثير: ۲۲۸ / ۵)

(۶) اور صرف سلام غیر نبی پر اگر اس میں شیعہ اور اہل الہواء اور اہل البدع کے
ساتھ قصد تشبیہ نہ ہو تو پھر جائز ہے ورنہ بصورت دیگر جائز نہیں ہے۔

”ولا يصلى على غير الانبياء ولا غير الملائكة
الابطريق التبع (قوله ولا يصلى على غير الانبياء) لان في
الصلوة من التعظيم ما ليس في غير بها من الدعوات وهي
زيادة الرحمة والقرب من الله تعالى ولا يليق ذلك بمن
يتصور منه خطايا والذنوب الا تبعا بان يقول اللهم صل على
محمد وآله وصحبه وسلم لان فيه تعظيم النبي صلی اللہ علیہ وسلم
“.(شامی: ۵۳۱ / ۵)

(۷) حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نام کے ساتھ علیہ السلام کہنا صحیح نہیں ہے۔
”واما السلام فنقل اللقانی فی شرح جوہرة التوحید
ین الامام الجونی انه فی معنی الصلوة فلا يستعمل فی الغائب
ولا یفرد به غیر الانبياء فلا يقال على عليه السلام، وسواء فی
هذه الاحياء والاموات الا فی الحاضر فيقال السلام او سلام
عليك او عليكم وهذا مجمع عليه“..... (شامی: ۵۳۱ / ۵)

”وقال الجمهور من العلماء لا يجوز افراد غير الانبياء
بالصلوة لان هذا قد صار شعارا للانبياء اذا ذكروا فلا يلحق

بهم غيرهم فلا يقال قال ابوبكر عليه السلام او قال علي عليه السلام وان كان المعنى صحيحا كما لا يقال قال محمد عزوجل.

(تفسير ابن كثير: ٢٢٨ / ٥)

” قال آخرون لا يجوز ذلك لان الصلوة على غير الانبياء قد صارت من شعار اهل الاهواء يصلون على من يعتقدون فيهم فلا يقتدى بهم في ذلك والصحيح الذي عليه الاكثرون انه مكروه كراهة تنزيه لانه شعار اهل البدع ونهينا عن شعارهم“ (تفسير ابن كثير: ٢٢٨ / ٥)

” والظاهر ان العلة في منع الاسلام ما قاله النووي في علة منع الصلوة ان ذلك شعار اهل البدع ولان ذلك مخصوص في لسان السلف بالانبياء عليهم الصلوة والسلام كما ان قولنا عزوجل مخصوص بالله تعالى فلا يقال محمد عزوجل وان كان عزيزا جليلا“ (شامى: ٥٣١ / ٥)

(٨) عليه السلام انبياء عليهم السلام کے نام کے ساتھ ہی خاص ہے۔

”واميل اليه ما قاله مالک وسفيان واختاره وغيره واحد من الفقهاء والمتكلمين انه يجب تخصيص النبي صلی اللہ علیہ وسلم وسائر الانبياء بالصلوة والتسليم كما يختص الله سبحانه عند ذكره بالتقديس والتنزية“ (شامى: ٥٣١ / ٥)

”ولان ذلك مخصوص في لسان السلف بالانبياء عليهم الصلوة والسلام كما ان قولنا عزوجل مخصوص بالله تعالى فلا يقال محمد عزوجل وان كان عزيزا جليلا“ (شامى: ٥٣١ / ٥)

”والمعتمد في ذلك ان الصلوة صارت مخصوصة
في لسان السلف بالانبياء صلوات الله وسلامه عليهم“.

(تفسير ابن كثير: ۲۲۸ / ۵)

(۹) رضی اللہ تعالیٰ عنہ صرف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے نام کے ساتھ ہی

خاص ہے۔

”كما قال الله تعالى رضي الله عنهم ورضوا عنه

.....“ (شامی: ۵۳۱ / ۵)

”قوله يستحب الترضي للصحابه لانهم كانوا

يبالغون في طلب الرضا من الله تعالى ويجتهدون في فعل ما

يرضيه ويرضون بما يلحقهم من الابتلاء من جهته اشد الرضا

فهؤلاء احق بالرضا وغيرهم لا يلحق ادناهم ولو انفق ملء

الارض ذهباً.....“ (شامی: ۵۳۲ / ۵)

”على الراجح ذكره القرمانی وقال الزيلعي الاولى

ان يدعوا للصحابه بالترضي وللتابعين بالرحمة ولمن بعدهم

بالمغفرة والتجاوز.....“ (در علی الشامی: ۵۳۲ / ۵)

(۱۰) صحابہ رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے علاوہ تابعین اور علماء کے نام کے ساتھ

رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کہنا چاہیے اور اس کا عکس بھی جائز ہے۔

”والترحم للتابعين ومن بعدهم من العلماء والعباد

وسائر الاخيار وكذا يجوز عكسه للترحم للصحابه والترضي

للتابعين ومن بعدهم على الراجح ذكره القرمانی وقال

الزيلعي الاولى ان يدعوا للصحابه بالترضي وللتابعين

بالرحمة ولمن بعدهم بالمغفرة والتجاوز.....“ (در علی

الشامی: (۵/۵۳۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ (ارشاد المفتین، ج: ۱، ص: ۲۹۵ تا ۲۹۹، ط، مکتبۃ الحسن لاہور)



انبیائے کرام علیہم السلام اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے ناموں کے ساتھ
کیا لکھا جائے؟

﴿سوال﴾:

آٹھویں جماعت کی انگریزی کی کتاب (انگلش میڈیم) میں ایک سبق ہے: ”حضرت علی“ اور بریکٹ میں Peace Be Upon Him لکھا ہوا ہے، جو ”صلی اللہ علیہ وسلم“ کا انگلش ترجمہ ہے۔ اسی طرح فارسی کی ہشتم جماعت کی کتاب میں حضرت علیؑ اور حضرت امام حسینؑ کے ساتھ ”علیہ السلام“ لکھا ہوا ہے۔ کیا پیغمبروں کے علاوہ صحابہ کبارؓ کے ساتھ یہ الفاظ استعمال کئے جاسکتے ہیں؟ اگر اس کا جواب نفی میں ہے تو آپ اپنے موقر جریدے کی وساطت سے اسے نصاب کمیٹی اور اعلیٰ حکام و عمال حکومت کے نوٹس میں لائیں۔

﴿جواب﴾:

اہل سنت والجماعت کے یہاں ”صلی اللہ علیہ وسلم“، اور ”علیہ السلام“ انبیائے کرام کے لئے لکھا جاتا ہے، صحابہ کے لئے ”رضی اللہ عنہ“ لکھنا چاہئے، اور حضرت علی کے نام نامی پر ”کرم اللہ وجہہ“ بھی لکھتے ہیں (۳۵۴)، متعلقہ حضرات کو آپ کی اس تنبیہ پر شکریہ کے

(۳۵۴): فی تفسیر ابن کثیر: وقال الجمهور من العلماء: لا يجوز افراد غير الانبياء بالصلاة، لأن هذا قد صار شعاراً للأنبياء اذا ذكروا، فلا يلحق بهم غيرهم، فلا يقال: قال أبو بكر صلى الله عليه. أو قال: علي صلى الله عليه. وان كان المعنى صحيحاً، كما لا يقال: قال محمد عز وجل، وان كان عزيزاً جليلاً، لأن هذا من شعار

ساتھ غور کرنا چاہئے۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل، ج: ۱، ص: ۲۰۱، ۲۰۲، ط، مکتبہ لدھیانوی کراچی)



ذكر الله، عزوجل. وحملوا ما ورد في ذلك من الكتاب والسنة على الدعاء لهم، ولهذا لم يثبت شعاراً لآل أبي أوفى، ولا لجابر وامراته. وهذا مسلك حسن. وقال آخرون: لا يجوز ذلك، لأن الصلاة على غير الأنبياء قد صارت من شعار أهل الأهواء، يصلون على من يعتقدون فيهم، فلا يقتدى بهم في ذلك. والله اعلم.

ثم اختلف المانعون من ذلك: هل هو من باب التحريم، أو الكراهة التنزيهية، أو خلاف الأولى؟ على ثلاثة أقوال، وحكاها الشيخ أبو زكريا النووي في كتاب الأذكار. ثم قال: والصحيح الذي عليه الأكثر أن مكروهه، كراهة تنزيهية، لأنه شعار أهل البدع، وقد نهينا عن شعارهم، والمكروه هو ما ورد فيه نهى مقصود. قال أصحابنا: والمعتمد في ذلك أن الصلاة صارت مخصوصة في اللسان بالأنبياء، صلوات الله وسلامه عليهم، كما أن قولنا عزوجل، مخصوص بالله سبحانه وتعالى، فكما لا يقال: محمد عزوجل، وإن كان عزيزاً جليلاً، لا يقال أبوبكر أو علي صلى الله عليه. هذا لفظه بحروفه. قال: وأما السلام، فقال الشيخ أبو محمد الجويني من أصحابنا: هو في معنى الصلاة، فلا يستعمل في الغائب، ولا يفرد به غير الأنبياء، فلا يقال: علي عليه السلام، وسواء في هذا الأحياء والأموات. وأما الحاضر فيخاطب به فقال: سلام عليك، والسلام عليك، أو عليكم، وهذا مجمع عليه، انتهى ما ذكره. قلت: وقد غلب هذا في عبارة كثير من النساخ لكتب أن يفرد على رضى الله عنه بأن يقال: عليه السلام من دون سائر الصحابة، أو كرم الله وجهه. وهذا وإن كان معناه صحيحاً، ولكن ينبغي أن يسوى بين الصحابة في ذلك، فإن هذا من باب التعظيم والتكريم، فالشيخان وأمير المؤمنين عثمان أولى بذلك منه رضى الله عنهم أجمعين. (تفسير ابن كثير، سورة الاحزاب، الآية: ۵۶، ج:

اجداد نبی ﷺ کے ساتھ رحمۃ اللہ علیہ کہنے والے امام کا حکم

﴿ سوال ﴾:

محترم المقام جناب مفتی صاحب دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک! عرض یہ ہے کہ گزشتہ جمعہ کو ہمارے پیش امام صاحب نے وعظ کے دوران حضور اکرم ﷺ کے دادا عبدالمطلب کے نام کیساتھ رحمۃ اللہ علیہ کہا کرتے تھے۔ مزید یہ بھی کہہ رہے تھے کہ ہاشم کی پشت سے تلبیہ کی آواز آرہی تھی۔ میں نے ان امام صاحب کو عبدالمطلب کے نام کیساتھ رحمۃ اللہ علیہ پڑھنے سے منع کیا۔ اور دوسری بات کے متعلق بھی توجہ دلائی کہ یہ دونوں باتیں صحیح نہیں ہیں لیکن ان کا کہنا ہے کہ یہ باتیں تواریخ کی کتابوں میں لکھی ہوئی ہیں اور صحیح ہیں اس سلسلے میں میں نے مولانا محمد یوسف بنوری صاحب، مفتی محمد شفیع صاحب کورنگی اور احتشام الحق تھانوی

۶، ص: ۴۷۸، ط، دار طیبة)

وفی الدرالمختار: (ويستحب الترضى للصحابه) وكذا من اختلف في نبوته كذى القرنين ولقمان، وقيل يقال صلى الله على الأنبياء وعليه وسلم كما في شرح المقدمة للقرماني.

(والترحم للتابعين ومن بعدهم من العلماء والعباد وسائر الأخيار، وكذا يجوز عكسه) الترحم للصحابه والترضى للتابعين ومن بعدهم. (على الراجح) ذكره القرماني. وقال الزيلعي: الأولى أن يدعو للصحابه بالترضى وللتابعين بالرحمة ولمن بعدهم بالمغفرة والتجاوز.

وفى الشاميه تحته: قوله: (ويستحب الترضى للصحابه) لأنهم كانوا يبالغون في طلب الرضا من الله تعالى ويجتهدون في فعل ما يرضيه، ويرضون بما يلحقهم من الابتلاء من جهته أشد الرضاء، فهو لاء أحق بالرضا وغيرهم لا يحلق أدناهم ولو أنفق ملء الأرض ذهباً. زيلعي. (ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الحثي، ج: ۱۰،

ص: ۴۸۵، ط، دار عالم الكتب رياض)

صاحب سے رجوع کیا۔ جس میں مولانا محمد یوسف بنوری صاحب نیوٹاؤن کا جواب موصول ہوا۔ انہوں نے دونوں باتوں کو غلط قرار دیا ہے۔ میں نے وہی فتویٰ امام صاحب کو دکھایا۔ لیکن امام صاحب نے نہیں مانا تو اس صورت میں واقعی اگر دونوں باتیں غلط ہوں تو اس امام کے پیچھے اقتداء کرنا کیسا ہے؟ اور ان باتوں کا کیا بنے گا، بینواتو جروا

﴿الجواب﴾:

صحیح مسلم وغیرہ کے روایات میں مصرح ہے کہ جب پیغمبر علیہ السلام نے ابوطالب کو اسلام کی طرف بلایا تو اس نے کہا ہو علی ملة عبد المطلب (۳۵۵) اور پیغمبر علیہ السلام نے اس کی تردید نہیں کی تو اس سے معلوم ہوا کہ عبد المطلب اسلام پر نہیں گزرا ہے لیکن بعض ضعیف اقوال میں آیا ہے کہ پیغمبر علیہ السلام کے تمام آباء واجداد تو حید پر گزرے ہیں اور اس کو ابوحیان وغیرہ نے مردود کہا ہے۔ (فلیراجع الی فتح الملہم ص ۳۷۳ جلد ۱) لہذا عبد المطلب کا حکم دیگر ان اموات کا ہوگا جو کہ زمانہ فترت میں مرچکے ہیں۔

(۳۵۵): عن سعید بن المسيب، عن أبيه، قال: لما حضرت أبا طالب الوفاة، جاءه رسول الله ﷺ، فوجد عنده أبا جهل، وعبد الله بن أبي أمية بن المغيرة، فقال رسول الله ﷺ: يا أعم، قل: لا إله إلا الله، كلمة أشهد لك بها عند الله فقال أبو جهل وعبد الله بن أبي أمية: يا أبا طالب، أترغب عن ملة عبد المطلب؟ فلم يزل رسول الله ﷺ يعرضها عليه، ويعيد له تلك المقالة، حتى قال أبو طالب آخر ما كلمهم: هو علي ملة عبد المطلب، وأبى أن يقول: لا إله إلا الله. فقال رسول الله ﷺ: أما والله، لأستغفرن لك ما لم أنه عنك فأنزل الله عز وجل: ﴿مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أَوْلَىٰ قَرَبَىٰ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ﴾ [التوبة: ۱۱۳] وأنزل الله تعالى في أبي طالب، فقال لرسول الله ﷺ: ﴿إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ﴾ [القصص: ۵۶]. (صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب الدلیل علی صحة

یعنی ان کا جہنمی ہونا یا میدان محشر میں ان سے امتحان لینا۔ لہذا ان کے ساتھ رحمۃ اللہ علیہ نہیں کہنا چاہئے اور اگر کوئی کہے تو قول ضعیف کے تحقیق کی وجہ سے اشد انکار نہیں کرنا چاہئے اور ان کے پیچھے اقتداء کرنا چاہئے بشرطیکہ باقی اعتقادات بھی صحیح ہوں۔ وهو الموفق۔ (فتاویٰ فریدیہ، ج: ۱، ص: ۲۵۸، ۲۵۹)



غیر انبیاء کے لیے علیہم السلام کا لفظ استعمال کرنے کا حکم

﴿ سوال ﴾:

کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام ان مسائل کے بارے میں کہ:

- (۱) استخارہ کرنے میں اسلام میں کیا اجازت ہے؟ کیا استخارہ کے ذریعے آنے والے وقت کے کام کا پتہ لگایا جاسکتا ہے کہ وہ ہمارے حق میں بہتر ہے یا نہیں؟
 - (۲) انبیاء علیہم السلام کے ناموں کے ساتھ علیہ السلام لکھا جاتا ہے، کیا انبیاء علیہم السلام کے بعد آنے والے صحابی، امام، یا کسی بھی اولیاء کرام یا بزرگان دین کے ساتھ لکھا جاسکتا ہے؟ ملائکہ یا ان کے علاوہ کن ہستیوں کے ناموں کے ساتھ لکھنا چاہئے؟
- قرآن و حدیث کے مطابق بیان کر دیں، نیز احادیث کے حوالے بھی تحریر کر دیں۔

﴿ الجواب باسم الملك الوهاب ﴾:

- (۱) جب کوئی انسان کام کرنے کا ارادہ کرے تو اللہ تعالیٰ سے رہنمائی لینے کو استخارہ کہتے ہیں، حدیث مبارکہ میں اس کی بہت ترغیب آئی ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے رہنمائی نہ لینا بد بختی اور کم نصیبی کی بات ہے، کہیں منگنی، بیاہ کرے یا کوئی اور کام کرے تو استخارہ کر کے، کرنے سے ان شاء اللہ تعالیٰ کبھی اپنے کئے پر پشیمانی نہ ہوگی، البتہ استخارہ کے ذریعے آنے والے وقت کے اچھے یا برے ہونے کا معلوم ہو جانا ثابت نہیں۔
- (۲) ملائکہ و انبیاء علیہم السلام کے علاوہ دوسرے بزرگوں کے ناموں کے ساتھ علیہ

السلام کا استعمال درست نہیں، یہ لفظ ملائکہ و انبیاء علیہم السلام کے ساتھ مخصوص ہے، البتہ دیگر بزرگوں کے ناموں کے ساتھ تبعاً استعمال کی گنجائش ہے، جیسے کسی نبی کے ذکر کے ساتھ ان کی آل اولاد یا صلحاء کا ذکر آجائے تو سب کے لیے علیہم السلام کا استعمال کرنا جائز ہے، نیز مستحب یہ ہے کہ صحابہ کرام کے اسماء کے ساتھ رضی اللہ عنہ اور بزرگان دین کے ناموں کے ساتھ رحمۃ اللہ علیہ کا لفظ استعمال کیا جائے، البتہ اس کے برعکس بھی جائز ہے یعنی صحابہ کرام کے نام کے ساتھ ترجم اور بزرگان دین کے نام کے ساتھ ترضی کے صیغہ کا استعمال جائز ہے، جیسا کہ علامہ مصطفیٰ رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

”ولا یصلی علی غیر الانبیاء ولا علی غیر الملائکۃ

الابطریق التبع وهل یجوز الترحم علی النبی قولان زیلعی

قلت وفی الذخیرۃ انه یکرہ جوزہ السیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ

تبعاً لا استقلالاً فلیکن التوفیق وباللہ التوفیق ویستحب

الترضی للصحابة وکذا من اختلف فی نبوتہ کذی القرنین

ولقمان وقیل یقال صلی اللہ علی الانبیاء وعلیہ وسلم کما

فی شرح المقدمة للقرمانی والترحم للتابعین ومن بعدہم من

العلماء والعباد وسائر الاخیار وکذا یحوز عکسہ وهو

الترحم للصحابة والترضی للتابعین ومن بعدہم علی الراجح

ذکرہ القرمانی وقال الزیلعی الاولی ان یدعوا للصحابة

بالترضی وللتابعین بالرحمة ولمن بعدہم بالمغفرة

والتجاوز“۔ (۵۳۲، ۵۳۱/۵) واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

(ارشاد المفتین، ج: ۱، ص: ۲۸۸، ۲۸۹، ط، مکتبۃ الحسن

لاہور)



غیر پیغمبر کو علیہ السلام کہنا یا لکھنا

﴿سوال﴾:

غیر پیغمبر کے لئے علیہ السلام کہنا یا لکھنا جائز ہے یا نہیں؟

﴿الجواب وبالله التوفیق﴾:

غیر نبی کے لئے علیہ السلام کہنا یا لکھنا درست نہیں ہے۔ یہ انبیاء علیہم السلام کے ساتھ خاص ہے (۳۵۶)۔ (فتاویٰ دارالعلوم وقف دیوبند، ج: ۱، ص: ۲۱۳، ط، حجت الاسلام اکیڈمی)



(۳۵۶): فی تفسیر ابن کثیر: وقال الجمهور من العلماء: لا يجوز افراد غير الأنبياء بالصلاة، لأن هذا قد صار شعاراً للأنبياء إذا ذكروا، فلا يلحق بهم غيرهم، فلا يقال: قال أبو بكر صلى الله عليه. أو قال: على صلى الله عليه. وإن كان المعنى صحيحاً، كما لا يقال: قال محمد عز وجل، وإن كان عزيزاً جليلاً، لأن هذا من شعار ذكر الله، عز وجل. وحملوا ما ورد في ذلك من الكتاب والسنة على الدعاء لهم، ولهذا لم يثبت شعاراً لآل أبي أوفى، ولا لجابر وامراته. وهذا مسلك حسن. وقال آخرون: لا يجوز ذلك، لأن الصلاة على غير الأنبياء قد صارت من شعار أهل الأهواء، يصلون على من يعتقدون فيهم، فلا يقتدى بهم في ذلك. والله اعلم.

ثم اختلف المانعون من ذلك: هل هو من باب التحريم، أو الكراهة التنزيهية، أو خلاف الأولى؟ على ثلاثة أقوال، وحكاها الشيخ أبو زكريا النووي في كتاب الأذكار. ثم قال: والصحيح الذي عليه الأكثر أن مكروهه، كراهة تنزية، لأنه شعار أهل البدع، وقد نهينا عن شعارهم، والمكروه هو ما ورد فيه نهى مقصود. قال أصحابنا: والمعتمد في ذلك أن الصلاة صارت مخصوصة في اللسان

حدیث شریف میں ”رضی“ کی علامت

﴿سوال﴾:

حدیث شریف کے ایک سے زیادہ روایوں کا نام جب لکھا جاتا ہے تو عموماً آخری نام پر درج ہوتا ہے، جیسے ”مغیرہ بن شعبہؓ“ کیا جس نام پر یہ نہ لکھا ہو، وہ صحابی رسول نہیں ہوتے؟

﴿الجواب﴾:

”رضی اللہ عنہ“ کی علامت ہے، عام طور سے حدیث کے آخر میں صحابی کا نام آتا ہے، اس پر ”رضی اللہ عنہ و عنہم“ کہتے ہیں، جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس صحابی کے لئے بھی دعا ہوئی اور صحابی سے پہلے جتنے راوی آئے ہیں وہ بھی دعا میں شریک ہو گئے۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل، ج: ۱، ص: ۲۰۲، ط، مکتبہ لدھیانوی کراچی)



بالأنبياء، صلوات اللہ وسلامہ علیہم، كما أن قولنا عز وجل، مخصوص باللہ سبحانہ وتعالیٰ، فکما لایقال: محمد عز وجل، و ان کان عزیزاً جلیلاً، لایقال أبوبکر أو علی صلی اللہ علیہ. هذا لفظه بحروفه. قال: وأما السلام، فقال الشيخ أبو محمد الجوينی من أصحابنا: هو فی معنی الصلاة، فلا یستعمل فی الغائب، ولا یفرد به غیر الأنبياء، فلا یقال: علی علیہ السلام، وسواء فی هذا الأحياء والأموات. وأما الحاضر فیخاطب به فقال: سلام علیک، والسلام علیک، أو علیکم، وهذا مجمع علیہ، انتهى ما ذكره. قلت: وقد غلب هذا فی عبارة كثير من النساخ لكتب أن یفرد علی رضی اللہ عنہ بأن یقال: علیہ السلام من دون سائر الصحابة، أو کرم اللہ وجہہ. وهذا وان کان معناه صحیحاً، ولكن ینبغي أن یسوی بین الصحابة فی ذلك، فان هذا من باب التعظیم والتکریم، فالشیخان وأمیر المؤمنین عثمان أولى بذلك منه رضی اللہ عنہم أجمعین. (تفسیر ابن کثیر، سورة الاحزاب، الآیة: ۵۶، ج: ۶،

کیا خود آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام پر بھی درود پڑھنا واجب تھا؟

﴿سوال﴾:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کیا آنحضرت علیہ السلام پر خود بھی اپنے پر درود پڑھنا واجب تھا جیسے کہ آیت ”یا ایہا الذین آمنوا علیہ وسلموا تسلیما“ کے عموم سے معلوم ہوتا ہے۔

﴿الجواب﴾:

خود آنحضرت ﷺ اس آیت کے حکم سے مستثنیٰ تھے۔ یہ خطاب آپ کے علاوہ باقی تمام مؤمنین کو ہے۔

وفی المجتبیٰ لایجب علی النبی ﷺ ان یصلی علی نفسه اہ (درمختار) وفی الشامیۃ لانہ غیر مراد بخطاب صلوا ولا داخل تحت ضمیرہ کما ہو المتبادر من ترکیب صلوا علیہ وقال فی النہر لا یجب علیہ بناء علی ان یا ایہا الذین آمنوا لا یتناول الرسول ﷺ بخلاف یا ایہا الناس، یا عبادی کما عرف الاصول اہ والحکمة فیہ واللہ تعالیٰ اعلم انها دعاء وکل شخص مجبول علی الدعاء لنفسہ وطلب الخیر لها فلم یکن فیہ کلفة والایجاب من خطاب التکلیف لایکون الا فیما فیہ کلفة ومشقة علی النفس و منافرة لطبعها لیتحقق الابتلاء اہ (۳۵۷) (ج ۱: ص ۴۸۱) فقط واللہ اعلم۔ (خیر

ص: ۴۷۸، ط، دار طیبہ)

(۳۵۷): (ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب الصلوٰۃ، باب صفة الصلوٰۃ، مطلب

لا یجب علیہ أن یصلی علی نفسه صلی اللہ علیہ وسلم، ج: ۲، ص: ۲۲۶، ط، دار عالم

الفتاویٰ، ج: ۱، ص: ۳۲۹، ط، مکتبہ امدادیہ ملتان



درود شریف لکھنے کا صحیح طریقہ

﴿سوال﴾:

درود شریف لکھنے کا صحیح طریقہ کیا ہے؟ ”صلی اللہ علیہ وسلم“ یا ”صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم“؟

جواب:

دونوں صحیح ہیں، اور دوسرے میں ”وآلہ“ کا اضافہ ہے، یہ زیادہ بہتر ہے (۳۵۸)، ”رحمت نازل فرمائیں اللہ تعالیٰ آپ ﷺ پر اور آپ کی آل پر اور سلام بھیجیں۔“ (آپ کے مسائل اور ان کا حل، ج: ۱، ص: ۱۹۹، ۲۰۰، ط، مکتبہ لدھیانوی کراچی)



الکتب ریاض

(۳۵۸): فی الشامیۃ: وأفضل العبارات علی ما قال المرزوقی: اللّٰهُمَّ صَلِّ

علی محمد وعلی آل محمد. (ردالمختار علی الدرالمختار، مطلب أفضل صیغ الصلوة،

ج: ۱، ص: ۸۴، ط، دار عالم الکتب ریاض)

(مؤلف کی دیگر کتب و رسائل)

- (۱) فتاویٰ رشیدیہ پر ۳ جلدوں میں تحقیق و تخریج۔
- (۲) فتاویٰ دینیہ پر ۸ جلدوں میں تحقیق و تخریج۔
- (۳) مسائل جمعہ للحنفی۔
- (۴) پھلوں کی خرید و فروخت کے شرعی احکام۔
- (۵) رد الہماہم علی حسن العمائم کطلوع الغمام۔
- (۶) سید البشر محمد رسول اللہ ﷺ کی سلسلہ نسب کی مدلل تحقیق۔
- (۷) الرسالة العالیة فی تحقیق الجماعة الثانية۔
- (۸) القول التمام فی رد من قال خلاف الامام۔
- (۹) تبلیغی جماعت علمائے عرب و عجم کے آئینہ میں۔
- (۱۰) معدنیات کا شرعی حکم۔
- (۱۱) اجرت تراویح کا شرعی حکم۔
- (۱۲) نماز جنازہ پڑھانے کا حقدار کون ہے؟
- (۱۳) روزہ کی حالت میں انجکشن لگانے کا شرعی حکم۔
- (۱۴) بالوں کے شرعی احکام۔
- (۱۵) آلات موسیقی کے حرمت پر فقہائے احناف کے دلائل۔